مکمل اعراب
نظر ثانی وتصحیح
مزید اضافہ عنوانات

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

تالیف: مولانا جمیل احمد سکروڈھوی
مدرس دار العلوم دیوبند

اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظمت اللہ
رفیق دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

مکمل اعراب، نظر ثانی وتصحیح، مزید اضافہ عنوانات

مولانا آفتاب عالم صاحب فاضل وتخصص جامعہ دار العلوم کراچی
مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
مولانا محمد یامین صاحب فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار ◦ ایم اے جناح روڈ ◦ کراچی پاکستان فون: 32631861

معرب، نظر ثانی و اضافہ عنوانات والا نسخہ

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (القرآن)
اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اشرف الہدایہ

شرح اردو

هداية

جلد ہفتم

کتاب السیر
تا
فصل فی وقف المسجد

تالیف : مولانا سید امیر علی رحمۃ اللہ علیہ

اضافہ عنوانات : مولانا محمد عظمت اللہ
رفیق دار الافتاء، جامعہ فاروقیہ کراچی،

مکمل اعراب، نظر ثانی وتصحیح، مزید اضافہ عنوانات
مولانا آفتاب عالم صاحب فاضل ومتخصص جامعہ دار العلوم کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

مزید اضافہ عنوانات و تصحیح، نظرثانی شدہ جدید ایڈیشن

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : 232 صفحات
کمپوزنگ : منظور احمد

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

فہرست عنوانات

كِتَابُ اللَّقِيْطِ

كِتَابُ اللُّقَطَةِ ۱۵۷

كِتَابُ الْإِبَاقِ ۱۷۲

بسم الله الرحمن الرحيم

کِتَابُ السِّيَرِ

ترجمہ...... یہ کتاب سِیَر کے بیان میں ہے

السیر کا لغوی اور شرعی معنی

اَلسِّيَرُ جَمْعُ سِيْرَةٍ وَ هِيَ الطَّرِيْقَةُ فِي الْاُمُوْرِ وَ فِي الشَّرْعِ تَخْتَصُّ بِسِيَرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ مَغَازِيْهِ

ترجمہ...... سیر سیرۃ کی جمع ہے اور وہ کاموں میں ایک طریقہ کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس مخصوص طریقہ کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے جہاد میں برتا ہو۔

تشریح...... شریعت میں جہاد دین حق کی طرف بلانے اور جو اسے قبول نہ کرے اس سے قتال کرنے کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ عرب کے سوا جو شخص مطیع ہونے اور جزیہ دینے پر بھی راضی نہ ہو اس سے بھی قتال کرنا۔ اس جہاد کی تعریف یہ ہے انہی پوری صلاحیت کو اللہ کے راستہ میں قتال کرنے میں صرف کر دینا۔ خواہ اس طرح کہ خود اپنی ذات سے قتال کرنا یا قتال کرنے والے غازیوں کی مدد کرنا خواہ مال سے ہو یا رائے اور مشورے دے کر ہو۔ یا ان کی جمعیت اور بھیڑ بڑھا کر ہو یا کسی بھی دوسری صورت سے ہو۔ (ابن الکمال)

جہاد کے تابع رباط ہے۔ رباط کے معنی ہیں اسلام کے اس سرحد پر جس کے بعد دار الکفر ہو وہاں پر قیام کرنا۔ یہی قول مختار ہے۔ جہاد کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ کیوں نہ ہو کہ آدمی اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بہت سی مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے اپنی جان اور مال سب کچھ فدا کر دیتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ مشکل بات یہ ہے کہ ظاہر اور باطن خوشی اور غمی ہر حالت میں اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قائم رکھے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک جہاد سے لوٹتے وقت فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (ﷺ) اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا کہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا۔ میں نے عرض کیا پھر؟ آپ نے فرمایا والدین کی فرمان برداری کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اور اگر میں آپ سے اور زیادہ پوچھتا تو زیادہ ہی فرماتے۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا کام افضل ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر دل سے سچا یقین رکھنا۔ عرض کیا گیا کہ پھر کون عمل افضل ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا عرض کیا گیا کہ پھر کونسا عمل ہے فرمایا کہ حج مبرور۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ نماز، روزہ اور زکوۃ کو شامل تھا۔ یعنی جب سچا یقین کر لیا تو اس کے بعد نماز ترک کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ اسی لئے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے قسم کے ساتھ نماز فریضہ کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا۔ (رواہ الترمذی)

معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جتنے صحابہ ؓ کرام جہاد کرتے تھے وہ بخوبی نماز اور دوسرے تمام فرائض کے پابند تھے۔ اسی لئے

حضرت عمران بن حصین کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاد کی صف میں آدمی کا کھڑا ہونا۔اس کے ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔ (رواہ الحاکم)

رسول اللہ ﷺ کے وقت میں جہاد ایک اہم امر اور فرض عین تھا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ ہوگیا۔اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب یہ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) کون سا عمل ایسا ہے جو جہاد کی برابری کرے؟ فرمایا کہ تم اس کو نہیں کرسکو گے۔ یہ بات کئی بار عرض کی گئی اور آپ ہر بار یہی ارشاد فرماتے رہے۔ پھر فرمایا کہ مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال ایسے شخص سی ہے جو برابر روزے رکھے اور رات بھر نمازیں پڑھتا رہے۔کسی وقت بھی نماز اور روزہ میں سستی نہ کرے یہاں تک کہ مجاہد واپس آجائے۔(رواہ البخاری ومسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس کے وعدوں کو سچا مان کر اپنا گھوڑا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں وقف کردیا تو اس کا دانہ اور پانی سے سیراب ہونا اور اس کی لید اور پیشاب کرنا قیامت کے دن اس کے اعمال خیر کی میزان ہوگا۔(رواہ البخاری)

اور جہاد کے تابع رباط بھی ہے۔اس رباط کی فضیلت کے بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا رباط کرنا ایک مہینہ کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے۔اور اگر اس حالت میں مرگیا تو جتنے بھی نیکی کے کام کرتا تھا وہ سب برابر جاری رہیں گے۔اور اس پر اس کا رزق بھی جاری رہے گا۔اور وہ فتنوں سے محفوظ ہوگیا۔(رواہ مسلم)

اور وہ قیامت کے دن شہید کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ (الطبرانی)

اور قیامت کے فزع اکبر (سب سے زیادہ گھبرا دینے والی چیز) سے محفوظ ہوگیا۔ (رواہ ابن ماجہ والطبرانی)

اور ابوامامہ کی حدیث میں ہے کہ مرابط کی ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور اسے ایک دینار یا درہم کا خرچ کرنا سات سو اشرفیوں کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

جہاد کا حکم

قَالَ الْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ اِذَاقَامَ بِهٖ فَرِيْقٌ مِّنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ اَمَّاالْفَرْضِيَّةُ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَايُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَلِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاَرَادَبِهٖ فَرْضًا بَاقِيًا وَهُوَ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ لِاَنَّهٗ مَا فُرِضَ لِعَيْنِهٖ اِذْهُوَ اِفْسَادٌفِيْ نَفْسِهٖ وَاِنَّمَا فُرِضَ لِاِعْزَازِدِيْنِ اللهِ وَدَفْعِ الشَّرِّعَنِ الْعِبَادِ فَاِذَا حَصَلَ الْمَقْصُوْدُ بِالْبَعْضِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ كَصَلٰوةِ الْجَنَازَةِ وَرَدِّ السَّلَامِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ۔ جہاد فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگ بھی جہاد کرتے رہیں تو باقی لوگوں سے فرضیت ختم ہوجاتی ہے اس کے فرض ہونے کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً..... الاٰیۃ تم سب کے سب مل کر مشرکوں سے قتال کرو۔ جیسے کہ مشرکین سب کے سب مل کر تم سے قتال کرتے ہیں۔اور رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے بھی کہ اَلْجِهَادُ مَاضٍ .....الخ یعنی بہار قیامت تک کے لئے جاری ہے۔اس سے رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ نہیں ہے کہ لوگ جہاد کرتے رہیں گے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ جہاد قیامت تک کے لئے ایک باقی رہنے والا فرض ہے۔یعنی یہ حکم کبھی منسوخ نہیں ہوگا۔ یہ فرض اس لئے کفایہ ہے کہ جہاد بالذات فرض نہیں ہوا اس لئے وہ خود اپنے طور پر پسند بد فعل اس لئے نہیں ہے کہ اس سے فساد پھیلانا ہوتا ہے۔اور جہاد فرض اس لئے ہوا کہ اس کے ذریعے اللہ عزوجل کے دین کو عزت حاصل ہو۔اور بندوں سے شرک و فساد کا فتنہ دور ہو۔ پس اگر یہ مقصود کچھ لوگوں سے ہی حاصل ہوجائے تو باقی لوگوں کے ذمہ فرض باقی رکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔یعنی ان سے فرض ساقط ہوجائے گی۔ جیسے کہ جنازہ کی نماز اور سلام کے جواب میں ہے۔اب اگر ایک جماعت نے بھی جہاد نہیں کیا تو سب کے سب گنہگار

ہوں گے۔ کیونکہ اس کا وجوب اور فرضیت تو سب پر ہے (یعنی فرض کفایہ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ تو سب پر فرض ہے البتہ اتنی بات ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے ادا کر لیا تو باقی لوگوں سے اس کے نہ کرنے پر گناہ نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے کرنے کا ثواب صرف ان ہی لوگوں کو ہوتا ہے جنہوں نے ادا کیا ہے۔

تشریح...... قَالَ الْجِهَادُ فَرْضٌ ......الخ۔ یعنی جہاد کا حکم بھی اسی طرح فرض کفایہ ہے جیسے جنازہ کی نماز یا سلام کا جواب لازم ہے۔ کہ اگر کچھ لوگوں نے بھی جنازہ کی نماز پڑھ لی تو باقی تمام لوگوں سے بھی وہ ادا ہو گئی اور اس کی فرضیت ختم ہو گئی۔ اسی طرح اگر مجلس میں سے کسی نے بھی کسی آنے والے کے سلام کا جواب دے دیا تو مجلس کے باقی تمام لوگوں سے بھی سلام کا جواب دینا جو کہ واجب ہوتا ہے ختم ہو گیا اور اگر کسی نے بھی جنازہ کی نماز نہیں پڑھی اور یوں ہی اسے دفن کر دیا گیا یا سلام کرنے والے کو جواب نہیں دیا تو واجب اور فرض کے چھوڑنے کی وجہ سے سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ اسی طرح جہاد کا جو مقصد ہے یعنی ملک سے فساد۔ برائیاں شرک اور کفر کے فتنہ کو دور کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید اور عدل کو قائم کرنا۔ اسی لئے اگر یہ مقصد چند لوگوں کی ہمت کرنے سے ادا ہو جائے تو باقی لوگوں سے بھی فرضیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی جماعت بھی جہاد نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے بلکہ اظہر یہ ہے کہ اس ملک والے سب کے سب (جو خبر پا کر بلا عذر جہاد میں شریک نہ ہوئے) گنہگار رہوں گے۔ در مختار میں نقل کیا ہے کہ تم کو اس کا وہم نہ ہو کہ اگر شام والوں نے جہاد شروع کیا تو ہندوستان والوں سے اس کی فرضیت ختم ہو گئی۔ بلکہ اہل کفر سے جو لوگ بہت قریب رہتے ہوں ان پر فرض ہو گا۔ پھر ان کے مقابلہ میں جو کچھ دور ہیں پھر ان سے جو دور ہیں۔ یہاں تک کہ اگر قریب میں رہنے والوں سے جہاد کا کام کافی اور پورا نہ ہو سکے تو ان کے بعد والوں پر جہاد کرنا اور اس میں شرکت کرنا فرض ہے۔ یہاں تک کہ اگر تمام مکلّف مسلمانوں کی بھی ضرورت پڑ جائے تو نماز روزہ کی طرح سب کی ذات پر جہاد فرض ہو جائے گا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر غلام اور عورتیں بھی جہاد کے لئے سامنے آ جائیں اور وہ کافی ہو جائیں تو سب کی طرف سے کافی ہو جائیں گی۔ الحاصل فرض کفایہ کے معنی یہی ہیں کہ اگر کچھ لوگ بھی حق ادا کر دیں اور شرکت کر لیں تو شرکت نہ کرنے والے باقی لوگوں کی طرف سے بھی اس کی فرضیت ختم ہو جائے۔

ترک جہاد کا گناہ

فَاِنْ لَمْ يَقُمْ بِهٖ اَحَدٌ اَثِمَ جَمِيْعُ النَّاسِ بِتَرْكِهٖ لِاَنَّ الْوُجُوْبَ عَلَى الْكُلِّ وَلِاَنَّ فِي اشْتِغَالِ الْكُلِّ بِهٖ قَطْعَ مَادَّةِ الْجِهَادِ مِنَ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيَجِبُ عَلَى الْكِفَايَةِ

ترجمہ......اس لئے اگر کسی نے بھی نہیں کیا تو فرض چھوڑنے کے جرم میں سب کے سب گنہگار ہوں گے اور فرض کفایہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر سارے مسلمان ہی جہاد میں مشغول ہو جائیں تو جہاد کا سامان یعنی گھوڑے اور ہتھیار مجاہدین کو کہاں سے ملیں گے۔ وہ سب ناپید ہو جائیں گے۔ اس لئے یہ جہاد فرض کفایہ کے طور پر لازم ہوا۔

تشریح......وَلِاَنَّ فِي اشْتِغَالِ الْكُلِّ......الخ اور جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر سارے مسلمان ہی عملی طور سے جہاد میں مشغول ہو جائیں تو کوئی بھی ہتھیار بنانے والا نہ ملے گا اور گھوڑوں اور سواری کے لئے ان کی نسل یا دوسرے اسباب نہیں پائے جائیں گے۔ اسی لئے فرض کفایہ ہوا۔ لیکن یہ بات مخفی نہ رہے کہ جو لوگ جہاد کے واسطے ہتھیار بنائیں یا گھوڑوں کی نسل بڑھائیں یا زراعت کر کے جہاد کرنے والوں اور ان کے مددگاروں کی غذا اور اس کا انتظام کریں گے وہ سب اس جہاد میں شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ ہر ایک پر فرض عین ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ شہروں سے سارے شہری ایک ساتھ ہی شرکت کے لئے نکل جائیں۔ بلکہ انتظام کے ساتھ کبھی ایک جماعت جائے اور کبھی دوسری جماعت نکلے۔ اس طرح معاشی حالت بھی متاثر نہیں ہو سکتی ہے۔ پھر یہ پوری تفصیل اس صورت میں ہو گی جب کہ عام طور پر سب کی شرکت

کے لئے نہ بلایا گیا ہو۔ مثلاً دشمنوں نے مسلمانوں کے کسی ملک پر اچانک حملہ کر دیا تو وہاں کے ہر شخص پر جہاد فرض عین ہے۔ خواہ پکارنے والا عادل ہو یا فاسق ہو۔ اسی صورت میں اس شہر کے سب لوگوں پر فرض ہوگا کہ وہاں جا کر جہاد میں شریک ہوں۔ اور اگر یہ لوگ دشمن کے مقابلہ کے لئے کافی نہ ہوں تو ان کے قریب کے لوگوں پر بھی فرض ہو جائے گا۔ اور اگر وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان کے قریب والوں پر فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ حکم پھیلتا اور بڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں پر فرض ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اگر کسی شخص نے جہاد میں جانے کا ارادہ کیا مگر اس لئے بیٹھ گیا کہ دوسرے لوگ نہیں جا رہے ہیں یا خود سلطان نہیں جا رہا ہے یا اس نے منع کر دیا ہے تو وہ شخص گنہگار نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔

نفیرِ عام کے وقت جہاد کا حکم

اِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ النَّفِيْرُ عَامًّا فَحِ يَصِيْرُ مِنْ فُرُوْضِ الْأَعْيَانِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا اَلْاٰيَةَ وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ اِلَّا اَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ سَعَةٍ حَتّٰى يُحْتَاجَ اِلَيْهِمْ فَأَوَّلُ هٰذَا الْكَلَامِ اِشَارَةٌ اِلَى الْوُجُوْبِ عَلَى الْكِفَايَةِ وَاٰخِرُهُ اِلَى النَّفِيْرِ الْعَامِّ وَهٰذَا لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ عِنْدَ ذَالِكَ لَايَتَحَصَّلُ اِلَّا بِاِقَامَةِ الْكُلِّ فَيَفْتَرِضُ عَلَى الْكُلِّ

ترجمہ...... البتہ اگر عام طور پر لوگوں کو امیر کی طرف سے بلایا جائے تو اس وقت جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انفروا خفافًا و ثقالًا یعنی تم لوگ خواہ ہلکے ہو یا بھاری نکل جاؤ اور روانہ ہو جاؤ۔ (یعنی سوار ہو یا پیدل ہو۔ خواہ فقیر ہو یا دولت مند ہو) الحاصل جب عام طور پر سب کی پکار ہو تو بالا جماع فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور اس میں بیمار و بوڑھے بھی جائیں۔ تاکہ تعداد کی زیادتی سے دشمن پر خوف طاری ہو جائے) اور امام محمدؒ نے کہا ہے جامع صغیر میں کہ جہاد واجب (لازم) ہے۔ البتہ مسلمانوں کو گنجائش ہے یہاں تک کہ ان کی ضرورت پیش آئے۔ اس کلام کے پہلے حصے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اور آخری جملہ (حتّٰی یحتاج ...... الخ سے تفسیر عام (جہاد میں شرکت کے لئے اعلان) ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اسی وقت مقصود حاصل ہوگا جب کہ سب لوگ جہاد کے لئے نکلیں تو پھر یہ فرض عین ہو جائے گا (پھر ان پر یہ فرض عین ہوتا جائے گا۔ اب اگر وہی اس مقابلہ کے لئے کافی ہو جائیں تو باقی لوگوں پر صرف فرض کفایہ رہ جائے گا۔ اور اگر ان لوگوں کو آس پاس کے ملکوں کے مسلمانوں کی ضرورت باقی رہ جائے اور ان کو اس مقابلہ کی خبر بھی ہو جائے تو ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا۔ اور اس طرح حکم عام ہوتا جائے گا یہاں تک کہ تمام مشرق و مغرب کے سارے مسلمانوں پر فرض ہو جائے گا۔ (الذخیرہ)

جہاد اقدامی کا حکم

وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ وَاِنْ لَّمْ يَبْدَؤُا لِلْعُمُوْمَاتِ

ترجمہ...... اور کافروں سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ پیش قدمی نہ کریں کیونکہ اس بارے میں آیات واحادیث عام ہیں۔ یعنی احادیث و آیات سے یہ حکم نکلتا ہے کہ کافروں سے جہاد کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو۔ اور عدل قائم ہو اور فساد و کفر و ظلم دور ہو۔ خواہ یہ کفار پیش قدمی کریں یا نہ کریں۔

بچے، غلام، عورت، نابینا، لنگڑے، پاؤں کٹے ہوئے پر جہاد فرض نہیں

وَلَايَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى الصَّبِيِّ لِاَنَّ الصَّبِيَّ مَظَنَّةُ الْمَرْحَمَةِ وَلَاعَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ لِتَقَدُّمِ حَقِّ الْمَوْلٰى وَالزَّوْجِ وَلَا اَعْمٰى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَا اَقْطَعَ لِعِجْزِهِمْ

ترجمہ...... اور بچہ پر جہاد کرنا واجب نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ محل رحمت ہوتے ہیں۔ اسی طرح غلام اور عورت پر بھی واجب نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ غلام پر اس کے مولی کا حق اور عورت (بیوی) پر اس کے شوہر کا حق مقدم ہوتا ہے۔ اور اندھے ولنگڑے اور پاؤں کٹے ہوئے پر بھی واجب نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ عاجز اور مجبور ہوتے ہیں۔

تشریح...... وَلَا عَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ...... الخ۔ مجبور لوگوں پر اولاً جہاد فرض نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے غلام پر اس بناء پر فرض نہیں ہوتا ہے کہ اس کے مولی کا حق اس پر مقدم ہوتا ہے۔ اس سے اسے فرصت نہیں مل سکتی ہے۔ اسی طرح بیوی پر اس کے شوہر کی خدمت کا حق مقدم ہوتا ہے اس لئے یہ بھی معذور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ اگر مولی نے اپنے غلام کو یا شوہر نے اپنی بیوی کو جہاد میں جانے کی اجازت دیدی ہو تو ان پر بھی فرض کفایہ ہونا چاہئے۔ اسی طرح قرض خواہ کی اجازت کے بغیر قرض دار پر واجب نہیں ہے۔ اور اگر قرض دار کی اجازت سے کوئی قرض کا کفیل ہو جائے خواہ وہ مال کا کفیل ہو یا جان کا کفیل ہو تو اس سے بھی اجازت لینی شرط ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ قرض فی الحال ادا کرنے کی بات ہوئی ہو۔ اور اگر میعادی ہو تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جانا صحیح ہے بشرطیکہ اس بات کا یقین ہو کہ اس وقت کے آنے سے پہلے اس کی واپسی ہو جائے گی۔ (الذخیرہ)

اور ایسے عالم پر بھی جہاد میں جانا فرض نہیں ہے جس سے کوئی بڑا عالم اس علاقہ میں نہ ہو (کہ مسائل اور فتاوی شرعیہ کا صحیح جواب دے سکے)۔ (السراجیہ)

اور جس شخص کے والدین یا ان میں سے ایک زندہ ہو تو اس پر بھی ان کی اجازت کے بغیر جانا فرض نہیں ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے جو کہ عبداللہ بن عمر اور ابوداؤد میں صراحت کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور والدین کی اجازت کے بغیر ایسے سفر میں جانا حلال نہیں ہے جس میں کوئی خطرہ ہو۔ اور اگر ایسا سفر ہو جس میں کوئی خطرہ نہ ہو تو جانا جائز ہے جیسے طلب علم کے لئے جانا حلال ہے۔

جب دشمن اسلامی شہر پر چڑھ دوڑیں تمام پر جہاد فرض ہے

فَاِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلٰى بَلَدٍ وَجَبَ عَلٰى جَمِيْعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ اِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمَوْلٰى لِاَنَّهٗ صَارَ فَرْضَ عَيْنٍ وَمِلْكُ الْيَمِيْنِ وَرِقُّ النِّكَاحِ لَا يَظْهَرُ فِيْ حَقِّ فُرُوْضِ الْاَعْيَانِ كَمَا فِي الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ بِخِلَافِ مَا قَبْلَ النَّفِيْرِ لِاَنَّ بِغَيْرِهِمَا مَقْنَعًا فَلَا ضَرُوْرَةَ اِلٰى اِبْطَالِ حَقِّ الْمَوْلٰى وَالزَّوْجِ

ترجمہ...... پھر اگر دشمنوں نے کسی اسلامی ملک پر زور دار حملہ کیا تو تمام لوگوں پر اس کا مقابلہ کرنا واجب ہوگا۔ یہاں تک کہ بیوی بھی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام بھی اپنے آقا کے بغیر نکلیں گے۔ (اس صورت میں شوہر اور آقا اگر منع کریں گے تو وہ گنہگار ہوں گے۔) (الذخیرہ)

کیونکہ اب جہاد فرض عین ہو گیا اور ملک رقبہ اور ملک نکاح کا اثر فرض عین پر نہیں ہوتا ہے۔ جیسے فرض نماز اور روزہ رمضان میں کسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جب تک بالکل عام اعلان نہ ہوا ہو۔ اس وقت تک مولیٰ اور شوہر کا حق مقدم ہوتا ہے۔ کیونکہ عام اعلان نہ ہونے کی صورت میں غلام اور عورت کے بغیر بھی مقابلہ کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے مولیٰ اور شوہر کے حق کو باطل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (جہاد فرض ہونے کے لئے ایک قید اور بھی ضروری ہے یعنی آدمی کو مقابلہ کے لئے جانے کی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے بیمار پر نکلنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح ہتھیار اور ضروری سامان کا مہیا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے اگر کسی کو اس بات کا یقین ہو کہ موجودہ حالت میں مقابلہ کرنے سے میں مارا جاؤں گا اور مقابلہ نہ کرنے سے گرفتار کر لیا جاؤں گا تو اس پر قتال کرنا واجب نہیں ہے)

بیت المال میں مال ہوتے ہوئے چندہ کا حکم

وَيُكْرَهُ الْجُعْلُ مَادَامَ لِلْمُسْلِمِيْنَ فَيْءٌ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الْاَجْرَ وَلَا ضَرُوْرَةَ اِلَيْهِ لِاَنَّ مَالَ بَيْتِ الْمَالِ مُعَدٌّ لِنَوَائِبِ

الْمُسْلِمِينَ فَاِذَالَمْ يَكُنْ فَلَابَاسَ بِاَنْ يُقَوِّيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِاَنَّ فِيهِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْاَعْلٰى بِالْحَاقِ الْاَدْنٰى يُؤَيِّدُهُ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَخَذَدُرُوْعًامِنْ صَفْوَانَ وَعُمَرُ ﷺ كَانَ يُغْزِي الْاَعْزَبَ عَنْ ذِي الْحَلِيْلَةِ وَيُعْطِي الشَّاخِصَ فَرَسَ الْقَاعِدِ

ترجمہ...... اور جب تک کہ امام کے پاس (بیت المال میں) رقم موجود ہو اس وقت تک خاص جہاد کی غرض سے لوگوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے کیونکہ جہاد میں شرکت بھی مزدوری کے مشابہہ ہے اور فی الحال کوئی خاص ضرورت بھی پیش نہیں آئی ہے۔ اور بیت المال تو اسی لئے ہے کہ مسلمانوں کے حوادث میں کام آئے۔ البتہ اگر بیت المال میں جمع کچھ نہ ہو تو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاکہ ایک دوسرے کی مدد کر کے دین کو مضبوط کریں۔ کیونکہ ایسا کرنے میں تھوڑا سا نقصان برداشت کر کے بڑے نقصان یعنی کافروں کے نقصان کو دور کرنا ہوتا ہے۔ جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ حنین میں صفوان سے چند زر ہیں لی تھیں۔ اس کی روایت ابوداؤد، النسائی اور احمدؒ نے کی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیوی والے مردوں کی طرف سے ان مردوں کو بھیج دیتے جن کی بیویاں نہ ہوتیں۔ اور جو شخص جہاد میں جانے کے قابل نہ ہوتا اس کا گھوڑا جہاد میں جانے والے کو دے دیتے۔

تشریح...... جہاد کے لئے اس صورت میں جب کہ بیت المال میں مال موجود ہو دوسروں سے مال نہیں لینا چاہئے۔ البتہ اگر ضرورت پیش آ جائے تو ایک کو دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاد کرنے والے کے لئے اپنا ثواب ہے۔ اور مال سے اس کی مدد کرنے والوں کو اپنے مال اور اس مجاہد دونوں کا ثواب ہے۔ رواہ ابوداؤد۔ یہاں جعل سے مراد یہ ہے کہ غازیوں کے لئے لوگوں سے مال لینا۔ تاکہ ان کو قدرت حاصل ہو۔ اور شیخ ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ امام المسلمین لوگوں کو حکم کرے کہ وہ ایک دوسرے کو سامان سفر۔ گھوڑے اور ہتھیار سے مدد کریں۔

تحقیق یُغْزِی...... اغزاء سے کہا جاتا ہے اَغْزَی الْاَمِیْرُ الْجَیْشَ۔ امیر نے لشکر کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اعزب وہ شخص جس کی بیوی نہ ہو۔ حلیلہ۔ مرد کی بیوی الشاخص اسم فاعل ایک جگہ سے دوسری جگہ بلندی میں جانا یہاں دشمن کی طرف جانے والا مراد ہے۔ انوار الحق قاسمی

بَـــابُ كَيْـفِيَّةِ الْـقِتَـــالِ

ترجمہ...... قتال کی کیفیت کے بیان میں

مسلمان دار الحرب کے کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں تو دعوت اسلام دیں، محصورین کے قبول کر لینے پر قتال ترک کر دیں

وَاِذَادَخَلَ الْـمُسْـلِمُوْنَ دَارَالْـحَرْبِ فَحَاصَرُوْا مَدِيْنَةً اَوْحِصْنًا دَعَوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ لِمَارُوِيَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَاقَاتَلَ قَوْمًا حَتّٰى دَعَاهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ

ترجمہ...... جب مسلمان دار الحرب میں جا کر کسی شہر یا کسی قلعہ کا محاصرہ (گھراؤ) کرلیں تو سب سے پہلے ان کافروں کو اسلام کی طرف بلائیں اور دعوت دیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی قوم کو بھی جب تک کہ اسلام کی طرف دعوت نہیں دی اس وقت تک ان سے جہاد اور قتال نہیں کیا۔ اس کی روایت عبدالرزاق اور حاکم نے سند صحیح سے کی ہے۔

دعوتِ اسلام قبول کرنے پر قتال ترک کر دیں

فَاِنْ اَجَابُوْ كَفُّوْا عَنْ قِتَالِهِمْ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ وَقَدْقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الحديث

ترجمہ...... اس کے بعد اگر ان کافروں نے اسلام کی دعوت قبول کرلی تو وہ لوگ ان کافروں کے ساتھ قتال کرنے سے باز رہیں۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لوگ لاالٰہ الا اللہ کہہ لیں۔ (اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ میرے رسول ہونے کا وہ اقرار کریں۔ اور جو کچھ میں لایا ہوں اس کو مانیں پس جس نے لاالٰہ الا اللہ کہہ دیا اس نے اپنے مال اور جان کو محفوظ کرلیا۔ مگر حق اسلام کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (البخاری ومسلم)

دوسرے مرحلہ پر جزیہ کا مطالبہ کریں

وَاِنِ امْتَنَعُوْا دَعَوْهُمْ اِلٰى اَدَاءِ الْجِزْيَةِ بِهٖ اَمَرَرَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُمَرَاءَ الْجُيُوْشِ وَلِاَنَّهٗ اَحَدُ مَايَنْتَهِيْ بِهِ الْقِتَالُ عَلٰى مَانَطَقَ بِهِ النَّصُّ وَهٰذَا فِيْ حَقِّ مَنْ يُقْبَلُ مِنْهُ الْجِزْيَةَ وَمَنْ لَاتُقْبَلُ مِنْهُ كَالْمُرْتَدِّيْنَ وَعَبَدَةِ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ لَا فَائِدَةَ فِيْ دُعَائِهِمْ اِلٰى قَبُوْلِ الْجِزْيَةِ لِاَنَّهٗ لَايُقْبَلُ مِنْهُمْ اِلَّا الْاِسْلَامُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ

ترجمہ...... اور اگر کافروں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو ان کو جزیہ دینے کے لئے کہا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لشکروں کے سرداروں کو یہی حکم فرمایا۔ اور نص کے مطابق جن چیزوں سے قتال ختم ہوتا ہے ان میں یہ بھی ایک چیز ہے اور یہ حکم ایسے کافروں کے بارے میں ہے جن سے جزیہ قبول کیا جا سکتا ہو۔ کیونکہ جن لوگوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جا سکتا ہو جیسے مرتد ہو جانے والے۔ اور عرب کے بت پرست لوگ تو ان کو جزیہ قبول کرنے کی دعوت دینا ہی بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ان سے اسلام قبول کرنے کے سوا دوسری کوئی چیز مقبول نہیں ہوگی۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے **تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ** ۔ (کہ تم ان سے اتنا قتال کرو کہ وہ اسلام قبول کرلیں)

تشریح...... **قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ** ۔ (الفتح:۱۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اور حضرت بریدہؓ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی لشکر یا نمازیوں کی جماعت پر کسی کو سردار بناتے تو اس کو اپنے ذاتی معاملات میں اللہ تعالیٰ سے تقوی رکھنے کی اور اپنے ساتھی مسلمانوں سے بھلائی کرنے کی وصیت فرماتے۔ پھر کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جہاد کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا تم اس سے جہاد کرو۔ اور خیانت یا غدر مت کرو اور مقتول کفار کا مثلہ نہ کرو یعنی اس کے ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ نہ کاٹو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو اور جب تمہارا مشرک دشمنوں سے مقابلہ ہونے لگے تو تم ان کو پہلے تین باتوں میں سے ایک بات کی طرف دعوت دو...... الخ۔ یہ حدیث صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ میں جزیرہ عرب سے یہود ونصاریٰ کو نکال دوں گا۔ یہاں تک کہ اس میں مسلمانوں کے سوا کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس کی روایت مسلم، احمد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے کی ہے۔

جزیہ پر رضا مند ہو جائیں تو کیا کیا جائے؟

فَاِنْ بَذَلُوْهَا فَلَهُمْ مَالِلْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَاعَلَى الْمُسْلِمِيْنَ لِقَوْلِ عَلِيٍّ اِنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَةَ لِيَكُوْنَ دِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا

وَ اَمْوَالُهُمْ كَاَمْوَالِنَا وَالْمُرَادُ بِالْبَذْلِ الْقُبُوْلِ وَكَذَا الْمُرَادُ بِالْاَعْطَاءِ الْمَذْكُوْرِ فِيْهِ فِي الْقُرْاٰنِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ...... اب اگر ان کافروں نے مسلمانوں کی دعوت قبول کر لی یعنی انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا تو ان کے لئے انصاف سے وہی کچھ ہوگا جو مسلمانوں کے لئے ہوگا۔ اور انصاف سے ان پر بھی وہی بار ہوگا جو مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ کافروں نے اسی لئے جزیہ دینا قبول کیا ہے کہ ان کا خون بھی ہمارے خون کی طرح اور ان کے مال بھی ہمارے مالوں کی طرح محفوظ رہیں۔ اس کی روایت امام شافعیؒ اور دار قطنیؒ نے کی ہے۔ اگرچہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ پھر بھی صحیحین کی حدیث سے بھی جو ابو ہریرہ وغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہی معنی ثابت ہوتے ہیں۔ اور قدوریؒ کے قول میں لفظ بذلوا سے مراد قبول کرنا ہے۔ اور فرمان خداوندی حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ میں اعطاء سے بھی یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم

جب تک دعوت اسلام نہ پہنچے قتال نہ کریں

وَلَايَجُوْزُ اَنْ يُّقَاتَلَ مَنْ لَّمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ اِلَى الْاِسْلَامِ اِلَّا اَنْ يَّدْعُوَهُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ وَصِيَّةِ اُمَرَاءِ الْاَجْنَادِ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلِاَنَّهُمْ بِالدَّعْوَةِ يَعْلَمُوْنَ اَنَّا نُقَاتِلُهُمْ عَلَى الدِّيْنِ لَا عَلٰى سَلْبِ الْاَمْوَالِ وَسَبْيِ الذَّرَارِيْ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيْبُوْنَ فَنُكْفٰى مُؤْنَةَ الْقِتَالِ وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ اَثِمَ لِلنَّهْيِ وَلَا غَرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّيْنُ اَوِ الْاِحْرَازُ بِالدَّارِ فَصَارَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصِّبْيَانِ.

ترجمہ...... اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایسے لوگوں سے قتال کیا جائے جن کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ مگر یہ کہ ان کافروں کو پہلے وہ لوگ دعوت دیدیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے جو امراء کے لشکر کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اپنی جگہ پر پہنچ کر پہلے ان لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی گواہی کی طرف بلاؤ۔ اور اس وجہ سے کہ اسی دعوت دینے سے وہ یقین کر لینگے کہ دوسری صورت میں ہم ان سے دین کے لئے قتال کریں گے۔ اور ان کے مال چھین لینے اور ان کے اہل وعیال کو قید کرنے کے لئے ہم ان سے نہیں لڑیں گے۔ اس طرح اس بات کی امید ہوتی ہے کہ شاید وہ اس دعوت کو آسانی سے قبول کر لیں۔ پھر ہم بھی ان سے لڑائی کی پریشانیوں سے بچ جائیں گے۔ (اور وہ بھی بچ جائیں گے) اور اگر مسلمانوں نے ان کو دعوت دینے سے پہلے ہی ان سے قتال کر لیا تو یہ مسلمان ممانعت کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔ لیکن ان کے خونوں کے ضامن بھی نہ ہوں گے کیونکہ کوئی چیز موجب عصمت بھی نہیں ہے۔ یعنی دین اسلام یا دار الاسلام کی حفاظت نہیں ہے تو ایسا ہو گیا جیسے حملہ کرنے میں کافروں کی عورتیں یا بچے قتل ہو جائیں۔

دوبارہ دعوت اسلام کا حکم

وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يَّدْعُوْا مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ مُبَالَغَةً فِي الْاِنْذَارِ وَلَا يَجِبُ ذٰلِكَ لِاَنَّهٗ صَحَّ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّوْنَ وَعَهِدَ اِلٰى اُسَامَةَؓ اَنْ يُّغِيْرَ عَلٰى اُبْنٰى صَبَاحًا ثُمَّ يُحْرِقُ وَالْغَارَةُ لَا يَكُوْنُ بِدَعْوَةٍ

ترجمہ...... اور جن کفار کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے ان کو بھی قتال کرنے سے پہلے دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ انذار کا کام ہو جائے۔ مگر ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق (قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ) پر اس طرح چھاپہ مارا کہ وہ غافل تھے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

اسی طرح حضرت اسامہ بن زید پر لازم کر دیا تھا کہ فلسطین میں ایک جگہ اُبنی میں صبح کے وقت چھاپا ماریں پھر اس جگہ کو جلا دیں۔ رواہ ابوداؤد

ابن ماجہ۔اور چھاپا مارنے سے پہلے دعوت نہیں دی جاتی ہے۔

تشریح...... وَ يُسْتَحَبُّ اَنْ يَّدْعُوَا ......الخ ایک بار دشمنوں کو دعوت دے کر ان پر حملہ کرنے سے پہلے بھی دوبارہ دعوت دینی مستحب ہے۔اس زمانہ میں اگرچہ اسلام مشرق و مغرب میں خوب پھیل چکا ہے۔پھر بھی بعض علاقے ایسے ہیں جن کو اسلام کا کچھ بھی شعور نہیں ہے۔پھر اگرچہ ان کو نفس اسلام کی خبر مل چکی ہے مگر ان کو جزیہ دینے سے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔اس لئے اب بھی جزیہ کی دعوت دیئے بغیر ان سے قتال نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ اگر غالب گمان یہ ہو کہ اگر ان کو بطور استحباب دعوت اسلام دی جائے گی تو اس سے مسلمانوں کو خطرہ ہوسکتا ہے کہ وہ فوراً اپنا سامان مہیا کرلیں گے۔یا اپنے قلعہ کو درست کرلیں گے۔تو دوبارہ دعوت کو ترک کردینا چاہئے۔

کفار اسلام قبول کرنے اور جزیہ دینے سے انکار کردیں تو استعانت باللہ سے حملہ شروع کردیں

قَالَ فَاِنْ اَبَوْا ذَالِكَ اسْتَعَانُوْا بِاللهِ عَلَيْهِمْ وَحَارَبُوْهُمْ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بَرِيْدَةَ فَاِنْ اَبَوْا ذَالِكَ فَادْعُهُمْ اِلٰى اِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ اِلٰى اَنْ قَالَ فَاِنْ اَبَوْهَا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ وَلِاَنَّهٗ تَعَالٰى هُوَ النَّاصِرُ لِاَوْلِيَائِهٖ وَالْمُدَمِّرُ عَلٰى اَعْدَائِهٖ فَيُسْتَعَانُ بِهٖ فِيْ كُلِّ الْاُمُوْرِ

ترجمہ......کہادعوت اسلام کے بعد بھی اگر کفار جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو اہل اسلام اللہ عزوجل سے ان کے خلاف مدد کی درخواست کر کے ان سے مقاتلہ کریں۔رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے جو کہ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اگر دشمن کلمہ شہادت کہنے کی دعوت قبول کرنے سے انکار کردیں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت دو۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو ان کے خلاف اللہ سے مدد چاہو پھر ان سے قتال شروع کردو۔ (رواہ مسلم و سنن اربعہ)

اور اس دلیل سے بھی مدد چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے خاص بندوں کو فتح دینے والا اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے والا ہے۔اس لئے تمام معاملات میں اسی سے مدد طلب کرنا چاہئے۔

منجنیق نصب کرنے کا حکم

وَ نَصَبُوْا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيْقَ كَمَا نَصَبَ رَسُوْلُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الطَّائِفِ وَ حَرَّقُوْهُمْ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَحْرَقَ الْبُوَيْرَةَ

ترجمہ......اور ان کفار پر مقاتلہ کی غرض سے وہ منجنیق قائم کردیں۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے طائف پر منجنیق قائم کردی تھی۔اور ان دشمنوں کے علاقوں کو جلادیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے موضع بویرہ کو جلادیا تھا۔

تشریح......وَ نَصَبُوْا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيْقَ ......الخ کفار سے مقاتلہ جاری رہنے کی صورت میں ان پر منجنیق کے ذریعہ پتھر سے حملہ کیا جاسکتا ہے اور ان کو آگ سے جلایا بھی جاسکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی بویرہ (باء کو ضمہ اور واو کو فتحہ کے ساتھ ایک مقام کا نام) کو جلادیا تھا۔

منجنیق......میم کو کسرہ کے ساتھ واحد ہے جمع مجانیق۔مجانیق منجنیقات۔

فلاخن......ایک بڑا گوپھیا جس سے قلعوں پر پتھر مار کر اسے توڑنے کی کوشش کی جاتی تھی۔اور وہی کام اب توپوں سے لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ تقریباً متروک ہوگیا ہے۔لیکن حدیث سے اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ توپوں سے حملہ کرنا بھی جائز ہے۔اور بویرہ کے جلانے کی حدیث یہ ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود اور بنی نضیر کے کھجوروں کے درخت جلوا دیئے اور کٹوا ڈالے تھے۔ رواہ البخاری و مسلم اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ خود کفار کو بھی جلانا جائز ہے لیکن ان کے فساد دور کرنے کے لئے قتل کرنے کی طرح ان کا جلانا بھی جائز ہے۔

پانی چھوڑنے، درخت کاٹنے اور کھیتی اجاڑنے کا حکم

قَالَ وَارْسَلُوْا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَعُوْا أَشْجَارَهُمْ وَافْسَدُوْا زُرُوْعَهُمْ لِاَنَّ فِيْ جَمِيْعِ ذَالِكَ الْحَاقَ الْكَبْتِ وَالْغَيْظِ بِهِمْ وَكَسْرَ شَوْكَتِهِمْ وَتَفْرِيْقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُوْنُ مَشْرُوْعًا

ترجمہ...... اور قدوریؒ نے کہا ہے کہ اور کافروں اور دشمنوں پر پانی کا سیلاب رواں کر دیں یعنی اگر موقع ملے تو ان کو پانی میں ڈبو دیں۔ اور ان کے درخت کاٹ دیں۔ اور ان کی کھیتیاں خراب کر دیں کیونکہ ان تمام کاموں سے کافروں کی ذلت اور ان کی بربادی اور ان کو غم میں ڈالنا اور ان کی طاقت کو کچلنا اور ان کی جماعت کو متفرق اور تتر بتر اور منتشر کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں کا ہر فعل جائز ہوگا۔ (اور اگر غالب گمان ہو کہ اب اسلام کی فتح ہو گی تو ایسی صورت میں پھل دار درختوں کا کاٹنا اور کھیتی کو نقصان پہنچانا مکروہ ہوگا۔

کفار کے پاس مسلمان قیدی ہوں ان پر تیراندازی کا حکم

وَلَا بَاْسَ بِرَمْيِهِمْ وَ اِنْ كَانَ فِيْهِمْ مُسْلِمٌ اَسِيْرٌ اَوْ تَاجِرٌ لِاَ نَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِالذَّبِّ عَنْ بَيْضَةِ الْاِسْلَامِ وَ قَتْلُ الْاَسِيْرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرٌ خَاصٌّ وَ لِاَنَّهُ قَلَّمَا يَخْلُوْ حِصْنٌ عَنْ مُسْلِمٍ فَلَوِ امْتَنَعَ بِاعْتِبَارِهٖ لَانْسَدَّ بَابُهٗ

ترجمہ...... اور کافر دشمنوں پر پتھر برسانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ ان میں مسلمان قیدی یا تاجر بھی موجود ہوں۔ کیونکہ ان پر پتھر برسانے میں مسلمانوں کی بڑی جماعت سے عمومی طریقہ سے نقصان دہ چیزوں سے بچانا مقصود ہوتا ہے اور چند یا ایک دو مسلمان یا تاجر کا مر جانا صرف اسی ایک دو فرد کا قتل ہو جانا یہ شخصی نقصان ہوتا ہے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ ایسی صورت کم ہی ہوتی ہے کہ کوئی قلعہ مسلمان سے بالکل خالی ہوتا ہو۔ اس لئے اگر مسلمان کا خیال کر کے ایسا کرنا منع کر دیا جائے تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ (اسی طرح اگر کافروں کے قلعہ میں چند مسلمان خواہ قیدی یا تاجر کسی طرح کے ہوں تو بھی قلعہ کے اندر توپوں کے گولے گرانا بھی جائز ہوگا۔ البتہ اس صورت میں صرف کافروں کے قتل کی نیت ہونی چاہئے۔ اگرچہ ضمناً مسلمان بھی مارے جائیں)

کفار مسلمانوں کے بچوں اور مسلمان قیدیوں کو ڈھال بنائیں تب بھی تیر برسائے جائیں

وَ اِنْ تَتَرَّسُوْا بِصِبْيَانِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْبِالْاُسَارٰى لَمْ يَكُفُّوْا عَنْ رَمْيِهِمْ لِمَابَيَّنَّا وَ يَقْصُدُوْنَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ لِاَنَّهٗ اِنْ تَعَذَّرَ التَّمْيِيْزُ فِعْلًا فَلَقَدْ اَمْكَنَ قَصْدًا وَالطَّاعَةُ بِحَسْبِ الطَّاقَةِ وَمَا اَصَابُوْا مِنْهُمْ لَادِيَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا كَفَّارَةَ لِاَنَّ الْجِهَادَ فَرْضٌ وَالْغَرَامَاتُ لَاتَقْرِنُ بِالْفُرُوْضِ بِخِلَافِ حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ لِاَنَّهٗ لَايَمْتَنِعُ مَخَافَةَ الضَّمَانِ لِمَافِيْهِ مِنْ اِحْيَاءِ نَفْسِهٖ اَمَّاالْجِهَادُ فَمَبْنِيٌّ عَلٰى اِتْلَافِ النَّفْسِ فَيَمْتَنِعُ حَذَرَ الضَّمَانِ

ترجمہ...... اگر مسلمانوں کے حملہ کے وقت دشمنوں نے مسلمانوں کے بچوں یا مسلمان قیدیوں کو ڈھال بنا کر اپنے آگے کر لیا تب بھی مجاہدین ان

دشمنوں کو تیر یا پتھر مارنے سے نہ رکیں۔ کیونکہ عام مسلمانوں کے نقصان کو دور کرنے کے لئے ان قیدیوں یا بچوں کے نقصان کو برداشت کرنا ہوگا۔ البتہ تیر یا پتھر مارتے وقت صرف دشمنوں کی ہلاکت کی نیت کریں اور اپنے مسلمان قیدیوں یا بچوں کو مارنے کی نیت نہ کریں کیونکہ اگر تیر مارتے وقت مقابل کے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تمیز کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم نیت میں یہ امتیاز کرنا ممکن ہے اور فرمانبرداری اسی حد تک واجب ہوتی ہے جہاں تک بندہ کی وسعت میں ہو۔ پھر اس تیر یا پتھر مارنے سے مسلمانوں کے بچوں یا قیدیوں کو جس قسم کی بھی چوٹ لگے گی اس کی وجہ سے ان مسلمانوں پر نہ دیت لازم آئے گی اور نہ ان کے قتل سے کفارۂ قتل ہوگا۔ کیونکہ جہاد فرض ہے اور فرائض ادا کرنے کا تعلق تاوان سے نہیں ہوتا ہے۔ بخلاف مخمصہ (جن کنی) کی حالت کے کیونکہ اس حالت میں تاوان کے خوف سے باز نہ رہے گا کیونکہ اس حالت میں غیر کے مال سے اپنی جان کو زندہ رکھنا ہوتا ہے۔ مگر جہاد میں تو کافروں کو ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ اسلئے اس جہاد میں تاوان لازم کرنے سے کوئی بھی ان پر حملہ نہیں کرے گا۔

تشریح ......بِخِلَافِ حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ..... الخ مقاتلہ کے وقت اگر مسلمانوں سے مسلمان قیدی مارے بھی جائیں جب بھی ان پر ضمان لازم نہیں آتا ہے بخلاف اس صورت کے جب کہ اپنی جان جانے کے خطرہ کی صورت میں غیر کا مال کھا لینے سے اس مال کا ضمان دینا پڑتا ہے۔ اس مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ اگر بھوک کی زیادتی سے آدمی کی حالت مرنے کی جیسی ہو جائے یعنی اگر غیر کا مال اس وقت نہ کھائے تو مر جانے کا خوف ہو اور غیر کے اس مال کے سوا اپنا کوئی مال جان بچانے کے لائق نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ ضرورت کے مطابق غیر کا مال کھا کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرے۔ مگر جو کچھ کھائے گا اس کا ضمان بھی دینا واجب ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرض کی ادائیگی کی صورت میں بھی تاوان واجب ہوتا ہے اس لئے جہاد کی صورت میں مسلمان کے قتل پر اس کی جان کا ضمان لازم ہونا چاہئے۔ اسی طرح اس جگہ بھی باوجودیکہ جہاد فرض ہے اگر مجاہدین کے تیر یا پتھر یا بندوق یا تلوار سے کوئی مسلمان قیدی یا مسلمان کا بچہ جس کو کافروں نے اپنے آگے رکھ کر ڈھال کا کام لیا تھا وہ مارا گیا تو چاہے کہ کافروں کو مغلوب کرنے کے لئے اسے مارنا جائز ہو۔ لیکن مسلمان مقتول کے بدلہ دیت یا کفارۂ قتل بھی لازم ہو۔ مگر مصنفؒ نے دونوں صورتوں میں فرق بیان کیا کہ مخمصہ کی صورت میں اس وجہ سے تاوان برداشت کرنا ہوگا کہ خود اس کی اپنی جان بچتی ہے اور جہاد کی صورت میں تاوان برداشت نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہاں تو کافروں کو ہلاک کرنا ہے پس اگر کافروں کے ہلاک کرنے میں اس پر دیت یا کفارۂ قتل لازم آئے تو وہ جہاد سے پرہیز کرے گا۔ حالانکہ دار الکفر میں ہر قلعہ کے اندر کوئی نہ کوئی مسلمان موجود ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اپنی جان بچانے کے لئے اسے آگے بڑھا دینگے تا کہ مجاہدین اپنے جہاد اور حملہ سے باز رہیں۔ حالانکہ ایسا کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کا عام نقصان ہے۔ اور شریعت نے کبھی عام لوگوں کے نقصان کو جائز نہیں کہا ہے۔ یہ بات اسی بناء پر لازم آئی تھی کہ مجاہدین پر دیت لازم ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ دیت لازم نہیں ہوتی ہے۔ م۔ اور معلوم ہونا چاہئے کہ دار الکفر میں قرآن مجید یا عورتوں کو لیجانا اس خوف سے منع ہے کہ وہ کافروں کے قبضہ میں آ جائیں اور انتہائی بے عزتی اور توہین ہو۔

عورتوں اور مصاحف کو لشکر اسلام لے کر نہ نکلیں

قَالَ وَلَابَاسَ بِاِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ اِذَا كَانَ عَسْكَرًا عَظِيْمًا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ لِاَنَّ الْغَالِبَ هُوَ السَّلَامَةُ وَالْغَالِبُ كَالْمُتَحَقِّقِ وَيُكْرَهُ اِخْرَاجُ ذَالِكَ فِيْ سَرِيَّةٍ لَايُؤْمَنُ عَلَيْهَا لِاَنَّ فِيْهِ تَعْرِيْضَهُنَّ عَلَى الضِّيَاعِ وَالْفَضِيْحَةِ وَ تَعْرِيْضَ الْمَصَاحِفِ عَلَى الْاِسْتِخْفَافِ فَاِنَّهُمْ يَسْتَخِفُّوْنَ بِهَا مُغَايَظَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ وَهُوَ التَّاوِيْلُ الصَّحِيْحُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَاتُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فِيْ اَرْضِ الْعَدُوِّ وَلَوْ دَخَلَ مُسْلِمٌ اِلَيْهِمْ بِاَمَانٍ لَابَأْسَ بِاَنْ يَّحْمِلَ مَعَهُ الْمُصْحَفَ اِذَا كَانُوا قَوْمًا يُوْفُوْنَ بِالْعَهْدِ لِاَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ التَّعَرُّضِ وَالْعَجَائِزُ يَخْرُجْنَ فِي الْعَسْكَرِ الْعَظِيْمِ لِاِقَامَةِ عَمَلٍ يَلِيْقُ بِهِنَّ كَالطَّبْخِ وَالسَّقْيِ وَالْمُدَاوَاةِ فَاَمَّا الثَّوَابُ فَقَرَارُهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ اَدْفَعُ

لِلْفِتْنَةِ وَلَا يُبَاشِرْنَ الْقِتَالَ لِاَنَّهُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلٰى ضُعْفِ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ وَلَا يُسْتَحَبُّ اِخْرَاجُهُنَّ لِلْمُبَاضَعَةِ وَالْخِدْمَةِ فَاِنْ كَانُوْا لَابُدَّ مُخْرِجِيْنَ فَبِالْاِمَاءِ دُوْنَ الْحَرَائِرِ

ترجمہ ...... کہا اگر مجاہدین کا لشکر اتنا بڑا ہو جس کے شکست کا خطرہ نہ ہو تو مجاہدین اپنے ساتھ اپنی عورتوں اور قرآن پاک کو لے جاسکتے ہیں اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اس لئے ایسے لشکر پر سلامتی کے ساتھ واپس آنے کا غالب گمان ہوتا ہے۔ اور ایسا غالب گمان مثل محقق اور یقین کے ہوتا ہے۔ اور اگر چھوٹا لشکر ہو جسے سریہ بھی کہا جاتا ہے وہاں عموماً اپنی کامیابی کا یقین نہیں ہوتا۔ بلکہ خوف ہی ہوتا ہے تو ایسی صورت میں ان کا عورتوں اور قرآن پاک کو اپنے ساتھ لے جانا مکروہ ہوگا۔ کیونکہ ساتھ لیجانے میں ان کے ضائع کرنے اور رسوائی پانے کا خوف رہتا ہے۔ اس لئے کہ اگر خدانخواستہ کفار ان پر قابو پالینگے تو مسلمان کو بھڑکانے اور چلانے کے لئے ان کے ساتھ برے طریقہ سے پیش آئیں گے اسی بناء پر بعض احادیث میں مروی ہے کہ دشمنوں کے ملک میں قرآن کے ساتھ سفر نہ کرو۔ جب کہ بخاری اور مسلم نے اس کی روایت کی ہے ایسی روایتوں کی صحیح تاویل یہی ہے کہ ساتھ لیجانے میں حقارت کا خوف ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان امان لے کر کافروں کے یہاں جائے تو اسے اپنے ساتھ کلام مجید کو لیجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ کفار ایسی قوم کے ہوں جو اپنے عہد اور قول وقرار کا پاس رکھتے ہوں۔ بدعہدی نہ کرتے ہوں۔ کیونکہ بظاہر وہ اس کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔ بوڑھی عورتیں بڑے لشکر کے ساتھ جاسکتی ہیں اور جانا چاہئے۔ تاکہ وہاں کھانے پکانے کھلانے اور پانی پلانے، مریضوں اور زخمیوں کے علاج اور دیکھ بھال اور دوسرے ضروری کام کرسکیں۔ (جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے) لیکن جوان عورتوں کو اپنے گھروں ہی میں رہنا چاہئے۔ تاکہ ان کی وجہ سے مسلمان مردوں کو میدان جنگ میں تشویش نہ رہے۔ اور عورتوں کو میدان جنگ میں قتال بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی کہ ان کے مرد کمزور ہوگئے ہیں البتہ اگر واقعی ضرورت ہو جائے تو جانے میں بھی حرج نہیں ہے اور اگر مجاہدین جماع اور اپنی خدمت کے لئے اپنی بیویوں کو ساتھ لیجانا چاہیں بھی تو نہ لے جائیں کہ لے جانا بہتر نہ ہوگا اور لے جانے کی انتہائی ضرورت سمجھیں تو باندیوں کو لے جانا چاہئے۔ آزاد عورتوں کو بالکل نہ لے جائیں۔ (قول اصح یہ ہے کہ بوڑھی عورتوں کو بھی لے جانا جائز نہیں ہے۔ (الذخیرہ)

قرآن مجید کی طرح دوسری ایسی کتابوں کو بھی ساتھ لیجانا ممنوع ہے۔ جس کی تعظیم واجب ہو جیسے حدیث وتفسیر اور فقہ کی کتابیں۔ اگر امام نے کسی شہر کو فتح کیا اور اس میں کوئی مسلمان یا ذمی ہو جو خاص طریقہ سے پہچانا نہیں گیا ہے تو ان میں سے کسی کا بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص باہر نکل گیا تو باقی لوگوں کو قتل کرنا جائز ہوگا۔

عورت کیلئے خاوند اور غلام کیلئے آقا کی اجازت کا حکم

وَ لَا تُقَاتِلُ الْمَرْاَةُ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا وَ لَا الْعَبْدُ اِلَّا بِاِذْنِ سَيِّدِهٖ لِمَا بَيَّنَّاهُ اِلَّا اَنْ يَّهْجُمَ الْعَدُوُّ عَلٰى بَلَدٍ لِلضَّرُوْرَةِ

ترجمہ ...... اور کوئی عورت اپنے شوہر کی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں شرکت نہ کرے۔ کیونکہ شوہر اور آقا کا حق معدوم ہوتا ہے۔ البتہ اس صورت میں ان کی اجازت کے بغیر ضرورت خاص کی بناء شرکت جائز ہے جبکہ شہر پر کفارہ اور دشمنوں نے زبردست حملہ کردیا ہو (۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ سفر میں بہتر ساتھی چار عدد ہیں اور چھوٹے لشکروں میں بہتر لشکر چار سو ہیں بڑا لشکر چار ہزار بہتر ہے۔ اور جب بارہ ہزار ہوں تو تعداد کی کمی کی وجہ سے وہ مغلوب نہ ہوں گے۔ (رواہ ابوداؤد)

اور سریہ میں کم سے کم تین عدد ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ ایک سو ہیں)

غدر، غلول اور مثلہ کا حکم

وَ یَنْبَغِیْ لِلْمُسْلِمِیْنَ اَنْ لَّا یَغْدِرُوْا وَ لَا یَغُلُّوْا وَلَا یُمَثِّلُوْا لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَاتَغُلُّوْا وَ لَا تَغْدِرُوْا وَلَاتُمَثِّلُوْا وَ الْغُلُوْلُ اَلسَّرِقَةُ مِنَ الْمَغْنَمِ وَالْغَدْرُ اَلْخِیَانَةُ وَ نَقْضُ الْعَهْدِ وَالْمُثْلَةُ الْمَرْوِیَّةُ فِیْ قِصَّةِ الْعُرَنِیِّیْنَ مَنْسُوْخَةٌ بَالنَّهْیِ الْمُتَأَخِّرِ هُوَ الْمَنْقُوْلُ

ترجمہ...... اور مسلمانوں کو چاہئے کہ غدر، غلول اور مثلہ نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ غلول نہ کرو۔ غدر نہ کرو اور مثلہ نہ کرو۔ جیسا کہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے۔ غلول، مال غنیمت سے چوری کرنا، غدر، عہد توڑنا اور خیانت کرنا اور مثلہ مقتول کی ناک، کان وغیرہ کو کاٹ کر اس کی اصلی شکل بگاڑنا۔ اور عرنیہ والوں کے متعلق جو یہ بات مروی ہے کہ انہیں مثلہ بھی کیا گیا تھا۔ حالانکہ ممنوع کام ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس کی ممانعت کا حکم اس واقعہ سے پہلے نہیں ہوا تھا بلکہ بعد میں ہوا تھا۔ اس لئے اب یہ ممنوع ہی ہوا۔ یہی قول منقول ہے۔

تشریح...... ولا یمثلوا الخ اگر دشمن قابو میں آ جائے تو اسے مثلہ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر چہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مثلہ کا ثبوت ہے مگر اس کے بعد ہی آپ نے اس کی ممانعت فرمادی تھی لہٰذا مثلہ کا حکم منسوخ ہے۔ مثلہ کا واقعہ قبیلہ عرنیہ کے لوگوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اگر چہ یہ واقعہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ پھر بھی یہاں اس کا مختصراً بیان یہ ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ آ کر مسلمان ہوئے مگر بیمار پڑ گئے تب رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ جس جگہ پر زکوٰۃ کے اونٹ رہتے اور چرتے ہیں وہاں جا کر رہو اور ان اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو۔ انہوں نے اس پر عمل کیا اور اسی سے وہ تندرست ہو گئے تب چرواہوں کو قتل کر کے ان کے سارے جانور بھگا کر لے گئے۔ مگر وہ گرفتار کر کے لائے گئے تب آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیرنے کا حکم دیا...... الخ۔ بخاری اور مسلم وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جب کبھی کوئی خطبہ دیا ہر ایک میں مثلہ سے منع فرمایا۔ رواہ البیہقی۔ اور صحیح کی بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرینہ والوں نے چرواہوں کی آنکھیں ببول کے کانٹوں سے پھوڑ دی تھیں اس لئے اس کے قصاص میں رسول اللہ ﷺ نے پورا پورا بدلہ لینے کی غرض سے عرینہ والوں کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ ابن سعد نے بھی یہی روایت کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہر ایک خطبہ میں ہمیں صدقہ دینے پر آمادہ کراتے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے۔ اور بیہقی نے معرفت میں کہا ہے کہ عرینہ والوں کا واقعہ یا تو منسوخ ہے جیسا کہ قتادہ اور ابن سیرینؒ سے مروی ہے اور امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ یا عرینہ والوں کو مثلہ کرنا چرواہوں کے بدلہ میں تھا۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ یہی وجہ ہے کہ مثلہ ہمیشہ سے ممنوع ہے۔ اور عرینہ والوں سے قصاص لیا گیا تھا۔

عورت، بچے، بوڑھے، مقعد، اعمیٰ کو جہاد میں قتل نہ کیا جائے

وَلَا یَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَاصَبِیًّا وَلَا شَیْخًا فَانِیًا وَلَامُقْعَدًا وَلَا اَعْمٰی لِاَنَّ الْمُبِیْحَ لِلْقَتْلِ عِنْدَنَا هُوَ الْحِرَابُ وَلَایَتَحَقَّقُ مِنْهُمْ وَلِهٰذَا لَایُقْتَلُ یَابِسُ الشِّقِّ وَ الْمَقْطُوْعُ الْیُمْنٰی وَالْمَقْطُوْعُ یَدُهٗ وَرِجْلُهٗ مِنْ خِلَافٍ وَالشَّافِعِیُّ یُخَالِفُنَا فِی الشَّیْخِ وَ الْمُقْعَدِ وَالْاَعْمٰی لِاَنَّ الْمُبِیْحَ عِنْدَهٗ اَلْکُفْرُ وَالْحُجَّةُ عَلَیْهِ مَابَیَّنَّا وَقَدْ صَحَّ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ نَهٰی عَنْ قَتْلِ الصِّبْیَانِ وَالذَّرَارِیْ وَحِیْنَ رَأٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ امْرَأَةً مَقْتُوْلَةً قَالَ هَاهُ مَا کَانَتْ هٰذِهٖ تُقَاتِلُ فَلِمَ قُتِلَتْ

ترجمہ...... اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ میدان جہاد میں کسی عورت یا بچہ یا شیخ فانی یا لنگڑے یا اندھے کو قتل نہ کریں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک لڑائی دشمن کے قتل کو اگر چہ جائز کرنے والی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ ایسے لوگوں سے لڑائی نہیں ہو سکتی ہے اس لئے اسے اور ایسے شخص کو بھی جس کے بدن کا ایک پہلو

خشک ہو چکا ہو یا دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو یا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹا ہوا ہو اسے بھی قتل نہ کریں۔ اور امام شافعیؒ شیخ فانی و لنگڑے و اندھے کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک قتل کو مباح کرنے والی چیز کفر کا ہونا ہے جو ان سب میں موجود ہے۔ ان کے خلاف ہماری دلیل وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دی ہے (۔ کہ لڑائی کا ہونا ہی قتل کے لئے مبیح ہے) اور اس طرح سے بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کو مقتول پایا تو فرمایا یہ عورت تو نہیں لڑ سکتی تھی پھر یہ کیوں قتل کی گئی۔

تشریح ...... و لا یقتلوا امراۃ ...... الخ بہت بوڑھے اندھے، لنگڑے اور ہاتھ پاؤں کٹے لوگوں کے قتل میں دو اقوال ہیں یعنی قول اول میں سب قتل کئے جائیں گے اور دوسرے قول میں قتل نہیں کئے جائیں گے۔ امام مالک اور احمد رحمۃ اللہ علیہما کا یہی قول ہے۔ جیسا کہ الوجیز میں ہے۔ اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے ممانعت کی حدیث صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔ اور مقتولہ عورت کی حدیث عبدالرزاق و ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔ اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے کسی جہاد میں ایک عورت کو مقتول دیکھ کر عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور یہی مفہوم طبرانی و ابن حبان و احمد اور ابن ماجہ میں مذکور ہے۔ الحاصل عورتوں اور بچوں کے قتل کے ممنوع ہونے پر اجماع ہے۔ واضح ہو کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خاص ارادہ اور نشانہ کر کے عورت اور بچہ کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر ان کو علیحدہ کرنا اور ممتاز کرنا ممکن نہ ہو جیسے قلعہ پر حملہ کرنے میں یا مشرکوں پر عام چھاپہ مارنے میں بچے یا عورتیں نشانہ بن جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور مواخذہ نہیں ہے۔ چنانچہ ابوداؤد و ترمذی کی حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث میں مذکور ہے۔ اور شیخ فانی سے مراد وہ بوڑھا مرد ہے جو قتال نہیں کر سکتا ہے۔ اور جب مقابلہ میں صفیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ جائیں اس وقت وہ چلا کر لوگوں کو مقابلہ پر آمادہ نہ کرتا ہو۔ اور نہ وہ حیلہ و تدبیر کر سکتا ہو۔ اور نہ وہ جنگ کی کاروائی میں صاحب رائے ہو۔ اگر ایسا ہو تو اسے بھی قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے درید ابن صمہ کو جو کہ ایک سو بیس برس کا تھا قتل کر دیا۔ کیونکہ وہ جنگی معاملات میں بہت ہوشیار اور صاحب رائے تھا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کا قتل اسی صورت میں جائز ہو گا جب کہ ان سے مسلمانوں کو نقصان ہو ورنہ جائز نہ ہو گا۔

مذکورہ بالا لوگوں کو کب قتل کرنے کی گنجائش ہے؟

قَالَ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ اَحَدُھٰٓؤُلَاءِ مِمَّنْ لَہٗ رَأْیٌ فِی الْحِرَابِ اَوْتَکُوْنُ الْمَرْاَۃُ مَلَکَۃً لِتَعَدِّیْ ضَرَرِھَا اِلَی الْعِبَادِ وَ کَذَا یُقْتَلُ مَنْ قَاتَلَ مِنْ ھٰٓؤُلَاءِ دَفْعًا لِشَرِّہٖ وَلِاَنَّ الْقِتَالَ مُبِیْحٌ حَقِیْقَۃً

ترجمہ ...... قدوریؒ نے کہا ہے کہ البتہ اگر ان مجبور لوگوں میں سے کوئی شخص لڑائی کے سلسلہ میں رائے اور تدبیر رکھتا ہو یا عورت اپنے علاقہ کی ملکہ (یا سردار) ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کا اثر اور ضرر بندوں اور عوام تک پہنچتا ہے۔

(اسی طرح مذکورہ لوگوں میں سے جو کوئی قتال کرتا ہو تو اس کے شر سے بچنے کے لئے بھی اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس لئے بھی کہ قتال کا جاری رہنا ہی اس کے قتل کو مباح کرتا ہے (۔ اسی طرح جو راہب اپنی صومعہ (عبادت گاہ) یا گرجا گھر میں ہو اعوام اور لوگوں سے میل جول نہ رکھتا ہو تو اس کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے)

میدان جہاد میں مجنون کو بھی قتل نہ کیا جائے

وَ لَا یَقْتُلُوْا مَجْنُوْنًا لِاَنَّہٗ غَیْرُ مُخَاطَبٍ اِلَّا اَنْ یُّقَاتِلَ فَیُقْتَلُ دَفْعًا لِشَرِّہٖ غَیْرَ اَنَّ الصَّبِیَّ وَ الْمَجْنُوْنَ یُقْتَلَانِ مَادَامَا یُقَاتِلَانِ وَ غَیْرُھُمَا لَا بَأْسَ بِقَتْلِہٖ بَعْدَ الْاَسْرِ لِاَنَّہٗ مِنْ اَھْلِ الْعِقَابِ لِتَوَجُّہِ الْخِطَابِ نَحْوَہٗ وَاِنْ کَانَ یُجَنُّ وَیُفِیْقُ فَھُوَ فِیْ حَالِ اِفَاقَتِہٖ کَالصَّحِیْحِ

ترجمہ......اسی طرح مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی دیوانہ کو بھی قتل نہ کریں کیونکہ اسے شریعت کی طرف سے کوئی خطاب نہیں ہے۔البتہ اگر وہ لڑائی میں عملی حصہ دار ہو تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا تاکہ لوگ اس کے نقصان سے محفوظ رہیں۔لیکن آئمہ اربعہ کے نزدیک بچہ اور دیوانہ کو قتل کرنا اسی وقت تک جائز ہے جب تک وہ قتال میں شریک ہوں یعنی اگر وہ گرفتار کر لئے جائیں تو انہیں قتل نہیں کیا جائے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو قید کے بعد بھی قتل کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ بھی عذاب دیئے جانے کے مستحق ہو چکے ہیں اس لئے کہ ان کے عاقل اور بالغ ہو جانے کے بعد سے حکم الٰہی کے وہ بھی مخاطب بن چکے ہیں اور اگر کوئی مجنون ایسا ہو کہ کسی وقت اسے جنون رہتا ہو اور کسی وقت وہ اچھا ہو جاتا ہو تو اس کی تندرستی کی حالت میں اس پر تندرستی کا حکم نافذ ہوگا اور وہ بھی تندرست کے مثل ہوگا۔

مجاہد اپنے باپ کو پیش قدمی کر کے قتل نہ کرے

وَ يُكْرَهُ اَنْ يَّبْتَدِئَ الرَّجُلُ اَبَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَيَقْتُلَهُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَ لِاَنَّهٗ يَجِبُ عَلَيْهِ اِحْيَاؤُهٗ بِالْاِنْفَاقِ فَيُنَا قِضُهُ الْاِطْلَاقُ فِيْ اِفْنَائِهٖ

ترجمہ......اور یہ بات مکروہ ہے کہ مجاہد پہل اور پیش قدمی کر کے اپنے باپ کو خود قتل کرے۔اس فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے کہ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا یعنی دنیا میں اپنے والدین کے ساتھ اچھی طرح پر زندگی بسر کرو(۔اس لئے اگر باپ مشرکوں کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے قتال کرنے کو آئے اور مجاہدین کی صف میں اس باپ کا بیٹا بھی موجود ہو تو اسی بات میں بھلائی ہے کہ اپنی طرف سے پیش قدمی کر کے اسے قتل نہ کرے) اور اس دلیل سے بھی کہ بیٹے پر یہ واجب ہے کہ نفقہ دے کر اپنے باپ کو زندہ رکھے (اور بھوکا رکھ کر اسے نہ مرنے دے) ایسی صورت میں قصداً اور پیش قدمی کر کے اسے مار ڈالنے کی مطلق اجازت ہونا اس تقاضا کے خلاف ہوگا۔

باپ نے بیٹے کو اور بیٹے نے باپ کو پالیا اور آمنا سامنا ہوا تو کیا کریں

فَاِنْ اَدْرَكَهٗ امْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقْتُلَهٗ غَيْرُهٗ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ يَحْصُلُ بِغَيْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اقْتِحَامِهِ الْمَاْثَمَ وَاِنْ قَصَدَ الْاَبُ قَتْلَهٗ بِحَيْثُ لَايُمْكِنُهٗ دَفْعُهٗ اِلَّا بِقَتْلِهٖ لَابَاْسَ بِهٖ لِاَنَّ مَقْصُوْدَهُ الدَّفْعُ اَلَاتَرٰى اَنَّهٗ لَوْشَهَرَ الْاَبُ الْمُسْلِمُ سَيْفَهٗ عَلٰى ابْنِهٖ وَ لَا يُمْكِنُهٗ دَفْعُهٗ اِلَّا بِقَتْلِهٖ يَقْتُلُهٗ لِمَابَيَّنَّا فَهٰذَا اَوْلٰى

ترجمہ......پھر اگر باپ نے بیٹے کو یا بیٹے نے اپنے باپ کو میدان جہاد میں پایا اور دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔تو باپ کو وہیں پر روک رکھے خود اس پر حملہ نہ کرے یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص اسے قتل کر دے(۔یعنی باپ یہ چاہتا ہو کہ اسے قتل کر دے لیکن بیٹے کے لئے اگر یہ ممکن ہو کہ خود کو اس سے بچا کر اسے قتل کر دے تو بیٹے کو چاہئے کہ کسی بھی طرح سے اسے لڑائی میں مشغول رکھے مثلاً اس کے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ دے یا اسے گھوڑے پر سے گرا دے۔یا کسی جگہ اسے مجبور کر کے روک کر رکھے یہاں تک کہ کوئی دوسرا مسلمان وہاں پر آ کر اسے قتل کر دے یہی حکم دوسرے محارم ماں، دادا، دادی وغیرہ کا ہے۔) کیونکہ جو مقصود ہے اسے وہ خود نہ کر کے دوسرے کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے اور اگر کافر باپ نے اسے قتل کرنا چاہا اور اس کو قتل کرنے کے سوا خود کو بچانے کی کوئی صورت اس بیٹے کے پاس نہ ہو تو ایسی صورت میں باپ کو قتل کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔کیونکہ ایسی صورت میں اس مسلمان بیٹے کو اپنی ذات سے اس مصیبت کو دور کرنے اور خود کو بچانے کے سوا دوسری کوئی نیت نہیں ہے۔کیا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے (بلکہ ضرور آتی ہے) کہ اگر کسی موقع میں مسلمان باپ بھی اپنے بیٹے پر اس کے قتل کرنے کی نیت سے تلوار کھینچ لے۔اور بیٹا کسی صورت

سے بھی خود کو اس سے نہیں بچا سکتا ہو سوائے اس کے خود سبقت کر کے باپ کو قتل کر دے تو اسے قتل کرنا جائز ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کہ اس لاچاری میں وہ خود کو اس خطرناک نقصان سے بچالے۔ پس یہاں کافر باپ سے مقابلہ ہونے کی صورت میں تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

تشریح ...... فَاِنْ اَدْرَکَهٗ ...... الخ اگر میدان میں بیٹے کے لئے یہ ممکن نہ ہو کہ باپ کے حملہ میں خود کو اس سے بچا سکے۔ تو از خود اس پر حملہ نہ کر کے اسے کس طرح اتنی دیر تک روک رکھے کہ کوئی دوسرا آ کر اسے قتل کر دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو اور اس کے حملہ سے بچنے کے لئے خود ہی اس پر پہل کر کے قتل کی مجبوری ہو جائے تو یہ بھی کر سکتا ہے اور بیٹے کو جائز نہ ہوگا کہ باپ کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرے مجاہدین اس بیٹے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کافر باپ کو بھاگ جانے دے بلکہ اسے مجبور کر کے روکے یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص اسے قتل کر دے اور اگر اس طرح روکنے میں خود قتل ہوتا ہو تو باپ کو بھی قتل کر دے کیونکہ اس پر اپنی جان کی حفاظت فرض ہے اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ اگر باپ اور بیٹا دونوں سفر میں ہوں اور دونوں ہی پیاس کی زیادتی سے مرنے لگیں اور بیٹے کے پاس صرف اتنا ہی پانی موجود ہو جس سے ان میں سے کسی ایک کی جان بچ سکتی ہے تو بیٹے پر فرض ہوگا کہ اپنی جان بچائے ورنہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہوگا۔ اور اگر کسی نے اپنے باپ کے متعلق یہ سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو برائی کے ساتھ یاد کرتا ہے تو بیٹے کو لئے یہ جائز ہوگا کہ اپنے اس باپ کو قتل کر دے کیونکہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کی زبان سے سنا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے اس لئے ان سے ضبط نہ ہو سکا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر ایسا کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کے خلاف کچھ نہیں فرمایا اگر باپ مسلمان ہو اور بیٹا مشرکوں کی طرف ہو تو باپ کے لئے یہ بات مکروہ بھی نہیں ہے کہ اپنے کافر بیٹے کو قتل کر دے۔ اسی طرح اگر چچا و ماموں اور دوسرے ذوی الارحام کافر ہوں اور کافروں کی طرف سے لڑنے آئیں تو ان کا قتل کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ مسلمان ہوں مگر خلیفہ اسلام سے باغی ہوں تو مکروہ ہے کہ باپ کی طرح پیش قدمی کر کے ان کو قتل کر دے۔ اگر محصن باپ نے زنا کیا اور اس کے گواہوں میں ایک اپنا بیٹا بھی ہو۔ یہاں تک کہ [illegible] کے رجم کر [illegible] کا حکم بھی ہو گیا تو ایسی صورت میں اگرچہ گواہ ہی کو حکم ہوتا ہے کہ پہلے وہ کنکریاں مارے۔ مگر موجودہ صورت میں بیٹے کو چاہئے [illegible] اسے کنکری مارتے وقت اس [illegible] قتل کرنے کی نیت نہ کرے بلکہ اس کی طرف کنکری پھینک دے۔

بَابُ الْمُوَادَعَةِ وَمَنْ يَّجُوْزُ أَمَانُهٗ

ترجمہ ...... باب، مصالحت کرنے اور جس کی امان جائز ہے اس کے بیان میں

امام کیلئے اہل حرب کیساتھ صلح کا حکم

وَ اِذَا رَاَى الْاِمَامُ اَنْ يُّصَالِحَ اَهْلَ الْحَرْبِ اَوْ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ وَ كَانَ فِيْ ذَالِكَ مَصْلَحَةٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ فَلَابَاْسَ بِهٖ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ وَادَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَهْلَ مَكَّةَ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى اَنْ يَضَعَ الْحَرْبُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهُمْ عَشَرَ سِنِيْنَ وَلِاَنَّ الْمُوَادَعَةَ جِهَادٌ مَعْنًى اِذَا كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِيْنَ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِهٖ وَلَايَقْتَصِرُ الْحُكْمُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمَرْوِيَّةِ لِتَعَدِّى الْمَعْنٰى اِلٰى مَازَادَ عَلَيْهَا بِخِلَافِ مَااِذَالَمْ تَكُنْ خَيْرًا لِاَنَّهٗ تَرْكُ الْجِهَادِ صُوْرَةً وَّمَعْنًى

ترجمہ ...... اگر امام نے مسلمانوں کے حق میں دشمنوں سے یا ان کے کسی فریق سے صلح کر لینے ہی میں مصلحت سمجھی اور واقعتاً ایسا کرنے میں مسلمانوں کے حق میں بہتری ہو تو ایسا کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی اگر کافروں کی جماعت مسلمانوں سے صلح کر لینے کے لئے جھک جائے تو اے نبی آپ ان سے مصالحت کے لئے جھک جائیں

اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرلیں اور رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے سال میں مکہ والوں کے ساتھ دس برس تک کے لئے اس شرط پر مصالحت کی تھی کہ آپ کے اور کافروں کے درمیان لڑائی بند رہے گی۔ رواہ ابوداؤد واحمد وغیرہ۔ اور اس دلیل سے بھی جائز ہے کہ مصالحت کرنی بھی جہاد ہی کے حکم میں ہے مگر باطنی طور پر بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے واسطے بہتر ہو۔ کیونکہ جہاد کا مقصد شر کو دور کرنا ہوتا ہے اور وہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ ایک روایت میں مصالحت کی مدت جو دس برس لکھی گئی ہے وہ صلح کے جائز ہونے کی ہے لیکن اتنی ہی کا ہونا ضروری بھی نہیں ہے جس معنی کی بناء پر جائز کہا گیا ہے وہ معنی اس سے زیادہ مدت میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یعنی اگر دس برس سے زیادہ مصالحت کرنے میں بھی مسلمانوں کا فائدہ ہو تو وہ بھی جائز ہوگی لیکن اگر مسلمانوں کے حق میں مصالحت میں فائدہ اور مصلحت نہ ہو تو وہ جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس دوسری صورت میں جبکہ وہ مسلمانوں کے لئے مفید نہ ہو جہاد کا ظاہری اور باطنی دونوں طور پر چھوڑنا لازم آتا ہے۔

تشریح...... دشمنوں سے مصالحت کرنے میں اگر مسلمانوں کے لئے فائدہ ہو تو بالاتفاق تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے اسی طرح اگر مصلحت نہ ہو تو بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ بیہقیؒ نے کہا ہے کہ صلح حدیبیہ میں کفار قریش سے جو مصالحت ہوئی تھی اس سلسلہ میں کئی اور روایتوں میں دو برس کی مدت بیان کی گئی ہے۔ اس سے مراد وہی مدت ہے جس میں وہ مصالحت باقی رہی اور اس پر عمل ہوا اور نہ اصل میں مصالحت تو دس برسوں کے لئے ہوئی تھی۔ اور بیہقیؒ کا یہ کلام بہت بہتر ہے۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے حمایت میں بنوخزاعہ تھے۔ اس لئے قریش نے اپنے حلیف بنوبکر کی مدد کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اس طرح جب قریش نے اس عہد کو توڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے چڑھائی کر کے مکہ فتح کرلیا۔ اور یہ واقعہ دو برس کے بعد ہوا۔

صلح کر کے مدت معینہ کے بعد صلح کو توڑنے کا حکم

وَ اِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَأَى نَقْضَ الصُّلْحِ أَنْفَعَ نَبَذَ إِلَيْهِمُ الْإِمَامُ وَقَاتَلَهُمْ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبَذَ الْمُوَادَعَةَ الَّتِي كَانَتْ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اَهْلِ مَكَّةَ وَلِأَنَّ الْمَصْلَحَةَ لَمَّا تَبَدَّلَتْ كَانَ النَّبْذُ جِهَادًا وَاِيْفَاءُ الْعَهْدِ تَرْكُ الْجِهَادِ صُوْرَةً وَمَعْنًى فَلَابُدَّ مِنَ النَّبْذِ تَحَرُّزًا عَنِ الْغَدْرِ وَ قَدْ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْعُهُوْدِ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ وَ لَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ يَبْلُغُ فِيْهَا خَبَرُ النَّبْذِ اِلَى جَمِيْعِهِمْ وَيُكْتَفَى فِيْ ذَالِكَ بِمُضِيِّ مُدَّةٍ يَتَمَكَّنُ مَلِكُهُمْ بَعْدَ عِلْمِهِ بِالنَّبْذِ مِنْ اِنْفَاذِ الْخَبَرِ اِلَى اَطْرَافِ مَمْلَكَتِهِ لِأَنَّ بِذَالِكَ يَنْتَفِي الْغَدْرُ

ترجمہ...... اور اگر امام المسلمین نے کافروں سے کسی خاص معین مدت کے لئے صلح کی مگر بعد میں اس نے اس معاہدہ کے توڑ ڈالنے میں مصلحت سمجھی تو امام کو چاہئے کہ عہد توڑ ڈالنے کی خبر کافروں کو پہلے کر دے پھر ان سے قتال کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس عہد کو جو آپ کے اور کفار قریش کے درمیان ہوا تھا ان کفار پر پھینک دیا (توڑ دیا) اور قریش کو اس سے مطلع کر دیا (یعنی معاہدہ کے ڈیڑھ برس کے بعد قریش مکہ نے بنوبکر کے ساتھ ہو کر بدعہدی کرتے ہوئے اس قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے جانبدار اور حلیف تھے تب آپ نے بھی ان کا عہد ان پر پھینک مارا۔ اور لڑائی کا سامان کر کے مکہ پر چڑھائی کر دی۔ جیسا کہ بیہقی وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے) اور اس دلیل سے کہ جب مسلمانوں کی مصلحت بدل گئی تو عہد کو پھینک دینا جہاد ہے۔ اور عہد کو پورا کرنا ظاہر و باطن ترک جہاد ہے۔ (حالانکہ ظاہر و باطن دونوں طرح ترک جہاد جائز نہیں ہے۔) اس لئے عہد کو ختم کر دینا ہی ضروری ہوا۔ ختم کر دینے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کافروں کو پہلے سے مطلع کر دیا جائے ہم نے تم سے کئے ہوئے عہد کو اب ختم کر دیا ہے تا کہ غداری اور بدعہدی نہ ہو۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے عہود کے بارے میں فرمایا ہے کہ عہد وفا ہے اور غدر نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے اور عہد ختم کرنے کے موقع پر اتنی مدت درمیان میں ہونی ضروری ہے جس میں تمام کافروں کو معاہدہ کے ختم ہونے کی خبر پہنچ سکے اور وہ دھوکہ میں یا بے خبر نہ رہیں۔ مگر اس کے لئے حقیقتاً سب کو مطلع ہو جانا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنی مدت کا گذر جانا کافی ہے کہ

کافروں کا بادشاہ یا راجہ اس معاہدہ کے ختم ہو جانے سے خود واقف ہو کر اپنے تمام علاقوں میں خبر پہنچا سکے ایسا کر دینے سے بدعہدی کا الزام نہ ہوگا۔

تشریح ...... وَ لَا بُدَّ مِنِ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ ...... الخ اگر امام المسلمین مسلمانوں کے فائدہ کے پیش نظر کافروں سے مصالحت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر مصالحت کے بعد کسی وجہ سے اس معاہدہ کو ختم کر دینا چاہے تو اس کی بھی اسے اجازت ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ کافروں کے سرداروں کو اس کی اطلاع بھی کر دے تاکہ بدعہدی اور غداری کا ہم پر الزام نہ ہو اور وہ غفلت میں پڑے نہ رہیں۔ ساتھ ہی اتنا وقت بھی ان کو دیا جائے جس میں خبر ان کے ہاں پھیل سکے پھر خبر خواہ پھیلے یا نہ پھیلے اس کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کافروں کے بادشاہ کو یہ خبر دیدی گئی کہ ہم نے عہد توڑ دیا ہے تو اس کے بعد فوراً ہی حملہ نہ کر دے کیونکہ وہ لوگ اس معاہدہ کی بنا پر دھوکہ میں لڑائی سے غافل رہیں گے ایسی صورت میں حملہ کرنا بد عہدی ہوگی بلکہ اتنی مدت بھی متعین کر دی جائے کہ وہ کفار اس سے باخبر ہو سکیں۔ لیکن ان سب کو خبر ہوئی یا نہیں اس کی خبر نہیں ہو سکتی ہے اس لئے اتنی مدت کا گذر جانا ہی کافی ہوگا۔ کہ جس میں کافروں کا بادشاہ اپنے ملک کے تمام علاقوں میں اس خبر سے سب کو مطلع کر سکتا ہو۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار روم کے ساتھ معاہدہ کیا پھر لشکر کو لے کر ان کافروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر عہد کے توڑنے کی خبر دینے کے ساتھ ہی ان پر حملہ بھی کر دینا چاہا۔ اتنے میں ایک شخص پیچھے سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے یہ کہتا ہوا آیا کہ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ۔ اس پر مڑ کر ان کو دیکھا تو وہ عمرو ابن عنبسہ تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس شخص سے کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو وہ اس مدت کے اندر کوئی گرہ مضبوط نہ کرے اور نہ کھولے (معاہدہ میں ذرہ برابر کمی وبیشی نہ کرے) یہاں تک کہ وہ مدت گذر جائے۔ یا عہد توڑنے کی اطلاع برابری کے ساتھ ان کو بھی دے۔ پس یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر لوٹ آئے۔

(رواہ احمد، ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان)

اس کے معنی یہ ہیں کہ مدت کے درمیان حملہ کا سامان نہ کرے مگر اس طرح سے کہ ان کو بھی اطلاع دیدے تاکہ وہ لوگ بھی سامان کر سکیں۔

کفار نقض عہد میں پہل کریں تو امام بھی ان سے مقاتلہ کرے

قَالَ وَ اِنْ بَدَؤا بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يَنْبُذْ اِلَيْهِمْ اِذَا كَانَ ذَالِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ لِاَنَّهُمْ صَارُوْا نَاقِضِيْنَ لِلْعَهْدِ فَلَاحَاجَةَ اِلَى نَقْضِهِ بِخِلَافِ مَا اِذَادَخَلَ جَمَاعَةٌ مِّنْهُمْ فَقَطَعُوا الطَّرِيْقَ وَلَامَنَعَةَ لَهُمْ حَيْثُ لَايَكُوْنُ هٰذَا نَقْضًا لِلْعَهْدِ وَلَوْكَانَتْ لَهُمْ مَنَعَةٌ وَقَاتَلُوا الْمُسْلِمِيْنَ عَلَانِيَةً يَكُوْنُ نَقْضًا لِلْعَهْدِفِيْ حَقِّهِمْ دُوْنَ غَيْرِهِمْ لانه بغَيْرِ اِذْنِ مَلِكِهِمْ فَفِعْلُهُمْ لَا يَلْزَمُ غَيْرَهُمْ حَتّٰى لَوْ كَانَ بِاِذْنِ مَلِكِهِمْ صَارُوْا نَاقِضِيْنَ لِلْعَهْدِ لِاَنَّهُ بِاتِّفَاقِهِمْ مَعْنًى

ترجمہ ...... قدوریؒ نے کہا کہ اگر کافروں نے بدعہدی کرنے میں خود ہی ابتداء کی تو امام بھی ان سے مقاتلہ کرے اور معاہدہ کو ختم کرنے کی ان کو اطلاع نہ دے اور ان کے پاس اس کی خبر نہ بھیجے بشرطیکہ ان کافروں نے متفق ہو کر ویسا کیا ہو (۔ یا کافروں کی کسی بڑی جماعت نے اپنے بادشاہ کی اجازت سے خیانت کی ہو)۔ کیونکہ جب ان لوگوں نے خود ہی عہد توڑ دیا تو اب اس کے توڑنے کی ضرورت نہیں رہی بخلاف اس کے اگر کافروں کی ایک جماعت یا چھوٹی جماعت نے جن کو پوری قوت اور شوکت حاصل نہ ہو دار الاسلام میں گھس کر ڈکیتی کی تو اسے پوری قوم کا عہد توڑنا نہیں کہا جا سکتا ہے اور اگر ان لوگوں کو قوت حاصل ہو اور انہوں نے کھلم کھلا اعلانیہ مسلمانوں سے قتال کیا ہو تو یہ ان ڈکیتوں کے حق میں عہد شکنی شمار کی جائے گی لیکن پوری قوم کی طرف سے نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا یہ عمل اپنے بادشاہ کے مشورے اور اجازت کے بغیر ہوا ہے۔ اس لئے ان کا عمل دوسرے پر لازم نہ ہوگا ہاں اگر بادشاہ کی اجازت یا اس کے اشارہ سے کیا ہو تو یہ عہد شکنی سب کی طرف سے ہوگی اور سب غدار کہلائیں گے کیونکہ وہ سب چھپ کر اس پر

متفق پائے گئے۔

تشریح...... قَالَ وَ اِنْ بَدَؤا بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يَنْبُذْ اِلَيْهِمْ اِذَا كَانَ ذَالِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ لِأَنَّهُمْ صَارُوْا نَا قِضِيْنَ لِلْعَهْدِ ......الخ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر تھوڑے سے کافروں نے عہد کے خلاف مسلمانوں سے قتال کیا اگر واقعتاً وہ اتنے تھوڑے آدمی ہوں جن کو مقابلہ کی طاقت نہیں تھی پھر بھی مقابلہ میں آئے تو انہیں چور سمجھا جائے گا اور معاہدہ پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ اور اگر ان کو مقابلہ کی طاقت ہو اور گمان غالب یہ ہو کہ انہوں نے اپنی حکومت کے اشارہ اور اجازت کے بغیر ایسا کیا ہے تو امام المسلمین کو یہ اختیار ہوگا کہ ان کو گرفتار کر کے چاہے قتل کر دے یا چاہے تو غلام بنا کر رکھ لے۔ لیکن باقی لوگوں سے معاہدہ حسب دستور باقی رہے گا اور اگر گمان غالب یہ ہو کہ اپنی حکومت کے مشورے سے ایسا کیا ہے تو یہ غداری سب کی طرف سے سمجھی جائے گی۔

امام کے لئے مال کے عوض کفار سے صلح کا حکم

وَ اِذَا رَأَى الْاِمَامُ مُوَادَعَةَ اَهْلِ الْحَرْبِ وَ اَنْ يَّأْخُذَ عَلٰى ذَالِكَ مَا لًا فَلَا بَأْسَ بِهٖ لِاَنَّهٗ لَمَّا جَازَتِ الْمُوَادَعَةُ بِغَيْرِ الْمَالِ فَكَذَا بِالْمَالِ لٰكِنْ هٰذَا اِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِيْنَ حَاجَةٌ اَمَّا اِذَا لَمْ يَكُنْ لَا يَجُوْزُ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ وَالْمَاخُوْذُ مِنَ الْمَالِ يُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْيَةِ هٰذَا اِذَا لَمْ يَنْزِلُوْا بِسَاحَتِهِمْ بَلْ اَرْسَلُوْا رَسُوْلًا لِاَنَّهٗ فِيْ مَعْنَى الْجِزْيَةِ اَمَّا اِذَا اَحَاطَ الْجَيْشُ بِهِمْ ثُمَّ اَخَذُوا الْمَالَ فَهُوَ غَنِيْمَةٌ بِخُمُسِهَا وَتُقَسَّمُ الْبَاقِيْ بَيْنَهُمْ لِاَنَّهٗ مَاخُوْذٌ بِالْقَهْرِ مَعْنًى

ترجمہ...... اور اگر امام المسلمین نے کافروں سے مصالحت کرنے میں مصلحت سمجھی ساتھ ہی مال کے عوض صلح کرنے کو مناسب سمجھا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اس لئے صلح کے بدلہ مال لے سکتا ہے۔ بشرطیکہ واقعتاً اس وقت مسلمانوں کو مال کی ضرورت اور مجبوری ہو۔ اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس جہاد سے مقصود تو اللہ کا نام بلند کرنا ہوتا ہے۔ اور بغیر ضرورت مال لے کر جہاد کو ختم کر دینا جائز نہیں ہے البتہ ضرورت ہونے میں جائز ہے کیونکہ یہ صورت بھی معنی جہاد ہے۔ اس طرح جو کچھ مال ان سے کہا جائے گا اسے اسی طرح اور اسی موقع میں خرچ کیا جائے گا۔ جو جزیہ کے مال کے خرچ کی جگہ ہے۔ اس مال میں جزیہ کا حکم اسی صورت میں ہوگا جبکہ مسلمانوں کے لشکر کا ان لوگوں سے آمنا سامنا نہ ہوا ہو۔ بلکہ صرف پیغام کے ذریعہ بات طے ہوگئی ہو۔ کیونکہ اس طرح حاصل کیا ہوا مال جزیہ کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر مسلمانوں نے ان لوگوں کو گھیر لیا اس کے بعد انہوں نے لاچاری پر صلح کی تو یہ مال غنیمت کا سمجھا جائے گا یعنی اس مال کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ رکھ کر باقی چار حصے ان مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ کیونکہ اس طرح ان سے مال لے کر ان کو مغلوب کیا گیا ہے (۔ کیونکہ کافروں نے مجبور اور مغلوب ہو کر مال دے کر صلح کی ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہے اس لئے امام نے یہ صلح منظور بھی کی ہے اس لئے یہ مال بھی غنیمت کا مال سمجھا جائے گا جیسے ظاہری اور حقیقی قتال کے بعد ان کو مغلوب کر کے ان سے مال غنیمت ہاتھ آتا ہے۔

تشریح...... وَاِذَا رَأَى الْاِمَامُ...... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

مرتدوں سے صلح کرنے کا حکم

وَ اَمَّا الْمُرْتَدُّوْنَ فَيُوَادِعُهُمُ الْاِمَامُ حَتّٰى يَنْظُرُوْا فِيْ اَمْرِهِمْ لِاَنَّ الْاِسْلَامَ مَرْجُوٌّ مِنْهُمْ فَجَازَ تَاخِيْرُ قِتَالِهِمْ طَمْعًا فِيْ اِسْلَامِهِمْ وَ لَا يَاْخُذُ عَلَيْهِ مَالًا لِاَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ اَخْذُ الْجِزْيَةِ مِنْهُمْ لِمَا نُبَيِّنُ

ترجمہ...... اور جو لوگ اسلام سے مرتد ہوگئے (پھر کسی علاقہ پر غالب ہو کر خود مختار ہوگئے یہاں تک کہ وہ علاقہ دار الحرب کی شکل اختیار کر گیا۔ مگر

بعد میں انہوں نے امام المسلمین سے صلح کر لینے کی درخواست کر دی اور امام نے بھی اس وقت صلح کر لینے ہی میں مصلحت سمجھی) تو امام ان سے صلح کر سکتا ہے۔ تا کہ ان کے بارے میں غور کر لے۔ کیونکہ ایک امید یہ بھی باقی رہجاتی ہے کہ شاید یہ مرتدین دوبارہ مسلمان ہو جائیں۔ پس اسی امید پر ان سے لڑائی میں تاخیر کرنا جائز ہے۔ اور ان سے صلح کرنے پر مال نہیں لیا جا سکتا ہے (اگرچہ کافروں سے صلح پر مال لیا جا سکتا ہے) کیونکہ مرتدوں سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ باب الجزیہ میں بیان کریں گے۔

تشریح......

قبولیت اسلام کی امید پر قتال میں تاخیر کی بحث

دریں صورت قبولیت اسلام کی امید سے مراد مرتدوں سے توبہ کا مطالبہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ (ایک روایت کے مطابق) اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ لشکر اسلام کا سربراہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ کرلے تو بہتر ہے۔ توبہ سے انکار کی صورت میں مرتد کو قتل کر دیا جائے۔

۱..... حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے منقول ہے کہ کوفہ میں کچھ لوگ مسیلمہ کذاب کی جھوٹی باتوں کی تبلیغ کرتے ہوئے گرفتار ہوئے، انہوں (حضرت عبداللہ) نے حضرت عثمانؓ کو ان (مسیلمہ کذاب کے چیلوں) کے بارے میں لکھا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے جواباً لکھا کہ ان پر دین حق اور کلمہ شہادت پیش کرو، جو قبول کرے اور مسیلمہ کذاب سے دست بردار ہو جائے تو اسے قتل نہ کرو اور جو مسیلمہ کذاب کے جھوٹے دین کو اپنائے رکھے تو اسے قتل کر دو۔

واضح رہے کہ دورِ حاضر میں فتنہ قادیانیت، آغاخانیت، رافضیت، بہائیت کا یہی حکم ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی غلام احمد قادیانی، آغا خان، آئمہ اثنا عشرہ اور محمد انکی بہائی وغیرہ کی لفظاً یا معنیً نبوت کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ ان کی اشاعت پر بھی مُصر و مصروف ہیں۔

۲..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسیلمہ کذاب کی نبوت کے قائلین کو گرفتار کرایا ان میں سے کچھ افراد نے توبہ کرتے ہوئے مسیلمہ کذاب کی نبوت سے رجوع کیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔ بعد از اں ان لوگوں (مسیلمہ کذاب کے چیلوں) میں سے ایک شخص کو پیش کیا گیا جس کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے قتل کر دیا۔ اس عمل پر لوگوں نے دریافت کیا کہ ایک ہی معاملہ میں دو مختلف عمل کیوں سرزد ہوئے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میں (عبداللہ بن مسعود) رسولؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یہ شخص (عبداللہ بن نواحہ) اور حجر بن وثال رسولؐ کے طرف بطور وفد آئے۔ رسولؐ نے فرمایا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ انہوں (عبداللہ بن نواحہ، حجر بن وثال) نے کہا کہ کیا آپ ﷺ گواہی دیتے ہیں کہ (عیاذ باللہ) مسیلمہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ رسولؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ اگر میں کسی وفد کو قتل کرتا تو تم دونوں (عبداللہ بن نواحہ، حجر بن وثال) کو قتل کر دیتا۔ اسی لئے میں (عبداللہ بن مسعودؓ) نے اسے (عبداللہ بن نواحہ کو) قتل کر دیا۔

۳..... حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ المرتضیٰ نے ان کو اہل نہروان کی طرف بھیجا تو انہوں (حضرت براءؓ) نے اہل نہروان کو تین بار اسلام کی دعوت دی۔

۴..... حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے مقام تسترؔ فتح کر کے حجیبہ کے ان مرتدوں کو قتل کر دیا جو مشرکین سے مل گئے تھے۔ ان کے بارے میں حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ بن مالک سے گفتگو کرتے وقت فرمایا کہ اگر میں (عمرؓ بن خطاب) انہیں زندہ گرفتار کر لیتا تو ان پر وہ دروازہ (اسلام) پیش کرتا جس سے وہ نکلے تھے۔ اگر وہ (حجیبہ کے مرتد) لوٹ آتے تو ٹھیک ورنہ میں انہیں قید کر دیتا۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجیبہ کے مرتدوں کو قتل کرنے کی پاداش میں قاتلوں سے کوئی مواخذہ نہیں کیا۔

۵..... جو لوگ بار بار مرتد ہو جائیں اور پھر کفر میں بڑھ جائیں تو ایسے مرتدوں کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ الآیۃ (النساء: ۱۳۷)

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر کفر میں بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ (کما جاء فی الطحاوی)

متذکرہ دلائل معروضیہ سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والے افراد سے پہلے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ چنانچہ قبولیت کی صورت ان (مرتدوں) سے قتل وقتال ممنوع ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ مرتدوں سے قبولیت اسلام کی امید پر قتل وقتال میں تاخیر ہوگی مبادا کہ وہ لوگ (مرتد) اسلام قبول کر لیں۔

مرتدوں سے مال کے عوض صلح کا عدم جواز

اگر دوران قتال (لڑائی) لشکر اسلام پر مرتدین کا غلبہ ہو جائے اور مجاہدین اسلام سمیت عام مسلمانوں کی قتل وغارت کا واضح حال سامنے آ جائے تو اس صورت میں از روئے مصلحت مرتدوں سے صلح کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن ان (مرتدوں) سے مال کو بطور معاوضہ حاصل نہیں کیا جائے گا کیونکہ

۱) ان (مرتدوں) کا مال متقوم (قیمتی) نہیں جو کہ اسلام کے شایان شان نہیں۔

۲) صلح بعوض مال معنوی طور پر جزیہ ہے اور مرتدوں سے جزیہ اخذ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ کفار سے جزیہ وصول کرنے کا مقصد انہیں (کفار کو) اسلام کے قریب لانا اور عملی طور پر قبولیت اسلام کی راہ ہموار کرنا ہے۔ جب کہ مرتد اسلام میں داخل ہو کر اس (اسلام) کی صداقت وسچائی کو عملاً وقولاً دیکھ چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا سبب کے مفقود ہونے سے نفس جزیہ کا فقدان لازم آئے گا۔

مرتدوں سے مال لے کر صلح کرنے کا حکم

وَلَوْ اَخَذَہٗ لَمْ یَرُدَّہٗ لِاَنَّہٗ مَالٌ غَیْرُ مَعْصُوْمٍ وَلَوْ حَاصَرَ الْعَدُوُّ الْمُسْلِمِیْنَ وَطَلَبُوا الْمُوَادَعَۃَ عَلٰی مَالٍ یَدْفَعُہُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَیْھِمْ لَایَفْعَلُ الْاِمَامُ لِمَافِیْہِ مِنْ اِعْطَاءِ الدَّنِیَّۃِ وَاِلْحَاقِ الْمَذَلَّۃِ بِاَھْلِ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِذَا خَافَ الْھَلَاکَ لِاَنَّ دَفْعَ الْھَلَاکِ وَاجِبٌ بِاَیِّ طَرِیْقٍ یُّمْکِنُ

ترجمہ..... اور بالفرض اگر مرتدوں سے مال کے عوض صلح کی گئی اور مال لے لیا گیا تو ان کو واپس کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مرتد کا مال محترم مال نہیں ہوتا ہے اور اگر کافروں نے مسلمانوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ مسلمان ان سے مال کے بدلہ صلح کر لیں تو امام کو چاہئے کہ وہ اس صلح کو منظور نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے دیت دینا اور مسلمانوں پر ذلت مسلط ہونے کو تسلیم کر لینا ہوگا۔ البتہ اگر صورت حال ایسی ہو گئی ہو کہ اس کے بغیر سب کی ہلاکت کا خوف ہو تو (وقتی طور سے) جائز ہوگی کیونکہ جس طرح ممکن ہو مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانا واجب ہے۔ (یعنی خواہ قتال کر کے ہو یا مال دے کر ہو جس طرح بھی ممکن ہو ہلاک ہونے سے بچانا واجب ہے)۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتدوں سے صلح کے بدلے میں مال اخذ کر لیا تو وہ مال ناقابل واپسی ہوگا۔ کیونکہ ترک المال کی وجہ سے مرتدوں کا مال باعتبار قیمت کالعدم متصور ہوگا کیونکہ اس سے مال پر مرتد کی ملکیت باقی نہیں رہتی۔

مال غیر معصوم کی حقیقت:..... جب لفظ ''معصوم'' کی اضافت ''مال'' کی طرف ہو تو اس سے مراد ''مال کا قیمتی ہونا'' ہے۔ اور ''مال'' اس

وقت قیمتی ہوتا ہے جب وہ (مال) کسی کی ملکیت ہو۔ اور جو مال کسی کی ملکیت نہ ہو یا کسی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو چکی ہو تو اسے مال غیر معصوم کہتے ہیں۔ چونکہ مرتد نے ترک اسلام کا ارتکاب کیا ہے اس لئے ترک اسلام کے باعث مرتد کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے اس لئے مرتد کا مال غیر معصوم متصور ہوتا ہے۔

۱۔ البتہ مرتد کا مال ملکیت کے حوالے سے اس وقت تک زوال پذیر رہے گا جب تک کہ وہ (مرتد) دوبارہ اسلام قبول نہ کرلے۔

۲۔ مرتد کی موت یا قتل یا دارالحرب میں کفار سے ملنے کی صورت میں اس (مرتد) کے مال کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ متذکرہ ہر دو صورتوں میں ائمہ فقہاء کے مابین کوئی اختلاف موجود نہیں۔

۳۔ زوال ملکیت کے اسباب دو ہیں، (۱)......موت، قتل، دارالحرب سے ملنا۔ (۲)......ترک اسلام یعنی ارتداد۔ چنانچہ زوال ملکیت کے اسباب کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین (امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مرتد کا زوال ملکیت ارتداد کی بناء پر متحقق نہیں ہوتا بلکہ مرتد کا مال پر سے ملکیت کا خاتمہ موت یا قتل یا دارالحرب میں مل جانے کے باعث ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ مال پر سے زوال ملکیت ''ارتداد'' ہے۔ لہٰذا مرتد کی ملکیت اپنے مال پر ظاہری حالت کے پیش نظر موقوف رہے گی۔ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو اس کا مال معصوم ہوگا۔ اگر وہ قبولیت اسلام سے قبل فوت ہو گیا یا قتل ہو گیا یا دارالحرب سے جاملا تو اس کا مال غیر معصوم غیر معصوم متصور ہوگا اگر حالت ارتداد میں مرتدوں سے صلح کے معاوضہ میں مال اخذ کرلیا تو مال کے غیر معصوم ہونے کی وجہ سے انہیں واپس نہیں کیا جائے گا۔ صاحبؒ ہدایہ متن میں امام ابوحنیفہؒ کے موقف کو پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہی قابل ترجیح ہے۔ بایں وجہ کہ صاحبؒ ہدایہ بذات خود اصحاب ترجیح میں شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی رائے امام ابوحنیفہؒ کے موقف کے حوالے سے راجح متصور ہوگی۔

محاصرے کی حالت میں مرتدوں کا مسلمانوں سے صلح کا عوض طلب کرنا

اگر اہل اسلام پر ایسی حالت کا سامنا ہو جائے کہ وہ مرتدوں کے نرغے میں (بحالت محاصرہ) پھنس گئے ہیں اور اسی حالت سے فائدہ اٹھانے کیلئے مسلمانوں سے بعوض صلح مال طلب کریں تو مسلم حکمران کو چاہئے کہ وہ ان (مرتدوں) کو صلح پر مبنی مطالبہ (عوض مال) تسلیم نہ کرے۔ کیونکہ دریں صورت

۱) صلح کے بدلے میں دیئے گئے مال کی حیثیت ''خون بہا'' ادا کرنے کے مترادف ہے۔

۲) بعوض مال صلح کرنا اسلام اور نفس اسلام کی تذلیل ہے۔

اسلام کے حق میں یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں ہیں۔ بایں وجہ کہ ترک اسلام کی صورت میں مرتدوں نے عملاً اسلام کی حقانیت وسچائی کا انکار کر کے ''ذلت'' بہم پہنچائی۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جو جزیہ اخذ کرنے سے ممانعت کرتا ہے۔ بوقت قتال مرتدوں سے دو مطالبے

۱) اسلام قبول کرو یا ۲) قتال کیلئے تیار ہو جاؤ

جزیہ کا مطالبہ نہ کرنا ارتداد کفر کو شدید کرتا ہے۔ کیونکہ جزیہ کی صورت میں کفار کی نہ صرف جان بخشی ہو جاتی ہے بلکہ ان کی فلاح و بہبود اور قربت اسلام کی برکات سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ لیکن مرتدوں کو ان مواقع سے محروم کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہو کہ ارتداد کفر سے بدتر شئ ہے۔ اس لئے اگر مسلمان مرتدوں کے محاصرے میں گھر جائیں تو جام شہادت نوش کرنے یا محاصرہ توڑنے کو ترجیح دیں۔ جیسا کہ اُحد و حنین اور خندق و تبوک کے غزوات میں کفار کے گھیراؤ میں آنے کی صورت میں اہل اسلام نے قوت ایمانی کے انوارات بکھیرتے ہوئے یا تو انہوں نے اہل کفر کے محاصروں کو توڑا یا پھر جام شہادت نوش کیا۔ بعد ازاں بلادِ شام بلادِ روم وغیرہ کے معرکوں میں اہل

اسلام نے دین حق کی سر بلندی کو بحال رکھتے ہوئے اہل کفر کے محاصروں کو توڑ پھوڑ کے رکھ دیا۔

الغرض...... کہ محاصرہ اہل کفر کا ہو یا مرتدوں کا انہیں توڑنے کی تدابیر اختیار کی جائیں یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان عزیز کا نذرانہ پیش کیا جائے۔ ان (کفار، مرتدین) کے مطالبہ (بعوض مال صلح) کو تسلیم نہ کیا جائے تاکہ اسلام اور اہل اسلام کی عظمت و سر بلندی برقرار رہے۔ اگر صلح کے بدلے میں انہوں (مرتدوں کو) مال دے دیا یہ "دیت" متصور ہوگی۔

وجوب دیت کی شرائط

پہلی شرط...... مقتول معصوم الدم ہو۔ یعنی ایسا شخص جس کا خون بہانا اسلام میں حرام ہو۔ چنانچہ حربی (جنگ کرنے والا کافر)، باغی، مرتد، محصن زانی، مستوجب قصاص پر مشتمل افراد کے خون بہانے سے دیت واجب نہیں ہوتی۔

دوسری شرط...... مقتول متقوم (قدر و قیمت کا حامل) ہو۔ جبکہ مرتد ترک اسلام کے ارتکاب کی پاداش میں مال و جان سمیت قدر و قیمت کا حامل (متقوم) نہیں۔ اگر محاصرے کے وقت مرتدوں نے مال کے بدلے میں صلح کا مطالبہ کیا اور اہل اسلام کے سربراہ نے اسے تسلیم کر لیا تو اس صورت اہل اسلام کا صلح کے بدلے میں مال دینا دیت (خون بہا) متصور ہوگا۔ جبکہ مرتد کے خون پر دیت واجب نہیں۔ لہٰذا مرتدوں کے محاصرے کی صورت میں بعوض مال صلح کا مطالبہ تسلیم کرنا صحیح اقدام نہ ہوگا۔ کیونکہ قتال کے وقت مرتدوں کو قتل کرنا "اسلام" کی عظمت و غلبہ دوبالا کرتا ہے اگر مرتدوں کے ہاتھوں محاصرے میں گھرے ہوئے مسلمانوں اور دیگر اہل اسلام کی قتل و غارت کا خوف ہو تو اس صورت میں ان (مرتدوں) سے مال کے بدلے میں صلح کا مطالبہ تسلیم کرنا جائز ہے۔ حتی الامکان کوشش یہ ہو کہ اہل اسلام کو ہلاکت سے بچایا جائے۔ دریں صورت صلح کے بدلے میں مال دینا مسلمانوں کو قتل و غارت سے بچانے کی غرض سے ہوگا۔ اس لئے کہ انہیں (مسلمانوں کو) ہلاکت سے بچانا واجب ہے۔ اور مذکورہ وجوبی امر (مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانا) کسی بھی تدبیر سے ممکن ہوا سے سرانجام دیا جائے گا۔ بایں وجہ کہ مرتدوں کے مدمقابل اہل اسلام کا خون معصوم و متقوّم (قدر و قیمت کا حامل) ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرة: ۱۷۳)

حربی کافروں کو ہتھیار بیچنے کا حکم

وَ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ وَلَا يُجَهَّزُ اِلَيْهِمْ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ السِّلَاحِ مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ وَحَمْلِهِ اِلَيْهِمْ وَلِاَنَّ فِيْهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلٰى قِتَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ وَكَذَا الْكُرَاعُ لِمَا بَيَّنَّا وَكَذَا الْحَدِيْدُ لِاَنَّهُ اَصْلُ السِّلَاحِ وَكَذَا بَعْدَ الْمُوَادَعَةِ لِاَنَّهَا عَلٰى شَرَفِ النَّقْضِ اَوِ الْاِنْقِضَاءِ فَكَانُوْا عَلَيْنَا وَ هٰذَا هُوَ الْقِيَاسُ فِي الطَّعَامِ وَالثَّوْبِ اِلَّا اَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ فَاِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَرَ ثُمَامَةَ اَنْ يَّمِيْرَ اَهْلَ مَكَّةَ وَهُمْ حَرْبٌ عَلَيْهِ

ترجمہ...... اور حربی کافروں کے ہاتھ ہتھیار نہیں بیچنا چاہیے اور تاجر حضرات بھی اپنا دفاعی سامان تجارت ان کے علاقوں میں نہ لے جائیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حربی کافروں کے ہاتھ ہتھیار بیچنے اور ان کی طرف لے جانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ بزار...... اس کی روایت کی ہے اور بخاری نے اسے تعلیقاً بیان کیا ہے اور اس دلیل سے بھی منع ہے کہ ایسا کرنے سے حربیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے طاقت اور تقویت پہنچانی ہوتی ہے اور اسی دلیل سے ان کے ہاتھ گھوڑے (اور سواری کے دوسرے سامان) بیچنے کی ممانعت کا حکم ثابت ہوتا ہے اور یہی حکم لوہا بیچنے کا بھی ہوگا کیونکہ تمام ہتھیاروں کا مادہ یہی ہے۔ اسی طرح یہی حکم صلح کے بعد بھی ان چیزوں کو حربیوں کے ہاتھ بیچنا یا وہاں صرف لے جانے کا بھی ہوگا کیونکہ

مصالحت کا معاملہ تو بے اعتبار اور غیر یقینی ہوتا ہے یعنی کسی بھی وقت یہ مصالحت ٹوٹ سکتی ہے یا اپنی مدت پر جا کر ختم ہو سکتی ہے۔ اس طرح بالا آخر ہمارا ہی نقصان ہوگا۔ اور ہتھیاروں پر غلوں اور کپڑوں کا قیاس بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن نص سے ہمیں اس کا حکم واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان سے غلے اور کپڑے کا معاملہ کرنا صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اجازت دیدی تھی کہ اہل مکہ کو کھانے کے لئے غلہ بھیج دیں۔ اور نہ روکیں حالانکہ اس وقت تک اہل مکہ رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کے کھلے دشمن تھے (اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک موقع پر جب کہ ثمامہ کافر تھے کسی طرح گرفتار کر لئے گئے تو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مسجد کے ستون سے باندھ دیئے گئے۔ اور تین دنوں کے بعد انہیں کھول دیا گیا۔ تو یہ ثمامہ رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل گئے تھوڑی دیر بعد غسل کر کے از خود وہاں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اس کے بعد وہاں سے اپنی قوم کے پاس چلے گئے تو قریش نے ان پر طعن کرنا شروع کیا کہ تم ڈر کر بے دین ہو گئے۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں بے دین نہیں ہوا بلکہ ایک غلط دین سے صحیح دین میں داخل ہو گیا ہوں جو کہ رسول اللہ ﷺ کا دین ہے۔ ساتھ ہی یہ قسم کھائی کہ واللہ اب تم کو ہمارے علاقہ سے ایک دانہ غلہ بھی نہیں ملے گا حالانکہ اسی علاقہ سے مکہ کے لئے غلہ جایا کرتا تھا۔ جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کی اجازت نہ دیں گے۔ اس پر قریش نے سخت پریشان اور نادم ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا اور نیکی اور بھلائی کرنے پر قسم دلائی تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثمامہ کو غلہ بھیجنے کی اجازت دیدی۔ جیسا کہ ابن اسحاق اور ابن ھشام اور واقدی نے اس کی روایت کی ہے۔

فَصْلٌ

مسلمان مرد و عورت کے لئے کافر یا جماعت کفار یا قلعہ والوں یا شہر والوں کو امان دینے کا حکم

اِذَا اٰمَنَ رَجُلٌ حُرٌّ اَوِ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا اَوْ جَمَاعَةً اَوْ اَهْلِ حِصْنٍ اَوْ مَدِيْنَةٍ صَحَّ اَمَانُهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قِتَالُهُمْ وَالْاَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ اَىْ اَقَلُّهُمْ وَهُوَ الْوَاحِدُ وَلِاَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْقِتَالِ فَيَخَافُوْنَهٗ اِذْ هُوَ مِنْ اَهْلِ الْمَنْعَةِ فَيَتَحَقَّقُ الْاَمَانُ مِنْهُ لِمُلَاقَاتِهٖ مَحَلَّهٗ ثُمَّ يَتَعَدّٰى اِلٰى غَيْرِهٖ وَلِاَنَّ سَبَبَهٗ لَايَتَجَزّٰى وَهُوَ الْاِيْمَانُ وَكَذَا الْاَمَانُ لَا يَتَجَزّٰى فَيَتَكَامَلُ كَوِلَايَةِ الْاِنْكَاحِ

ترجمہ...... جب کہ کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے کسی ایک کافر یا ایک جماعت کو یا کسی قلعہ والوں کو یا کسی شہر والوں کو امان دیدی تو یہ امان صحیح ہوگا اور مسلمانوں میں سے کسی کے لئے بھی ان کافروں سے قتال کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس مسئلہ میں اصل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے خون باہم برابر ہیں (خون کی قیمت کے اعتبار سے سارے مسلمانوں کا ایک حکم ہے) ان کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ان کا ادنی بھی کوشش کرے گا یعنی مسلمانوں میں ادنی و اعلی کا قصاص و دیت برابر ہے اس لئے اگر ادنی یعنی ایک مسلمان بھی کسی کو پناہ دے تو وہ ذمہ داری سارے مسلمانوں کی ذمہ لازم ہوگی۔ ابن ماجہ اور دارقطنی نے اس کی روایت کی ہے۔ اور اس قیاسی دلیل سے بھی (ایک کی ذمہ داری سے بھی سب کی ذمہ داری ہو جاتی ہے) کہ ہر ایک آزاد مرد، مجاہدین اور مقاتلین میں کا ایک فرد ہے۔ اس لئے سارے کفار اس سے خائف رہیں گے۔ کیونکہ وہ اہل صفت مجاہدین اور طاقت والوں میں سے ہے اس لئے اس کی جانب سے لی ہوئی امان صحیح ہو جائے گی۔ کیونکہ امان اپنے محل پر واقع ہوئی ہے۔ اس طرح کہ جس سے خوف تھا اسی نے امان دی ہے۔ پھر یہ امان دوسرے مسلمانوں کی طرف متعدی ہوگی کیونکہ اس کا جو سبب ہے یعنی ایمان دو ٹکڑے نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس امان کے بھی ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں چنانچہ ایک دن کی امان کل اہل ایمان کی طرف سے امان ہو جائے گی۔

امان دینے میں نقصان کا خطرہ ہو تو امان توڑنے کی خبر دیدی جائے

قَالَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ ذَالِكَ مَفْسَدَةٌ فَيَنْبُذُ اِلَيْهِمْ كَمَا اِذَا اَمَّنَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهٖ ثُمَّ رَأَى الْمَصْلَحَةَ فِي النَّبْذِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ وَ لَوْحَاصَرَ الْإِمَامُ حِصْنًا وَاٰمَنَ وَاحِدٌ مِّنَ الْجَيْشِ وَفِيْهِ مَفْسَدَةٌ يَّنْبُذُ الْإِمَامُ الْاَمَانَ لِمَابَيَّنَّا وَيُؤَدِّبُهُ الْإِمَامُ لِإِفْتِيَاتِهٖ عَلٰى رَأْيِهٖ بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ فِيْهِ نَظَرٌ لِاَنَّهٗ رُبَّمَا تَفُوْتُ الْمَصْلَحَةُ بِالتَّاخِيْرِ فَكَانَ مَعْذُوْرًا

ترجمہ...... البتہ اگر آزاد مرد یا آزاد عورت کے اس طرح پناہ دینے میں اسلام کے حق میں کوئی خرابی ہو تو امام فی الفور کافروں کو اس عہد کے توڑنے کی خبر دیدے۔ جیسے کہ امام نے بذات خود کسی کو پناہ دی اور بعد میں اسے احساس ہوا کہ اس امان سے مسلمانوں کا نقصان ہے اس لئے اس عہد کو توڑ ڈالنے کے لئے کافروں کو اطلاع دیتا ہے اور اگر امام نے دشمن کے کسی قلعہ کا محاصرہ کیا اسی وقت لشکر میں سے کسی نے ان لوگوں کو امان دے دی حالانکہ امان دینے سے مسلمانوں کا نقصان ہو تو امام اس امان کو توڑ کر کفار کو اس سے مطلع کر دے۔ ساتھ ہی اس لشکری کو ایسا کرنے پر کچھ سزا بھی دے۔ کیونکہ اس نے امام کی رائے کے خلاف اپنی رائے کو ترجیح دی۔ ہاں اگر اس کے امان دینے میں عام مصلحت بھی نظر آ جائے تو اسے سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ کسی کی تاخیر میں بعض موقع میں اصل مصلحت ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس کو جلد بازی کرنے پر معذور سمجھا جائے گا۔

تشریح...... اگر امام کے علاوہ دوسرا کوئی لشکری امام سے مشورہ کئے بغیر از خود کسی کو پناہ دے اور اس میں عام مسلمانوں کا نقصان ہو تو امام اسے رد کر سکتا ہے اور اس شخص کو کچھ سزا بھی دے سکتا ہے لیکن اگر نقصان نہ ہو تو اس امان کو بحال رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے کسی دیور (شوہر کے بھائی) کو پناہ دے دی تھی۔ مگر ان کے اپنے بھائی نے اس کے خلاف اپنی بہن سے کہا کہ میں تو اس شخص کو قتل کر کے رہوں گا۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے بھائی کے خلاف شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جسے پناہ دی ہے میں نے اسے بحال رکھ کر خود بھی اسے پناہ دیدی ہے۔ رواہ البخاری ومسلم اور حضرت ام ہانی نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور حارث بن ہشام دو دیوروں (پہلے شوہر کے دو بھائیوں) کو پناہ دی تھی۔ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ بچہ اور دیوانہ کی پناہ بالا جماع صحیح نہیں ہے لیکن غلام کا پناہ دینا جمہور کے نزدیک جائز ہے۔

ذمی کو امان دینے کا حکم

وَ لَا يَجُوْزُ اَمَانُ ذِمِّيٍّ لِاَنَّهٗ مُتَّهَمٌ بِهِمْ وَ كَذَالَا وِلَايَةَ لَهٗ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ

ترجمہ...... اور کسی ذمی کا کسی کافر کو امان دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں یہ ذمی قابل تہمت ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اس کو مسلمانوں پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہے۔

قیدی اور تاجر کو امان دینے کا حکم

قَالَ وَلَا اَسِيْرٌ وَلَا تَاجِرٌ يَّدْخُلُ عَلَيْهِمْ لِاَنَّهُمَا مَقْهُوْرَانِ تَحْتَ اَيْدِيْهِمْ فَلَا يَخَافُوْنَهُمَا وَالْاَمَانُ يَخْتَصُّ بِمَحَلِّ الْخَوْفِ وَلِاَنَّهُمَا يُجْبَرَانِ عَلَيْهِ فَيَعْرَى الْاَمَانُ عَنِ الْمَصْلَحَةِ وَلِاَنَّهُمْ كُلَّمَا اشْتَدَّ الْاَمْرُ عَلَيْهِمْ يَجِدُوْنَ اَسِيْرًا اَوْ تَاجِرًا فَيَتَخَلَّصُوْنَ بِاَمَانِهٖ فَلَا يَنْفَتِحُ لَنَا بَابُ الْفَتْحِ وَمَنْ اَسْلَمَ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَلَمْ يُهَاجِرْ اِلَيْنَا لَا يَصِحُّ اَمَانُهٗ لِمَابَيَّنَّا

ترجمہ...... اور یہ بھی کہا ہے کہ جو مسلمان ان کافروں کے قبضہ میں اور ان کے قیدی ہیں یا امان لے کر ان کافروں کے پاس تجارت کی غرض سے موجود

ہوں اس قیدی یا تاجر کا بھی امان دینا ان حربیوں اور کافروں کے حق میں قابل قبول نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں ان کافروں کے اختیار اور قبضہ میں ہیں اس لئے کفار کو ان سے کوئی خطرہ اور خوف نہیں ہے۔ جبکہ امان اسی شخص کی قابل قبول ہوتی ہے۔ جس سے کسی کو خطرہ اور خوف ہو۔ یعنی کفار کو جس سے خوف ہوگا اسی کی امان صحیح ہوگی۔ اور اس دلیل سے بھی کہ کفار تو ان دونوں پر امان دینے اور امان لکھنے پر جبر بھی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ایسی امان مسلمانوں کی مصلحت سے خارج ہوگی ۔ اور اس دلیل سے بھی کہ اگر قیدی یا تاجر کی دی ہوئی امان کو قبول کر لینا صحیح ہو جائے تو جب کبھی بھی حربیوں پر مسلمانوں کی طرف سے سختی ہوگی وہ کسی مسلمان قیدی یا تاجر کو پکڑ کر بلکہ یہ تو اکثر ان کے پاس رہ بھی سکتے ہیں۔ ان سے امان لے کر چھوٹ جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ مجاہدین پر ان کفار کو فتح کر لینے کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔ اور جو شخص دارالحرب میں مسلمان ہو گیا مگر وہاں سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہیں آیا تو اس کا امان دینا بھی صحیح نہ ہوگا (کیونکہ ان کفار کو اس شخص سے کچھ بھی خوف وخطرہ نہیں ہوگا حالانکہ امان کا صحیح ہونا اسی شخص کے لئے مخصوص ہے۔ جس سے امان چاہنے والے کو خطرہ بھی ہو۔ واضح ہو کہ اجازت دینے والے غلام کی یہ دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ نمبر ا۔ یا تو وہ مجبور ہوگا یعنی اس کے مالک کی طرف سے اسے کسی قسم کا معاملہ اور کاروبار کرنے کی اجازت نہ ہو نمبر ۲۔ اور یا وہ ماذون ہوگا یعنی اس کے مولی نے اسے کاروبار اور قتال کرنے کی اجازت دے دی ہو۔ ان دونوں کے درمیان حکم کے اعتبار سے کچھ فرق ہے جسے مصنفؒ نے عبادت سے بیان کیا ہے)۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ جو مسلمان کفار کے پاس قیدی یا امن لے کر ان کے یہاں تجارت کی غرض سے گیا تو اس قیدی یا تاجر کا حربیوں کے حق مں امان دینا جائز نہیں۔ کیونکہ مسلمان قیدی یا تاجر کفار کی ماتحتی میں قہر زدہ ہیں۔ امان محل خوف سے مخصوص ہوتی ہے ار وہ خوف اہل کفر موجود نہیں۔ یعنی اہل کفر کو جس سے خوف ہوتا ہے اس کی امان کا جواز موجود ہوتا ہے۔ بایں دلیل کہ کفار قیدی یا تاجر پر زبردستی امان طلب کریں گے۔ یوں امان دینے کا عمل خارج از مصلحت ہو جائے گا۔ اگر کفار قیدی یا تاجر پالیں تو ان (قیدی، تاجر) سے امان کی آڑ میں چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔ تو دریں صورت اہل اسلام کے حق میں فتوحات کا دروازہ نہیں کھلتا امان کے جواز میں اصول یہ ہے کہ امان دینے سے قبل قوت وضعف پر مبنی خفیہ حالات پر غور کیا جائے۔ اگر دارالاسلام یا میدان کارزار میں موجود مجاہدین اسلام امان کی پیش کش کے وقت طاقتور ہیں اور کفار کیلئے ضرر رسانی ناممکن ہو تو امان دینا صحیح اقدام متصور ہوگا اور بصورت دیگر پناہ دینے سے اہل کفر نقصان دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اندرونی طور پر ضعف پر مبنی حالات امان دینے کی مقتضی نہیں ہوتے لہٰذا امان دینے کا اصول یہی ہے کہ دارالاسلام مجاہدین اسلام کے دورون خانہ حالات پر نظر کی جائے۔

۱۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کوئی بھی مسلمان اسوقت تک کافروں کو امان دینے کا استحقاق نہیں رکھتا جب تک وہ دارالاسلام یا اہل کفر سے برسر پیکار مجاہدین کے اندرونی ومخفی حالات سے بخوبی باخبر نہ ہو۔

۲۔ چونکہ کفار کی قید میں محبوس مسلمان یا اہل کفر کے ملک میں موجود مسلمان تاجر دارالاسلام اور مجاہدین کے خفیہ حالات سے بے خبر ہوتا ہے اس لئے قیدی یا تاجر کی دی ہوئی امان ناقابل تسلیم ہوگی۔

۳۔ مسلمان قیدی ہو یا تاجر ہر دو کفار کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ کفار انہیں (مسلم قیدی، تاجر کو) جس طرح چاہیں ستعمال کرنے کے مختار ہیں۔ مبادا کہ ان (مسلمان قیدی یا تاجر) کی آڑ میں اہل اسلام کے لئے نقصان دہ ثابت ہوں۔ چنانچہ کفار کے ضرر سے محفوظ رہنے کیلئے یہ امر ضروری قرار پایا کہ کفار کی قید میں محبوس مسلمان یا درالحرب میں موجود تاجر کی امان کو ناقابل قبول قرار دیا جائے تا کہ کفر کی فریب کاریوں اور عیارانہ چالوں کو ناکامی کا سامنا ہو اور تمام مسلمان ان کے شر اور نقصان سے محفوظ ہو سکیں۔

۴۔ امان کے ارکان میں سے ایک رکن یہ ہے کہ امان دینے والا شخص آزاد ہو جب کہ کفار کی قید میں محبوس آدمی اگرچہ مسلمان اور بنیادی طور پر آزاد ہوتا ہے لیکن کفار کے قبضہ میں آنے کے باعث وہ فی الوقت مجبور محض ہو جاتا ہے۔ بایں وجہ کہ وہ (مسلمان قیدی) ہمہ تن کفار کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ چنانچہ قیدی کی وقت اسادت (قید) کے پیش نظر اسے (مسلمان قیدی کو) امان دینے کے قابل نہیں سمجھا جاتا۔ یہی حال اس مسلمان تاجر کا ہے

جو دار الحرب (مملکت کفریہ) میں تجارتی ضرورتوں اور دار الاسلام کی سرحد سے کوسوں دور ہونے کی وجہ سے اہل کفر کا محتاج ہوتا ہے۔ لہذا مسلمان قیدی اور دار الحرب میں مسلمان تاجر کفار کے مدمقابل مجبور و مقہور ہونے کے باعث اہل اسلام کو امان دینے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

۵۔ ازروئے مصلحت امان محل خوف کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی کفار ہمیشہ ایسے مسلمان سے خائف ہوتے ہیں جو صاحب قتال و ذی عقل اور آزادی پر مبنی صفات سے متصف ہو۔ کیونکہ اہل قتال نہ صرف ہمیشہ مسلح رہتا ہے بلکہ کفار کو سرنگوں کرنے کے عمل میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ چنانچہ اہل قتال کی صفت کا حامل مسلمان کفار کی مرعوبیت کا باعث ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت ان (کفار) پر مسلمان اہل قتال کا خوف بھی طاری رہتا ہے۔ جب کہ کفار کا قیدی (مسلمان) اہل کفر کے دلوں میں ذرہ بھر خوف طاری نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ (مسلمان قیدی یا دار الحرب میں موجود تاجر) خوف طاری کرنے پر مبنی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے۔ چنانچہ کفار کی قید میں محبوس مسلمان یا دار الحرب (سرزمین کفر) میں موجود مسلمان تاجر کی امان ناقابل تسلیم متصور ہوگی۔ ذی عقل کی صفت کا حامل مسلمان اپنی تدابیر کے ذریعے اہل کفر کو خوف زدہ رکھتا ہے اس لئے عقل و خرد رکھنے والا مسلمان اہل کفر کی نظر میں محل خوف کا حامل ہوتا ہے جب کہ کفر کی قید میں محبوس مسلمان یا سرزمین کفر میں تنہا تاجر مسلمان اپنی بے بسی و بے کسی کے باعث حواس باختہ ہوتا ہے اس لئے مسلمان قیدی یا تاجر امان دینے کی اہلیت کا حامل نہیں ہوتا۔ صاحب قتال ہونا یا ذی عقل ہونے کا دارومدار آزادانہ زندگی پر منحصر ہے۔ اگر اسے (مسلمان کو) آزادانہ زندگی میسر نہیں تو صاحب قتال ہونے یا عقلمند ہونے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ لہذا آزادی ایسی صفت نہ ہونے کے بسبب انسان بنیادی طور پر امان کی مصلحت (محل خوف) کھو دیتا ہے۔ اس لئے ہر سہ صفات (اہل قتال م ذی عقل، آزادی) کا وجود اہل کفر کو امان دینے کے لئے مستلزم ہے۔ جب کہ کفار کی قید میں محبوس مسلمان اور مملکت کفریہ میں موجود تاجر امان کی مصلحت (محل خوف) سے خارج ہوتا ہے۔ لہذا مسلمان قیدی یا دار الحرب میں جانے والا تاجر کسی کافر کو یا دار الحرب کے تمام کفار کو امان دینے کا مجاز نہیں ہے۔

۶۔ اگر کفار کی قید میں محبوس مسلمان قیدی یا سرزمین کفر (دار الحرب) میں موجود تاجر کی امان کو قبول کر لیا جائے تو دار الحرب کے حوالے سے مجاہدین اسلام کی فتوحات میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی جو کہ نہ صرف اسلام، شعائر اسلام اور اہل اسلام کے حق میں نقصان دہ امر ہے بلکہ اسلام دشمن اور شر پسند عناصر کے جور و ستم میں پسنے والی انسانیت کا بھی قلع قمع ہو جائے گا۔ چنانچہ کفار کی قید میں ایک یا چند مسلمان قیدیوں یا دار الحرب میں چند تاجران کی خاطر مظلوم عوام (مسلمان و کافر) کے مشترکہ مفادات کو سبوتاژ کرنا حق وانصاف کے خلاف ہے۔ لہذا حق وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے اور اس کے پس منظر میں مجاہدین اسلام کیلئے فتوحات کا دروازہ کھلا رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ کفار کے قبضے میں ایک یا چند مسلمان قیدیوں یا دار الحرب میں موجود چند تاجروں کی امان کو عدم جواز کا درجہ دیا جائے۔

۷۔ مملکت کفریہ میں اسلام لانے والے حربی کی امان کو صحیح و جائز متصور نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ وہ (حربی) دار الاسلام کی طرف ہجرت نہ کر لے۔ کیونکہ دار الحرب میں اسلام قبول کرنے والے حربی کی حیثیت بھی وہی ہوگی جو کفار کی قید میں محبوس مسلمان قیدی یا دار الحرب میں موجود تاجر کی ہے۔

عبد محجور امان دے سکتا ہے یا نہیں؟ اقوال فقہاء

وَ لَا يَجُوْزُ اَمَانُ الْعَبْدِ الْمَحْجُوْرِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهٗ مَوْلَاهُ فِى الْقِتَالِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَصِحُّ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِىِّ وَ اَبُوْ يُوْسُفَ مَعَهٗ فِىْ رِوَايَةٍ وَمَعَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ فِىْ رِوَايَةٍ لِمُحَمَّدٍ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَانُ الْعَبْدِ اَمَانٌ رَوَاهُ اَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىُّ وَلِاَنَّهٗ مُؤْمِنٌ مُمْتَنِعٌ فَيَصِحُّ اَمَانُهٗ اِعْتِبَارًا بِالْمَاذُوْنِ لَهٗ فِى الْقِتَالِ وَبِالْمُؤَبَّدِ مِنَ الْاَمَانِ فَالْاِيْمَانُ لِكَوْنِهٖ شَرْطًا لِلْعِبَادَةِ وَالْجِهَادُ عِبَادَةٌ وَالْاِمْتِنَاعُ لِتَحَقُّقِ اِزَالَةِ الْخَوْفِ بِهٖ وَ التَّاْثِيْرِ اِعْزَازُ الدِّيْنِ وَاِقَامَةُ

الْمَصْلَحَةِ فِیْ حَقِّ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِیْنَ اِذِالْکَلَامُ فِیْ مِثْلِ هٰذِهِ الْحَالَةِ وَاِنَّمَا لَایَمْلِكُ الْمُسَابَقَةَ لِمَافِیْهِ مِنْ تَعْطِیْلِ مَنَافِعِ الْمَوْلٰی وَلَاتَعْطِیْلَ فِیْ مُجَرَّدِ الْقَوْلِ وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّهٗ مَحْجُوْرٌعَنِ الْقِتَالِ فَلَایَصِحُّ اَمَانُهٗ لِاَنَّهُمْ لَایَخْلُفُوْنَهٗ فَلَمْ یُلَاقِ الْاَمَانُ مَحَلَّهٗ بِخِلَافِ الْمَاذُوْنِ لَهٗ فِی الْقِتَالِ لِاَنَّ الْخَوْفَ مِنْهُ مُتَحَقِّقٌ وَلِاَنَّهٗ اِنَّمَا لَایَمْلِكُ الْمُسَابَقَةَ لِمَا اَنَّهٗ تَصَرُّفٌ فِیْ حَقِّ الْمَوْلٰی عَلٰی وَجْهٍ لَایَعْرٰی عَنْ اِحْتِمَالِ الضَّرَرِ فِیْ حَقِّهٖ وَالْاَمَانُ نَوْعُ قِتَالٍ وَفِیْهِ مَاذَکَرْنَاهُ لِاَنَّهٗ قَدْیُخْطِئُ بَلْ هُوَالظَّاهِرُوَفِیْهِ سَدُّبَابِ الْاِسْتِغْنَامِ بِخِلَافِ الْمَاذُوْنِ لِاَنَّهٗ رَضِیَ بِهٖ وَالْخَطَاءُ نَادِرٌ لِمُبَاشَرَتِهِ الْقِتَالَ وَ بِخِلَافِ الْمُؤَبَّدِلِاَنَّهٗ خَلَفٌ عَنِ الْاِسْلَامِ فَهُوَبِمَنْزِلَةِ الدَّعْوَةِ اِلَیْهِ وَلِاَنَّهٗ مُقَابَلٌ بِالْجِزْیَةِ وَلِاَنَّهٗ مَفْرُوْضٌ عِنْدَ مَسْأَلَتِهِمْ ذَالِكَ وَاِسْقَاطُ الْفَرْضِ نَفْعٌ فَافْتَرَقَا

ترجمہ.....اورامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مجور غلام کا کسی کافرکوامان دینا صحیح نہ ہوگا مگر اسی صورت میں کہ اس کے مولی نے اسے قتال کرنے کی اجازت دے دی ہو۔اورامام محمدؒ نے کہاہے کہ صحیح ہے یہی قول امام شافعیؒ (ومالک واحمدؒ) کا بھی ہے۔امام ابو یوسفؒ ایک روایت میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ قدوریؒ نے بھی اسی کو یہاں پیش کیا ہے۔اور دوسری روایت میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔مبسوط میں اسی پر اعتماد ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ غلام کی امان بھی امان ہے۔ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کی روایت کی ہے (مگر یہ حدیث نہیں ملتی ہے۔البتہ عبدالرزاق نے جید سند کے ساتھ فضیلؒ سے روایت کی ہے کہ ہم نے ملک فارس کے ایک شہر کا ایک مہینہ تک محاصرہ کیا۔آخر ایک دن ہمیں یہ اندازہ ہوا کہ صبح کے وقت اسے فتح کرلیں گے اس لئے ہم قتال سے واپس آ گئے۔اتفاق سے ہمارا ایک غلام وہاں رہ گیا۔تو کافروں نے اس سے پناہ مانگی اور اس نے ایک امان نامہ لکھ کر ایک تیر کے ساتھ ان کو پھینک کر دیدیا۔یہ پا کر ان لوگوں نے اپنے ہتھیار بند کر کے رکھ لئے اور اپنے کپڑے پہنے اور وہاں سے نکل کر ہمارے پاس آئے تو ہم نے ان سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے۔جواب دیا کہ آپ لوگوں نے ہمیں امان دیدی ہے اور وہ امان نامہ لے کر ہمارے سامنے پیش کیا اسے پڑھ کر ہم نے کہا کہ یہ تو ایک غلام کی طرف سے ہے جسے اس طرح امان دینے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے آزاد، غلام کو نہیں پہچانتے ہیں۔اسی لئے ہم وہ امان نامہ پا کر ہی آپ کے پاس آئے ہیں۔تب ہم نے پوراواقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ کر بھیجا۔تو جواب دیا کہ مسلمان غلام بھی مسلمانوں میں ہے اور اس کی امان بھی مسلمانوں کی امان ہے۔ابن ابی شیبہؒ نے بھی اس کی روایت کی ہے) اور اس دلیل سے بھی غلام کی امان صحیح ہے کہ وہ غلام بھی مومن اور صاحب قوت ہے۔اس لئے اس کی امان بھی صحیح ہوگی۔جیسے کہ اس غلام کی امان صحیح ہوتی ہے جسے قتال کی اجازت موجود ہو۔اور جیسا کہ کسی غلام نے اگر کسی کافر کو اپنے ملک میں ذمی کی حیثیت سے رہنے کا عہد نامہ لکھ دیا۔جو کہ مقبول ہوتا ہے۔

اس جگہ ہم نے ایمان کی شرط لگائی ہے یعنی یہ کہا کہ امان دینے والا مومن ہو اس لئے کہ کسی قسم کی بھی عبادت کرنے کے لئے ایمان کا ہونا شرط ہے۔اور جہاد بھی ایک عبادت ہے۔

اسی طرح ہم نے دوسری شرط صاحب قوت ہونے کی لگائی ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے دوسرے کے خوف کا دور ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔اور مجور غلام کو ماذون پر اس لئے قیاس کیا کہ دونوں کے امان دینے میں دین کا اعزاز کرنا اور مسلمانوں کے حق میں مصلحت کو پیش نظر رکھنا برابر ہے۔

یہ تفصیل اسی صورت میں ہے جبکہ غلام کا امان دینا مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہو۔

مجور کو لڑائی اور قتال کرنے کی قدرت اس بناء پر نہیں سمجھی جاتی ہے کہ اگر وہ خود مختار ہو اور اپنی مرضی کے مطابق ہر کام کر سکتا ہو تو اس پر اپنے مولی کی خدمت جو لازم ہوتی ہے وہ نہیں کر سکے گا اور صرف ایک قول میں امان دینے کا حق ہوتا ہے اس وجہ سے کہ اس کی وجہ مولی کی خدمت میں کوئی کمی

نہیں آتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے دلیل یہ ہے کہ جب اس غلام کو قتال کرنے کا حق نہیں ہے تو اس کی امان بھی صحیح نہ ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں کفار کو اس سے کوئی خوف نہیں ہے۔تو اس کی طرف سے امان بے موقع اور بے فائدہ ہوگی۔بخلاف اس غلام کے جس کو قتال کی اجازت بھی ہو۔کیونکہ اس سے خوف کا پایا جانا یقینی امر ہے۔

(ابن الہمامؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ کفارہ کو اس بات کی تمیز نہیں ہوتی ہے کہ کون سا غلام ماذون ہے اور کون سا مجور ہے یعنی کسے اس کے آقا کی طرف سے قتال میں شرکت کی اجازت ہے۔اور کسے اجازت نہیں ہے۔اس لئے وہ کفار تو ہر ایک سے خوف کھاتے ہوں گے۔بلکہ یقینی طور سے خوف پایا جاتا ہے)۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ غلام مجور کو قتال کرنے کی فرصت نہیں ملتی ہے اس لئے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں ہمہ تن مشغول رہتا ہے۔اس لئے دوسرا کوئی کام کرنے سے ہی نقصان پہنچا دے گا۔یا اس نقصان کے احتمال سے خالی نہ رہے گا اور اس کا امان دینا بھی ایک قسم کا قتال ہے اور قتال میں اس کا مشغول ہونا بھی اس کے مولی کے حق میں سراسر نقصان ہے۔کیونکہ شاید وہ غلام ایسا کرنے میں غلطی اور خطا کر بیٹھے بلکہ ایسی کا احتمال بھی واضح ہے۔اس طرح آئندہ اس کے مولی کو غنیمت میں سے کچھ بھی حصہ نہیں ملے گا اور اس کے لئے غنیمت کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔بخلاف غلام ماذون کے کیونکہ اس کا مولی ذہنی طور پر ہر بات کے لئے تیار ہو چکا ہے اور ایسے غلام سے شاذ و نادر ہی غلطی ہوتی ہے کیونکہ وہ قتال میں بھی شریک ہو چکا ہے اور یہ بات کسی ذمی کو عہد نامہ دینے کی سی نہیں ہے یعنی اگر مجور غلام نے کسی کافر کو اپنے ملک میں ذمی بن کر رہنے کے لئے ایک عہد نامہ لکھ کر دیا۔تو یہ مقبول ہوگا کیونکہ اسے اس کی اجازت ہوتی ہے۔اس لئے کہ کافر کا ذمی بننا اس کے کافر سے مسلمان ہو جانے کے قائم مقام ہے۔اس لئے اس کافر کو عہد نامہ دینا گویا اسے اسلام کی دعوت دینی ہے۔ساتھ ہی اس ذمی سے جزیہ بھی وصول ہوتا ہے۔اس طرح ہر طرح کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔اور اس وجہ سے بھی کہ جب کوئی کافر ذمی بننے کی درخواست کرتا ہے تو اسے قبول کرنا فرض ہو جاتا ہے۔اور فرض کو بجالانا عین نفع ہے۔اس طرح کافر کو ذمی بننے کا عہد نامہ دینے اور لڑائی کے موقع میں امان دینے کے درمیان واضح فرق ہے۔

صَبِیٌّ لَا یَعْقِلُ کی امان کا حکم

وَ لَوْ اَمَّنَ الصَّبِیُّ وَ هُوَ لَا یَعْقِلُ لَا یَصِحُّ کَالْمَجْنُوْنِ وَ اِنْ کَانَ یَعْقِلُ وَ هُوَ مَحْجُوْرٌ عَنِ الْقِتَالِ فَعَلَی الْخِلَافِ وَ اِنْ کَانَ مَأْذُوْنًا لَهُ فِی الْقِتَالِ فَالْاَصَحُّ اَنَّهُ یَصِحُّ بِالْاِتِّفَاقِ

ترجمہ......اور اگر ایسے نابالغ نے امان دی ہو جو ابھی تک اسلام کے مفہوم کو نہیں سمجھتا ہو تو اس کی امان مجنوں کے امان کے مانند صحیح نہیں ہے اور اگر وہ نابالغ اسلام کا مفہوم سمجھتا بھی ہو اسے قتال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی بھی امان صحیح نہیں ہے لیکن امام محمدؒ اور باقی آئمہ کے نزدیک صحیح ہے اور اگر اسے قتال کی بھی اجازت مل چکی ہو تو قول اصح یہ ہے کہ تمام آئمہ کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ناسمجھ بچے نے کسی کافر یا کفار کے گروہ کو امان (پناہ) دی۔تو جمہور علماء کے نزدیک اسلام کی سمجھ نہ رکھنے والے بچے کی امان صحیح نہیں ہے۔

۱۔ کیونکہ نابالغ بچہ امان پر مبنی حکم "حرمت قتال، خطاب تحریم" کے اعتبار سے اہل امان میں شمار نہیں ہوتا۔

۲۔ اہل اسلام کے ضعف اور اہل کفر کی قوت پر مشتمل مخفی حالت سے آگاہی کا تعلق تفکر و تدبر پر مبنی ہوتا ہے۔جب کہ نابالغ و بے شعور بچہ کھیل کود کی

طرف رغبت رکھتا ہے۔ لہٰذا نابالغ بچہ جہاں اہل ایمان نہیں ہوتا وہاں اہل امان (پناہ) بھی متصور نہیں ہوتا۔ بقول امام شافعیؒ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں۔ ۱۔ نابالغ بچہ۔ ۲۔ دیوانہ۔ ۳۔ نائم (نیند کرنے والا) گو کہ نابالغ بچہ کا عقلی اصول کے حوالے سے مرفوع القلم ہونا ممنوع ہے۔ لیکن فروعات شریعہ کے ضمن میں اسے (نابالغ بچے کو) مرفوع القلم (احکام شریعہ کا مکلف نہ ہونا) متصور کیا جائے گا۔

اسلامی احکامات پر مبنی عملی تصرفات کی اہلیت کے لئے ''عقل وشعور'' کا وجود لازمی ہے۔ امان دینا۔ ایک شرعی تصرف ہے جو عقل وشعور کا مقتضی ہے اور ''صبی'' (عقل وشعور سے عاری بچہ) میں خرد (عقل) نام کی چیز نہیں ہوتی ہے۔ اگر عقل ہوتی بھی ہے تو وہ کھیل کود کی طرف راغب ہونے کی وجہ سے کالعدم متصور ہوتی ہے۔ جب کہ ''امان'' دینے کے لئے تدبر وتفکر کا تحقق (ثبوت) لازمی امر ہے۔

پس ثابت ہوا کہ غیر ذی عقل وغیر ذی شعور شخص (خواہ نابالغ بچہ ہو یا بالغ دیوانہ) کسی کافر کو امان دینے کا مجاز نہیں۔ کیونکہ شرعی تصرف کے لئے ''عقل وشعور'' مشروط ہے۔

امان کی شرائط میں سے ایک شرط (بلوغت) کی عدم موجودگی میں ''امان'' کا تحقق ناممکن ہوگا۔ کیونکہ نابالغ بچے میں حرمت قتال اور تحریم خطاب موجود نہیں۔ نابالغ بچے کی امان میں فقہاء کی اختلافی صورت اگر بچہ بلوغت کے قریب ہے اور اسلام کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک ایسے بچے کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ وہ کسی کافر یا کفار کے گروہ کو ''امان'' دے۔ بایں دلیل کہ امان کی اہلیت ایمان کی اہلیت پر مبنی ہے اور جو نابالغ بچہ اسلام کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے وہ اہل ایمان کے زمرے میں آتا ہے۔ لہٰذا وہ (نابالغ بچہ) بالغ آدمی کی طرح ''امان'' دینے کا مجاز ہوگا۔

امام مالکؒ، امام احمدؒ کی رائے بھی ایک قول کے مطابق امام محمدؒ کے موقف کی تائید میں ہے اور ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ، احمدؒ، امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید کرتے ہیں۔ جب کہ جمہور علماء (اصحاب احناف) کا استدلال یہ ہے کہ نابالغ بچہ امان کے حکم کے اعتبار سے اہل امان میں سے نہیں کیونکہ امان کے جواز کے لئے مسلمانوں کی خفیہ حالات سے واقف اور غور وفکر پر مبنی صلاحیت لازمی امر ہے جو کہ اس (نابالغ بچے) میں موجود نہیں لہٰذا احناف کی رائے یہی ہے کہ نابالغ بچہ حکم امان کے پیش نظر ''امان'' دینے کا مجاز نہیں۔ بشرطیکہ وہ (اسلام کی سمجھ بوجھ رکھنے والا نابالغ بچہ) قتال میں ممنوع ہو۔ چنانچہ اس (نابالغ) بچے کی امان بھی عبد محجور (قتال میں ممنوع غلام) جیسی ہوگی۔

فقہاء کی متفقہ صورت...... اگر بچہ قتال میں اجازت یافتہ ہے تو مسلمانوں کی خفیہ حالت (ضعف وقوت) سے واقفیت رکھنے اور اسلام کی سمجھ بوجھ کا حامل ہونے کی بناء پر تمام فقہاء (خصوصاً فقہائے احناف) کے نزدیک متفقہ طور پر اس (قتال میں اجازت یافتہ بچے) کی ''امان'' صحیح ہوگی۔ بقول صاحبؒ ہدایہ یا قدوریؒ ''اصح'' قول یہی ہے۔

بَابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا

ترجمہ...... باب، غنیمت کے مال اور ان کی تقسیم کے بیان میں

وہ شہر جس کو امام نے عنوۃ (قہراً) فتح کیا ہو مال غنیمت کیسے تقسیم کرے؟

وَ اِذَا فَتَحَ الْاِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً اَیْ قَهْرًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِخَيْبَرَ

ترجمہ...... اگر امام نے کسی شہر یا علاقہ کو عنوۃ یعنی قوت اور طاقت سے فتح کیا ہو تو اسے اس شہر کے بارے میں یہ اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو اس شہر کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے صوبہ خیبر کو لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

تشریح ...... امام جب دشمن کے کسی شہر یا علاقہ کو طاقت کے ذریعہ فتح کر لے تو وہاں کے افراد اور تمام مال و اسباب و جائیداد کے بارے میں امام کو اختیار ہوگا کہ حسب ضرورت اگر چاہے تو ان چیزوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔ یا ان کو حسب سابق وہیں رہنے دے اور اس کے عوض آدمیوں سے جزیہ لے اور جائیداد میں کاشت کی زمین پر خرچ مقرر کر دے۔

حضرت زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آئندہ مسلمان ہونے والوں کے لئے کچھ جائیداد پانے کی مجھے فکر نہ ہوتی تو جو شہر یا گاؤں میں فتح کرتا اس کو اس کے غازیوں ہی میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں کیا تھا۔

(رواہ البخاری و مالک)

اور عراق کی آبادی اور زمین پر فتح ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں کے لوگوں کو اس غرض سے حسب سابق اس لئے رہنے دیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کو جب کبھی ضرورت ہوگی اپنے قبضہ میں لے لیں گے۔ کیونکہ ان لوگوں کو جو ہم نے ان کی جگہ پر بحال رکھا ہے یہ ہمیشہ کیلئے نہیں اور ایسا کرنے پر چند صحابہ یعنی حضرت بلال وسلمان رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے علاوہ تمام صحابہ کرام نے ان کی موافقت کی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلوایا اور فرمایا کہ میں نے صحابہ کرام کے مشورہ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے برحق ہے لیکن وہ لوگ نہ مانے اور نہ اس کی مصلحت سمجھ سکے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خیبر کی تقسیم کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔ پھر دوسرے صحابہ کرام نے بھی مزید کچھ مصلحتیں ان کے سامنے بیان کر کے یہ چاہا کہ وہ بھی ہماری موافقت کر لیں اس پر بھی انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمارا حق ہے۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے ناراض ہو کر ان پر بددعا کی کہ الٰہی بلال اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں تو میرے لئے کافی ہو جا۔ چنانچہ ایک سال کے اندر ان سب کا انتقال ہو گیا۔ تاج الشریعہ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ یہ بددعا ان کے حق میں عین دعا ہوگئی کہ وہ اپنی مراد تک پہنچ گئے کیونکہ تمام صحابہ ہی اس کی تمنا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ عز وجل نے فرمایا ہے مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ۔ (الاحزاب: ۲۳) یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ وہ لوگ موت کے منتظر تھے۔ اسی لئے جو صحابی جہاد میں شہید ہوتا یہی کہتا فزت و رب الکعبہ۔ یعنی رب کعبہ کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا کیونکہ (دیدار الٰہی کے فیض اور رسول اللہ ﷺ کے انوار کی برکتوں اور دار آخرت کے واسطے وہ ہر وقت ہر طرح بالکل تیار رہتے تھے۔

حجاج ثقفی نے جو مشہور ظالم ہے جس نے ایک لاکھ سے زیادہ بے گناہوں کا قتل کیا ہے۔ جب حضرت سعید بن جبیرؒ تابعی کو قتل کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا تم میرے قتل سے بچو کیونکہ یہ کام خود تمہارے ہی حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ اس نے کہا خاموش رہو۔ میں نے تم سے اچھے اچھے کو قتل کیا ہے۔ تب حضرت سعیدؒ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ جن کو تم نے قتل کیا ہے وہ لوگ ایسے تھے جن کو زندگی سے بیزاری اور موت کی خواہش نہ تھی اور مجھ میں ابھی تک زندگی کی ایک رمق باقی ہے۔ اس لئے میرا قتل کرنا تمہارے حق میں بہت برا ہوگا مگر حجاج نے ان کی کوئی بات نہ سنی اور آخر ان کو شہید کر ڈالا مگر خواب میں دیکھا کہ حضرت سعید بڑی شان کے ساتھ موجود ہیں اور فرما رہے ہیں کہ "چلا آ، یہاں میں تمہارا منتظر ہوں"۔ حجاج اس خواب سے انتہائی پریشانی کے عالم میں بیدار ہوا۔ اس کے بعد اس کے وزراء اور امراء نے اگر چہ اسے بہت زیادہ تسلی دینے کی کوشش کی مگر اسے تسلی نہ ہوئی۔ اور اس نے کہا کہ مجھے ایسی امید نہیں ہے کہ مجھے اب تسلی ہوگی۔ چنانچہ اس کے صرف چالیس دنوں کے بعد ہی وہ مر گیا۔ اور ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ عز وجل فرماتا ہے کہ میرا مومن بندہ جب موت سے کراہت کرتا ہے حالانکہ موت اس کے لئے بہتر ہے تو میں اس کی ناگواری برداشت نہیں کرتا اور میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی صدمہ ہو۔ جیسا کہ صحیح میں ہے۔ اب بظاہر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دل میں زندگی کی تھوڑی سی خواہش دیکھی تو اسی سے نتیجہ اخذ کیا کہ حجاج ضرور اس سلسلہ میں عذاب میں پکڑا جائے گا۔ اسی لئے خیر خواہانہ اس کو نصیحت فرمائی کہ مجھے قتل نہ کر۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت عزرائیل علیہ السلام انتہائی محبوب کے سفیر اور پیام رساں معلوم ہوتے تھے۔ فافہم، م، الحاصل۔ امام کو اختیار

ہے کہ اس نے جس ملک کو طاقت اور زور کے ساتھ فتح کیا ہوا سے ان نمازیوں کے درمیان ہی تقسیم کر دے۔ اسی طرح اگر چاہے تو اسی ملک کے مقامی باشندوں کو ہی حسب سابق وہاں رہنے دے اور اس کے عوض ان سے جزیہ اور خراج لیتا رہے۔

تشریح...... مفتوحہ شہر کی تقسیم کا مسئلہ مسلم حکمران کی صوابدید پر منحصر ہوگا۔ کیونکہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی صوابدید کے مطابق صوبہ خیبر کو مختلف حصوں میں مکمل طور پر تقسیم کر دیا تھا۔ جب کہ ابوداؤد کی صحیح روایت سے متحقق ہے کہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے صوبہ خیبر کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا تھا اور ہر حصے میں سو مردوں کے حصے داخل کئے تھے۔ اگر لشکر اسلام کے شرکاء حاجت مند ہوں تو بہتر یہی ہے کہ مفتوحہ علاقے کو لشکر اسلام میں تقسیم کر دیا جائے۔

واضح رہے کہ اگر مسلمان حکمران کفار کے علاقے پر حملہ کر کے غلبہ پالیتا ہے تو ایسی صورت میں حاصل شدہ مال تین اقسام پر مبنی ہوگا۔

۱۔ سازوسامان ۲۔ اراضی (زمینیں) ۳۔قیدی

اگر مال غنیمت ساز وسامان پر مشتمل ہو تو اس میں پانچواں حصہ (خمس) منہا کر کے باقی چار حصوں کو لشکر اسلام کے شرکاء میں تقسیم کرنے کا استحقاق سربراہ کو حاصل ہے۔ جب کہ اس مال کے بارے میں مسلم حکمران کو تصرف کا اختیار حاصل نہیں۔ مفتوحہ علاقے کی اراضی تقسیم کرنے کے حوالے سے مسلم حکمران (مسلک احناف کے بموجب) اراضی میں سے خمس نکال کر بقیہ زمین کو مجاہدین اسلام میں بانٹ دے۔ جیسا کہ ساز و سامان کی تقسیم میں ہوتا ہے۔ یا پھر اہل ذمہ ہونے کی شرط پائے جانے کی صورت میں اسے (کفار کی مفتوحہ اراضی) سابقہ مالکان کے پاس رہنے دے اور ان پر خراج عائد کر دے۔ (یعنی افراد پر جزیہ اور زمینوں پر خراج)۔

قیدیوں کے بارے میں مسلمان حاکم تین طرح کا اختیار رکھتا ہے

۱۔ مردوں کو قتل کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (گردنوں پر مارو) سے واضح ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا جائے گا۔

۲۔ اگر اسلامی مملکت کے سربراہ کی صوابدید میں یہ امر ہو کہ انھیں (کفار قیدیوں کو) غلام بنایا جائے دریں صورت پانچواں حصہ نکال کر بقیہ تمام قیدیوں کو بحیثیت غلام غازیان اسلام میں تقسیم کر دے کہ حقیقی معنی میں یہ ''مال غنیمت'' متصور ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی تقسیم مال غنیمت کی طرح ہوگی۔ بشرطیکہ وہ (قیدی) اہل عرب یا مرتد نہ ہوں۔ کیونکہ انہیں غلام نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ انھیں قتل کیا جاتا ہے یا پھر وہ قبول اسلام کے لئے مائل ہوں۔

۳۔ اگر مسلم حکمران مناسب سمجھے تو انھیں بطور احسان رہا کر دے۔ مال غنیمت میں مسلمان حاکم کے اختیار و تصرف پر مبنی مختصر بحث کے اعتبار سے متن ہدایہ کی مذکورہ صورت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ صورت مسئلہ میں مفتوحہ علاقے کی اراضی کے حوالے سے اس کی تقسیم کا مسئلہ مراد ہے۔ یعنی اگر امام مناسب سمجھے تو اہل حرب کے مفتوحہ علاقے کو غازیان اسلام میں تقسیم کر دے اور صوبہ خیبر کی تقسیم میں رسول اللہ ﷺ کے تعامل کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ خیبر کا علاقہ محرم ۷ھ میں چودہ سو صحابہؓ نے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی زیر کمان فتح کیا تھا اور اسے (خیبر کو) آپؐ نے مکمل یا نصف یا اٹھارہ حصوں میں تقسیم کر کے غازیان اسلام کے سپرد کر دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

وہیں کے باشندوں کو جزیہ اور خراج لیکر برقرار رکھنے کا حکم

وَ اِنْ شَاءَ أَقَرَّ اَهْلَهٗ عَلَيْهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَعَلٰى أَرَاضِيْهِمُ الْخَرَاجَ كَذَالِكَ فَعَلَ عُمَرُؓ بِسَوَادِ الْعِرَاقِ بِمُوَافَقَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِؓ وَلَمْ يُحْمَدْ مَنْ خَالَفَهٗ وَفِيْ كُلٍّ مِنْ ذَالِكَ قُدْوَةٌ فَيَتَخَيَّرُ.

ترجمہ...... اور اگر چاہے تو وہاں کے باشندوں کو بھی وہیں حسب دستور رہنے دے۔ البتہ ان پر جزیہ اور ان کی کاشت کی زمین پر خراج مقرر کر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے ایسا ہی عراق والوں پر لازم کیا تھا۔ اور وہاں بھی جن لوگوں نے ان کے مشورے کی مخالفت کی اس کی برائی ہوئی اچھائی نہیں ہوئی۔ الحاصل اگر ایسے علاقہ کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو رسول اللہ ﷺ کا عمل پیش نظر ہوگا۔ اور اپنی حالت پر رہنے دینے میں جمہور صحابہ کے عمل کے پیش نظر ہوگا: اس لئے ایسے وقت حالات کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

تشریح...... حاصل یہ کہ اگر مسلمان حاکم چاہے تو اپنی صوابدید پر مفتوحہ علاقہ اہل حرب کے باشندوں کو بایں طور عطاء کرے کہ ان (اہل حرب) کے گھروں اور اراضی کو مفتوح قوم کے تصرف میں رکھے اور ان پر جزیہ و خراج مقرر کر دے۔ کیونکہ اسلامی حکمران کا یہ اختیار تعامل رسول ﷺ اور فعل عمرؓ سے ثابت ہے۔

عہد نبوی ﷺ کی فتوحات کے بعد بیرون عرب یہ پہلی عظیم الشان فتح تھی۔ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی زمین کو غازیان اسلام کے مابین تقسیم کرنے سے متعلق صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ کے بقول سواد عراق کی زمین تقسیم نہ کی جائے بلکہ اسے مسلمانوں کے متفقہ سرمایہ کے طور پر رکھا جائے۔ حضرت معاذؓ کی رائے تھی کہ سواد عراق کی زمین کو تقسیم کرنے کی صورت میں قوم کے پاس بہت بڑی زمین آ جائے گی۔ مبادا کہ اس طرح ساری زمین ایک ہی شخص کے پاس نہ چلی جائے اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کیلئے کوئی راستہ باقی نہ رہے۔ جبکہ حضرت بلالؓ، سلمان فارسیؓ و دیگر احباب کا موقف اس سے مختلف تھا۔ یعنی ہم نے اسے بزور قوت و غلبہ فتح کیا ہے۔ لہٰذا رسولؐ کے ہاتھوں خیبر کی اراضی کی تقسیم کی طرح سواد عراق کی زمین بھی تقسیم کی جائے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کی بحث و تمحیص کے بعد یہ رائے طے پائی کہ سواد عراق کی زمین وہیں کے باشندوں (کفار) کو دی جائے اور ان کی ذات پر جزیہ اور زمین پر خراج عائد کیا جائے۔ تمام صحابہ کرامؓ نے اس فیصلے پر اتفاق کیا اور جس مسئلے پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق متحقق ہو جائے تو اس سے (غیر مقلدین، اہل تشیع کی طرح) روگردانی نہ کی جائے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ علوم شریعہ کو سب سے زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے متفقہ موقف سے حدیث نبویؐ منسوخ ہو جاتی ہے۔ بایں وجہ کہ صحابہ کرامؓ براہ راست رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ افراد ہیں۔ چنانچہ احکام شریعہ کے ناسخ و منسوخ کا بخوبی علم سوائے صحابہ کرامؓ کے کسی اور کے پاس نہیں احادیث نبویہ ﷺ کی لفظی و معنوی حقیقت سے صرف صحابہ کرامؓ ہی آشنا تھے۔ اس لئے جو شخص صحابہ کرامؓ کی متفقہ رائے سے اختلاف کرتا ہے اس کا یہ اقدام عبث، شنیع و قبیح (گندہ) متصور ہوگا۔ رہا سیدنا بلالؓ، اور سیدنا سلمان فارسیؓ کا اختلاف تو وہ صحابہ رسول ﷺ تھے، ہمعصر و ہم پلہ ہونے کے باعث ان کا استحقاق تھا۔ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ ہر دو حضرات (بلالؓ، سلمانؓ) نے اپنے موقف سے رجوع کرتے ہوئے دیگر تمام صحابہؓ کے موقف سے اتفاق کر لیا تھا۔ (فتح القدیر)

مفتوحہ علاقہ کے لوگوں اور اموال کے ساتھ کونسا معاملہ کرنا اولیٰ ہے

وَ قِيلَ الْاَوْلٰى هُوَالْاَوَّلُ عِنْدَحَاجَةِ الْغَانِمِيْنَ وَالثَّانِيْ عِنْدَعَدَمِ الْحَاجَةِ لِيَكُوْنَ عُدَّةً فِي الزَّمَانِ الثَّانِيْ وَ هٰذَا فِي الْعِقَارِ اَمَّا فِي الْمَنْقُوْلِ الْمُجَرَّدِ لَايَجُوْزُالْمَنُّ بِالرَّدِّ عَلَيْهِمْ لِاَنَّهُ لَمْ يَرِدْبِهِ الشَّرْعُ فِيْهِ وَفِي الْعِقَارِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّ فِي الْمَنِّ اِبْطَالُ حَقِّ الْغَانِمِيْنَ اَوْمِلْكِهِمْ فَلَايَجُوْزُمِنْ غَيْرِ بَدَلٍ يُعَادِلُهُ وَالْخَرَاجُ غَيْرُ مُعَادِلٍ لِقَتْلِهٖ بِخِلَافِ الرِّقَابِ لِاَنَّ لِلْاِمَامِ اَنْ يُّبْطِلَ حَقَّهُمْ رَأْسًا بِالْقَتْلِ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَارَوَيْنَاهُ وَلِاَنَّ فِيْهِ نَظَرًالِاَنَّهُمْ كَالْاَكَرَةِ الْعَامِلَةِ لِلْمُسْلِمِيْنَ الْعَالِمَةَ بِوُجُوْهِ الزِّرَاعَةِ وَالْمُؤْنُ مُرْتَفِعَةٌ مَعَ اَنَّهُ يَحْظٰى بِهِ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدُ وَالْخَرَاجُ وَاِنْ قَلَّ حَالًا فَقَدْ جَلَّ مَآلًا لِدَوَامِهٖ وَاِنْ مَنَّ عَلَيْهِمْ بِالرِّقَابِ وَالْاَرَاضِيْ يَدْفَعُ اِلَيْهِمْ مِنَ الْمَنْقُوْلَاتِ بِقَدْرِمَايَتَهَيَّأُلَهُمُ الْعَمَلُ لِيَخْرُجَ عَنْ حَدِّالْكَرَاهَةِ

ترجمہ...... اور کہا گیا ہے کہ مذکورہ دوصورتوں میں سے پہلی صورت (غنیمت کو غازیوں میں تقسیم کر دینا) ہی بہتر اور اولی ہے۔ بشرطیکہ غازیوں کو مالی ضرورت زیادہ ہو۔ اور ضرورت نہ ہونے کی صورت میں دوسری صورت اولی ہے (باشندگان ملک کو اپنی پرانی حالت پر رہنے دیں اور جزیہ دینے کی شرط پر) تاکہ جب بھی ضرورت آن پڑے اس وقت ان لوگوں کے لئے یہ سامان مہیا رہیں۔ پھر یہ مذکورہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ منقولہ جائداد نہ ہو لیکن مال منقولہ کو احسان کے طور پر وہاں کے لوگوں کے پاس واپس کر دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا شریعت میں منقول نہیں ہے۔ اور غیر منقول یعنی منقول نہ ہونے والی جائداد مثلاً مکانات زمینیں اور باغات وغیرہ کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ کیونکہ جن لوگوں پر فتح حاصل کی گئی ہے ان کو مسلمانوں میں تقسیم نہ کر کے ان پر احسان کرتے ہوئے ان کو حسب سابق رکھ کر غازیوں کے حق یا ان کی ملکیت کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔ اس طرح یہاں کسی مساوی بدلہ کے بغیر احسان کرنا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ اور ان سے جو خراج لیا جاتا ہے وہ ان کا پورا بدلہ نہیں ہوتا ہے بخلاف ان لوگوں کے ذات اور رقبہ کے یعنی کافروں کا ملک فتح کیا گیا ہے ان لوگوں کو اپنا غلام بنا کر تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان کے بارے میں بھی امام کو اختیار ہوتا ہے کہ اگر چاہے تو ان سب کو قتل بھی کر سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان غازیوں کا حق ان گرفتار شدہ لوگوں کی ذات اور رقبہ سے متعلق نہیں ہوتا ہے ورنہ امام کو سب کے قتل کر دینے کا بھی اختیار نہ ہوتا۔

اور ہمارا جواب یہ ہے کہ ایسی قیاسی دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کے مقابلہ میں باطل ہے کیونکہ فعل صحابہ ایک مسلمہ حجت ہے اور اس دلیل سے بھی کہ ایسا کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ اس علاقہ میں جن کو کفار کو باقی رہنے دیا گیا ہے وہ مسلمانوں کے کاشتکار ہوں گے اور وہ اپنی زمینوں میں زراعت کرنے کے طریقوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کو اس علاقہ میں کھیتی کرنے اور باغات وغیرہ کی دیکھ بھال کرنے کے لئے نہ تو کچھ خرچ کرنا ہوتا ہے اور نہ کوئی فکر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ علاقہ مسلمانوں کی ملکیت میں رہتا ہے جو بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے ضرورت پڑنے پر ہر طرح کی سامان ثابت ہوتا ہے اور ان سے لیا ہوا خراج اگر چہ فی الحال بظاہر بہت کم ہوتا ہے مگر چونکہ ہمیشہ وصول ہوتا ہے اس لئے بہت زیادہ ہو جاتا ہے اور اگر امام وقت ان کافروں پر احسان کرتے ہوئے ان کی گردنیں آزاد کر دے اور ان کو قتل نہ کرے اور وہاں کی زمینوں پر ان کو کاشت کاری کرنے دے تو امام ان لوگوں کے لئے منقولہ جائداد اور سامان میں سے صرف اتنا ہی چھوڑے جن سے وہ اطمینان کے ساتھ کھیتی باڑی کا کام کر سکیں تاکہ کسی طرح کی کراہت بھی نہ پائی جائے۔ (کراہت نہ پائی جانے کے جملہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر امام نے ان کی عورتوں اولاد اور دوسرے اموال سب تقسیم کر دیئے اور ان مردوں کو صرف کاشتکار کے طور پر ان کی زمینوں پر رہنے دیا تو اس میں کراہت ہے کیونکہ وہ مال کے بغیر زمینوں اور کھیتوں سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے اس لئے کھیتوں اور زمینوں میں کام کرنے کے لائق ان کے پاس مال بھی چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ بات تمرتاشیؒ نے بیان کی ہے۔

قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

قَالَ وَهُوَفِي الْاُسَارٰی بِالْخِيَارِاِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ لِاَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ قَتَلَ وِلِاَنَّ فِيْهِ حَسْمَ مَادَّةِ الْفَسَادِ

ترجمہ...... اور قدوریؒ نے کہا ہے کہ امام کو کافر قیدیوں کے بارے میں تین باتوں کا اختیار ہوتا ہے کہ اگر چاہے تو ان کو قتل کر دے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن قتل کیا تھا۔ اور جیسا کہ بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ان کے قتل کر دینے سے فساد کی جڑ کو اکھیڑ دینا ہوتا ہے۔

قیدیوں کو غلام بنانے کا بھی اختیار ہے

وَاِنْ شَاءَ اِسْتَرَقَّهُمْ لِاَنَّ فِيْهِ دَفْعَ شَرِّهِمْ مَعَ وُفُوْرِ الْمَنْفَعَةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ اَحْرَارًا ذِمَّةً

لِلْمُسْلِمِيْنَ لِمَابَيَّنَّا اِلَّافِيْ مُشْرِكِي الْعَرَبِ وَالْمُرْتَدِّيْنَ عَلٰى مَانُبَيِّنُ اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى

ترجمہ......اور یا اگر امیر چاہے تو ان کو غلام بنالے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ان کی شرارت ختم ہونے کے علاوہ مسلمانوں کو ان سے بہت سے منافع بھی حاصل ہوں گے۔ اور اگر چاہے تو ان کو یوں ہی آزاد رہنے دے مگر ان کو ذمی بنا کر ان پر جزیہ لازم کردے۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق والوں کے ساتھ کیا تھا۔ البتہ مشرکین عرب اور اسلام سے مرتد ہونے والوں کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوگا کیونکہ ان کیلئے صرف دو ہی باتیں ہیں کہ وہ دوبارہ اسلام قبول کرلیں یا قتل کردیئے جائیں۔ انشاء اللہ اس مسئلہ کو ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔

سربراہ مملکت کیلئے جنگی قیدیوں کو از روئے احسان دارالحرب کی طرف رہا کرنا جائز نہیں

وَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّرُدَّهُمْ اِلٰى دَارِالْحَرْبِ لِاَنَّ فِيْهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ اَسْلَمُوْا لَايَقْتُلُهُمْ لِانْدِفَاعِ الشَّرِّبِدُوْنِهِ وَلَهٗ اَنْ يَّسْتَرِقَّهُمْ تَوْفِيْرًا لِلْمَنْفَعَةِ بَعْدَانْعِقَادِ سَبَبِ الْمِلْكِ بِخِلَافِ اِسْلَامِهِمْ قَبْلَ الْاَخْذِلِاَنَّهٗ لَمْ يَنْعَقِدِالسَّبَبُ بَعْدُ

ترجمہ......اور یہ جائز نہیں ہے کہ امام ان قیدیوں کو دارالحرب میں جانے کی اجازت دیدے۔ کیونکہ ایسا ہونے سے ان کفار کو مسلمانوں کے خلاف طاقت پہنچائی ہوگی۔ اب اگر وہ اسلام لے آئیں تو امام ان کو قتل نہ کرے کیونکہ قتل کے بغیر ہی ان کے شر و فساد سے بچنا ممکن ہوگیا اور امام کو یہ حق بھی ہے کہ وہ قیدی جو مسلمان ہوگئے ہوں ان کو غلام بنا کر رکھے۔ تاکہ ان سے بہت سے منافع حاصل ہوں کیونکہ ملکیت کا سبب پیدا ہو چکا ہے یعنی وہ پہلے قیدی بن کر غلام بنے اس کے بعد وہ مسلمان ہوئے ہیں اس لئے ان کو غلام بنا کر رکھنا بھی جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر وہ لوگ گرفتار ہونے سے پہلے مسلمان ہوگئے ہوں تب ان کو غلام بنا کر رکھنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت ان کو غلام بنا کر رکھنے کا سبب پیدا نہیں ہوا ہے۔

تشریح......خلاصہ یہ کہ سربراہ مملکت کو اس امر کا اختیار نہیں کہ وہ کسی قیدی کو بطور احسان رہائی دیتے ہوئے واپس دارالحرب کی طرف بھیجدے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اہل اسلام کے خلاف قتال لڑائی کرے گا اور اس سے اہل کفر کی تقویت ہوگی۔ لہٰذا مسلمان حاکم کو یہ استحقاق نہیں کہ وہ کسی کافر قیدی کو ذمی بنائے بغیر یا غلام بنا کر مال غنیمت کی طرح تقسیم کئے بغیر یا قتل کئے بغیر مال لے کر یا بطور احسان چھوڑ دے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قیدی کو فدیہ لے کر رہا کر دینا جائز ہے۔ خواہ وہ کیسا کیوں نہ ہو دلیل یہ ہے۔

فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً (محمد: ٤)

اس طرح رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسیران بدر کو فدیہ لے کر رہا کر دیا تھا اور رسول علیہ السلام کا شرعی عمل کم از کم جواز و اباحت کا درجہ رکھتا ہے۔ لہٰذا تعامل رسول علیہ السلام کے جواز و اباحت پر مبنی فعل کا تقاضی یہی ہے کہ قیدی کی نوعیت کوئی بھی ہو اس سے فدیہ (مال) لے کر رہا کرنا جائز ہے۔

امام محمدؒ کا قول ہے کہ ضعیف العمر شخص جو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اگر وہ قیدی کی حیثیت سے موجود ہے تو اسے مال لے کر چھوڑنے میں کوئی قباحت نہیں۔

ظاہر الروایات (زیادات، جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، سیر کبیر، سیر صغیر) کی رو سے ائمہ احناف کے نزدیک مال لے کر قیدی کو رہا کرنا جائز نہیں ہے۔ بایں دلیل کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ،

ا۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (الانفال: ١٢) (پس ان کو گردنوں کے اوپر مارو) یہ حکم گرفتار کرنے اور غلام بنالینے کے بعد سے متعلق ہے کیونکہ دوران قتال گردنوں کے اوپر مارنا یعنی جوڑ سے گردن کو الگ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

۲۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (التوبۃ: ۵) (مشرکوں کو قتل کردو انھیں جہاں کہیں پاؤ) قتل کو ترک کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک قبول اسلام کا وسیلہ موجود نہ ہو۔ جو کہ مشروعیت قتل کی غرض ہے اور فدیہ لے کر چھوڑ دینے سے وجود وسیلہ کا معنی حاصل نہیں ہوتا۔

۳۔ مال لے کر چھوڑ دینا یا بطور احسان رہا کرنے سے قتال میں اہل حرب کی اعانت وتقویت کو متحقق کرنا ہے۔ ضعیف العمر شخص کے حوالے سے امام محمدؒ کی اعانت کا مفہوم اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کی صورت میں اگرچہ موجود ہے۔ لیکن رائے، مشورہ، نفری میں اضافہ کے باعث ضعیف العمر شخص میں اعانت اور تقویت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کے استدلال فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً کے جواب میں بعض مفسرین کا قول مذکورہ ہے کہ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ (التوبۃ: ۲۹) (ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے) چونکہ سورۃ التوبہ سورۃ محمد کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ) منسوخ متصور ہوگا۔ اگر قیدی کو ویسے رہا کردیا جائے تو کفار کی تقویت کا باعث بن کر اہل اسلام کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ یہ نقصان قیدی کو بطور احسان یا مال لے کر چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ اسلام غالب ہے مغلوب نہیں۔ قیدی کو رہا کر کے کفار کو تقویت دینے سے اسلام کی مغلوبیت متحقق ہوگی۔ لہٰذا قیدی کو رہائی دے کر دار الحرب کی طرف بھیجنا مسلمان حاکم کے اختیار و استحقاق میں متحقق نہیں۔ اگر کوئی قیدی دوران قید اسلام قبول کرلے تو اسے قتل کرنے سے گریز کیا جائے گا۔ کیونکہ کفر اپنی ذات میں بنیادی طور پر شر و فساد کا سرچشمہ ہے اس لئے کافر کو دفع شر کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے باعث کافر سے شر مدفوع ہوگیا جو کہ قتل کا سبب تھا۔ چنانچہ سبب کے مفقود ہونے سے مسبب (کفر) کا فقدان ہوگیا۔ لہٰذا کافر قیدی کے مسلمان ہونے سے مسلمان حاکم پر قتل کا اقدام ممنوع ہوجائے گا۔ اگر کوئی کافر قیدی گرفتار ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلیتا ہے تو اسے غلام نہیں بنایا جائے گا۔ کیونکہ ملکیت کا سبب کفر اور قتال تھا اسلام قبول کرنے سے سبب ملکیت زائل ہوگیا لہٰذا غلام بنانا صحیح متصور نہ ہوگا۔

قیدیوں کے بدلے جزیہ لینے کا حکم

وَلَا يُفَادَى بِالْأُسَارَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا يُفَادَى بِهِمْ أُسَارَى الْمُسْلِمِينَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ فِيهِ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ وَهُوَ أَوْلَى مِنْ قَتْلِ الْكَافِرِ وَالْإِنْتِفَاعِ بِهِ وَلَهُ أَنَّ فِيهِ مَعُونَةَ الْكَفَرَةِ لِأَنَّهُ يَعُودُ حَرْبًا عَلَيْنَا وَدَفْعُ شَرِّ حِرَابِهِ خَيْرٌ مِنَ اسْتِنْقَاذِ الْأَسِيرِ الْمُسْلِمِ لِأَنَّهُ إِذَا بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمْ كَانَ ابْتِلَاءً فِي حَقِّهِ غَيْرَ مُضَافٍ إِلَيْنَا وَالْإِعَانَةُ بِدَفْعِ أَسِيرِهِمْ إِلَيْهِمْ مُضَافٌ إِلَيْنَا أَمَّا الْمُفَادَاةُ بِمَالٍ يَأْخُذُهُ مِنْهُمْ لَا يَجُوزُ فِي الْمَشْهُورِ مِنَ الْمَذْهَبِ لِمَا بَيَّنَّا وَفِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةٌ اِسْتِدْلَالًا بِأُسَارَى بَدْرٍ وَلَوْ كَانَ أَسْلَمَ الْأُسَارَى فِي أَيْدِينَا لَا يُفَادَى بِمُسْلِمٍ أَسِيرٍ فِي أَيْدِيهِمْ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ إِلَّا إِذَا طَابَتْ نَفْسُهُ بِهِ وَهُوَ مَأْمُونٌ عَلَى إِسْلَامِهِ

ترجمہ ...... اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافر قیدیوں کا فدیہ نہیں لیا جائے گا یعنی یہ بات جائز نہ ہوگی کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمان قیدیوں کے بدلے ان کو چھوڑنا جائز ہے۔

امام شافعی و مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ہمارے مسلمان قیدی بھائیوں کو رہائی میسر ہوتی ہے۔ اور یہ بات کافر کو قتل کردینے اور اس سے نفع اٹھانے کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے سے کافروں کو قوت پہنچائی ہوتی ہے کیونکہ یہ قیدی چھوٹ کر ہم سے پھر لڑے گا اور اس کی لڑائی کی برائی اور نقصان کو دور کرنا مسلمان قیدی کو چھڑانے سے بہت بہتر ہے کیونکہ مسلمان قیدی اگر ان کے ہاتھوں میں گرفتار رہا تو اس کا نقصان صرف اسی

کی ذات کا ہے اور تمام مسلمانوں کا نہیں ہے۔ لیکن کافروں کو ان کا قیدی واپس دے کر عام مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہے (لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک کافر قیدی چھوڑے گا تو اس کے بدلہ ایک مسلمان آئے گا جو اس کافر کے نقصان دور کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ اور اس آزادی سے اس کی عظمت اور اس کی عبادت کی آزادی اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی زیادہ ہوگی۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت بھی صاحبین اور جمہور کے قول کے موافق ہی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہی قول اظہر ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کے بدلہ دو مسلمانوں کو آزاد کروایا تھا جیسا کہ مسلم وابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ بلکہ کافرہ عورت کو دے کر بھی مسلمان کو چھوڑوانا جائز ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے چند مسلمانوں کو جو مکہ میں قیدی تھے ایک ایسی عورت کے عوض آزاد کرایا تھا جسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاد کے موقع میں حضرت سلمہ بن رکوع رضی اللہ عنہ کو دی تھا۔ جیسا کہ اس کی روایت مسلم نے کی ہے) اور اب یہ سوال کہ کافر قیدی کو مال لے کر چھوڑنا تو مشہور مذہب کے مطابق یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے کافروں کی تقویت ہوتی ہے۔ اور امام محمدؒ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو تو مال کے عوض قیدی کو بھی چھوڑنا جائز ہے۔ چنانچہ بدر کی لڑائی میں کافر قیدی مال لے کر چھوڑ دیئے گئے تھے (لیکن جب ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب کی آیت نازل ہوگئی تو اب اس واقعہ کی دلیل کے طور پر پیش کرنا درست نہیں ہوگا۔ (العنایہ)

اور اگر یہ کافر قیدی مسلمان ہو گئے ہوں تو ان کو دے کر ان مسلمانوں کو چھوڑانا جو کافروں کے ہاتھوں میں مقید ہوں جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسا کرنا بے فائدہ ہوگا۔ البتہ اگر مسلمان ہونے والا قیدی اپنی خوشی سے اس پر راضی ہو اور اس کے اسلام پر قائم رہ جانے پر اطمینان بھی ہو تو تبادلہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح ..... رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدر کے موقع پر جنگی قیدیوں کو مال کے عوض میں رہا کیا تھا اور غزوہ حدیبیہ کے موقع پر جنگی قیدیوں کو بطور احسان چھوڑ دیا تھا اور خلفائے راشدین نے بھی اسی کو اپنا معمول بنایا تھا اس لئے صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد کے باعث بوقت ضرورت وضعف جنگی قیدیوں کو مال کے عوض رہا کرنے کی ممانعت ہوگی اور جب مسلمان اسلامی شان وشوکت کے حوالے سے مضبوط اور طاقت ور ہونے کے باعث کفار میں اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کی سکت وجرات نہ ہو تو اس صورت میں انھیں (کافر قیدیوں کو) رہا کرنے کے جواز پر مبنی اقدام صحیح متصور ہوگا۔

صاحب فتح القدیر (علامہ ابن ہمامؒ) کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں کافر قیدیوں کو آزاد کرنے کے عدم جواز پر مبنی حکم محض ایک روایت ہے۔ جب کہ سیر کبیر میں مذکورہ قول جمہور صحابہ وفقہاء کے مطابق جنگی قیدیوں کو چھوڑنے کے جواز پر منقول ہے۔ بشرطیکہ مسلمانوں کے حق میں مصلحت اسی میں ہو۔ امام ابوجعفر حاویؒ نے اسی کو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قرار دیا ہے۔

حضور ﷺ اور خلفاء راشدین سے قیدیوں کے بارے میں کبھی قتل کرنا کبھی غلام بنانا کبھی مال کے عوض رہا کرنا اور کبھی بطور احسان چھوڑنا ثابت ہے، اسلئے آیات قرآنیہ یعنی سورہ محمد وسورہ انفال میں مختلف حکم مسلمانوں کے اختلاف حالات پر مبنی ہے۔

صاحب ہدایہ نے امام صاحب کا مذہب سیر کبیر کے حوالے سے وہی نقل کیا ہے جو جمہور صحابہ وفقہاء کا ہے کہ قیدیوں کو فدیہ کے عوض آزاد کرنا جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ جنگی قیدیوں کا قتل ہو یا انھیں غلام بنانے کا حکم مسلمان حاکم کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جو مناسب سمجھے عمل کرے اس پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ جب کہ فدیہ (مال) کے عوض یا بطور احسان انھیں (کافر قیدیوں کو) آزادی دینے میں اگرچہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن جمہور (اکثریتی رائے) صحابہ وفقہاء کے نزدیک ہر دو صورتوں کا جواز موجود ہے۔

قیدیوں پر احسان کرنے کا حکم

قَالَ وَلَا يَجُوْزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ اَیْ عَلَی الْاُسَارٰی خِلَافًا لِلشَّافِعِیِّ فَاِنَّهٗ يَقُوْلُ مَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰی بَعْضِ الْاُسَارٰی يَوْمَ بَدْرٍ وَلَنَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلِاَنَّهٗ بِالْاَسْرِ وَالْقَسْرِ يَثْبُتُ حَقُّ الْاِسْتِرْقَاقِ فِيْهِ فَلَا يَجُوْزُ اِسْقَاطُهٗ بِغَيْرِ مَنْفَعَةٍ وَعِوَضٍ وَمَا رَوَاهُ مَنْسُوْخٌ لِمَا تَلَوْنَا

ترجمہ......اور قیدیوں پر احسان کرنا جائز نہیں ہے، بخلاف امام شافعیؒ کے، انکا کہنا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر کے چند قیدیوں پر احسان فرمایا تھا، ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے (مشرکین جہاں بھی ملیں انکو قتل کر دو) اور اسلئے بھی ان کو قیدی وفرمانبردار بنا کر غلام بنایا جاسکتا ہے لہٰذا اس حق کو بلا عوض وبدون منفعت ضائع نہ کیا جائے گا اور امام شافعیؒ کی دلیل ہماری ذکر کردہ آیت کی روشنی میں منسوخ ہوچکی ہے۔

امام دارالاسلام لوٹنے کا ارادہ کرے اور اس کے ساتھ مویشی ہوں اور وہ انکو منتقل نہ کر سکے تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

وَاِذَا اَرَادَ الْاِمَامُ الْعَوْدَ وَمَعَهٗ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلٰی نَقْلِهَا اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَّقَهَا وَلَا يَعْقِرُهَا وَلَا يَتْرُكُهَا وَقَالَ الشَّافِعِیُّ يَتْرُكُهَا لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰی عَنْ ذَبْحِ الشَّاةِ اِلَّا لِمَاكَلَةٍ وَلَنَا اَنَّ ذَبْحَ الْحَيَوَانِ يَجُوْزُ لِغَرَضٍ صَحِيْحٍ وَلَا غَرَضَ اَصَحُّ مِنْ كَسْرِ شَوْكَةِ الْاَعْدَاءِ ثُمَّ يُحْرَقُ بِالنَّارِ لِيَنْقَطِعَ مَنْفَعَتُهٗ عَنِ الْكُفَّارِ وَصَارَ كَتَخْرِيْبِ الْبُنْيَانِ بِخِلَافِ التَّحْرِيْقِ قَبْلَ الذَّبْحِ لِاَنَّهٗ مَنْهِیٌّ عَنْهُ وَبِخِلَافِ الْعَقْرِ لِاَنَّهٗ مُثْلَةٌ وَتُحْرَقُ الْاَسْلِحَةُ اَيْضًا وَمَا لَا يَحْتَرِقُ مِنْهَا يُدْفَنُ فِیْ مَوْضِعٍ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الْكُفَّارُ اِبْطَالًا لِلْمَنْفَعَةِ عَلَيْهِمْ

ترجمہ......اور جب امام دارالاسلام واپس آجانا چاہیں اور ان کے ساتھ مویشی ہوں جن کو اپنے ساتھ لانا ان کے بس کی بات نہ ہو تو ان کو ذبح کر کے آگ لگا دیں، ان کی قطع وبرید نہ کریں اور نہ ہی زندہ چھوڑ کر چلے آئیں، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان کو زندہ چھوڑ کر آجائیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کھانے کے علاوہ کسی اور غرض سے بکری کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ جانور کو کسی صحیح مقصد کیلئے ذبح کیا جاسکتا ہے، اور اس سے بڑھ کر کیا صحیح مقصد ہوسکتا ہے کہ دشمن کی شان وشوکت اور مالی حیثیت کمزور کرنے کیلئے ان کو ذبح کیا جائے، اور پھر ان مویشیوں کو آگ لگا دی جائے تا کہ وہ کفار کے کسی کام نہ آسکیں، بالکل ویسا ہی جس طرح کہ عمارتوں کو برباد کر کے دشمن کو زک پہنچائی جاتی ہے۔ ہاں البتہ ذبح کرنے سے پہلے آگ لگانے کی اجازت نہیں، اسی طرح قطع وبرید بھی جائز نہیں ہے کہ اسے مثلہ کہا جاتا ہے، اسی طرح دشمن کے اسلحہ کو بھی آگ لگا دی جائے اور جو چیز آگ میں نہ جلتی ہو تو اسے ایسی جگہ دفن کردیں جہاں دشمن کی پہنچ آسان نہ ہو، تا کہ دشمن ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

تشریح......متن ہدایہ کی مذکورہ عبارت کے مطابق کفر کی قوت کو توڑنے کیلئے ان تمام اسباب ولوازمات سے اس کو محروم رکھا جائے گا۔ چنانچہ جہاد وقتال سے فراغت کے بعد دارالاسلام کی طرف واپس جاتے وقت جانوروں کو ذبح کر کے جلانا اسلحہ کو محفوظ مقام پر دفن کرنا ضروری امر ٹھہرا۔ بشرطیکہ ان (جانوروں، اسلحہ وغیرہ) کی نقل مکانی ناممکن ہو۔ تا کہ کفر کی قوت وشوکت پارہ پارہ ہوجائے۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جانوروں کو زندہ چھوڑ دے۔ کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھانے کی ضرورت کے ماسواء بکری کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا کھانے کی غرض سے ذبح کرنا جائز ہے ورنہ نہیں لیکن بقول صاحب عین الہدایہ یہ حدیث کہیں منقول نہیں ہے۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام کی طرف لشکر بھیجتے وقت یزید بن

ابی سفیان کو دس باتوں کی وصیت کی تھی ان میں سے ایک وصیت جانوروں کو ذبح کرنے سے ممانعت سے متعلق بھی تھی۔ یعنی کھانے کے علاوہ بکری یا گائے کو ہلاک نہ کریں۔ (رواہ مالک، ابن ابی شیبہ)

امام شافعیؒ کا استدلال اگرچہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث سے محقق نہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ راشد ہونے کے حوالے سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری حدیث

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے

سے امام شافعیؒ کا استدلال صحیح ثابت ہوتا ہے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وصیت جانوروں کو زندہ جلانے کی صورت میں ہلاکت پر محمول ہوگی یا نہیں (جانوروں کو) منتقل کرنے کی سہولت نہ ہونے پر مبنی ہوگی۔ اگر جانوروں کی ہلاکت کے حوالے سے غرض صحیح موجود نہ ہوتو پھر امام شافعیؒ کا قول معتبر متصور ہوگا۔ اگر غرض صحیح پائی جائے تو احناف کا موقف مبنی برحق متصور ہوگا۔ اور جانوروں کو ذبح کر کے جلانے اور اسلحہ کو محفوظ مقام پر دفن کرنے سے کفر کی طاقت ختم ہوتی ہے تو اس سے بڑی غرض صحیح اور کیا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ احناف کی رائے راجح اور امام شافعیؒ کا موقف مرجوح ہوگا۔

مال غنیمت کی تقسیم دارالحرب میں یا دارالاسلام میں؟

وَ لَا يُقَسَّمُ غَنِيْمَةٌ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ حَتّٰى يَخْرُجَهَا اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَابَأْسَ بِذَالِكَ وَاَصْلُهُ اَنَّ الْمِلْكَ لِلْغَانِمِيْنَ لَايَثْبُتُ قَبْلَ الْاِحْرَازِ بِدَارِ الْاِسْلَامِ عِنْدَنَا وَعِنْدَهُ يَثْبُتُ وَيَبْتَنِيْ عَلٰى هٰذَا الْاَصْلِ عِدَّةٌ مِّنَ الْمَسَائِلِ ذَكَرْنَا هَافِيْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهِيْ لَهُ اَنَّ سَبَبَ الْمِلْكِ الْاِسْتِيْلَاءُ اِذَاوَرَدَ عَلٰى مَالٍ مُبَاحٍ كَمَافِي الصُّيُوْدِ وَلَامَعْنٰى لِلْاِسْتِيْلَاءِ سِوٰى اِثْبَاتِ الْيَدِوَقَدْتَحَقَّقَ وَلَنَا اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْغَنِيْمَةِ فِيْ دَارِالْحَرْبِ وَالْخِلَافُ ثَابِتٌ فِيْهِ وَالْقِسْمَةُ بَيْعٌ مَعْنًى فَتَدْخُلُ تَحْتَهُ وَلِاَنَّ الْاِسْتِيْلَاءَ اِثْبَاتُ الْيَدِالْحَافِظَةِ وَالنَّاقِلَةِ وَالثَّانِيْ مُنْعَدِمٌ لِقُدْرَتِهِمْ عَلَى الْاِسْتِنْقَادِ وَوُجُوْدُهُ ظَاهِرٌ ثُمَّ قِيْلَ مَوْضِعُ الْخِلَافِ تَرَتُّبُ الْاَحْكَامِ عَلَى الْقِسْمَةِ اِذَا قَسَّمَ الْاِمَامُ لَاعَنِ اجْتِهَادٍلِاَنَّ حُكْمَ الْمِلْكِ لَايَثْبُتُ بِدُوْنِهِ وَقِيْلَ الْكَرَاهَةُ وَهِيَ كَرَاهَةُ تَنْزِيْهٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهُ قَالَ عَلٰى قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اَبِيْ يُوْسُفَ لَا يَجُوْزُ الْقِسْمَةُ فِيْ دَارِالْحَرْبِ وَ عِنْدَ مُحَمَّدِ نِ الْاَفْضَلُ اَنْ يُقَسَّمَ فِيْ دَارِالْاِسْلَامِ وَوَجْهُ الْكَرَاهَةِ اَنَّ دَلِيْلَ الْبُطْلَانِ رَاجِحٌ اِلَّااَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ سَلْبِ الْجَوَازِ فَلَايَتَقَاعَدُعَنْ اِيْرَاثِ الْكَرَاهَةِ

ترجمہ...... اور امام مال غنیمت کو دارالحرب میں رہتے ہوئے تقسیم نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ وہاں سے دارالاسلام میں لے آئے اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ دارالحرب ہی میں رہتے ہوئے بھی تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ دارالاسلام میں لاکر محفوظ کر لینے سے پہلے تک ہمارے نزدیک غنیمت میں غازیوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ اس اصل کی بناء پر بہت سے مسائل نکلتے ہیں جنہیں ہم نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے ان میں سے چند مسائل یہ ہیں۔

۱: اگر غازی نے غنیمت کی کسی باندی سے وطی کی اور اس سے بچہ بھی پیدا ہو گیا اور اس نے اس بچہ پر نسب کا دعوی کر دیا تو نسب ثابت ہوگا اور یہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ وہ ام ولد ہوگی۔

۲: غنیمت کی کسی چیز کوفروخت کرنا (ہمارے نزدیک جائز نہ ہوگا)۔

۳: اگر کوئی غازی دارالحرب میں مرگیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے حصہ میں بعد میں جو کچھ آئے گا وہ بطور میراث تقسیم ہوگا لیکن ہمارے نزدیک نہیں ہوگا۔

۴: اگر اس غنیمت میں سے کچھ مال وہ برباد کردے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔

۵: تقسیم غنیمت سے پہلے جو بھی لشکر غازیوں کی مدد کو پہنچے گا ہمارے نزدیک وہ بھی ضامن مال غنیمت میں شامل ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شریک نہ ہوگا)۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مال مباح پر استیلاء (قبضہ اور اختیار) واقع ہو تو اس کے مالک ہو جانے کے سبب ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے شکار کو جال میں پھنسالیا یا کسی طرح اس پر قابو پالیا تو وہ شکاری کی ملکیت میں آ گیا۔ استیلاء کے سوا اس کے کچھ معنی نہیں ہیں کہ اس پر قبضہ ثابت کر دے اور دارالحرب کے مال غنیمت میں بھی یہی بات ثابت ہوگئی اس لئے وہ مال غازیوں کی ملک میں آ گیا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دارالحرب میں مال غنیمت کے بیچنے کو منع فرمایا ہے (یہ حدیث غریب ہے نہیں ملی ہے) اور دارالحرب میں مال غنیمت کے بیچنے میں بھی اختلاف ہے۔ جبکہ تقسیم کرنے میں ایک قسم کے بیچنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اسی لئے بیع کی طرح اس کی تقسیم سے بھی ممانعت ہو جائے گی۔ اور اس دلیل سے بھی کہ استیلاء اور غلبہ کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ اس چیز پر قبضہ ہو جائے اور اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے لے جا سکے۔ حالانکہ دارالحرب میں رہتے ہوئے مال غنیمت کو منتقل کرنے کا قبضہ نہیں ہوا ہے کیونکہ اس وقت تک کافروں کے لئے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا مال ان غازیوں سے تھوڑے سے مقابلہ سے واپس لے لیں اور یہ بات ظاہر اور واقع ہے (کیونکہ اس وقت تک مسلمان اُن کے ملک میں ہیں اس لئے اس وقت تک بظاہر کافروں کو ہی قوت ہوگی۔) پھر اس جگہ یہ کہا گیا ہے کہ یہاں فقہاء کا اختلاف اس بات میں ہے کہ جب امام نے اجتہاد کے بغیر مجاہدین میں مال تقسیم کر دیا تو اس تقسیم یا بٹوارے کے احکام اس پر نافذ ہوں گے یا نہیں۔ کیونکہ ملکیت کے بغیر ملک کے احکام ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اختلاف کراہت کے بارے میں ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ کے نزدیک اس میں کراہت تنزیہی ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق دارالحرب میں مال غنیمت کی تقسیم جائز نہیں ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دارالاسلام میں واپس آ کر تقسیم کرے۔ اس کراہت کے وجہ یہ ہے کہ وہاں رہتے ہوئے تقسیم کا باطل ہونا ہی راجح قول ہے۔ مگر یہ دلیل جائز نہ ہونے پر موثر نہیں ہے اس لئے کم سے کم کراہت تو ضرور پیدا ہوگی۔

میدان جنگ میں براہ راست قتال کرنے والا اور مدد کرنے والا برابر ہیں

قَالَ وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعَسْكَرِ سَوَاءٌ لِاسْتِوَائِهِمْ فِي السَّبَبِ وَهُوَ الْمُجَاوَزَةُ اَوْشُهُوْدُ الْوَقْعَةِ عَلٰى مَاعُرِفَ وَكَذَالِكَ اِذَالَمْ يُقَاتِلْ لِمَرَضٍ اَوْلِغَيْرِهٖ لِمَاذَكَرْنَا

ترجمہ......اور مجاہدین کے لشکر میں براہ راست قتال کرنے والے ان کے مددگار حکم کے اعتبار سے سب برابر ہوں گے۔ کیونکہ سبب کے اعتبار سے دونوں جماعتیں برابر ہیں۔ اور اس کا سبب ہمارے نزدیک دارالاسلام کی سرحد سے دوسری جانب چلے جانا ہے۔ مگر امام شافعیؒ کے نزدیک میدان جنگ میں حاضر ہونا سبب ہے۔ جیسا کہ اپنے موقع پر پہلے بتایا جا چکا ہے (۔ بہر حال ان آئمہ میں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ غنیمت کے حصہ میں بالاتفاق لڑنے والوں کے برابر ہی ان کے مددگاروں کا بھی حصہ ہوگا) اسی طرح اگر کوئی غازی کسی مجبوری مثلاً بیماری وغیرہ کے قتال میں عملی حصہ نہ لے سکا ہو تو وہ بھی غنیمت کے حصہ میں برابر کا حصہ دار ہوگا کیونکہ سبب میں سب برابر ہو رہے ہیں۔

تشریح......قَالَ وَالرِّدْءُ......الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔(الرد، بکسر الرء، و سکون الدال، المهملتين وفی آخره همزة مدد محاورہ میں بولا جاتا ہے۔ رداۃ رداء، اس کی مدد کی)۔ (انوار الحق قاسمی)

مال غنیمت دارالاسلام لانے سے پہلے کمک پہنچ گئی وہ بھی مال غنیمت میں شریک ہوں گے

وَإِذَا لَحِقَهُمُ الْمَدَدُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ اَنْ يُّخْرِجُوا الْغَنِيْمَةَ اِلٰى دَارِ الْإِسْلَامِ شَارَكُوْهُمْ فِيْهَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْقِتَالِ وَهُوَ بِنَاءٌ عَلٰى مَامَهَّدْنَامِنَ الْاَصْلِ وَاِنَّمَا يَنْقَطِعُ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ عِنْدَنَا بِالْاِحْرَازِ اَوْ بِقِسْمَةِ الْاِمَامِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ اَوْ بَيْعِهِ الْمَغَانِمَ فِيْهَا لِاَنَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهَا يَتِمُّ الْمِلْكُ فَيَنْقَطِعُ حَقُّ شِرْكَةِ الْمَدَدِ

ترجمہ......اور اگر غازیوں نے مال غنیمت کو ابھی تک دار السلام میں نہ پہونچایا ہو کہ اس موقع پر ان غازیوں کے کچھ مددگار بھی ان سے آ کر مل گئے تو یہ مددگار بھی مال غنیمت پانے میں ان کے شریک ہوں گے۔ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ اگر چہ جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد ہو۔ یہ حکم اس قاعدہ اور اصل پر مبنی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک شرکت کا حق اس وقت ختم ہو جائے گا کہ غازیوں نے غنیمت کا مال دار الحرب سے نکال کر دار الاسلام میں پہنچا کر محفوظ کرا لیا ہو۔ یا امام نے خود غنیمت تقسیم کر دی یا فروخت کر دی ہو کیونکہ ان تینوں باتوں سے ہر بات سے غازیوں کی ملکیت پوری ہو جاتی ہے اور اس سے پہلے وہ مال مشترک بھی رہتا ہے اسی لئے مددگاروں کے شریک غنیمت ہونے کا حق ختم ہو جائے گا اور قدوریؒ نے کہا ہے کہ غنیمت میں بازاری لوگوں کا کچھ بھی حق نہیں ہوتا ہے۔

لشکر کے بازار والوں کیلئے مال غنیمت میں حصہ نہیں

قَالَ وَلَاحَقَّ لِاَهْلِ سُوْقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيْمَةِ اِلَّا اَنْ يُّقَاتِلُوْا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيْ اَحَدِ قَوْلَيْهِ يُسْهَمُ لَهُمْ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْغَنِيْمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَاقِعَةَ وَلِاَنَّهٗ وُجِدَ الْجِهَادُ مَعْنًى بِتَكْثِيْرِ السَّوَادِ وَلَنَا اَنَّهٗ لَمْ يُوْجَدِ الْمُجَاوَزَةُ عَلٰى قَصْدِ الْقِتَالِ فَانْعَدَمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ فَيُعْتَبَرُ السَّبَبُ الْحَقِيْقِيُّ وَهُوَ الْقِتَالُ

ترجمہ......لشکر کے ساتھ جو بازار ہو ان کے بازاریوں کے واسطے غنیمت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ البتہ اس صورت میں ان کا بھی حصہ ہوگا کہ انہوں نے بھی عملی طور سے قتال میں شرکت کی لی ہو (۔ امام مالک واحمد اور ایک قول امام شافعی رحمہم اللہ علیہم کا بھی یہی ہے) اور امام شافعیؒ نے دوسرے قول میں فرمایا ہے کہ ان کا بھی حصہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مال غنیمت اس شخص کے لئے ہے جو وقت قتال حاضر ہو۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو ابن ابی شیبہ اور الطبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور بیہقیؒ نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔) اور اس وجہ سے بھی کہ ایک حد تک بازاریوں کی طرف سے جہاد کے مقصد میں شرکت پائی گئی ہے کیونکہ انہوں نے ان مجاہدین کے لشکر اور اس کی تعداد کو بڑھا کر دکھایا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قتال کی غرض سے اپنی سرحد سے ان کا نکلنا نہیں پایا گیا ہے۔ تو ظاہری سبب نہیں پایا گیا ہے۔ اس لئے سبب حقیقی یعنی قتال کا اعتبار ہوگا۔

مال غنیمت کا استحقاق مجاہد کی پیدل یا سواری کی حالت پر ہے

فَيُفِيْدُ الْاِسْتِحْقَاقَ عَلٰى حَسْبِ حَالِهٖ فَارِسًا اَوْ رَاجِلًا عِنْدَ الْقِتَالِ وَمَارَوَاهُ مَوْقُوْفٌ عَلٰى عُمَرَؓ اَوْ تَاوِيْلُهٗ اَنْ يَّشْهَدَهَا عَلٰى قَصْدِ الْقِتَالِ

ترجمہ......اب اگر قتال میں شریک ہو گیا تو قتال کے وقت اس کی جو حالت ہو گی مثلاً اگر پیدل ہو تو اس کے اعتبار سے حصہ پائے گا اور اگر سوار ہو تو

ایک سوار کا جو حصہ ہوتا ہے وہی اسے بھی ملے گا۔ اور امام شافعیؒ نے جو بھی حدیث روایت کی ہے وہ حضرت عمرؓ کا قول ہے یعنی امام شافعیؒ کے لئے حجت نہیں ہے۔ اور اس کی تاویل یہ ہے کہ قتال کی نیت سے میدان جنگ میں حاضر ہوا ہو۔

مال غنیمت لانے کیلئے امام کے پاس سواریاں نہ ہوں تو مجاہدین کو سارا مال بطور امانت دیدے

وَ اِنْ لَّمْ تَكُنْ لِلْاِمَامِ حَمُوْلَةٌ تُحْمَلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمُ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ قِسْمَةَ اِيْدَاعٍ لِيَحْمِلُوْهَا اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ فَيُقَسِّمُهَا قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ هٰكَذَا ذُكِرَ فِى الْمُخْتَصَرِ وَلَمْ يُشْتَرَطْ رِضَاهُمْ وَهُوَ رِوَايَةُ السِّيَرِ الْكَبِيْرِ وَالْجُمْلَةُ فِىْ هٰذَا اَنَّ الْاِمَامَ اِذَا وَجَدَ فِى الْمَغْنَمِ حَمُوْلَةً يَحْمَلُ الْغَنَائِمَ عَلَيْهَا لِاَنَّ الْحَمُوْلَةَ وَالْمَحْمُوْلَ مَالُهُمْ وَكَذَا اِذَا كَانَ فِىْ بَيْتِ الْمَالِ فَضْلُ حَمُوْلَةٍ لِاَنَّهُ مَالُ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَوْ كَانَ لِلْغَانِمِيْنَ اَوْلِبَعْضِهِمْ لَايُجْبِرُهُمْ فِىْ رِوَايَةِ السِّيَرِ الصَّغِيْرِ لِاَنَّهُ ابْتِدَاءً اِجَارَةٌ وَصَارَ كَمَا اِذَا نَفَقَتْ دَابَّةٌ فِىْ مَفَازَةٍ وَمَعَ رَفِيْقِهٖ فَضْلُ حَمُوْلَةٍ وَيُجْبِرُهُمْ فِىْ رِوَايَةِ السِّيَرِ الْكَبِيْرِ لِاَنَّهُ دَفْعُ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِتَحْمِيْلِ ضَرَرٍ خَاصٍّ

ترجمہ...... اور اگر دارالحرب میں امام کے پاس مال غنیمت کو دارالاسلام لانے کے لئے اتنی سواریاں نہ ہوں جن پر مال غنیمت کو لادے تو ان مجاہدین کو وہ سارا مال بطور امانت دیدے کہ وہ اسے دارالاسلام میں لے آئیں۔ اور یہاں آجانے کے بعد سبھوں سے واپس لے کر حصہ رسدی کے طور پر مال تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کا حصہ دیدے عبد ضعیف (یعنی مصنفؒ) نے کہا ہے کہ ایسا ہی مختصر قدوری میں مذکور ہے۔ اس میں غازیوں کی رضامندی کی شرط نہیں لگائی ہے۔ اور سیر کبیر کی بھی یہی روایت ہے اس مسئلہ کا ماحصل یہ ہوا کہ اگر امام کے پاس میدان جنگ میں اتنی سواریاں ہوں جن پر وہ مال غنیمت لاد کر دارالاسلام لا سکتا ہو تو ان ہی پر لاد کر دارالاسلام میں لے آئے۔ کیونکہ وہ سواریاں اور پورا مال سب کا سب ان غازیوں کا ہی ہے۔ اسی طرح اگر بیت المال میں زائد سواریاں موجود ہوں تو بھی ایسا ہی کرے۔ کیونکہ وہ سواریاں بھی مسلمانوں کی ہی ہیں۔ اور اگر سواریاں تمام غازیوں کی یا کسی ایک کی ذاتی ملکیت کی ہوں تو سیر صغیر کی روایت کے مطابق ان لوگوں پر جبر نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ابتداءً کرا جارہ اور کرایہ کا معاملہ ہوگا۔ اور اس کی مثال ہو جائے گی جیسے جنگل میں کسی کا جانور مر گیا اور اس کے ساتھی کے پاس اس کی ضرورت سے زائد جانور موجود ہو تو اس کو کرایہ کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تقسیم سے پہلے مال غنیمت بیچنا جائز نہیں

وَ لَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فِىْ دَارِ الْحَرْبِ لِاَنَّهُ لَامِلْكَ قَبْلَهَا وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِىِّؒ وَقَدْ بَيَّنَّا الْاَصْلَ وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِيْنَ فِىْ دَارِ الْحَرْبِ فَلَاحَقَّ لَهٗ فِى الْغَنِيْمَةِ وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِهَا اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ فَنَصِيْبُهٗ لِوَرَثَتِهٖ لِاَنَّ الْاِرْثَ يَجْرِىْ فِى الْمِلْكِ وَ لَا مِلْكَ قَبْلَ الْاِحْرَازِ وَ اِنَّمَا الْمِلْكُ بَعْدَهٗ وَ قَالَ الشَّافِعِىُّؒ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اسْتِقْرَارِ الْهَزِيْمَةِ يُوْرَثُ نَصِيْبُهٗ لِقِيَامِ الْمِلْكِ فِيْهِ عِنْدَهٗ وَ قَدْ بَيَّنَّا

ترجمہ...... اور دارالحرب میں رہتے ہوئے غنیمت کے مال کو تقسیم سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ تقسیم سے پہلے اس کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ ہم نے پہلے ہی اختلاف کی اصل اور بناء کو بتا دیا ہے۔ اور اگر دارالحرب میں رہتے ہوئے کوئی غازی مر گیا تو غنیمت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہوگا اور اگر مال غنیمت دارالاسلام میں لا کر محفوظ ہو جانے کے بعد کوئی غازی مر گیا تو اس کا حصہ اس کے وارثوں کی میراث ہے کیونکہ میراث تو ملکیت میں جاری ہوتی ہے اور غنیمت کو محفوظ کر لینے سے پہلے اس پر ملکیت جاری نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ محفوظ کر

لینے کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ کافروں کی شکست مکمل ہو جانے کے بعد ہی غازی مرا ہو اس کا حصہ میراث ہوگا ۔ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں غازی کی ملکیت ثابت ہوگئی۔ اس اصل کو ہم اوپر کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔

دارالحرب سے پائے ہوئے چارہ سے اپنے جانوروں کو کھلائیں اور کھانے پینے کی چیزیں خود بھی کھائیں

قَالَ وَ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَعْلِفَ الْعَسْكَرُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوا مِمَّا وَجَدُوهُ مِنَ الطَّعَامِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ أَرْسَلَ وَلَمْ يُقَيِّدْ بِالْحَاجَةِ وَقَدْ شَرَطَهَا فِي رِوَايَةٍ وَلَمْ يَشْتَرِطْهَا فِي الْأُخْرَى وَجْهُ الْأُولَى أَنَّهُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَلَا يُبَاحُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ وَجْهُ الْأُخْرَى قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي طَعَامِ خَيْبَرَ كُلُوْهَا وَاعْلِفُوْهَا وَلَا تَحْمِلُوْهَا وَلِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى دَلِيْلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ كَوْنُهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ لِأَنَّ الْغَازِيَ لَا يَسْتَصْحِبُ قُوْتَ نَفْسِهِ وَعَلَفَ ظَهْرِهِ مُدَّةَ مَقَامِهِ فِيْهَا وَالْمِيْرَةُ مُنْقَطِعَةٌ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْإِبَاحَةِ لِلْحَاجَةِ بِخِلَافِ السِّلَاحِ لِأَنَّهُ يَسْتَصْحِبُهُ فَانْعَدَمَ دَلِيْلُ الْحَاجَةِ وَقَدْ تَمَسُّ إِلَيْهِ الْحَاجَةُ فَيُعْتَبَرُ حَقِيْقَتُهَا فَيَسْتَعْمِلُهُ ثُمَّ يَرُدُّهُ فِي الْمَغْنَمِ إِذَا اسْتَغْنَى عَنْهُ وَالدَّابَّةُ مِثْلُ السِّلَاحِ وَالطَّعَامُ كَالْخُبْزِ وَاللَّحْمِ وَمَا يُسْتَعْمَلُ فِيْهِ كَالسَّمْنِ وَالزَّيْتِ

ترجمہ...... قدوریؒ نے کہا ہے کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ دارالحرب میں رہتے ہوئے مجاہدین وہاں سے حاصل کئے ہوئے چارہ سے اپنے جانوروں کو بھی کھلائیں اور ان سے کھانے پینے کی چیزیں جو وہ پائیں ان سے خود بھی کھائیں۔ اس عبد ضعیف (مصنفؒ) نے کہا ہے کہ قدوریؒ نے اپنی عبارت میں یہ قید نہیں لگائی ہے کہ بوقت ضرورت ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن سیر صغیر کی روایت میں ہے کہ بشرط ضرورت ایسا جائز ہے اور سیر کبیر میں ضرورت کی شرط نہیں لگائی ہے۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال غنیمت سارے مجاہدین کا مال مشترک ہے۔ اس لئے کسی خاص ضرورت کے بغیر کسی کا اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ جیسے کے کپڑوں اور جانوروں کی ضرورت میں ہے اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی کھانے کی چیزوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ تم خود بھی اسے کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی اس سے کھلاؤ لیکن اسے لاد کر کہیں نہ لے جاؤ۔ اور اس دلیل سے بھی کہ حکم کا مدار حاجت کی دلیل پر ہے۔ کیونکہ غازی اپنے ساتھ وہاں غیر معینہ مدت تک رہنے کے لئے نہ اپنا کھانا پینا ساتھ لے جاسکتے ہیں اور نہ ہی اپنے جانوروں کے لئے چارہ اور گھاس لے جاسکتے ہیں۔ نیز دوسرے راستوں سے وہاں تک باضابطہ غلہ منگوانے یا پہنچانے کا بھی کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے پس اس مجبوری کی وجہ سے تمام چیزوں میں جو اصل اباحت تھی وہ باقی رکھی گئی۔ بخلاف ہتھیاروں کے کیونکہ غازی اپنے ساتھ ہتھیار لے جاتے ہیں اس لئے مجبوری کی جو دلیل تھی وہ ختم ہوگئی۔ اور کبھی واقعتاً ہتھیاروں کی بھی وہاں مزید ضرورت ہو جاتی ہے۔ اس لئے حقیقی ضرورت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس لئے ہتھیار کو استعمال میں لانے کی اجازت ہوتی ہے اور وہ ہتھیاروں کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن جب ان کی ضرورت ختم جائے تو پھر انہیں مال غنیمت میں جمع کر دینا ہوگا۔ اور جانور کا حکم ہتھیاروں کے ہی جیسا ہے۔ اس جگہ طعام سے مراد روٹی، گھی، تیل اور گوشت وغیرہ ہے۔

تشریح...... غازیان اسلام کو دارالحرب کے مال مباح سے مفاد اٹھانے کی عام اجازت ہے اگر یہ اجازت نہ دی جائے۔ تو پھر انہیں (غازیان اسلام کو) دوہری مصیبت (یعنی ضروریات اصلیہ سے محرومی اور دارالحرب کے مقیم (کفار) سے نبرد آزمائی) کا سامنا ہوگا۔ چنانچہ اس نوعیت کا کوئی

بھی امر محال ہوگا۔ دریں صورت مال مباح پر ہر مجاہد اسلام کا حق اسکے دوسرے مجاہد ساتھی کے حق میں نہ صرف ساقط ہو جائے گا۔ بلکہ از روئے شریعت کالعدم قرار پائے گا۔ پس مال مباح بوقت ضرورت اک حاجت کا باعث مباحات اصلیہ میں شامل ہو جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انہیں غازیان اسلام (اشیائے خوردنی اور جانوروں کا چارہ) ضرورتاً وحاجتاً استعمال وانتفاع (مفاد اٹھانا) کے مجاز ہیں۔ بخلاف اسلحہ کے کیونکہ قتال کیلئے دارالحرب کی طرف روانگی کے وقت ہر مجاہد ہمہ قسم کے اسلحہ سے لیس ہوتا ہے اور جہاد وقتال کی مکمل تیاری کی بنا پر اپنا اسلحہ دارالحرب میں خود اپنے ساتھ لاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ (غازی اسلام) اسلحہ کے حوالے سے خاص حاجت مند نہیں ہوتا۔ اسلئے دوران قتال یا بعد از قتال کفار سے حاصل شدہ اسلحہ مال غنیمت کی باقاعدہ تقسیم یا فروخت یا دارالاسلام میں نقل مکانی سے پہلے دارالحرب میں کسی بھی مجاہد کو اس (ہتھیار) سے نفع اٹھانے کی اجازت نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے استعمال کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ کیونکہ غلبہ حق اور تحفظ جان کیلئے دارالاسلام سے دارالحرب تک اسلحہ اٹھانے یا دوران سفر ہتھیاروں (اسلحہ) کو ساتھ رکھنے یا دارالحرب میں کسی نتیجے تک پہنچنے کیلئے اسلحہ ہمیشہ مجاہدین اسلام کے پاس ہوتا ہے۔ اس لئے اسلحہ اٹھانے کی تکلیف گوارا ہوتی ہے۔ لہٰذا اسلحہ کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ چنانچہ کفار سے چھینا ہوا اسلحہ مال مباح کے زمرے میں نہیں آتا۔ اس لئے اس کے استعمال کا جواز بھی نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی مجاہد کا ہتھیار بوقت قتال گم ہو گیا یا دوران قتال ناکارہ ہو گیا تو اس صورت میں وہ (نہتا مجاہد) دارالحرب میں مال غنیمت کی تقسیم یا فروخت یا دارالاسلام میں نقل مکانی سے قبل استعمال کرنے کا مجاز متصور ہوگا۔ یہی حکم بوقت قتال جانور کا ہے۔ البتہ یہ قید لازماً ہوگی کہ اسلحہ یا جانور جب تک قتال میں کارآمد ہو تب تک مستحق مجاہد اسے استعمال کرنے کا مجاز ہے۔ بعد از اں (قتال وجہاد سے فراغت کے بعد) دارالحرب میں کفار سے حاصل شدہ اسلحہ یا جانور واپس کرنے کا پابند ہوگا۔

دارالحرب کی لکڑیوں کو استعمال میں لانے کا حکم

قَالَ وَيَسْتَعْمِلُوْا الْحَطَبَ وَ فِىْ بَعْضِ النُّسَخِ الطِّيْبُ وَيَدْهُنُوْا بِالدُّهْنِ وَيُوْقِحُوْا بِهِ الدَّابَّةَ لِمَسَاسِ الْحَاجَةِ إِلٰى جَمِيْعِ ذٰلِكَ

ترجمہ..... اور مجاہدین دارالحرب سے حاصل کی ہوئی لکڑیوں کو جلانے کے کام میں لا سکتے ہیں۔ اور بعض نسخوں میں (بجائے حطب کے) طیب ہے یعنی خوشبو اور عطر وغیرہ کو اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔ اسی طرح ان کو اختیار ہے کہ چاہیں تو وہ تیل کو استعمال میں لا سکتے ہیں۔ اسی طرح جانوروں کے پیروں میں لگا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان مجاہدین کو ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔

تقسیم سے پہلے جو بھی ہتھیار ملیں ان کو لے کر قتال کریں

وَيُقَاتِلُوْا بِمَا يَجِدُوْنَهُ مِنَ السِّلَاحِ كُلُّ ذٰلِكَ بِلَاقِسْمَةٍ وَتَأْوِيْلُهُ إِذَا احْتَاجَ إِلَيْهِ بِأَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ سِلَاحٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ

ترجمہ..... اور جو بھی ہتھیار وہاں پائیں ان کے ذریعہ ان کفار سے قتال کر سکتے ہیں۔ اس وقت یہ چیزیں تقسیم کے بغیر بھی مباح ہوں گی۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان غازیوں کو واقعتاً ان ہتھیاروں کی ضرورت بھی ہو۔ مثلاً ان کے پاس ہتھیار بالکل نہ ہوں یعنی خالی ہاتھ ہوں۔ یہ مسئلہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اسلحہ بیچنے اور جمع کرنے کا حکم

وَلَا يَجُوْزُ أَنْ يَّبِيْعُوْا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلَا يَتَمَوَّلُوْنَهُ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَتَرَتَّبُ عَلَى الْمِلْكِ وَلَا مِلْكَ عَلٰى مَا قَدَّمْنَاهُ وَإِنَّمَا

هُوَاِبَاحَةٌ وَصَارَ كَالْمُبَاحِ لَهُ الطَّعَامَ وَقَوْلُهُ وَلَايَتَمَوَّلُوْنَهُ اِشَارَةٌ اِلَى أَنَّهُمْ لَايَبِيْعُوْنَهُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْعُرُوْضِ لِأَنَّهُ لَا ضَرُوْرَةَ اِلَى ذَالِكَ فَاِنْ بَاعَهُ اَحَدُهُمْ رَدَّالثَّمَنَ اِلَى الْغَنِيْمَةِ لِأَنَّهُ بَدَلُ عَيْنٍ كَانَتْ لِلْجَمَاعَةِ وَأَمَّا الثِّيَابُ وَالْمَتَاعُ فَيُكْرَهُ الْاِنْتِفَاعُ بِهَاقَبْلَ الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ لِلْاِشْتِرَاكِ اِلَّااَنَّهُ يُقَسِّمُ الْاِمَامُ بَيْنَهُمْ فِي دَارِالْحَرْبِ اِذَااحْتَاجُوْااِلَى الثِّيَابِ وَالدَّوَابِ وَالْمَتَاعِ لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ يُسْتَبَاحُ لِلضَّرُوْرَةِ فَالْمَكْرُوْهُ أَوْلَى وَهٰذَالِأَنَّ حَقَّ الْمَدَدِ مُحْتَمَلٌ وَحَاجَةُ هٰؤُلَاءِ مُتَيَقَّنٌ بِهَا فَكَانَ أَوْلَى بِالرِّعَايَةِ وَلَمْ يَذْكُرِالْقِسْمَةَ فِي السِّلَاحِ وَلَافَرْقَ فِي الْحَقِيْقَةِ فَاِنَّهُ اِذَااحْتَاجَ وَاحِدٌ يُبَاحُ لَهُ الْاِنْتِفَاعُ فِي الْفَصْلَيْنِ فَاِنِ احْتَاجَ الْكُلُّ يُقَسَّمُ فِي الْفَصْلَيْنِ بِخِلَافِ مَااِذَااحْتَاجُوْا اِلَى السَّبْيِ حَيْثُ لَايُقَسَّمُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ اِلَيْهِ مِنْ فُضُوْلِ الْحَوَائِجِ

ترجمہ......اوران کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی سونا یا چاندی کے بدلہ بیچیں اور نہ ہی وہ اپنے پاس ایسی چیز کو جمع کر کے رکھ لیں۔ کیونکہ ایسی ہی چیز کی بیع ہی درست اور جائز ہوتی ہے جس کا بیچنے والا خود اس کا مالک ہو (یا اس کا وکیل ہو) جبکہ ایسے مال غنیمت کو مکمل طور پر اپنے قابو میں لائے بغیر اس پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اس وقت استعمال کی ان کو جو اجازت دی جارہی ہے وہ اباحت کے طور پر ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ ایسا ہو گیا جیسے کسی کو کھانا کھانے کی اجازت دیدی جائے گی ہو اور اس کیلئے مباح کر دیا گیا ہو۔ اور قدوریؒ نے جو فرمایا ہے کہ اور نہ اپنے واسطے ان کو مالی ذخیرہ کریں۔ اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ سونے و چاندی کی طرح دوسرے اسباب کے عوض بھی وہ فروخت نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اس ممانعت کے باوجود اگر چہ کسی نے فروخت کر دیا تو اس کی قیمت اس شخص سے واپس لے کر مال غنیمت میں جمع کر دیا جائے کیونکہ یہ ایسے متعین مال کا عوض ہے جس میں پوری جماعت مجاہدین کا حق ہے اور کپڑے اور دوسرے سامان سے ضرورت کے بغیر نفع اٹھانا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں بھی تمام غازیوں کا مشترک حق ہے اور اگر تمام غازیوں کو کپڑے جانور اور دوسرے سامانوں کی ضرورت ہونے لگے تو امام کو چاہئے کہ دارالحرب میں رہتے ہوئے یہ چیزیں ان غازیوں کے درمیان تقسیم کر دے کیونکہ کبھی مجبوری ہو جانے کی صورت میں جب حرام چیز بھی مباح ہو جاتی ہے تو مکروہ چیز بدرجہ اولیٰ مباح ہو جائے گی کیونکہ ایسی ضرورت کی چیزوں کو دارالاسلام سے منگوا کر ضرورت پوری کرنا ایک احتمالی بات ہے۔ جبکہ جتنے غازی دارالحرب میں موجود ہیں ان کے لئے ضرورت کا پایا جانا یقینی ہے۔ اس لئے ان ہی کی رعایت اولیٰ ہے۔ امام محمدؒ نے ہتھیاروں میں تقسیم کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن حقیقت میں کپڑے اور ہتھیاروں میں ضرورت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر کسی کو ان دونوں چیزوں (کپڑے اور ہتھیار) کی ضرورت ہو جائے تو اس کے لئے دونوں قسم کی چیزوں سے اپنا کام پورا کر لینا مباح ہے۔ اور اگر صرف ایک دو غازیوں کو ان چیزوں کی ضرورت نہ ہو بلکہ تقریباً سارے غازیوں کو ضرورت ہونے لگی ہو تو امام کو چاہئے کہ خود ہی کپڑے اور ہتھیار ان لوگوں میں تقسیم کر دے۔ اس کے برخلاف پکڑی ہوئی عورتوں کی ضرورت ہوئی ہو امام ان کی تقسیم نہیں کرے گا کیونکہ ان عورتوں کی ضرورت اصلی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ضرورت زائدہ میں عورتوں کا شمار ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان کے لئے کھانے جلانے کے سامان، تیل و کپڑے اور ہتھیاروں کی ضرورت اصلی ہوتی ہے۔

دارالحرب میں کوئی کافر اسلام قبول کرلے اس کا حکم

قَالَ وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ مَعْنَاهُ فِي دَارِالْحَرْبِ أَحْرَزَ بِاِسْلَامِهِ نَفْسَهُ لِأَنَّ الْاِسْلَامَ يُنَافِي ابْتِدَاءَ الْاِسْتِرْقَاقِ وَأَوْلَادَهُ الصِّغَارَ لِأَنَّهُمْ مُسْلِمُوْنَ بِاِسْلَامِهِ تَبْعًا وَ كُلُّ مَالٍ هُوَ فِي يَدِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اَسْلَمَ عَلَى مَالٍ فَهُوَلَهُ وَلِأَنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ الْحَقِيْقَةُ اِلَيْهِ يَدَالظَّاهِرِيْنَ غَلَبَةً اَوْوَدِيْعَةً فِي يَدِمُسْلِمٍ أَوْذِمِّيٍ لِأَنَّهُ فِي يَدٍ صَحِيْحَةٍ

مُحْتَرَمَةٍ وَ يَدُهٗ كَيَدِهٖ

ترجمہ...... قدوریؒ نے کہا ہے کہ ان کفار میں سے جو کوئی بھی دارالحرب میں رہتے ہوئے اسلام لے آیا تو اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اپنی جان کو بچالیا (قتل ہونے سے) کیونکہ اسلام کے ساتھ ابتداء مملوک ہونا ممکن نہیں ہے اور اپنے ساتھ اپنے نابالغ بچوں کو بھی بچالیا کیونکہ ایسے چھوٹے بچے اسلام لانے میں اپنے باپ کے تابع ہوتے ہیں یعنی وہ بھی مسلمان مان لئے جاتے ہیں اور اس نے اپنے ساتھ اپنے ایسے مال کو محفوظ کرلیا جو اس کے قبضہ میں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مالدار شخص اسلام لایا (ایسا شخص کہ اس کے پاس مال بھی موجود ہے) تو وہ مال اسی کا رہے گا۔ سعید بن منصور نے اس کی صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ ابوداؤد اور احمد نے بھی کی ہے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ غازیوں کا اس مال پر قبضہ ہونے سے پہلے سے ہی خود اس کا اپنا حقیقی قبضہ باقی ہے۔ اسی طرح اس نے اپنے اس مال کو بھی بچالیا جو اس کا کسی مسلمان یا ذمی کے پاس بطور امانت موجود ہے۔ کیونکہ اس مال پر اس کا محترم اور صحیح قبضہ موجود ہے۔ اور جس کے پاس اس کا مال بطور امانت ہے اس کا قبضہ مال کے مالک کے قبضہ کی طرح ہے۔

مسلمان دارالحرب پر غالب آجائیں تو دارالحرب کی زمین مال فئی ہے

فَاِنْ ظَهَرْنَا عَلٰى دَارِ الْحَرْبِ فَعَقَارُهٗ فَيْءٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هُوَ لَهٗ لِاَنَّهٗ فِيْ يَدِهٖ فَصَارَ كَالْمَنْقُوْلِ وَلَنَا اَنَّ الْعَقَارَ فِيْ يَدِ اَهْلِ الدَّارِ وَسُلْطَانِهَا اِذْ هُوَ مِنْ جُمْلَةِ دَارِ الْحَرْبِ فَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهٖ حَقِيْقَةً وَقِيْلَ هٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ الْاٰخَرُ وَفِيْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ اَبِيْ يُوْسُفَ الْاَوَّلُ هُوَ كَغَيْرِهٖ مِنَ الْاَمْوَالِ بِنَاءً عَلٰى اَنَّ الْيَدَ حَقِيْقَةً لَا يَثْبُتُ عَلَى الْعَقَارِ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَثْبُتُ

ترجمہ...... اور اگر ہم لوگ (مسلمان) دارالحرب پر غالب آگئے تو اس کا غیر منقولہ مال (یعنی جو شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا ہے اس کا غیر منقولہ مال) سب کا سب مال غنیمت ہو جائے گا۔ اور امام شافعی (و مالک اور احمد رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ غیر منقولہ مال بھی اسی کا ہوگا کیونکہ غیر منقولہ بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے منقولہ مال کے مثل ہو گیا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا غیر منقولہ مال دارالحرب کے بادشاہ اور اہل ملک کے قبضہ میں ہے کیونکہ ایسی زمینیں اور مکانات وغیرہ بھی منجملہ دارالحرب ہی کے ہے۔ اس لئے حقیقت میں یہ سارا مال اس کے قبضہ میں نہ ہوا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ غیر منقولہ کا غنیمت ہونا امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور دوسرا قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ اور ابو یوسفؒ کے قول اول اور قول محمدؒ میں غیر منقولہ بھی اس کے دوسرے مالوں کی مانند ہے یہ اختلاف اس بناء پر ہے کہ غیر منقولہ مال پر امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حقیقی قبضہ ثابت نہیں ہوتا ہے لیکن امام محمدؒ کے ہاں قبضہ ثابت ہوتا ہے۔

کافرہ حربیہ بھی مال فئی ہے

وَ زَوْجَتُهٗ فَيْءٌ لِاَنَّهَا كَافِرَةٌ حَرْبِيَّةٌ لَا تَتْبَعُهٗ فِي الْاِسْلَامِ وَكَذَا حَمْلُهَا فَيْءٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ هُوَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ مُسْلِمٌ تَبَعًا كَالْمُنْفَصِلِ وَلَنَا اَنَّهٗ جُزْؤُهَا فَيَرِقُّ بِرِقِّهَا وَالْمُسْلِمُ مَحَلٌّ لِلتَّمَلُّكِ تَبَعًا لِغَيْرِهٖ بِخِلَافِ الْمُنْفَصِلِ لِاَنَّهٗ حُرٌّ لِانْعِدَامِ الْجُزْئِيَّةِ عِنْدَ ذٰلِكَ وَاَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَيْءٌ لِاَنَّهُمْ كُفَّارٌ حَرْبِيُّوْنَ وَلَا تَبْعِيَّةَ وَمَنْ قَاتَلَ مِنْ عَبِيْدِهٖ فَيْءٌ لِاَنَّهٗ لَمَّا تَمَرَّدَ عَلٰى مَوْلَاهُ خَرَجَ مِنْ يَدِهٖ فَصَارَ تَبَعًا لِاَهْلِ دَارِهِمْ.

ترجمہ...... اور اس نو مسلم کی بیوی بھی مال غنیمت بن جائے گی کیونکہ یہ ابھی تک کافرہ اور حربیہ ہے جو اسلام میں اپنے شوہر کے تابع نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کی بیوی کو حمل ہوگا تو اس کا بچہ بھی مال غنیمت ہوگا۔ یعنی اگر چہ اس عورت کا شوہر مسلمان ہو گیا لیکن اس کی بیوی کو جو حمل ہے وہ اس کی بیوی کے مال کے حکم میں ہوگا اور وہ بھی مال غنیمت ہو جائے گا۔ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ بچہ اپنے باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہی سمجھا جائے گا جیسے اس کے دوسرے وہ بچے جو پیدا ہو چکے ہیں مسلمان سمجھے جاتے ہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ حمل اور پیٹ میں موجود بچہ ابھی تک اسی کافرہ عورت کا جزو بدن ہے۔ اس لئے عورت جیسے ہی باندی شمار ہوگی وہ بچہ بھی غلام ہو جائے گا اور مسلمان اس لائق ہوتا ہے کہ دوسرے کے تابع ہو کر غلام اور مملوک ہو جائے۔ بخلاف اس بچہ کے جو پیدا ہو چکا ہو کیونکہ وہ آزاد ہے۔ اس لئے کہ پیٹ سے نکل جانے کے بعد وہ اپنی ماں کا جزو بدن باقی نہ رہا۔

اور اس عورت کی بالغ اولاد بھی مال غنیمت ہو جائے گی کیونکہ یہ لوگ حربی کافر ہیں اور اولاد بڑی ہو جانے کی وجہ سے اپنی ماں کے تابع نہیں ہو سکتی ہے اور اس کے غلاموں میں سے جس نے قتال کیا وہ بھی مال غنیمت ہے کیونکہ جب اس نے اپنے مولیٰ کی نافرمانی اور سرکشی کی تو وہ اس کے قبضے سے نکل گیا تو وہ دار الحرب والوں کے تابع ہو گیا۔

دار الحرب میں جو حربی کے ہاتھ میں ہے وہ بھی مال فیٔ ہے

وَ مَا كَانَ مِنْ مَّالِهٖ فِيْ يَدِ حَرْبِيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ غَصْبًا كَانَ اَوْ وَدِيْعَةً لِاَنَّ يَدَهٗ لَيْسَتْ بِمُحْتَرَمَةٍ

ترجمہ...... اور اس نو مسلم کا وہ مال جو کسی حربی کے قبضہ میں ہو وہ مال غنیمت ہے۔ خواہ کسی کا غصب کئے ہوئے ہو یا امانت کے طور پر ہو کیونکہ حربی کا قبضہ قابل احترام نہیں ہوتا ہے۔

مسلمان یا ذمی کے قبضے میں جو مال بطور غصب ہے وہ بھی مال فیٔ ہے

وَ مَا كَانَ غَصْبًا فِيْ يَدِ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَكُوْنُ فَيْأً قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ رَحِمَهُ اللهُ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ الْاِخْتِلَافَ فِي السِّيَرِ الْكَبِيْرِ وَ ذَكَرُوْا فِيْ شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ قَوْلَ اَبِيْ يُوْسُفَ مَعَ قَوْلِ مُحَمَّدٍ لَهُمَا اَنَّ الْمَالَ تَابِعٌ لِلنَّفْسِ وَ قَدْ صَارَتْ مَعْصُوْمَةً بِالْاِسْلَامِ فَيَتْبَعُهَا مَالُهٗ فِيْهَا وَ لَهٗ اَنَّهٗ مَالٌ مُبَاحٌ فَيُمْلَكُ بِالْاِسْتِيْلَاءِ وَ النَّفْسُ لَمْ تَصِرْ مَعْصُوْمَةً بِالْاِسْلَامِ اَلَا تَرٰى اَنَّهَا لَيْسَتْ بِمُتَقَوَّمَةٍ اِلَّا اَنَّهٗ مُحَرَّمُ التَّعَرُّضِ فِي الْاَصْلِ لِكَوْنِهٖ مُكَلَّفًا وَ اِبَاحَةُ التَّعَرُّضِ بِعَارِضِ شَرِّهٖ وَ قَدِ انْدَفَعَ بِالْاِسْلَامِ بِخِلَافِ الْمَالِ لِاَنَّهٗ خُلِقَ عُرْضَةً لِلْاِمْتِهَانِ فَكَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ وَ لَيْسَتْ فِيْ يَدِهٖ حُكْمًا فَلَمْ تَثْبُتِ الْعِصْمَةُ

ترجمہ...... اور اس نو مسلم کا جو مال کسی مسلمان یا ذمی کے قبضہ میں غصب کے طور پر ہو وہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت ہے۔ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک غنیمت سے نہیں ہوگا۔ مصنفؒ نے کہا ہے کہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں اسی طرح کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ اور جامع صغیر کے شارحین نے امام ابو یوسفؒ کو امام محمدؒ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یعنی صاحبینؒ کے نزدیک غنیمت نہیں ہوگا۔ اور ان (صاحبینؒ) کی دلیل یہ ہے کہ مال اس کے نفس کے تابع ہے حالانکہ اس کا نفس اسلام کی وجہ سے معصوم و محفوظ ہو گیا ہے اس لئے اس کا مال بھی اس کے تابع ہو کر محفوظ ہو گیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال اصل میں مباح ہوتا ہے اور غلبہ کر لینے سے مال ملکیت میں آ جاتا ہے اس لئے جب اس پر کوئی غالب ہو گیا تو وہ ملک میں آ جائے گا۔ اور نفس کوئی قیمتی چیز نہیں ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں اس سے تعرض اور تصرف میں لانا حرام ہے کیونکہ وہ خود مکلف ہے۔ اور جہاد کے

موقع میں ایسے اشخاص سے تعرض کرنا اگر چہ مباح کیا گیا تھا مگر وہ اس کے کفر کی شرارت کی وجہ سے تھا اور اب جبکہ وہ شخص اسلام لے آیا اور اس کا کفر دفع ہو گیا تو اب اس سے تعرض کرنا ممنوع ہو گیا ہے۔ بخلاف مال کے کیونکہ مال تو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ حسب ضرورت اسے کام میں لایا جائے اس لئے وہ تو ملک میں آنے کے قابل ہی ہوتا ہے اور یہ مال بھی اس شخص کے قبضہ میں حکماً نہیں ہے اس لئے کہ قابل احترام ہونا بھی ثابت نہیں ہوا۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ نومسلم کا جو مال کسی مسلمان یا ذمی کے قبضہ میں ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ مال بھی مال غنیمت ہو گا کیونکہ دراصل مال مباح ہے۔ غلبہ حاصل کرنے سے وہ (مال) ملکیت بن جاتا ہے۔ نومسلم کا نفس قیمتی نہ ہونے کے باوجود فی الحقیقت اس سے مقابلہ کرنا حرام ہے۔ بایں وجہ کہ وہ قبولیت اسلام کی وجہ سے اسلامی اقدار اپنانے کا مکلف ہے۔ جبکہ جہاد و قتال میں کفار سے مقابلہ کرنے کا جواز ان کے کفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن نومسلم کے اسلام قبول کرنے سے اس کا کفر پر مبنی شر دور ہو گیا۔ اگر چہ مال پیدا ہونے کی وجہ سے اس مال کو کام میں لانا ہے۔ اس بنا پر مال میں ملکیت بن جانے کی صلاحیت موجود ہے لیکن از روئے حکم وہ مال نومسلم کے قبضہ میں نہیں ہوتا۔ اسلئے نومسلم کا مال محترم نہ ہونے کے باعث فی الواقع نومسلم کا مال ''مال غنیمت'' ہو گا۔

جاننا چاہئے کہ حصول مال کا اصل مقصود از روئے جواز اسے استعمال میں لانا ہے۔ مال جب کسی کے قبضہ میں ہوتا ہے تو اس پر قابض کو بالکلیہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اسے استعمال میں لائے۔ الا یہ کہ ایمانی و شرعی تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے امین کے پاس بطور امانت مال نہ ہو۔ استثناء پر مبنی شرط ''دارالاسلام'' کے مسلمانوں کے ساتھ تو مشروط ہے مگر دارالحرب میں مقیم مسلمان یا ذمی کیلئے استثناء مشروط نہیں۔ کیونکہ اگر دارالحرب میں کوئی مسلمان غیر شرعی فعل کا ارتکاب کرے تو وہ موجب سزا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں (دارالحرب میں) اسلامی اقدار کی پابندی لازم نہیں۔ لہٰذا دارالحرب میں مقیم مسلمان یا ذمی کے قبضے میں کسی نومسلم کا مال غیر مباح متصور نہ ہو گا۔ چونکہ مال میں عدم جواز کی صورت اس وقت پائی جاتی ہے جب وہ کسی کی ملکیت خاص پر مبنی ہو۔ جبکہ دارالحرب میں مقیم لوگوں کا مال اس وقت تک ''جواز'' کو قائم نہیں کرتا جب تک دارالحرب پر اہل اسلام کا غلبہ متحقق نہیں ہوتا۔ جب دارالحرب پر اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت حربیوں کے نفس کے ساتھ ان کا مال بھی تابع ہو کر بوجہ اباحت (جواز) مسلمان فاتحین کی ملکیت میں آ جاتا ہے۔ چونکہ دارالحرب میں مقیم نومسلم کا نفس قیمتی نہیں ہوتا۔ اسلئے اس کا مال خواہ کسی مسلمان یا ذمی کے پاس بطور غصب موجود ہو تو نومسلم کے نفس کے تبعاً مال بھی غیر معصوم (قیمتی نہ ہونا) متصور ہو گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مال پر جس کا قبضہ ہو اسی کا غلبہ ہو گا اور غلبہ سے مال کی ملکیت غالب و قابض شخص کی متحقق ہوتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ صورت میں زیر بحث مسئلہ یہی بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی نومسلم کا مال بطور غصب کسی مسلمان یا ذمی کے قبضہ میں ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے موقف کے بموجب وہ مال قابض کا ہی متصور ہو گا۔ کیونکہ مال پر قابض آدمی کو اس (مال) کے تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا فی الواقع مال اسی کا ہو گا جس کے قبضہ میں ہے۔

دریں صورت یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ دارالحرب میں نومسلم کا مال کسی مسلمان یا ذمی کے پاس بطور غصب موجود ہے۔ لیکن اس پر نومسلم (مال کا اصل مالک) کو تصرف کا اختیار نہیں۔ اسلئے غصب شدہ مال نومسلم کی دسترس میں نہیں۔ لہٰذا یہ (غصب شدہ) مال نومسلم کا نہ ہوا۔ بلکہ یہ مال غاصب و قابض کے تصرف میں ہونے کے باعث درحقیقت مال اپنی اصل (مباح) کے اعتبار سے غاصب اور قابض کی ملکیت ہی متصور ہو گا۔ پس ثابت ہوا کہ نومسلم کا غصب شدہ مال غنیمت کے زمرے میں شمار ہو گا۔ جبکہ نومسلم قبولیت اسلام کی وجہ سے اسلامی اقدار (عبادات، معاملات، معاشرت) اپنانے کے حوالے سے مکلف ہے اسلئے اس کا نفس قیمتی نہ ہونے کے باوجود جہاد و قتال کے حوالے سے نومسلم کے قتل نفس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ بایں وجہ کہ جہاد و قتال کے ذریعے دارالحرب پر غلبہ اور حربیوں کے ساتھ جہاد و قتال کے ذریعے دارالحرب پر غلبہ اور حربیوں کے ساتھ جہاد و قتال کا مقصد کفر پر مبنی شر کو دور کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ نومسلم کے قبولیت اسلام کے باعث شر و فساد کی بنیاد زائل ہو گئی۔ لہٰذا نومسلم سے جہاد کی نیت کے

ساتھ قتال نہیں کیا جائے گا۔ البتہ دارالحرب میں نومسلم کے غصب شدہ مال پر اس کی ملکیت متحقق نہ ہوگی۔ لیکن صاحبینؒ (امام محمدؒ، امام ابویوسفؒ) کی رائے میں نومسلم کا وہ مال جو کسی مسلمان یا ذمی کے قبضہ میں غصباً ہو تو اسے مال غنیمت متصور نہیں کیا جائے گا کیونکہ نفس کے تابع ہوتا ہے اور دارالحرب میں مقیم نومسلم کا نفس قبولیت اسلام کی وجہ سے محترم ہے۔ لہٰذا اس کا مال بھی محترم ہوگا۔

مسلمان جب دارالحرب سے نکل جائیں تو مال غنیمت سے جانوروں کو چارہ کھلانا اور خود مال غنیمت سے کھانا ناجائز ہے

وَ اِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ دَارِالْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّعْلِفُوْا مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَلَا يَأْكُلُوْا مِنْهَا لِاَنَّ الضَّرُوْرَةَ قَدِارْتَفَعَتْ وَالْاِبَاحَةُ بِاِعْتِبَارِهَا وَلِاَنَّ الْحَقَّ قَدْ تَأَكَّدَ حَتّٰى يُوْرَثَ نَصِيْبُهُ وَلَا كَذَالِكَ قَبْلَ الْاِخْرَاجِ اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ

ترجمہ...... اور مسلمانوں کے دارالحرب سے نکل جانے کے بعد ان کے لئے جائز نہ ہوگا کہ وہ مال غنیمت میں سے اپنے جانوروں کا چارہ کھلائیں یا غنیمت سے خود کھائیں۔ کیونکہ مجبوری باقی نہیں رہی اور اس غنیمت کے استعمال کو مجبوری کی بناء پر جائز کہا گیا تھا اور اس دلیل سے بھی کہ غنیمت میں مسلمانوں کا حق اور بھی زیادہ پختہ ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اب ان میں سے کسی کے مرنے پر اس غنیمت سے اس کا کوئی حق میراث ہو جاتا ہے۔ جبکہ دارالحرب سے نکلنے سے پہلے تک اتنی پختگی نہ تھی۔

جس کے پاس پہلے کا چارہ یا کھانا بچا ہوا ہو وہ مال غنیمت میں جمع کرا دے

وَ مَنْ فَضَلَ مَعَهُ عَلَفٌ اَوْ طَعَامٌ رَدَّهُ اِلَى الْغَنِيْمَةِ مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ تُقَسَّمْ وَعَنِ الشَّافِعِيِّ مِثْلُ قَوْلِنَا وَعَنْهُ اَنَّهُ لَا يَرُدُّ اعْتِبَارًا بِالْمُتَلَصِّصِ وَلَنَا اَنَّ الْاِخْتِصَاصَ ضَرُوْرَةُ الْحَاجَةِ وَقَدْ زَالَتْ بِخِلَافِ الْمُتَلَصِّصِ لِاَنَّهُ كَانَ اَحَقَّ بِهٖ قَبْلَ الْاِحْرَازِ فَكَذَا بَعْدَهُ وَ بَعْدَ الْقِسْمَةِ تَصَدَّقُوْا بِهٖ اِنْ كَانُوْا اَغْنِيَاءَ وَانْتَفَعُوْا بِهٖ اِنْ كَانُوْا مَحَاوِيْجَ لِاَنَّهُ صَارَ فِيْ حُكْمِ اللُّقْطَةِ لِتَعَذُّرِ الرَّدِّ عَلَى الْغَانِمِيْنَ وَاِنْ كَانُوْا نْتَفَعُوْا بِهٖ بَعْدَ الْاِحْرَازِ تُرَدُّ قِيْمَتُهُ اِلَى الْمَغْنَمِ اِنْ كَانَ لَمْ يُقَسَّمْ وَاِنْ قُسِّمَتِ الْغَنِيْمَةُ فَالْغَنِيُّ يَتَصَدَّقُ بِقِيْمَتِهٖ وَالْفَقِيْرُ لَا شَئَ عَلَيْهِ لِقِيَامِ الْقِيْمَةِ مَقَامَ الْاَصْلِ فَاَخَذَ حُكْمَهُ

ترجمہ...... اور اگر کسی غازی کے پاس چارہ، دانہ یا غلہ استعمال سے بچ گیا ہو تو وہ اسے مال غنیمت میں واپس کر دے۔ یعنی جبکہ یہ باضابطہ تقسیم نہ کیا گیا ہو (ف یعنی اگر امام نے غلہ وغیرہ دارالحرب میں تقسیم کر دیا ہو تو اس کی واپسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر بغیر تقسیم اپنی ضرورت پر کچھ لیا ہو کیونکہ دارالحرب میں رہتے ہوئے ان کے لئے اس کا استعمال مباح تھا۔ اب جبکہ وہاں سے نکل کر دارالاسلام پہنچ گئے تو جس کے پاس جو کچھ بھی اس مال سے بچا ہوا رہ گیا ہو وہ خرچ نہ کرے بلکہ مال غنیمت میں جمع کر دے۔ امام شافعیؒ سے بھی ایک قول ہمارے ہی مثل ہے۔ اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ واپس کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ چوری سے مال لینے پر (متلصص) پر قیاس کرتے ہوئے (۔ متلصص۔ لص، چور کے تلصص مصدر سے اسم فاعل ہے۔ وہ شخص جو چوری اور چھپ کر دارالحرب میں جا کر کافروں کا مال لے آیا ہو۔ یعنی عوام میں سے کہ جس کو کوئی اختیار اور طاقت حکومت کی جانب سے نہ ہو وہ امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں گیا اور وہاں سے کچھ چیز یا مال نکال لایا تو یہ سب کا سب اسی کا ہو جائے گا یہاں

تک کہ اس میں سے پانچواں حصہ بھی نکال کر بیت المال میں جمع کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مال غنیمت میں سے نہیں ہے کیونکہ غنیمت ایسے مال کو کہتے ہیں جو (حربیوں سے) زبردستی اور طاقت سے امام کی اجازت کے ساتھ لیا جائے۔ جبکہ مال مذکور ایسا نہیں ہوتا ہے۔ ایسے مال کو مال مباح کہا جاتا ہے کہ جس پر جس کا قبضہ پہلے ہو جائے وہ مال اسی کا ہوتا ہے۔ جیسے کہ خود دارالاسلام کے شکار مباح کا حال ہے کہ جو اسے پکڑے وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ تو یہ دانہ اور غلہ خاص اسی غازی کا ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ دارالحرب میں رہتے ہوئے ضرورت کی وجہ سے کچھ مال کسی کے لئے مخصوص سمجھا گیا مگر اب وہ ضرورت باقی نہ رہی (۔ یعنی دانہ وغلہ دارالحرب کی ضرورت کی وجہ سے اس غازی کے لئے مخصوص تھا ورنہ وہ تو سارے غازیوں کا مال مشترک اور مال غنیمت تھا۔ اب جبکہ اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اسے مال غنیمت میں واپس کر دینا چاہئے۔ بخلاف متلصص کے کیونکہ اس نے دارالحرب سے جو کچھ لیا وہ دارالاسلام میں لانے کے بعد بھی اسی کا حق ہوگا (۔ لہٰذا اس متلصص کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے ۔) اور اگر امام نے خود دارالحرب میں رہتے ہوئے غازیوں کے درمیان غلہ تقسیم کر دیا تھا پھر دارالحرب سے نکلنے کے بعد بھی کچھ بچا ہوا رہ گیا اور غازی خود مالدار ہو تو اس بچے ہوئے کو لوگوں میں صدقہ کر دے اور اگر محتاج ہو تو خود اس سے بھی نفع حاصل کر لے (کیونکہ دارالحرب میں امام نے لوگوں کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے تقسیم کیا تھا۔ لیکن دارالحرب سے نکل جانے کے بعد بھی جب بچ گیا تو معلوم ہوا کہ اتنا غلہ اسے اس کی ضرورت سے زائد ملا تھا لہٰذا اب اس کے لئے یہ جائز نہ رہا۔ کیونکہ اس تمام غازیوں کا حق متعلق ہو گیا ہے۔ ہاں اگر واقعتاً خود محتاج ہو تو اس سے نفع اٹھائے اور جمع نہ کرے) کیونکہ یہ غلہ لقطہ کے حکم میں ہو گیا ہے کیونکہ اب غازیوں کو واپس دینا محال ہے (اور اگر دارالاسلام میں لانے کے بعد بچا ہوا غلہ انہوں نے غنیمت میں واپس نہ کیا بلکہ استعمال میں لے آیا اور اس سے نفع اٹھا لیا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں واپس کرنا ہوگی۔ بشرطیکہ امام نے دارالحرب میں غلہ کی تقسیم نہ کی ہو۔ اور اگر دارالحرب میں یہ مال ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہو اور وہ غازی خود مالدار ہو تو اس پر واجب ہوگا کہ جس بچے ہوئے غلہ کو خرچ کیا ہے اس کی قیمت دارالاسلام کے فقیروں کے درمیان صدقہ کر دے۔ اور اگر خود ہی فقیر ہو تو اس پر کچھ بھی صدقہ کرنا لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اگرچہ اصل یعنی غلہ فی الحال موجود نہیں ہے مگر اس کی قیمت قائم مقام کی حیثیت کے اعتبار سے موجود ہے۔ اس لئے اس کو اصل کا حکم دیدیا گیا ہے (۔ یعنی اگر بچا ہوا غلہ موجود ہوتا تو اس محتاج غازی کے لئے یہ جائز ہوتا کہ اسے اپنی ذات میں خرچ کر ڈالے اور صدقہ نہ کرے۔ اسی طرح اس کا قائم مقام اس کی قیمت ہے اسے بھی صدقہ کرنا لازم نہیں ہے۔ کیونکہ گویا اس نے اصل غلہ کو خرچ کیا۔

فَصْلٌ فِیْ کَیْفِیَّةِ الْقِسْمَةِ

ترجمہ ...... فصل، مال غنیمت کی تقسیم کی کیفیت کے بیان میں

امام کیلئے مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ

قَالَ وَ یُقَسِّمُ الْاِمَامُ الْغَنِیْمَةَ فَیُخْرِجُ خُمُسَهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ اِسْتَثْنٰی الْخُمُسَ وَیُقَسِّمُ اَرْبَعَةَ اَخْمَاسٍ بَیْنَ الْغَانِمِیْنَ لِاَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَسَّمَهَا بَیْنَ الْغَانِمِیْنَ

ترجمہ ...... قدوریؒ نے کہا ہے کہ امام مال غنیمت کو تقسیم کرے اس طرح سے کہ سارے مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ (پانچواں) نکال لے۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ الایہ یعنی غنیمت میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لئے اس طرح پانچواں حصہ مستثنیٰ کر لیا۔ (اسی آیت اور حکم سے دسویں پارہ کی ابتداء ہوتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا پاک نام صرف تعظیم وتکریم کے لئے ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصل قرابت ویتیم بچہ اور مساکین اور ابن السبیل ہیں۔ جیسا کہ آیت پاک میں صراحت

کے ساتھ مذکور ہے۔الحاصل۔امام تقسیم کا کام خود کرے۔اس طرح سے کہ سب کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ علیحدہ کر کے رکھ دے۔
وَيُقَسِّمُ اَرْبَعَةَ اَخْمَاسٍ...... الخ پھر باقی چار حصوں سے غنیمت حاصل کرنے والوں میں تقسیم کر دے (یعنی کل غنیمت کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ نکال لے اور باقی چار حصے غازیوں میں اس طرح تقسیم کرے جیسے آئندہ مذکور ہوگا خلاصہ یہ ہوا کہ باقی چار حصے سارے غازیوں کے ہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان چار حصوں کو غنیمت پانے والے (غازیوں) میں تقسیم کر دیا ہے۔(چنانچہ طبرانی کی طویل حدیث میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی چار کو غانمین میں تقسیم کر دیا ہے اور طبرانی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً اس کی روایت کی ہے۔

فارس اور راجل کیلئے کتنے حصے ہیں، اقوال فقہاء

ثُمَّ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لِلْفَارِسِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِمَا رُوِيَ ابْنُ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَسْهَمَ لِلْفَارِسِ ثَلٰثَةَ اَسْهُمٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا وَلِاَنَّ الْاِسْتِحْقَاقَ بِالْغَنَاءِ وَغَنَاؤُهُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَمْثَالِ الرَّاجِلِ لِاَنَّهُ لِلْكَرِّ وَ الْفَرِّ وَ الثَّبَاتِ وَ الرَّاجِلُ لِلثَّبَاتِ لَاغَيْرَ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ مَارَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا فَتَعَارَضَ فِعْلَاهُ فَيَرْجِعُ اِلٰى قَوْلِهٖ وَ قَدْ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ كَيْفَ وَقَدْرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَسَّمَ لِلْفَارِسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًاوَاِذَا تَعَارَضَتْ رِوَايَتَاهُ تُرَجَّحُ رِوَايَةُ غَيْرِهٖ وَلِاَنَّ الْكَرَّوَالْفَرَّمِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍفَيَكُوْنُ غَنَاؤُهُ مِثْلَيْ غَنَاءِ الرَّاجِلِ فَيُفَضَّلُ عَلَيْهِ بِسَهْمٍ وَلِاَنَّهُ تَعَذَّرَاعْتِبَارُ مِقْدَارِ الزِّيَادَةِ لِتَعَذُّرِمَعْرِفَتِهٖ فَيُدَارُالْحُكْمُ عَلٰى سَبَبٍ ظَاهِرٍ وَلِلْفَارِسِ سَبَبَانِ النَّفْسُ وَ الْفَرَسُ وَلِلرَّاجِلِ سَبَبٌ وَاحِدٌفَكَانَ اسْتِحْقَاقُهُ عَلٰى ضِعْفِهٖ

ترجمہ...... پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پیدل چل کر جہاد کرنے والے کے لئے ایک حصہ ہوگا تو سواری والے کے لئے دو حصے ہوں گے اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ سوار کے لئے تین حصے ہوں گے۔امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے (امام مالکؒ واحمدؒ) اور اکثر اہل علم کا بھی یہی قول ہے اور امام محمدؒ نے آثار میں ابوحنیفہؒ کی اسناد سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی خلافت میں اس تقسیم پر راضی ہونا کہ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ ہے روایت کیا ہے ۔پھر کہا کہ ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے۔لیکن ہم اسے قبول نہیں کرتے بلکہ ہمارے نزدیک سوار کے لئے تین حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہے۔

لما روی ابن عمرؓ الخ اس دلیل سے جو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوار کو تین حصے دیئے ہیں اور پیدل کو ایک حصہ دیا ہے۔اس کی روایت بخاری و مسلم وابوداؤد والترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے۔اور اس دلیل سے بھی کہ غازی غنیمت سے اتنا ہی حصہ کا حق دار ہوتا ہے۔جتنے کی ضرورت ہوتی ہو۔یعنی لڑائی میں جس ذات کو جتنے سے کفایت حاصل ہوا اسی قدر غنیمت کا وہ مستحق ہوگا۔

غِنَاؤُهُ عَلٰى ثَلٰثَةِ جبکہ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ایک سوار تین پیدل چلنے والوں کے برابر ہوتا ہے کیونکہ صرف ایک سوار تین موقعوں میں کام کرتا ہے اور کافی ہوتا ہے۔یعنی حملہ کرنے کے موقع میں بھاگ کر جان بچانے کے موقع میں اور میدان میں جم کر لڑنے کے موقع میں۔جبکہ پیدل شخص جم کر لڑنے کے واسطے ہوتا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا ہے۔یعنی پیدل شخص جہاں پر ہوگا اس کے علاوہ کہیں اور آدمی کی حرکت سے زیادہ کام نہیں کر سکتا ہے۔بخلاف سوار کے کہ وہ اچانک حملہ کر کے دشمن کو بھگا کر ضرورت ہونے پر پلٹ کر پیدل شخص کی مدد کو بھی آ سکتا ہے۔پھر جب تک وہ موقع پائے گا اور مناسب سمجھے گا ایک جگہ پر جم کر لڑے گا۔مگر یہ بات پیدل شخص میں نہیں پائی جا سکتی ہے۔پس جب ایک پیدل شخص کے مقابلہ میں سوار تین گونا کام کرتا ہے تو اس پیدل شخص کے مقابلہ میں تین گونہ غنیمت سے بھی پانے کا حق دار ہو سکتا ہے۔

وَلِاَبِیْ حَنِیْفَۃَمَارُوِی...... الخ اور امام ابوحنیفہؒ کے دلیل وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا ہے (لیکن ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غریب ہے۔ یعنی کہیں نہیں ملتی ہے۔ بلکہ اسحٰق ابن راہویہ نے مسند میں اس کے خلاف روایت کی کہ حَدَّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ غَزْوَانَ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَسْھَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِلْفَارِسِ ثَلٰثَۃَ اَسْھُمٍ وَلِلرَّاجِلِ سَھْمًا یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سوار کو تین حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔ اور اسی طرح کی ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسری سندوں سے بھی روایت کی ہے۔ طبرانی وغیرہ کی روایت میں بھی یہی مفہوم ہے۔ لیکن مصنفؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت پا کر اسی پر یقین کر لیا۔ اور کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں عملوں میں تعارض پایا گیا (اس طرح سے کہ ایک تو وہ جو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی اور دوسری وہ جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔ لیکن ابھی معلوم ہوا کہ پہلی روایت تو صحاح میں موجود ہے اور دوسری یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا ثبوت نہیں ہو سکا ہے۔ اس کے علاوہ ابوداؤد کی جو مجمع بن جاریہ کی حدیث اور طبرانی وابن مردویہ کی روایت میں مذکور ہے وہ ضعف اور وہم اور جرح سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے دونوں روایتوں میں پورا معارضہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اصول میں یہی بات طے شدہ ہے کہ معارضہ کے لئے دونوں طرف کی روایتوں کا قوت میں برابر ہونا شرط ہے۔ تفغ (۔ایک کے ضعیف اور دوسری کے قوی ہونے کی صورت میں معارضہ نہیں ہو سکتا ہے) مگر مصنفؒ نے یہاں پر دونوں روایتوں کے ہم پلہ اور مساوی نہ ہونے کے باوجود ان میں تعارض قرار دیدیا ہے) اور یہ فرمادیا ہے کہ فَیُرْجَعُ اِلٰی قَوْلِہٖ ..... الخ یعنی جبکہ رسول اللہ ﷺ کے دو فعلوں میں تعارض پایا گیا تو اب آپ کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا (اور ان میں معارضہ کی وجہ سے آپ کے فعل سے استدلال نہیں ہو سکتا ہے۔)

وَقَدْ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ...... الخ۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہے (لیکن ابن الہمام وغیرہؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت نہیں ملتی ہے۔ اور جس نے اس روایت کو ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مصنفؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو اولیٰ قرار دیا ہے۔

کَیْفَ وَقَدْ رُوِیَ اور اسے اول کیوں نہ کہا جائے جبکہ خود ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ دیا ہے (۔ابن ابی شیبہ اور دار قطنی نے متعدد طریقوں سے اس کی روایت کی ہے اور یہ تمام سندیں ثقہ ہیں لیکن بعض نے بعض کی مخالفت کی ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اثبت واقوی روایت یہی ہے کہ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا ہے)۔

وَاِذَا تَعَارَضَتْ الخ اور جب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں روایتیں باہم متعارض ہوئیں تو دوسرے صحابی کی روایت سے ایک کو ترجیح ہوئی۔ (یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح ہوئی۔ لیکن یہ بات مخفی نہ رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اسحٰق بن راہویہ نے سوار کے لئے تین حصوں کی روایت کی ہے تو اس سے بھی استدلال نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے اور دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ و دار قطنی میں ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ صحیحین کی روایتیں دار قطنی وغیرہ کی روایتوں کے مقابلہ میں اصح اور قوی ہیں اس لئے دونوں میں تعارض نہیں پایا گیا۔ کیونکہ تعارض کے لئے برابری ضروری ہوتی ہے الحاصل ان میں معاوضہ نہ ہو سکا اور شیخ ابن ہمام نے جواب دیا ہے کہ جب ابن ابی شیبہ کی اسناد میں بھی بخاری کی روایت کے برابر ثقہ ہوں تو ہم ایسی صورت میں صحیحین کی روایت کو دوسری روایت کے مقابلہ میں مطلقاً مقدم اور اعلیٰ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات اس سے پہلے کئی بار کہہ چکے ہیں بلکہ اسناد کی قوت کا اعتبار کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے کہا ہے حَدَّ ثَنَا اَبُوْ اُسَامَۃَ وَ ابْنُ نُمَیْرٍ قَالَا حَدَّ ثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ جَعَلَ لِلْفَارِسِ سَھْمَیْنِ وَلِلرَّاجِلِ سَھْمًا۔ دار قطنیؒ نے کہا ہے کہ ابوبکر نیشاپوریؒ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک یہ ابن ابی شیبہ کا

وہم ہے کیونکہ احمد بن حنبل وعبدالرحمٰن بن بشیر وغیرھما نے ابن نمیر سے اس کے خلاف روایت کی ہے اور ابو اسامہ سے بھی اس کے خلاف مروی ہے یعنی لِلْفَارِسِ ثَلٰثَةَ اَسْهُمٍ یعنی سوار کو دو حصوں کی جگہ تین حصوں کی روایت ہے لیکن نعیم نے عبداللہ بن المبارک سے اوپر کے اسناد سے سوار کے واسطے دو حصہ کی روایت کی ہے۔ ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ نعیم ثقہ اور ابن المبارک اثبت ہیں۔ پھر متابعت میں دارقطنی نے یُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی حَدَّثَنَا ابْنُ وَهَبٍ اَخْبَرَنِیْ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الخ اور حجاج بن منہال ثنا حماد بن سلمہ ثنا عبیداللہ الخ یہی روایت کی ہے کہ سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہے۔ اور اسی پر شیخ ابن الہمامؒ نے زور دیا کہ یہ روایت ثابت ہے اور اس کی اسناد ثقہ ہے۔ پس اگر دوسری روایت جس میں سوار کے لئے تین حصے ہیں اصح مان لی جائے تو ان دونوں کو متفق کرنا بہتر ہے۔ یہ نسبت اس لئے کہ ایک کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے ہم نے دونوں روایتوں میں اس طرح توفیق دی کہ اصل تقسیم یہ ہے کہ سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہو اور جس روایت میں سوار کے لئے تین حصے ہیں وہ نفلاً عطیہ کے طور پر دینے کی روایت ہے۔ اور اس قیاس کا ایک سوار تین پیدل چلنے والے کے کام کرتا ہے اور اس کے برابر ہوتا ہے یعنی وہ ایک جگہ جم کر لڑسکتا ہے، حملہ کرسکتا ہے، پھر پلٹ کر اپنی جان بچاسکتا ہے (الکر و الفر و الثبات) جبکہ پیدل صرف ایک ہی جگہ رہ کر لڑسکتا ہے جواب یہ دیا ہے کہ ولاَنَّ الکرو الضر الخ کہ اس سوار کا حملہ کرنا اور پیچھے ہٹنا یہ دو صفتیں نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک ہی جنس ہیں (کیونکہ پیچھے ہٹنا اسی وقت اچھا ہوتا ہے جبکہ دوبارہ حملہ کے واسطے ہو ورنہ میدان سے بھاگ جانے میں لڑائی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے) اس طرح پیدل کے مقابلہ میں سوار دوہرے نفع کا مالک اور دوگنا فائدہ کا کام کرتا ہے اس لئے پیدل کے مقابلہ میں دوگنے فائدہ کا بھی وہ مستحق ہوسکتا ہے۔ زیادہ کا نہیں اور اس وجہ سے بھی کہ مقدار کی زیادتی کا اعتبار کرنا بہت مشکل ہے یعنی یہ حساب ٹھیک ہوسکتا ہے کہ سوار نے پیدل کے مقابلہ میں کتنا کام زیادہ کیا ہے۔ کیونکہ اسے پہچاننا اور گننا تقریباً ناممکن ہے اس لئے زیادتی کا حکم ظاہری سبب پر ہوگا۔ جب کہ ظاہری سبب دو ہیں ایک سوار کی اپنی ذات اور دوسرا اس کا گھوڑا اور پیدل میں صرف اس کی ذات ہی ایک سبب ہے۔ اس طرح سوار کا حق پیدل سے ظاہراً دوگنا ہی ہوگا۔

غازی کے لئے ایک گھوڑے کا حکم

وَ لَا یُسْهَمُ اِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ یُسْهَمُ لِفَرَسَیْنِ لِمَارُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَسْهَمَ لِفَرَسَیْنِ وَلِاَنَّ الْوَاحِدَ قَدْ یُعْیِیْ فَیَحْتَاجُ اِلَی الْاٰخَرِ وَلَهُمَا اَنَّ الْبَرَاءَ بْنَ اَوْسٍ قَادَ فَرَسَیْنِ وَلَمْ یُسْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ وَلِاَنَّ الْقِتَالَ لَا یَتَحَقَّقُ بِفَرَسَیْنِ دَفْعَةً وَاحِدَةً فَلَا یَکُوْنُ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مُفْضِیًا اِلَی الْقِتَالِ عَلَیْهِمَا فَیُسْهَمُ لِوَاحِدٍ وَلِهٰذَا لَا یُسْهَمُ لِثَلٰثَةِ اَفْرَاسٍ وَ مَارَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلَی التَّنْفِیْلِ کَمَا اَعْطٰی سَلَمَةَ بْنَ الْاَکْوَعِ سَهْمَیْنِ وَهُوَ رَاجِلٌ

ترجمہ..... اور غازی کو ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ نہ دیا جائے۔ (یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ اور یہی ظاہر الروایت ہے) اور ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ دو گھوڑوں کا حصہ دیا جائے (۔ یہی قول امام احمدؒ کا بھی ہے) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دو گھوڑوں کا حصہ دیا ہے (چنانچہ ابو عمرہ بشیر ابن عمر بن محصن نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دو گھوڑوں کو چار حصے اور مجھے ایک حصہ دیا۔ اس طرح مجھے پانچ حصے مل گئے۔ رواہ الدارقطنی۔ اور مکحول سے روایت ہے کہ براء رضی اللہ عنہ جنگ خیبر میں دو گھوڑے لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پانچ حصے دیئے۔ (رواہ عبدالرزاق مرسلا)

وَلِاَنَّ الْوَاحِدَ الخ اور اس دلیل سے کہ ایک گھوڑا کبھی تھک جاتا ہے۔ تو وہ دوسرے گھوڑے کا محتاج ہوجاتا ہے۔ اور طرفین یعنی امام ابوحنیفہ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ براء بن اوس رضی اللہ عنہ دو گھوڑے لے گئے تھے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا تھا۔ اور اس وجہ سے بھی بیک وقت دو گھوڑوں سے قتال کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے حصہ پانے کا ظاہری سبب یعنی دونوں پر سوار ہو کر قتال کرنا اس کا سبب نہ ہوا

اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا۔ اور اسی وجہ سے اگر کوئی تین گھوڑے یا اس سے بھی زائد لے جائے تو بھی بالاتفاق دو سے زائد کا حصہ نہیں دیا جاتا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے جو حدیث روایت کی ہے کہ دو گھوڑوں کا حصہ دیا گیا ہے وہ بطور نفل یا (انعام) زائد دینے پر محمول ہے جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کو دو حصے دیئے گئے ہیں حالانکہ وہ پیدل ہی تھے۔ (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث حدیبیہ کی حدیث میں مذکور ہے)

تشریح ...... وَلَهُمَا اَنَّ الْبَرَّاءَ ...... الخ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ براء ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو گھوڑے لے گئے تھے۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک گھوڑے کا حصہ دیا۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ اس کے برعکس واقدی نے مغازی میں اور ابن مندہ نے کتاب الصحابہ میں براء بن اوس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو پانچ حصے دیئے۔ لیکن یہ روایت بھی غریب ہے۔ اور امام مالکؒ نے موطأ میں کہا ہے کہ میں نے نہیں سنا ہے کہ ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ دیا گیا ہو۔ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ ابو عمرہ کی حدیث منقطع ہے اور غیر محفوظ ہے۔ اگرچہ امام اوزاعی نے اسے مکحول سے منقطع قبول کر لیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ خود تین گھوڑے جن کا نام سکیب و ضریب و مرتجز تھے لائے تھے۔ پھر بھی آپ نے صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ لیا تھا۔

وَلِاَنَّ الْقِتَالَ ...... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

عربی اور عجمی گھوڑے حصے میں برابر ہیں

وَالْبَرَاذِيْنُ وَالْعِتَاقُ سَوَاءٌ لِاَنَّ الْاِرْهَابَ مُضَافٌ اِلٰى جِنْسِ الْخَيْلِ فِى الْكِتَابِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاسْمُ الْخَيْلِ يُطْلَقُ عَلَى الْبَرَاذِيْنِ وَالْعِتَاقِ وَالْهَجِيْنِ وَالْمُقْرِفِ اِطْلَاقًا وَاحِدًا وَ لِاَنَّ الْعَرَبِىَّ اِنْ كَانَ فِى الطَّلَبِ وَالْهَرَبِ اَقْوٰى وَالْبِرْذَوْنَ اَصْبَرُ وَاَلْيَنُ عَطْفًا فَفِىْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مَنْفَعَةٌ مُعْتَبَرَةٌ فَاسْتَوَيَا

ترجمہ ...... والبراذین ...... الخ عجمی گھوڑا اور خالص عربی گھوڑا دونوں حصہ پانے میں برابر ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں خوف دلانا گھوڑوں کی جنس یعنی خیل کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ یعنی گھوڑے کا انتظام کر کے رکھو جس سے اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف دلاؤ۔ حالانکہ خیل کا لفظ عجمی گھوڑے اور عربی گھوڑے اور جس کی فقط ماں عربی ہو اور جس کا فقط باپ عربی ہو سب پر ایک ہی طرح بولا جاتا ہے۔ اور اس دلیل سے کہ عربی گھوڑا اگرچہ دشمن کا پیچھا کرنے یا خود پیچھے ہونے میں زیادہ قوی ہوتا ہے۔ تو دو غلے یعنی جس کے ماں باپ میں سے ایک عربی اور دوسرا عجمی ہو میں تکلیف برداشت کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ اور اسے گھومانا آسان ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک میں علیحدہ علیحدہ خصوصیت ہوتی ہے اور دونوں ہی صفتیں مفید اور معتبر ہوتی ہیں۔ اس لئے دونوں حکم میں بھی برابر رکھے گئے ہیں۔

بِرْذَوْنٌ بروزن سِنَّوْرٌ کی جمع بَرَاذِيْنُ ہے۔ ٹٹو گھوڑا۔ غیر عربی۔ عِتَاقٌ بروزن کتاب خالص عربی گھوڑے۔ (قاسمی)

مجاہد سواری پر دار الحرب میں داخل ہوا اس کا گھوڑا مر گیا یا وہ مجاہد جو پیدل دار الحرب میں داخل ہوا اور پھر گھوڑا خریدا ان کو کتنا کتنا حصہ ملے گا

وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهٗ اسْتَحَقَّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرٰى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ وجواب الشَّافِعِىِّ عَلٰى عَكْسِهٖ فِى الْفَصْلَيْنِ وَهٰكَذَا رَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ فِى الْفَصْلِ

الثَّانِی اِنَّهٗ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ وَالْحَاصِلُ اَنَّ الْمُعْتَبَرَ عِنْدَنَا حَالَةُ الْمُجَاوَزَةِ وَعِنْدَهٗ حَالُ انْقِضَاءِ الْحَرْبِ لَهٗ اَنَّ السَّبَبَ هُوَالْقَهْرُ وَالْقِتَالُ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ عِنْدَهٗ وَالْمُجَاوَزَةُ وَسِيْلَةٌ اِلَی السَّبَبِ كَالْخُرُوْجِ مِنَ الْبَيْتِ وَتَعْلِيْقُ الْاَحْكَامِ بِالْقِتَالِ يَدُلُّ عَلٰی اِمْكَانِ الْوُقُوْفِ عَلَيْهِ وَلَوْتَعَذَّرَاَوْتَعَسَّرَ يُعَلَّقُ بِشُهُوْدِ الْوَاقِعَةِ لِاَنَّهٗ اَقْرَبُ اِلَی الْقِتَالِ وَلَنَا اَنَّ الْمُجَاوَزَةَ نَفْسَهَا قِتَالٌ لِاَنَّهٗ يَلْحَقُهُمُ الْخَوْفُ بِهَاوَالْحَالُ بَعْدَهَا حَالَةُ الدَّوَامِ وَلَا مُعْتَبَرَبِهَا وَلِاَنَّ الْوُقُوْفَ عَلٰی حَقِيْقَةِ الْقِتَالِ مُتَعَسِّرٌوَكَذَاعَلٰی شُهُوْدِ الْوَقْعَةِ لِاَنَّهٗ حَالُ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ فَتُقَامُ الْمُجَاوَزَةُ مَقَامَهٗ اِذْهُوَالسَّبَبُ الْمُفْضِیْ اِلَيْهِ ظَاهِرًا اِذَاكَانَ عَلٰی قَصْدِ الْقِتَالِ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ حَالَةَ الْمُجَاوَزَةِ فَارِسًا كَانَ اَوْرَاجِلًا

ترجمہ......اور جو شخص دارالحرب میں سوار ہو کر (سواری کے ساتھ) داخل ہوا۔ اور وہاں اس کا گھوڑا مر گیا تو بھی (حسب سابق) سواروں کے حصہ کا مال غنیمت سے مستحق ہوگا۔ اور جو شخص وہاں پیدل ہی داخل ہوا مگر وہاں پہنچ کر کسی طرح ایک گھوڑا خرید لیا تو بھی یہ شخص (حسب سابق) پیدل کا (ایک ہی حصہ کا) مالک ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مذکورہ صورتوں کے برعکس حصہ پائے گا۔ (یہی قول مالکؒ واحمدؒ کا بھی ہے) اور ابن المبارکؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے دوسری صورت میں یہی روایت کی ہے یعنی پیادہ نے دارالحرب میں داخل ہو کر گھوڑا خرید!! اور اس پر سوار ہو کر قتال کیا تو یہ بھی سواروں کا حصہ پائے گا (۔لیکن ظاہر الروایۃ قول اول ہے) حاصل کلام یہ ہوا کہ ہمارے نزدیک سرحد پار کرتے وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک لڑائی ختم ہوتے وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ امام شافعیؒ کی دلیل ہے کہ غنیمت کے مستحق ہونے کا سبب قہر اور قتال ہے اس لئے ہر شخص کے اسی وقت کے حال کا اعتبار ہوگا اور سرحد سے گذر جانا اس سبب کا وسیلہ ہوتا ہے۔ جیسے گھر سے نکلنا (اور اگر یہ کیا جائے کہ قتال تو مخفی معاملہ ہوتا ہے۔ اس پر تو پوری واقفیت حاصل نہیں ہوسکتی ہے اسی لئے سرحد سے آگے چلے جانے کو اس کے قائم مقام بنایا گیا ہے ۔اس کا جواب دیا کہ) غزوہ میں قتال پر اس کے احکام متعلق کرنا قتال پر واقف ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر بالغرض اس کے قتال پر واقفیت مشکل ہو تو ان لوگوں کی گواہی سے بات معلوم ہوسکتی ہے جو اس کے ساتھ موجود ہوں کیونکہ وہ قتال میں ان سے قریب تر ہوں گے۔ (اس لئے صرف سرحد سے بڑھ جانا کافی اور مفید نہ ہوگا۔) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اپنی سرحد سے گزر کر دشمن کی سرحد میں داخل ہو جانا ہی قتال کا ایک حصہ ہے کہ اسی سے کافروں کے دل دہل جاتے ہیں اس کے بعد ان پر یہی کیفیت طاری رہتی ہے۔ حالانکہ اس حالت کا کچھ اعتبار نہیں ہے (۔ چنانچہ اگر سوار کا گھوڑا مر جاتا ہے تب بھی بالاتفاق بھی وہ سوار ہی کے حکم میں ہوتا ہے) اور اس دلیل سے کہ حقیقتاً کس حد تک جنگ ہوئی ہے اس سے واقف ہونا مشکل معاملہ ہے۔ اسی طرح میدان جنگ میں شریک لوگوں کی گواہی کا صحیح طور پر معلوم ہونا بھی بہت مشکل ہے۔ کیونکہ وہ وقت انتہائی مصروفیت اور صفوں میں گھسے رہنے اور قتال میں رہ کر دوسروں سے بے خبری کا وقت ہوتا ہے (کہ ہر شخص اپنی ہی لڑائی میں دل و جان کے ساتھ منہمک رہتا ہے۔ اور دوسرے کے پیادہ ہونے اور اس کے سوار رہنے نہ رہنے کو نہیں دیکھ پاتا ہے) اس لئے قتال کی تفصیل جاننے کے قائم مقام رکن کی سرحد میں داخل ہو جانے ہی کو سمجھ لیا گیا ہے کیونکہ بظاہر یہی سبب حقیقی قتال تک پہنچا دینے والا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ جہاد کے ارادہ سے ہی وہاں داخل ہوا ہو۔ اسی لئے مجاہد کی اسی کیفیت اور حالت کا اعتبار ہوتا ہے جو سرحد میں داخل ہونے کے وقت ہوا ہی ہو۔ لہٰذا اگر وہ اس وقت سوار ہوگا تو بعد میں بھی سوار ہی سمجھا جائے گا اور اگر اس وقت پیادہ ہو تو بعد میں اسے پیادہ ہی کا حکم دیا جائے گا۔

ایک مجاہد گھوڑے پر دارالحرب میں داخل ہوا لیکن جگہ کی تنگی کی وجہ سے پیدل قتال کیا اس کو کتنا حصہ ملے گا

وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا وَقَاتَلَ رَاجِلًا لِضِيْقِ الْمَكَانِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ بِالْاِتِّفَاقِ وَلَوْدَخَلَ فَارِسًا ثُمَّ بَاعَ فَرَسَهٗ

اَوْ وَهَبَ اَوْ اٰجَرَ اَوْ رَهَنَ فَفِيْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ اعْتِبَارُ الْمُجَاوَزَةِ وَفِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الرَّجَالَةِ لِاَنَّ الْاِقْدَامَ عَلٰى هٰذِهِ التَّصَرُّفَاتِ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهٖ بِالْمُجَاوَزَةِ الْقِتَالُ فَارِسًا وَلَوْ بَاعَهٗ بَعْدَ الْفَرَاغِ لَمْ يَسْقُطْ سَهْمُ الْفُرْسَانِ وَكَذَا اِذَا بَاعَ فِيْ حَالَةِ الْقِتَالِ عِنْدَ الْبَعْضِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ يَسْقُطُ لِاَنَّ الْبَيْعَ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ غَرْضَهُ التِّجَارَةُ فِيْهِ اِلَّا اَنَّهٗ يَنْتَظِرُ عِزَّتَهٗ

ترجمہ...... البتہ اگر سرحد میں داخل ہوتے وقت کوئی سوار ہومگر جگہ کی تنگی یا کسی خاص وجہ سے پیدل ہی قتال کیا تو بھی وہ بالاتفاق سواروں کے حصہ کا مستحق ہوگا اور اگر سوار داخل ہوا پھر اس نے اپنا گھوڑا فروخت کر دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا یا اجرت پر دے دیا یا رہن کر دیا تو حسنؒ نے ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ وہ سواروں کے حصہ کا مستحق ہوگا اسی وجہ سے کہ وہ سرحد میں داخل ہوتے وقت سوار تھا۔ لیکن ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ وہ پیدلوں کے حصہ کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ بیع وغیرہ کے معاملات کرنے میں یہ دلیل موجود ہے کہ سرحد سے اترتے وقت ہی اس کا ارادہ قتال کرنے کا نہیں تھا۔ اور اگر اس نے لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد گھوڑا فروخت کیا ہو تو اسے سواروں کا حصہ جو ملنے والا تھا ختم نہ ہوگا۔ اور اگر لڑائی کی حالت میں فروخت کیا ہو تب بھی بعضوں کے نزدیک اس کا سواروں کا حصہ ختم نہ ہوگا۔ لیکن قول اصح یہ ہے کہ وہ حصہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا گھوڑے کو فروخت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ گھوڑے کو لانے کا مقصد تجارت کرنا تھا لیکن اس کو صرف اس بات کا انتظار تھا کہ قتال شروع ہو جائے تا کہ اس کی قیمت بڑھ جائے۔

غلام، عورت، بچے، مجنون، ذمی کیلئے مال غنیمت کا حکم

وَلَا يُسْهَمُ لِمَمْلُوْكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلٰكِنْ يُرْضَخُ لَهُمْ عَلٰى حَسْبِ مَا يَرَى الْاِمَامُ لِمَا رُوِيَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يُسْهِمُ لِلنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالْعَبِيْدِ وَلٰكِنْ كَانَ يَرْضَخُ لَهُمْ وَلَمَّا اسْتَعَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْيَهُوْدِ عَلَى الْيَهُوْدِ لَمْ يُعْطِهِمْ شَيْئًا مِّنَ الْغَنِيْمَةِ يَعْنِيْ اَنَّهٗ لَمْ يُسْهِمْ لَهُمْ وَلِاَنَّ الْجِهَادَ عِبَادَةٌ وَالذِّمِّيُّ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ الْعِبَادَةِ وَالصَّبِيُّ وَالْمَرْاَةُ عَاجِزَانِ عَنْهُ وَلِهٰذَا لَمْ يَلْحَقْهُمَا فَرْضُهٗ وَالْعَبْدُ لَا يُمَكِّنُهُ الْمَوْلٰى وَلَهٗ مَنْعُهٗ اِلَّا اَنَّهٗ يُرْضَخُ لَهُمْ تَحْرِيْضًا عَلَى الْقِتَالِ مَعَ اِظْهَارِ انْحِطَاطِ رُتْبَتِهِمْ وَالْمُكَاتَبُ بِمَنْزِلَةِ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الرِّقِّ وَتَوَهُّمِ عِجْزِهٖ فَيَمْنَعُهُ الْمَوْلٰى عَنِ الْخُرُوْجِ اِلَى الْقِتَالِ ثُمَّ الْعَبْدُ اِنَّمَا يُرْضَخُ لَهٗ اِذَا قَاتَلَ لِاَنَّهٗ دَخَلَ لِخِدْمَةِ الْمَوْلٰى فَصَارَ كَالتَّاجِرِ وَالْمَرْاَةُ تُرْضَخُ لَهَا اِذَا كَانَتْ تُدَاوِي الْجَرْحٰى وَتَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى لِاَنَّهَا عَاجِزَةٌ عَنْ حَقِيْقَةِ الْقِتَالِ فَتُقَامُ هٰذَا النَّوْعُ مِنَ الْاِعَانَةِ مَقَامَ الْقِتَالِ بِخِلَافِ الْعَبْدِ لِاَنَّهٗ قَادِرٌ عَلٰى حَقِيْقَةِ الْقِتَالِ وَالذِّمِّيُّ اِنَّمَا يُرْضَخُ لَهٗ اِذَا قَاتَلَ اَوْ دَلَّ عَلَى الطَّرِيْقِ وَلَمْ يُقَاتِلْ لِاَنَّ فِيْهِ مَنْفَعَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَنَّهٗ يُزَادُ عَلَى السَّهْمِ فِي الدَّلَالَةِ اِذَا كَانَتْ فِيْهِ مَنْفَعَةٌ عَظِيْمَةٌ وَلَا يَبْلُغُ بِهِ السَّهْمَ اِذَا قَاتَلَ لِاَنَّهٗ جِهَادٌ وَالْاَوَّلُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهٖ وَلَا يُسَوّٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ فِيْ حُكْمِ الْجِهَادِ

ترجمہ...... اور غنیمت میں سے ان لوگوں کو کوئی مقررہ حصہ نہیں دیا جائے گا یعنی غلام و عورت و بچہ اور ذمی کو البتہ کھانے کے طور پر کچھ دیدیا جائے گا جو اس وقت امام المسلمین اپنی سمجھ میں مناسب جانے۔ اس روایت کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں اور بچوں اور غلاموں کا حصہ نہیں لگاتے تھے لیکن ان کو کچھ کھانے کے طور پر دیتے تھے۔ مسلم و ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں پر مدینہ کے یہودیوں سے کچھ مدد لی تھی تو غنیمت میں سے ان کو کچھ بھی حصہ نہیں دیا تھا بلکہ کچھ کھانے کے طور پر دیا تھا۔ اس کی روایت شافعیؒ بیہقیؒ اور

واقدی نے ضعیف سند سے کی ہے۔ اور اس دلیل سے بھی ان کو کچھ نہیں دیا جائے گا کہ جہاد ایک بڑی عبادت ہے اور ذمی و کافر میں عبادت کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے (۔مدینہ کے یہودیوں سے جو مدد لی گئی تھی شاید اس حد تک تھی کہ ان سے رہنمائی کی مدد لی گئی ہو اور شاید کہ ضرورت کی وجہ سے لڑائی میں ہو) اور بچہ اور عورت دونوں عموماً جہاد کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان دونوں پر جہاد فرض نہیں ہے اور غلام پر اس لئے فرض نہیں ہے کہ اس کا مولی اجازت نہیں دے سکتا ہے اور اگر اجازت دی بھی ہو تب بھی اسے یہ حق رہتا ہے کہ جب چاہے روک دے لیکن امام المسلمین کو چاہئے کہ ان لوگوں کو بھی کچھ مال کھانے کے طور پر دیدے تاکہ ان کو بھی لڑائی پر ترغیب ہو۔ باوجودیکہ ان کو کم مرتبہ کا ظاہر کیا گیا ہے اور مکاتب بھی غلام ہی کے حکم میں ہوگا۔ کیونکہ اس میں بھی غلامی باقی ہے۔ پھر یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی قیمت بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے۔ اس وقت اس کا مولی اسے قتال میں جانے سے روک دے گا اور غلام کو کھانے کے لئے بھی اسی صورت میں کچھ دیا جائے گا جبکہ اس نے واقعتاً قتال کیا ہو۔ ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اگرچہ لشکر کے ساتھ گیا ہے مگر اپنے مولی کی خدمت کی نیت سے۔ اس لئے اس کی مثال بازاری تاجر کی جیسی ہوگئی اور عورت کو اس غنیمت کے سے کچھ مال کھانے کے لئے اسی صورت میں دیا جائے گا جبکہ وہ زخمیوں کی دوا اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی ہو۔ کیونکہ حقیقت میں عورت لڑائی سے عاجز ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا اس قسم کی مدد کر دینا ہی اس کی لڑائی کے قائم مقام ہے۔ بخلاف غلام کے کہ وہ حقیقت میں قتال کر سکتا ہے۔ اور ذمی کو مال غنیمت سے کھانے کے طور پر بھی اسی صورت میں دیا جائے گا کہ واقعتاً اس نے قتال کیا ہو یا اس کے بغیر بھی اس نے صرف راستہ بتلایا ہو۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کو نفع ہو جاتا ہے۔ پھر معلوم ہونا چاہئے کہ اس مخبری یا راہ بری میں اگر کوئی بڑا نفع ہو تو اس کو غازیوں کے حصہ سے بھی زیادہ حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے صرف قتال کیا ہو تو جو کچھ اس کو دیا جائے وہ غازی کے حصہ سے کم ہوگا۔ اس کے برابر نہیں دینا ہوگا۔ کیونکہ صرف راہ نمائی اصل جہاد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ جہاد کے کام میں مسلمان اور کافر ذمی کے درمیان برابری نہیں کی جائے گی۔

لغوی تحقیق......ع۔ یرضخ، صاد و رخاء معجمہ (نقطہ والے دونوں حروف سے) رضخ فلاں، کسی کو کچھ مال دینا۔ قاسمی

خمس کی تقسیم کا طریقہ

وَ اَمَّا الْخُمُسُ فَيُقْسَمُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ سَهْمٌ لِّلْيَتَامٰى وَسَهْمٌ لِّلْمَسَاكِيْنِ وَسَهْمٌ لِابْنِ السَّبِيْلِ يَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِى الْقُرْبٰى فِيْهِمْ وَيُقَدَّمُوْنَ وَلَايُدْفَعُ اِلٰى اَغْنِيَاءِ هِمْ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَهُمْ خُمُسُ الْخُمُسِ يَسْتَوِىْ فِيْهِ غَنِيُّهُمْ وَ فَقِيْرُهُمْ وَيُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَيَكُوْنُ لِبَنِىْ هَاشِمٍ وَ بَنِى الْمُطَّلِبِ دُوْنَ غَيْرِهِمْ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلِذِى الْقُرْبٰى مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ بَيْنَ الْغَنِيِّ وَ الْفَقِيْرِ وَلَنَا اَنَّ الْخُلَفَاءَ الْاَرْبَعَةَ الرَّاشِدِيْنَ قَسَّمُوْهُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ عَلٰى نَحْوِ مَاقُلْنَاهُ وَكَفٰى بِهِمْ قُدْوَةً وَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَامَعْشَرَ بَنِىْ هَاشِمٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَرِهَ لَكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ وَاَوْسَاخَهُمْ وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ وَالْعِوَضُ اِنَّمَا يَثْبُتُ فِىْ حَقِّ مَنْ يَّثْبُتُ فِىْ حَقِّهِ الْمُعَوَّضُ وَهُمُ الْفُقَرَاءُ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَعْطَاهُمْ لِلنُّصْرَةِ اَلَاتَرٰى اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّلَ فَقَالَ اِنَّهُمْ لَنْ يَّزَالُوْا مَعِىْ هٰكَذَا فِى الْجَاهِلِيَّةِ وَالْاِسْلَامِ وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ دَلَّ عَلٰى اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ النَّصِّ قُرْبُ النُّصْرَةِ لَاقُرْبُ الْقَرَابَةِ

ترجمہ......اور غنیمت کا پانچواں حصہ جو امام نے سب سے پہلے خاص کیا تھا اسے بھی تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ یتیموں کے لئے دوسرا حصہ مسکینوں کے لئے اور تیسرا حصہ ابن السبیل کے لئے خاص کیا جائے گا۔ جن میں رسول اللہ ﷺ کے محتاج قرابت دار داخل ہوں گے اور ان ہی کو سب سے مقدم کیا جائے گا۔ لیکن ان میں وہ قرابت دار جو مالدار ہوں گے ان کو نہیں دیا جائے گا۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اہل قرابت کو غنیمت

کے پانچویں حصہ سے پانچواں حصہ دیا جائے گا۔ پھر اس حصہ میں مالدار اور فقیر سب برابر ہوں گے۔ یہ مال ان سب لوگوں میں ایک عورت کے مقابلہ میں مرد کو دوگنا کے حساب سے ملے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت میں سے صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لئے ہوگا۔ یعنی خاندان کے دوسرے لوگوں کو نہیں ملے گا (یعنی بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو نہیں ملے گا)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ولذی القربی یعنی قرابت داروں کیلئے ہے۔ یہ قرابت دار مالدار اور محتاج سب کو عام ہے کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پانچوں حصہ غنیمت کو اسی طرح تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ جیسے ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔ ہمارے لئے ان کی پیشوائی اور قیادت ہی کافی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اے گروہ بنی ہاشم تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے میل کچیل کے استعمال کو مکروہ جانا ہے۔ یعنی زکوۃ لینے اور کھانے کو مکروہ بتایا ہے۔ اور اس کے عوض تم کو غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ دیا ہے۔ جیسا کہ صحیح میں ہے۔ اور کسی چیز کا عوض اسی کو دیا جاتا ہے جو اصل کا مستحق اور حق دار ہوتا ہے اور یہ حقیقی مستحق محتاج لوگ ہوتے ہیں۔ (یعنی اگر زکوۃ کا مال دیا جاتا تو وہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ان قرابتداروں کو ملتا جو محتاج ہوتے اور اغیار کو نہ ملتا اور چونکہ زکوۃ کا مالداروں کا میل کچیل ہے البتہ مالداروں کو غنیمت سے دینے کا حق رکھا گیا اور ان کو دیا گیا اس لئے اب یہ خمس صرف محتاجوں کے ہی مخصوص ہوا) اور رسول اللہ ﷺ نے بنو ہاشم کے ساتھ بنو مطلب کو بھی اس لئے حقدار بتایا کہ انہوں نے ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور مددگاری فرمائی تھی۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اس کی یہ علت بتائی ہے کہ یہ لوگ برابر میرے ساتھ زمانہ جاہلیت ہو یا زمانہ اسلام ہو میرے ساتھ برابر اس طرح رہے اور یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی انگلیاں ملا کر دکھائیں۔ ابوداؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آیت میں صاحب قرابت سے نسبی قرابت مراد نہیں ہے بلکہ نصرت اور مدد کی قربت مراد ہے۔ ایک سوال۔ آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ تم لوگ جو غنیمت پاؤ اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ان کے قرابت داروں اور یتیموں، مسکینوں اور ابن السبیل کے لئے ہے۔ لیکن اس میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کا کیا مطلب ہے۔ اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے حصہ کا کیا ہوگا۔ تو مصنفؒ نے اس کا جواب دیا۔

خمس کو اللہ کے لئے آیت میں مقدم کرنے کی حکمت اور آپ ﷺ کے حصے کا حکم

قَالَ فَاَمَّا ذِكرُ اللهِ تَعَالٰى فِى الْخُمُسِ فَاِنَّهٗ لِافْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهٖ وَسَهْمُ النَّبِىِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَقَطَ بِمَوْتِهٖ كَمَا سَقَطَ الصَّفِىُّ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَسْتَحِقُّهٗ بِرِسَالَتِهٖ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهٗ وَالصَّفِىُّ شَىْءٌ كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَصْطَفِيْهِ لِنَفْسِهٖ مِنَ الْغَنِيْمَةِ مِثْلَ دِرْعٍ اَوْ سَيْفٍ اَوْ جَارِيَةٍ وَقَالَ الشَّافِعِىُّ يُصْرَفُ سَهْمُ الرَّسُوْلِ اِلَى الْخَلِيْفَةِ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَاقَدَّمْنَاهُ وَسَهْمُ ذَوِى الْقُرْبٰى كَانُوْا يَسْتَحِقُّوْنَهٗ فِىْ زَمَنِ النَّبِىِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالنُّصْرَةِ لِمَا رَوَيْنَا

ترجمہ...... مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ پانچویں حصہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر اس مبارک نام سے کلام شروع کرنے کے لئے ہے۔ یعنی اس ذات پاک کو کسی حصہ سے کوئی مقصود نہیں ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے نام اگرچہ حصہ ہوتا تھا مگر آپ کی وفات سے وہ حصہ اب موقوف ہو گیا جیسا کہ بالاتفاق صفی موقوف ہو گیا ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ اپنی رسالت کی وجہ سے اس کے مستحق ہوئے تھے۔ اور آپ کے بعد کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں رہا (اس بناء پر خلفائے راشدین میں سے کسی نے اسے نہیں لیا) صفی، وہ شیء ہے جس کا رسول اللہ ﷺ کو اختیار تھا کہ پورے مال غنیمت سے اپنی ذات مبارکہ کے لئے پسند فرمالیں۔ مثلاً زرہ، تلوار، قیدی اور باندی۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کے خلیفہ کو دیا جائے۔ لیکن اس قول کے خلاف ہماری دلیل وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد دوسرا کوئی رسول نہیں ہے) اور اگر یہ جائز ہوتا تو خلفائے راشدین تو وہ اپنے حق کی بناء پر ضرور لیتے۔ حالانکہ ان میں سے کسی نے بھی نہیں لیا۔ بلکہ پانچویں حصہ کو تین ہی

ٹکڑوں پر تقسیم کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آپ کے قرابت دار چونکہ ہر زمانہ دکھ اور سکھ میں آپ کی مدد کرتے آئے تھے اس لئے وہ بھی خمس میں سے حصہ کے مستحق ہوتے تھے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

خمس سے فقیر کو دینے کا حکم

قَالَ وَ بَعْدَهُ بِالْفَقْرِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللهُ هٰذَا الَّذِىْ ذَكَرَهُ قَوْلَ الْكَرْخِيِّ وَقَالَ الطَّحَاوِىُّ سَهْمُ الْفَقِيْرِ مِنْهُمْ سَاقِطٌ اَيْضًا لِمَارَوَيْنَا مِنَ الْاِجْمَاعِ وِلِاَنَّ فِيْهِ مَعْنَى الصَّدَقَةِ نَظْرًا اِلَى الْمَصْرَفِ فَيَحْرُمُ كَمَا يَحْرُمُ الْعُمَالَةُ وَجْهُ الْاَوَّلِ وَقِيْلَ هُوَ الْاَصَحُّ مَارُوِىَ اَنَّ عُمَرَؓ اَعْطَى الْفُقَرَاءَ مِنْهُمْ وَالْاِجْمَاعُ انْعَقَدَ عَلٰى سُقُوْطِ حَقِّ الْاَغْنِيَاءِ اَمَّا فُقَرَاؤُهُمْ يَدْخُلُوْنَ فِى الْاَصْنَافِ الثَّلٰثَةِ

ترجمہ ...... اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف کے بعد وہ اپنی محتاجی کی وجہ سے مستحق ہیں اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہاں تک جو قول مذکور ہوا امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قرابت داروں میں محتاجوں کا حصہ بھی ساقط ہو گیا ہے۔ اس اجماع کی وجہ سے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں (کہ خلفائے راشدین صرف تین ہی حصے نکالتے تھے۔ پس ظاہر ہوا کہ ان محتاج قرابت داروں کا حصہ بھی ساقط ہو گیا تھا۔ اور اس دلیل سے بھی کہ اس حصہ میں مصرف کے اعتبار سے یہ صدقہ کے معنی میں ہے۔ یعنی ان کی احتیاج اور ضرورت دیکھ کر ان کو صدقہ کے طور پر دیا جاتا تھا۔ لہٰذا قرابت داروں پر وہ مال حرام ہوگا۔ جیسے کہ اگر کوئی ہاشمی عامل ہو تو اس کو اس مال سے لینا حرام ہوگا۔ لیکن کہا گیا ہے کہ قول اول اصح ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عمرؓ سے روایت ہوئی کہ آپ نے قرابت داروں میں سے فقراء کو حصہ دیا ہے۔ اور خلفاء کا جو اجماع ثابت ہے وہ صرف اس بات پر ہے کہ تونگروں اور مالداروں کا حصہ اس میں سے ساقط ہو گیا ہے۔ لیکن ان قرابت داروں کے فقراء تو وہ بھی یتیموں، مسکینوں اور ابن السبیل میں داخل ہیں۔ بلکہ ان ہی کو دوسروں پر ترجیح ہوگی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

ایک دو آدمی دار الحرب میں داخل ہو کر لوٹ مار کر کے لے آئیں ان سے خمس نہیں لیا جائے گا

وَاِذَادَخَلَ الْوَاحِدُ اَوِالْاِثْنَانِ دَارَالْحَرْبِ مُغِيْرِيْنَ بِغَيْرِاِذْنِ الْاِمَامِ فَأَخَذُوْا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ لِاَنَّ الْغَنِيْمَةَ هُوَ الْمَاخُوْذُ قَهْرًا وَغَلَبَةً لَا اخْتِلَاسًا وَسَرِقَةً وَالْخُمُسُ وَظِيْفَتُهَا وَلَوْدَخَلَ الْوَاحِدُ اَوِالْاِثْنَانِ بِاِذْنِ الْاِمَامِ فَفِيْهِ رِوَايَتَانِ وَالْمَشْهُوْرُ اَنَّهُ يُخَمَّسُ لِاَنَّهُ لَمَّا اَذِنَ لَهُمُ الْاِمَامُ فَقَدِ الْتَزَمَ نُصْرَتَهُمْ بِالْاِمْدَادِ فَصَارَ كَالْمَنَعَةِ

ترجمہ ...... اگر ایک دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر از خود لوٹ مار کی غرض سے دار الحرب میں داخل ہوں اور ان سے کچھ مال لے کر آ جائیں تو ان سے پانچواں حصہ نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ لوٹا ہوا مال غنیمت میں سے شمار نہیں ہوگا اس لئے کہ غنیمت وہ چیز ہوتی ہے جو قہر و غلبہ سے حاصل کی جائے اچک کر یا چوری سے لیا ہوا مال غنیمت نہیں ہوتا ہے۔ اور پانچواں حصہ تو مال غنیمت سے لیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایک دو آدمی بھی امام کی اجازت یا اس کے حکم پر جائیں تو ان کے لائے ہوئے مال کے بارے میں دو روایتیں ہیں (ایک روایت میں خمس لیا جائے گا۔ اور دوسری میں نہیں لیا جائے گا۔) اگرچہ مشہور قول یہی ہے کہ اس سے بھی خمس لیا جائے گا کیونکہ جب امام نے اسے اجازت دی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تمہاری پشت پر ہوں۔ بوقت ضرورت تمہاری مدد کو آنا ہماری ذمہ داری ہوگی۔ اس طرح یہ ایک یا دو آدمی بھی ایسی جماعت کے حکم میں ہوں گئے جن کو اچھی طاقت مقابلہ حاصل ہو۔

اگر ایک جماعت ذی طاقت دار الحرب میں امام کی اجازت کے بغیر داخل ہو کر لوٹ مار کر کے لائی ان سے خمس لیا جائے گا

فَاِنْ دَخَلَتْ جَمَاعَةٌ لَهَامَنَعَةٌ فَاَخَذُوْا شَيْئًا خُمِّسَ وَاِنْ لَّمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْاِمَامُ لِاَنَّهٗ مَاخُوْذٌ قَهْرًا وَغَلَبَةً فَكَانَ غَنِيْمَةً وَ لِاَنَّهٗ يَجِبُ عَلَى الْاِمَامِ اَنْ يَّنْصُرَهُمْ اِذْلَوْ خَذَلَهُمْ كَانَ فِيْهِ وَهْنُ الْمُسْلِمِيْنَ بِخِلَافِ الْوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ لِاَنَّهٗ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ نُصْرَتُهُمْ

ترجمہ...... اور اگر ایسی جماعت دار الحرب میں داخل ہوئی۔ جس کو مقابلہ کی طاقت حاصل ہو اور وہ لوگ وہاں سے کچھ مال لے کر آ جائیں تو اس میں سے پانچواں حصہ لیا جائے گا اگر چہ امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو کیونکہ ان لوگوں نے جو کچھ مال ان سے لیا ہے وہ زبردستی اور طاقت کے زور سے لیا ہے لہٰذا یہ غنیمت کا مال ہو گا اور اس لئے بھی کہ امام پر ان کی مدد کو جانا اور مدد پہنچانا واجب ہے۔ کیونکہ اگر ان کی مدد نہ کی جائے تو اس سے مسلمانوں کے حق میں کمزوری اور انتشار ہو گا۔ بخلاف اس صورت کے کہ امام کی اجازت کے بغیر صرف ایک دو آدمی گئے ہوں کہ ان لوگوں کی مدد کرنا امام پر واجب نہیں ہے۔

فَصْلٌ فِي التَّنْفِيْلِ

ترجمہ...... فصل، تنفیل کے بیان میں ہے۔

تنفیل کا حکم

قَالَ وَلَابَأْسَ بِاَنْ يُّنَفِّلَ الْاِمَامُ فِيْ حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُوْلَ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ وَيَقُوْلَ لِلسَّرِيَّةِ قَدْجَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ مَعْنَاهُ بَعْدَ مَارُفِعَ الْخُمُسُ لِاَنَّ التَّحْرِيْضَ مَنْدُوْبٌ اِلَيْهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ وَ هٰذَا نَوْعُ تَحْرِيْضٍ ثُمَّ قَدْ يَكُوْنُ التَّنْفِيْلُ بِمَا ذُكِرَ وَ قَدْ يَكُوْنُ بِغَيْرِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اَنْ يُّنَفِّلَ بِكُلِّ الْمَاخُوْذِ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ حَقِّ الْكُلِّ فَاِنْ فَعَلَهٗ مَعَ السَّرِيَّةِ جَازَ لِاَنَّ التَّصَرُّفَ اِلَيْهِ وَ قَدْ تَكُوْنُ الْمَصْلَحَةُ فِيْهِ

ترجمہ...... اس بات میں کچھ حرج نہیں ہے کہ امام المسلمین کافروں سے قتال کرتے وقت تنفیل کر کے (ف نفل بمعنی زائد اور تنفیل وہ مال جو امام کسی کو اس کے اپنے ملنے والے حصہ سے زائد دینے کو کہے اور) ان کو قتال پر آمادہ کرے یہ کہہ کر کہ جس نے کسی کافر کو قتل کیا تو اس مقتول کا سامان اسی کا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی چھوٹے لشکر کو بھیجے تو اس سے یوں کہے کہ غنیمت کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک چوتھائی ہمارے واسطے بطور نفل ہے۔ کیونکہ قتال پر آمادہ کرانا مستحب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی رسول اللہ ﷺ کو فرمایا ہے کہ آپ مومنوں کو جہاد پر آمادہ کریں اور یہ تنفیل بھی آمادہ کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ پھر تنفیل کبھی اسی بیان کئے ہوئے طریقہ سے ہوتی ہے اور کبھی دوسرے طریقہ سے بھی ہوتی ہے۔ بہر صورت امام کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ غنیمت کے کل مال کو اسی طرح تنفیل کر دے یا انعام میں دینے کا اعلان کر دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرے تمام غازیوں کی حق تلفی ہو گی۔ البتہ اگر چھوٹے لشکر کو یوں کہہ دے کہ جو کچھ تم حاصل کرو وہ سب تمہارا ہی ہو جائے گا تو یہ کہنا جائز ہو گا کیونکہ اس قسم کے تمام

تصرفات کا حق اسی کو ہے اور کبھی ایسا کرنے میں مصلحت بھی ہوتی ہے۔

مال غنیمت جب جمع ہو کر دارالاسلام آ جائے پھر تنفیل درست نہیں

وَ لَا يُنَفِّلُ بَعْدَ اِحْرَازِ الْغَنِيْمَةِ بِدَارِ الْاِسْلَامِ لِاَنَّ حَقَّ الْغَيْرِ قَدْ تَأَكَّدَ فِيْهِ بِالْاِحْرَازِ

ترجمہ...... وَلَا يُنَفِّلُ ...... الخ امام مال غنیمت کو دارالاسلام میں لے آنے کے بعد تنفیل کا اعلان نہیں کرے گا۔ کیونکہ غنیمت کو دارالاسلام میں لا کر محفوظ کر لینے کے بعد دوسرے لوگوں کا حق قوی اور مستحکم ہو جاتا ہے۔

خمس سے تنفیل دینے کا حکم

قَالَ اِلَّا مِنَ الْخُمُسِ

ترجمہ...... قَالَ اِلَّا مِنَ الْخُمُسِ الخ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ سوائے خمس کے امام تنفیل کا اعلان کر سکتا ہے لیکن اسے یہ اختیار نہیں ہوتا ہے کہ غنیمت کے پانچویں حصہ (خمس) میں سے بھی تنفیل کرے۔

خمس سے تنفیل نہ دینے کی دلیل

لِاَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْغَانِمِيْنَ فِي الْخُمُسِ وَاِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيْمَةِ وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِيْ ذَالِكَ سَوَاءٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ السَّلَبُ لِلْقَاتِلِ اِذَا كَانَ مِنْ اَهْلِ اَنْ يُسْهَمَ لَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ مُقْبِلًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهُ سَلَبُهُ وَالظَّاهِرُ اَنَّهُ نَصَبُ شَرْعٍ لِاَنَّهُ بُعِثَ لَهُ وَ لِاَنَّ الْقَاتِلَ مُقْبِلًا اَكْثَرُ غَنَاءً فَيَخْتَصُّ بِسَلَبِهِ اِظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ وَلَنَا اَنَّهُ مَاخُوْذٌ بِقُوَّةِ الْجَيْشِ فَيَكُوْنُ غَنِيْمَةً فَيُقَسَّمُ قِسْمَةَ الْغَنَائِمِ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ وَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِحَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ سَلَمَةَ لَيْسَ لَكَ مِنْ سَلَبِ قَتِيْلِكَ اِلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُ اِمَامِكَ وَمَا رَوَاهُ يَحْتَمِلُ نَصَبَ الشَّرْعِ وَيَحْتَمِلُ التَّنْفِيْلَ فَنَحْمِلُهُ عَلَى الثَّانِيْ لِمَا رَوَيْنَاهُ وَزِيَادَةُ الْغَنَاءِ لَا يُعْتَبَرُ فِيْ جِنْسٍ وَاحِدٍ كَمَا ذَكَرْنَاهُ

ترجمہ...... اس پانچویں حصہ میں غازیوں کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔ اور جبکہ امام نے مقتول کا سامان اس کے قتل کرنے والے غازی کے لئے (اعلان عام کے) نہ کیا ہو تو اس مقتول کا سامان دوسرے تمام سامان غنیمت میں سے ہو جائے گا یعنی وہ مال اس کے قاتل اور مقتول کے درمیان استحقاق کے لحاظ سے برابر ہوگا (۔یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر غازی قاتل اس بات کا اہل ہو کہ اسے غنیمت سے حصہ دیا جا سکے۔ اور اس نے کافر مقتول کو اس حالت میں قتل کیا ہو کہ وہ لڑنے کے لئے سامنے تیار تھا تو اس کا سامان اس کے قاتل کے لئے ہوگا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی کسی کافر کو قتل کر دے تو اس کافر کا سامان اسی قاتل کا ہوگا ۔بخاری ومسلم نے اس کی روایت کی ہے۔ اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ آپ نے اس طرح ایک قاعدہ اور طریقہ مقرر فرما دیا ہے کیونکہ آپ کی بعثت تو اسی لئے ہوئی تھی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ قاتل نے جب ایک ایسے کافر کو قتل کیا جو خود بھی کسی مسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا تو اس وقت اس کافر کو قتل کر کے اس قاتل نے مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔ اسی لئے اس مقتول کا سامان اس کے قاتل کے لئے مخصوص ہو جائے گا۔ تا کہ قاتل

اور مقتول کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا سامان ایک لشکر کی اجتماعی قوت کی وجہ سے لیا گیا ہے۔ اس لئے یہ عام غنیمت میں سے ہوگا۔ لہٰذا حکم نص کے مطابق غنیمت کے طور پر ہی تقسیم ہوگا۔ نیز اس لئے کہ رسول اللہؐ نے جب حبیب بن ابی مسلمہ کو فرمایا کہ تمہارے مقتول کے سامان سے تمہارا کچھ حصہ نہیں ہے۔ البتہ صرف اتنا ہے جتنا تمہارا امام اپنی رضامندی سے تم کو دے دے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس میں دو باتوں کا احتمال ہے ایک یہ کہ واقعتہً آپ نے یہ ایک قانون بنا دیا ہو۔ اور دوسرا یہ کہ تنفیل ہو پس ہم حبیب ابن مسلمہؓ کی اس حدیث کی بناء پر دوسرے احتمال پر محمول کرتے ہیں۔ اور یہ بات کہ قاتل کا سامنے آنے والے کو قتل کر کے زیادہ نفع پہنچانا تو یہ ایک ہی جنس میں مفید نہیں ہے۔ (یعنی سامنے آنے والے قاتل کو قتل کرنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک سامان دلانے کا زیادہ حقدار بناتا ہے۔ یہاں تک کہ بھاگتے ہوئے کافر کو یا کسی کام میں مشغول یا سوتے ہوئے کو قتل کرنا حق دار بننے کا سبب نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ لڑائی کے میدان میں یہ ساری صورتیں ایک ہی جیسی اور ایک ہی حکم میں آتی ہیں۔ اس بناء پر سامنے آنے والے کو قتل کرنے کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہئے کہ حبیب بن ابی مسلمہؓ کی حدیث اگرچہ طبرانی وابن مردویہ نے کئی سندوں سے روایت کی ہی۔ لیکن یہ ساری روایتیں ہی ضعیف ہیں اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ طرق مختلف ہو جانے سے اس میں قوت آ گئی ہے۔ اسی بناء پر ہم نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کو تنفیل پر محمول کیا ہے۔ لیکن بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد رسول اللہؐ نے یہ حکم فرما دیا تھا کہ مقتول کا اسباب اس کے قاتل کا ہوگا اور اسی پر حکم طے پا چکا ہے۔ فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سلب کی تعریف اور اس کا حکم

وَالسَّلَبُ مَاعَلَى الْمَقْتُوْلِ مِنْ ثِيَابِهٖ وَسَلَاحِهٖ وَمَرْكَبِهٖ وَكَذَامَاكَانَ عَلٰى مَرْكَبِهٖ مِنَ السَّرْجِ وَالْاٰلَةِ وَكَذَامَامَعَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ مِنْ مَالِهٖ فِيْ حَقِيْبَتِهٖ اَوْعَلٰى وَسَطِهٖ وَمَاعَدَاذَالِكَ فَلَيْسَ بِسَلَبٍ وَمَاكَانَ مَعَ غُلَامِهٖ عَلٰى دَابَّةٍ اُخْرٰى فَلَيْسَ بِسَلَبِهٖ ثُمَّ حُكْمُ التَّنْفِيْلِ قَطْعُ حَقِّ الْبَاقِيْنَ فَأَمَّا الْمِلْكُ فَاِنَّمَا يَثْبُتُ بَعْدَالْاِحْرَازِبِدَارِالْاِسْلَامِ لِمَامَرَّمِنْ قَبْلُ

ترجمہ ...... اور سلب مقتول یعنی اس کا سامان وہی سامان کہلاتا ہے جو اس کے بدن پر ہو مثلاً کپڑے، ہتھیار اور اس کا گھوڑا، سواری اور وہ چیزیں جو اس سواری پر ہوں مثلاً زین، لگام وغیرہ۔ اور جو کچھ مال اس کے جانور کی حورجی (بڑے تھیلے یا اس کی کمر میں ہو)۔ یہی سب مقول کا سامان ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہو وہ مقتول کا سامان نہیں ہے۔ اور جو چیز کہ اس کے غلام کے ساتھ دوسرے جانور پر ہو وہ بھی مقتول کے سامان میں شامل نہ ہوگی (۔ کہ وہ تو غنیمت میں شمار ہوگی ۔) واضح ہو کہ تنفیل کے حکم سے جو کچھ حاصل ہوا اس سے باقی غازیوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا کیونکہ ان کا حق اس مال سے بالکل ختم ہو گیا ہے۔ مگر قاتل کی اس مالِ نفل پر ملکیت اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ یہ مال دارالحرب سے نکل کر دارالاسلام میں آ کر محفوظ ہو گیا ہو۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی یہ بات بیان کر چکے ہیں۔

امام نے یہ کہا کہ جس نے باندی پائی اسی کی ہے غازی نے مسلمان باندی پائی اس سے وطی کا حکم

حَتّٰى لَوْقَالَ الْاِمَامُ مَنْ اَصَابَ جَارِيَةً فَهِيَ لَهٗ فَاَصَابَهَا مُسْلِمٌ وَاسْتَبْرَأَهَا لَمْ يَحِلَّ لَهٗ وَطْيُهَا وَكَذَالَايَبِيْعُهَا وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهٗ اَنْ يَّطَأَهَاوَيَبِيْعَهَا لِاَنَّ التَّنْفِيْلَ يُثْبِتُ بِهِ الْمِلْكَ عِنْدَهٗ كَمَايَثْبُتُ

بِالْقِسْمَةِ فِیْ دَارِالْحَرْبِ وَ بِالشِّرَاءِ مِنَ الْحَرْبِیِّ وَ وُجُوْبُ الضَّمَانِ بِالْاِتْلَافِ قَدْ قِیْلَ عَلٰی هٰذَا الْاِخْتِلَافِ

ترجمہ......اسی لئے اگر امام نے یہ اعلان کیا کہ جس غازی نے جو لڑکی پائی وہ اسی کی ہے۔اس کے بعد کسی غازی نے کوئی لڑکی پکڑ لی اور اسی عرصہ میں اس کا حیض ختم ہونے سے اس غازی کو اس عورت کا حمل سے پاک ہونا معلوم ہو گیا اس لئے اگر اس کے ساتھ وطی کرنی چاہے یا اسے فروخت کر دینا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ وابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لیکن امام محمد (اور امام مالک وشافعی اور احمد) رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک اس مرد غازی کے لئے اس عورت سے وطی کرنا یا اسے فروخت کرنا سب جائز ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک امام کے تنفیل کا اعلان کے بعد قبضہ کرنے سے اس کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ امام کے دارالحرب میں رہتے ہوئے تقسیم کر دینے سے اور حربی کافر سے خرید لینے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔اور اگر اس کے پاس سے کسی نے نفل مال کو ضائع کر دیا تو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔یعنی امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔مگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوگا (کیونکہ یہ غازی اس عورت کا مالک بن چکا تھا)۔

بَابُ اسْتِیْلَاءِ الْکُفَّارِ

ترجمہ......باب، کافروں کے غالب ہونے کے بیان میں

استیلاء الکفار کا حکم

وَ اِذَا غَلَبَ التُّرْكُ عَلَى الرُّوْمِ فَسَبُوْهُمْ وَ أَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ مَلَكُوْهَا لِاَنَّ لِاِسْتِیْلَاءَ قَدْ تَحَقَّقَ فِیْ مَالٍ مُبَاحٍ وَ هُوَ السَّبَبُ عَلٰی مَا نُبَیِّنُهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَاِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَامَانَجِدُهُ مِنْ ذَالِكَ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ اَمْلَاكِهِمْ

ترجمہ......اگر تاتاری کافروں نے ملک روم کے نصاریٰ پر غلبہ پا کر ان کو قید کر لیا۔اور ان کے اموال چھین لئے تو (ان کا قبضہ تسلیم ہوگا اور) تاتاری ان مالوں کے مالک ہو جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے مال مباح پر غالب آ کر ان پر قبضہ کر لیا ہے۔اور سبب ملک بھی یہی ہوتا ہے۔(انشاء اللہ یہ بحث ہم آئندہ بیان کریں گے۔اس کے بعد اگر ہم لوگ ان تاتاریوں پر غالب ہو جائیں تو ان تاتاریوں نے جو کچھ بھی رومیوں سے لیا اور قبضہ کیا ہے اسے ان تاتاریوں سے چھین لینا جائز ہے۔

کفار مسلمانوں کے جانوروں پر غالب آ گئے اور دارالحرب لے کر چلے گئے مال کے مالک بنیں گے یا نہیں

وَ اِذَا غَلَبُوْا عَلٰی اَمْوَالِنَا وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ وَاَحْرَزُوْهَابِدَارِهِمْ مَلَكُوْهَا وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَایَمْلِكُوْنَهَا لِاَنَّ الْاِسْتِیْلَاءَ اِبْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَالْمَحْظُوْرُ لَایَنْتَهِضُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ عَلٰی مَاعُرِفَ مِنْ قَاعِدَةِ الْخَصْمِ وَلَنَا اَنَّ الْاِسْتِیْلَاءَ وَرَدَ عَلٰی مَالٍ مُبَاحٍ فَیَنْعَقِدُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمُكَلَّفِ كَاسْتِیْلَائِنَا عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَهٰذَالِاَنَّ الْعِصْمَةَ تَثْبُتُ عَلٰی مُنَافَاةِ الدَّلِیْلِ ضَرُوْرَةَ تَمَكُّنِ الْمَالِكِ مِنَ الْاِنْتِفَاءِ فَاِذَا زَالَتِ الْمَكْنَةُ عَادَمُبَاحًا كَمَاكَانَ غَیْرَ اَنَّ الْاِسْتِیْلَاءَ لَایَتَحَقَّقُ اِلَّابِالْاِحْرَازِ بِالدَّارِلِاَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْاِقْتِدَارِ عَلَی الْمَحَلِّ حَالًا وَ مَآلًا وَالْمَحْظُوْرُ لِغَیْرِهٖ

اِذَا صَلَحَ سَبَبًا لِكَرَامَةٍ تَفُوْقُ الْمِلْكَ وَهُوَ الثَّوَابُ الْاٰجِلُ فَمَا ظَنُّكَ بِالْمِلْكِ الْعَاجِلِ؟

ترجمہ......اور اگر خدانخواستہ ونعوذ باللہ من ذالک کبھی کفار ہمارے مالوں پر غالب آ جائیں اور ان کو اپنے ساتھ اپنے ملک لے جائیں تو وہ بھی ان مالوں کے مالک ہو جائیں گے (۔مام مالک واحمد رحمہما اللہ علیہما کا بھی یہی قول ہے۔) لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وہ کفار ان مالوں کے مالک نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ بات ممنوع نا قابل قبول ہے کہ وہ کفار ہمارے مالوں کے مالک بن جائیں۔ خواہ ہمارے ملک میں رہتے ہوئے مالک بنیں یا انتہاء میں یعنی اپنے ملک لے جا کر مالک بنیں۔ اور جو بات ممنوع ہو وہ ملکیت کا سبب نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ علم الاصول میں ہمیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔

ہماری دلیل...... یہ ہے کہ مال مباح پر غلبہ پایا گیا ہے اس لئے یہ ملک کا سبب ہو جائے گا۔ تا کہ حاجت مند مکلّف کی حاجت ختم ہو جائے۔ جیسا کہ ہم لوگ ان کے مالوں پر غالب ہو کر ان کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اس جگہ ہمارا یہ کہنا کہ وہ لوگ مباح مال پر غالب ہوتے ہیں اس لئے ہے کہ مال کا قابل احترام ہونا اس ضرورت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مالک کو اس سے نفع حاصل کرنے پر قدرت ہو۔ حالانکہ فرمان باری تعالیٰ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِي الْاَرْضِ...... الخ (البقرۃ: ۲۹) اس بات کے لئے مفید ہے کہ زمین کی ہر چیز پر مالک کی قدرت باقی نہ رہی تو وہ مال حسب دستور سابق مباح ہو گیا۔ لیکن اس مال پر غلبہ ہونا اسی وقت ثابت ہوگا کہ پورے طور پر اس شئی کو اپنے قبضہ میں لے کر محفوظ کر لے۔ کیونکہ غلبہ پانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس چیز پر غلبہ پایا جائے اسے اسی وقت بھی اور آخر میں اپنے مصرف میں لانے کا اسے پورا اختیار ہو۔ اور جو چیز کسی دوسرے سبب سے ممنوع ہو مگر جب وہ اس لائق ہو کہ اس کا استعمال بڑے ہی کرامت اور بزرگی کا باعث ہو یعنی اس کے ذریعہ آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہو (پھر بھی اس کا استعمال ممنوع ہو) تو ایسی کسی چیز کے استعمال کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہوگا جو صرف چند دنوں کے لئے ہی ملک میں آئے۔ اس کی توضیح اس طرح سے ہے کہ اللہ تعالیٰ عز وجل نے قرآن پاک میں فرمایا ہے لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ......الایۃ (الحشر: ۸)۔ یعنی یہ مال ان مہاجر فقیروں کے لئے ہے جو اپنے گھر بار اور مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مہاجرین صحابہ کے اموال جو مکہ میں تھے جب وہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو ان کی اس ہجرت کی وجہ سے وہاں کے کافروں نے ان کے مالوں پر غلبہ کر لیا اور ان کے اس غلبہ کی وجہ سے ان صحابہ کی ملکیت سے وہ سب مال نکل گئے۔ جس کے نتیجہ میں وہ فقیر ہو گئے حالانکہ ایسا شخص فقیر نہیں ہوتا ہے جس کے پاس مال ہو اگر چہ فی الحال اس کے قبضہ میں نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مالوں پر کافروں کے غلبہ کر لینے سے ان مسلمانوں کی ملکیت سے ان کے مال نکل گئے۔ اور وہ کفار ان مالوں کے مالک بن گئے۔ اس کے علاوہ مذکورہ بالا آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّافِي الْاَرْضِ...... الخ (البقرۃ: ۲۹) یعنی زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی لئے پیدا کیا ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر چیز سے نفع حاصل کرنا مباح ہے۔ لیکن اگر ایک ہی چیز پر ہزار آدمی اپنا قبضہ کر لیں اور اس سے ایک ہی وقت میں نفع حاصل کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ لہٰذا جو مال شرعی طریقہ سے جس کے قبضہ میں ہو وہ اسی کا مال محترم ہوگا۔ یعنی دوسروں کو اس سے تعرض کرنا حرام ہوگا۔ اور یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے تا کہ مالک کو اس مال سے پورا نفع حاصل کرنے کا موقع ملے۔ پھر جب کافروں نے اس پر غلبہ کر لیا اور مالک کو اس سے نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں رہی تو اصلی حالت کی مانند وہ مال مباح ہو گیا۔ اور بات مسلّم ہے کہ مباح شیء پر قبضہ کر لینے سے ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کا غلبہ اور قبضہ اسی صورت میں پورا ہوگا کہ کفار مال اپنے ملک میں لے جائیں۔ لہٰذا اگر ان کے لئے جانے سے پہلے مسلمانوں نے پھر ان پر غالب ہو کر مال چھین لیا تو یہ مال غنیمت کا نہیں ہوگا بلکہ جس جس سے وہ چھینا گیا ہو اسی کا رہے گا اور اسی کو واپس کر دیا جائے گا۔ اب یہ بات کہ جو کام حرام ہو وہ ملک کا سبب نہیں ہوتا ہے یہاں تک کہ کافروں کا غلبہ بھی ملکیت کا سبب نہیں ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ مان لیا کہ کافروں کا مسلمانوں کے مال پر غلبہ کرنا حرام ہے۔ مگر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال پر غلبہ ہے۔ اور جو چیز کسی

دوسری وجہ سے حرام ہوتی ہے وہ تو ملک کا سبب ہو سکتی ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس میں نفع زیادہ ہو۔ جیسے کسی نے کسی کا گھر غصب کر لیا پھر بھی اس میں نماز پڑھنا نہیں چھوڑے گا کیونکہ فعل غصب اگرچہ حرام ہے لیکن نماز کا ثواب اس سے زیادہ اس کو حاصل ہوگا۔ پس جب غصبی زمین کی نماز ثواب جمیل کی مستحق ہوئی تو دنیاوی ملکیت کا سبب ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔ لہٰذا اگر مسلمان کو اپنی چیز جانے سے آخرت کا ثواب حاصل ہوا تو کفار کو دنیا میں ملک حاصل ہو جانا کچھ بعید نہیں بلکہ قرین قیاس ہے۔

مسلمان دوبارہ انہی چھینے ہوئے مال پر غالب آ گئے تو تقسیم سے قبل پہلے مالکوں کیلئے بغیر کسی عوض کے لینے کا حق ہے

فَاِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُوْنَ فَوَجَدَهَا الْمَالِكُوْنَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَاِنْ وَجَدُوْهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ اَخَذُوْهَا بِالْقِيْمَةِ اِنْ اَحَبُّوْا لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْهِ اِنْ وَّجَدْتَّهٗ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَاِنْ وَّجَدْتَّهٗ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِالْقِيْمَةِ وَلِاَنَّ الْمَالِكَ الْقَدِيْمَ زَالَ مِلْكُهٗ بِغَيْرِ رِضَاهُ فَكَانَ لَهٗ حَقُّ الْاَخْذِ نَظَرًا لَهٗ اِلَّا اَنَّ فِي الْاَخْذِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ ضَرَرًا بِالْمَاخُوْذِ مِنْهُ بِاِزَالَةِ مِلْكِهِ الْخَاصِّ فَيَأْخُذُهٗ بِالْقِيْمَةِ لِيَعْتَدِلَ النَّظَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَالشِّرْكَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عَامَّةٌ فَيَقِلُّ الضَّرَرُ فَيَأْخُذُهٗ بِغَيْرِ قِيْمَةٍ

ترجمہ..... پھر اگر مسلمان ان مالوں پر غالب آ گئے (جو کفار مسلمانوں سے زبردستی لے گئے تھے) اور ان کے مالکوں نے ان کی تقسیم سے پہلے ہی اپنا اپنا مال پالیا تو وہ لوگ کچھ بھی بدلہ دیئے بغیر یعنی مفت میں لے جاسکیں گے۔ اور اگر ان کی تقسیم کے بعد وہ مالکان پہنچے تو اب ان کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ اگر ان کا جی چاہے تو مال کی قیمت دے کر لے لیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے جو اس بارے میں فرمایا ہے کہ اگر تم نے تقسیم سے پہلے اس کو پالیا تو وہ کسی عوض کے بغیر ہی تمہارا ہوگا۔ اس کی روایت بیہقی، دارقطنی، طبرانی اور طحاوی نے ضعیف سندوں سے کی ہے۔ اور ابوداؤد نے جید سند سے مرسلاً اس کی روایت کی ہے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ اس مال کے پرانے مالک کی ملکیت اس کی رضامندی کے بغیر کفار کے غلبہ سے ناحق ختم ہوئی ہے۔ تو اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے اس مالک کو لینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن مال کی تقسیم ہو جانے کے بعد لے لینے سے جس غازی کے حصہ سے لیا جائے گا اس کا زبردست نقصان ہوگا کیونکہ تقسیم کے بعد وہ مال خاص اسی غازی کا حصہ بن چکا ہے۔ اسی لئے اگر اپنا مال واپس لینا ہی چاہتا ہے تو قیمت دے کر لینے کی اسے اجازت ہوگی تاکہ دونوں شخصوں (پرانے اور نئے مالکان) کے لحاظ میں انصاف رہ جائے۔ اور مال تقسیم ہونے سے پہلے اس مال میں تمام غازیوں کا مشترک حصہ ہوتا ہے۔ اس لئے سبھوں کا صرف تھوڑا تھوڑا سا نقصان ہوگا۔ اسی لئے بغیر قیمت کے لے سکتا ہے۔

اگر تاجر دارالحرب میں گیا اور وہی مال خرید کر لے آیا تو سابقہ مالک تاجر سے اتنے میں خرید لیں جتنے میں اس نے خریدا

وَاِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرٰى ذَالِكَ وَاَخْرَجَهٗ اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْاَوَّلُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِالثَّمَنِ الَّذِي اشْتَرَاهُ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهٗ لِاَنَّهٗ يَتَضَرَّرُ بِالْاَخْذِ مَجَّانًا اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ قَدْ دَفَعَ الْعِوَضَ بِمُقَابَلَتِهٖ فَكَانَ اعْتِدَالُ النَّظَرِ فِيْمَا قُلْنَاهُ وَلَوِ اشْتَرَاهُ بِعَرْضٍ يَأْخُذُ بِقِيْمَةِ الْعَرْضِ وَلَوْ وَهَبُوْهُ لِمُسْلِمٍ يَأْخُذُهٗ بِقِيْمَتِهٖ لِاَنَّهٗ ثَبَتَ لَهٗ مِلْكٌ خَاصٌّ فَلَا يَزَالُ اِلَّا بِالْقِيْمَةِ وَلَوْ كَانَ مَغْنُوْمًا وَهُوَ مِثْلِيٌّ يَّاْخُذُهٗ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَلَا يَاْخُذُهٗ بَعْدَهَا لِاَنَّ

اَلْاَخْذَ بِالْمِثْلِ غَیْرُ مُفِیْدٍ وَ کَذَا اِذَا کَانَ مَوْهُوْبًا لَا یَأْخُذُهٗ لِمَا بَیَّنَّا وَ کَذَا اِذَا کَانَ مُشْتَرًی بِمِثْلِهٖ قَدْرًا وَّ وَصْفًا

ترجمہ......اور اگر کسی مسلمان تاجر نے دار الحرب میں جا کر اس مال کو مزید لیا جس کو دار الحرب کے لوگ مسلمانوں سے چھین اور لوٹ کر لے گئے تھے تو اس کے پرانے مالک کو اب بھی یہ اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو اتنی قیمت دے کر لے لے۔ جتنی میں اس نے وہ چیز خریدی تھی۔ اور اگر چاہے تو اس شخص کے پاس رہنے دے۔ کیونکہ بغیر قیمت (مفت میں) لینے سے تاجر کا نقصان ہوگا۔ کیونکہ یقیناً اس نے عوض دے کر ہی خریدا ہے اس لئے انصاف کا انتہائی تقاضا یہی ہے کہ خریدی ہوئی قیمت پر چاہے تو خرید لے اور اگر اس تاجر نے اس مال کو کسی سامان یا مال کے عوض خریدا ہو (نقد دے کر نہیں) تو بھی پہلے مالک کو اختیار ہوگا کہ اسی سامان واسباب کی قیمت دے کر خرید دے اور اگر حربیوں نے وہ مال اسے فروخت نہیں کیا ہو بلکہ تعلقات کی بناء پر یوں ہی ہبہ کر دیا ہو تو بھی مالک اول کو اختیار ہوگا کہ فی الحال قیمت طے کر کے قیمت دے کر خرید لے۔ کیونکہ اس دوسرے مالک مسلمان کو اس مال پر خاص ملکیت حاصل ہو چکی ہے تو مفت میں اس کی ملکیت ختم نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی قیمت دینی ہوگی اور اگر مسلمانوں نے اس مال کو دوسرے مالوں کے ساتھ بطور غنیمت حاصل کیا ہو اور وہ مال مثل ہو (جیسے سونا، چاندی اور گیہوں وغیرہ) تو مالک اول اس مال کو غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی کہہ کر مفت میں لے لے لیکن تقسیم کے بعد نہیں لے سکتا ہے کیونکہ (مثلی چیز ہونے کی وجہ سے عوض بھی مثل ہی دینی ہوگی جس سے) اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اگر اس مسلمان تاجر نے اس مثل کے عوض اس کی مثل چیز جو مقدار اور وصف میں اس کے برابر ہو خریدی ہو تو بھی پہلا مالک اسے نہیں لے سکتا ہے۔

کفار کسی مسلمان کے غلام کو گرفتار کر کے لے گئے اور اسے دوسرا مسلمان خرید کر دار الاسلام لے آیا اور کسی نے اس کی آنکھ پھوڑ دی اس کی دیت وصول کر لی گئی پہلے مالک کیلئے خریدنے کا حکم

قَالَ فَاِنْ اَسَرُوْا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَّاَخْرَجَهٗ اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ فَفُقِئَتْ عَیْنُهٗ وَاَخَذَ اَرْشَهَا فَاِنَّ الْمَوْلٰی یَأْخُذُهٗ بِالثَّمَنِ الَّذِیْ اُخِذَ بِهٖ مِنَ الْعَدُوِّ اَمَّا الْاَخْذُ بِالثَّمَنِ فَلِمَا قُلْنَا وَلَا یَأْخُذُ الْاَرْشَ لِاَنَّ الْمِلْكَ فِیْهِ صَحِیْحٌ فَلَوْ اَخَذَهٗ اَخَذَهٗ بِمِثْلِهٖ وَهُوَ لَا یُفِیْدُ وَلَا یُحَطُّ شَیْءٌ مِنَ الثَّمَنِ لِاَنَّ الْاَوْصَافَ لَا یُقَابِلُهَا شَیْءٌ مِّنَ الثَّمَنِ بِخِلَافِ الشُّفْعَةِ لِاَنَّ الصَّفْقَةَ لَمَّا تَحَوَّلَتْ اِلَی الشَّفِیْعِ صَارَ الْمُشْتَرٰی فِیْ یَدِ الْمُشْتَرِیْ بِمَنْزِلَةِ الْمُشْتَرٰی شِرَاءً فَاسِدًا وَالْاَوْصَافُ تُضْمَنُ فِیْهِ کَمَا فِی الْغَصْبِ اَمَّا هٰهُنَا الْمِلْكُ صَحِیْحٌ فَافْتَرَقَا

ترجمہ......امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر کفار نے کسی مسلم کے غلام کو گفتار کر لیا اور اس سے دوسرے شخص نے خرید لیا اور اسے لے کر دار الاسلام آ گیا یہاں پہنچ کر اس غلام کی آنکھ کسی نے پھوڑ دی اس بناء پر اس خریدار نے اس مجرم سے اس کی آنکھ کی دیت (تاوان) وصول کر لی۔ اب اگر اس کا اصل (پہلا) مالک اس غلام کو لینا چاہتا ہو تو اسی قیمت پر واپس لے گا جس قیمت پر اس نے دشمن سے خریدا تھا۔ یہ پہلا اور اصل مالک اس غلام کی قیمت اس لئے دے گا کہ مفت میں لینے سے دوسرے مالک (خریدار) کا نقصان لازم آئے گا لیکن اس نے غلام کی آنکھ کے نقصان کے عوض جو کچھ پایا ہے اس کا مطالبہ وہ پہلا شخص (مالک) نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ جس وقت اس کی آنکھ پھوڑی گئی تھی اس وقت اس غلام پر اس خریدار کی ملکیت صحیح تھی (یعنی اس نے اپنے مملوک اور جائز غلام سے یہ نفع حاصل کیا ہے) اب اگر پہلا مالک اس خریدار سے اس دیت کو بھی لینا چاہتا ہو تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ دوسرے مالک یعنی مشتری کو اس غلام کی اصل قیمت کے ساتھ اس کا جرمانہ بھی ادا کر دے۔ لیکن ایسا کرنے سے اس کا کوئی مالی فائدہ بھی نہ ہوگا (کہ جتنا وصول کرے گا اتنا ہی اسے ادا بھی کرنا ہوگا)۔ اب یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ اس غلام کی آنکھ ضائع ہو

جانے سے اس میں جو کچھ کمی ہوئی ہے وہ اصل قیمت سے کم نہیں ہوگی۔ پھر واضح ہو کہ آنکھ پھوٹنے کی وجہ سے اس غلام کی قیمت ادا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اوصاف کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے اور یہ صورت شفعہ (فقہاء کے نزدیک زمین یا مکان میں ہمسائیگی یا شرکت کی وجہ سے خریداری کا حق۔ تفصیل، کتاب الشفقہ میں آئے گی)۔ سے خلاف ہے اس لئے کہ صفقہ (ہاتھ کی تھپکی لگانا، فروخت میں ہاتھ پر ہاتھ مار کر معاملہ کو یقینی بنانا، عقد بیع، مزید تفصیل کتاب البیع میں آئے گی۔ انوار الحق قاسمی ۹۴۔۱۱ع)۔ بدل کر جب شفیع کے پاس گیا تو مشتری کے پاس وہ خریدی ہوئی چیز خرید فاسد کے حکم میں ہوگئی۔ حالانکہ خرید فاسد میں اوصاف کی ضمان واجب ہوتی ہے۔ جیسے غصب میں واجب ہوا کرتی ہے (کیونکہ ملکیت مکمل نہیں ہے) اور یہاں جاری مسئلہ میں وہ ملکیت صحیح ہے۔ اس لئے ان صورتوں میں فرق ہوگیا۔

کفار نے کسی مسلمان کے غلام کو قید کیا پھر دوسرے مسلمان نے اسے خرید لیا پھر دوبارہ اسے گرفتار کرلیا گیا اور دوبارہ خریدا گیا مالک اول کیلئے واپس لینے کا حکم

وَ اِنْ اَسَرُوْا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ فَاَسَرُوْهُ ثَانِيَةً وَاَدْخَلُوْهُ دَارَ الْحَرْبِ فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ اٰخَرُ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ لِلْمَوْلَى الْاَوَّلِ اَنْ يَّاْخُذَهُ مِنَ الثَّانِيْ بِالثَّمَنِ لِاَنَّ الْاَسْرَ مَا وَرَدَ عَلٰى مِلْكِهٖ وَلِلْمُشْتَرِى الْاَوَّلِ اَنْ يَّاْخُذَ مِنَ الثَّانِيْ بِالثَّمَنِ لِاَنَّ الْاَسْرَ وَرَدَ عَلٰى مِلْكِهٖ ثُمَّ يَاْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيْمُ بِاَلْفَيْنِ اِنْ شَاءَ لِاَنَّهٗ قَامَ عَلَيْهِ بِالثَّمَنَيْنِ فَيَاْخُذُهٗ بِهِمَا وَ كَذَا اِذَا كَانَ الْمَاسُوْرُ مِنْهُ الثَّانِيْ غَائِبًا لَيْسَ لِلْاَوَّلِ اَنْ يَّاْخُذَهٗ اعْتِبَارًا بِحَالِ حَضْرَتِهٖ

ترجمہ...... اگر کافروں نے کسی مسلمان کے غلام کو قید کیا۔ پھر اس غلام کو کسی مسلمان نے ہزار روپے دے کر خرید لیا۔ اور دار الاسلام لے آیا۔ پھر کافروں نے دوبارہ اس غلام کو قید کرلیا اور وہ اسے دار الحرب لے کر چلے گئے۔ پھر کسی دوسرے مسلمان نے اس کو ایک ہزار روپے میں خرید لیا تو پرانے اور اصلی مولیٰ کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اس دوسرے خریدار سے اس غلام کی قیمت دے کر خرید لے کیونکہ وہ غلام اس کی ملکیت میں قید نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ پہلے خریدار کو یہ اختیار ہے کہ اس دوسرے خریدار سے اس کی قیمت دے کر غلام کو خرید لے کیونکہ اس پہلے خریدار کی ملکیت میں رہتے ہوئے وہ قید کیا گیا ہے۔ پھر اصل مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ اگر چاہے اس پہلے خریدار سے دو ہزار سے خرید لے کیونکہ پہلے خریدار نے اس غلام کو دوبار ایک ایک ہزار دے کر مجموعہ دو ہزار میں خریدا ہے۔ الحاصل اگر پہلا مالک پسند کرتا ہو تو دو ہزار دے کر خرید لے ورنہ نہیں اور اگر پہلا خریدار اس وقت موجود نہ ہو کہیں اور چلا گیا ہو تو اس پہلے مالک کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دوسرے خریدار وغیرہ سے لے۔ جیسے کہ پہلے خریدار کی موجودگی میں دوسرے خریدار سے نہیں لے سکتا ہے۔

اہل الحرب ہم پر غالب آجائیں تو ہمارے مدبر امہات الولد، مکاتب اور آزاد کے مالک نہیں بنیں گے

وَ لَا يَمْلِكُ عَلَيْنَا اَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِيْنَا وَاُمَّهَاتِ اَوْلَادِنَا وَمُكَاتَبِيْنَا وَاَحْرَارَنَا وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيْعَ ذٰلِكَ لِاَنَّ السَّبَبَ اِنَّمَا يُفِيْدُ الْمِلْكَ فِىْ مَحَلِّهٖ وَالْمَحَلُّ الْمَالُ الْمُبَاحُ وَالْحُرُّ مَعْصُوْمٌ بِنَفْسِهٖ وَكَذَا مَنْ سِوَاهُ لِاَنَّهٗ تَثْبُتُ الْحُرِّيَّةُ فِيْهِ مِنْ وَجْهٍ بِخِلَافِ رِقَابِهِمْ لِاَنَّ الشَّرْعَ اَسْقَطَ عِصْمَتَهُمْ جَزَاءً عَلٰى جِنَايَتِهِمْ وَجَعَلَهُمْ اَرِقَّاءَ وَلَا جِنَايَةَ مِنْ هٰؤُلَاءِ

ترجمہ...... کفار ہم پر غلبہ کر کے ہمارے مدبر اور ام ولد و مکاتب اور آزاد لوگوں کے مالک نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور ہم ان پر غالب ہو کر ان کے مدبر وغیرہ سب کے مالک ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سبب ملکیت کا (غالب ہو کر قابض ہو جانا) اسی وقت فائدہ دیتا ہے جبکہ اس کا محل بھی ہو (یعنی غیر محل پر قبضہ سے فائدہ نہیں ہوتا ہے) جبکہ اس کا محل مال مباح ہے۔ اور آزاد شخص خود ہی محترم اور معصوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے ماسوا ام ولد مدبر و مکاتب بھی معصوم ہیں کیونکہ ان میں ایک وجہ سے یا ایک حد تک آزادی ثابت ہو چکی ہے۔ بخلاف رقبۂ کفار کے کیونکہ ان کے کفر کی سزا میں شریعت نے ان کی عظمت اور عصمت ختم کر کے ان کو رقیق (غلام) بنا دیا ہے۔ اور ہمارے مومنین کا ایسا کوئی جرم نہیں ہے کہ ان کو بھی رقیق بنایا جا سکے۔

کسی مسلمان کا مسلمان غلام دار الحرب میں بھاگ گیا اور انہوں نے پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک بنیں گے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَ اِذَا اَبَقَ عَبْدٌ مُسْلِمٌ لِمُسْلِمٍ فَدَخَلَ اِلَيْهِمْ فَاَخَذُوْهُ لَمْ يَمْلِكُوْهُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا يَمْلِكُوْنَهٗ لِاَنَّ الْعِصْمَةَ لِحَقِّ الْمَالِكِ لِقِيَامِ يَدِهٖ وَقَدْ زَالَتْ وَلِهٰذَا لَوْ اَخَذُوْهُ مِنْ دَارِ الْاِسْلَامِ مَلَكُوْهُ وَلَهٗ اَنَّهٗ ظَهَرَتْ يَدُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْخُرُوْجِ مِنْ دَارِنَا لِاَنَّ سُقُوْطَ اعْتِبَارِهَا لِتَحَقُّقِ يَدِ الْمَوْلٰى عَلَيْهِ تَمْكِيْنًا لَهٗ مِنَ الْاِنْتِفَاعِ وَقَدْ زَالَتْ يَدُ الْمَوْلٰى فَظَهَرَتْ يَدُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَصَارَ مَعْصُوْمًا بِنَفْسِهٖ فَلَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلْمِلْكِ بِخِلَافِ الْمُتَرَدِّدِ لِاَنَّ يَدَ الْمَوْلٰى بَاقِيَةٌ لِقِيَامِ يَدِ اَهْلِ الدَّارِ فَمَنَعَ ظُهُوْرَ يَدِهٖ وَاِذَا لَمْ يَثْبُتِ الْمِلْكُ لَهُمْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيْمُ بِغَيْرِ شَیْءٍ مَوْهُوْبًا كَانَ اَوْ مُشْتَرًى اَوْ مَغْنُوْمًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ يُؤَدِّیْ عِوَضَهٗ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِاَنَّهٗ لَا يُمْكِنُ اِعَادَةُ الْقِسْمَةِ لِتَفَرُّقِ الْغَانِمِيْنَ وَتَعَذُّرِ اجْتِمَاعِهِمْ وَلَيْسَ لَهٗ عَلَى الْمَالِكِ جُعْلُ الْاٰبِقِ لِاَنَّهٗ عَامِلٌ لِنَفْسِهٖ اِذْ فِیْ زَعْمِهٖ اَنَّهٗ مَلَكَهٗ

ترجمہ...... اگر کسی مسلمان کا کوئی مسلمان غلام بھاگ کر دار الحرب میں داخل ہوا اور اسے کافروں نے پکڑ لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ وہ اس کے بھی مالک ہو جائیں گے۔ کیونکہ غلام معصوم ہوتا ہے کہ اس کے مالک کا اس پر قبضہ ہوتا ہے تو اپنے مالک کے حق کی وجہ سے وہ معصوم ہوا کیونکہ مالک کا قبضہ اس پر قائم ہوتا ہے۔ حالانکہ گرفتار کر کے لے جانے کی موجودہ صورت میں مالک کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔ اسی لئے اگر وہ لوگ دار الاسلام سے بھی غلام کو پکڑ کر لے جائیں جب بھی وہ اس کے مالک ہو جائیں گے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دار الاسلام سے اس غلام کے نکل جانے کی وجہ سے غلام کو اس کا (چھینا ہوا) اپنا ذاتی اختیار حاصل ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس کا ذاتی اختیار اس سبب سے ساقط ہوا تھا کہ اس پر اس کے مولی کا حق ثابت اور متحقق تھا۔ تاکہ اس کا مولی اس سے پورا نفع حاصل کر سکے۔ مگر موجودہ صورت میں مولی کا حق اس سے ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا غلام کا اپنا ذاتی اختیار ظاہر ہو گیا یعنی اپنی ذات میں وہ معصوم اور محترم ہو گیا۔ اس لئے وہ کسی مملوک بننے کا محل باقی نہیں رہا۔ برخلاف اس غلام کے جو دار الاسلام میں بھی مارا مارا پھرتا ہو تو وہ اب خود مختار نہ ہو گا۔ کیونکہ مولی کا قبضہ اس پر باقی ہے۔ اس لئے کہ دار الاسلام والوں کا اس پر قبضہ موجود ہے جس نے غلام کے اختیار کو ظاہر ہونے سے روک دیا ہے۔ پھر جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس غلام پر کافروں کی ملکیت ثابت نہ ہو سکی تو اس کا پرانا مالک ہر صورت میں اس غلام کو مفت میں لے لے گا۔ یعنی خواہ کافروں سے اس کو کوئی ہبہ اور ہدیہ کے طور پر یا خرید کر یا غنیمت میں تقسیم کے پہلے ہو یا تقسیم کی بعد ہو۔ مفت ہی لے گا۔ مگر جس کے حصہ سے لیا ہے اسے اس کا عوض بیت المال سے دیا جائے گا۔ کیونکہ پوری تقسیم از سر نو دہرانا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے غازیوں کا اکٹھا اور جمع ہونا اب مشکل ہو گا عموماً سب منتشر ہو جایا کرتے ہیں۔ اور جو شخص اس غلام کو دار الحرب سے پکڑ کر لایا ہے وہ اپنا حق اس غلام کے پرانے مالک پر نہیں جتائے گا کیونکہ حقیقت میں اس نے یہ کام تو صرف اپنی ذات کے لئے کیا تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنی سمجھ میں اسے اپنا مملوک ہی سمجھ رہا تھا اور اگر

کسی ذمی کا غلام اس طرح بھاگے تو بھی یہی حکم ہوگا۔

مسلمانوں کا کوئی جانور بدک کر چلا جائے اور وہ اسے پکڑ لیں تو جانور کے مالک بن جائیں گے

وَ اِنْ نَدَّ بِعِيْرٌ اِلَيْهِمْ فَأَخَذُوْهُ مَلَكُوْهُ لِتَحَقُّقِ الْاِسْتِيْلَاءِ اِذْ لَا يَدَ لِلْعَجْمَاءِ لِتَظْهَرَ عِنْدَ الْخُرُوْجِ مِنْ دَارِنَا بِخِلَافِ الْعَبْدِ عَلٰى مَاذَكَرْنَا وَاِنِ اشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَاَدْخَلَهُ دَارَالْاِسْلَامِ فَصَاحِبُهُ يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ اِنْ شَاءَ لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ...... اگر ہمارا کوئی اونٹ (جانور) بدک کر کافروں کے ہاں چلا جائے۔ اور وہ اسے پکڑ کر رکھ لیں تو وہ کفار اس جانور کے مالک ہو جائیں گے کیونکہ مباح مال پر ان کا غلبہ پایا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان جانوروں کا ذاتی کوئی اختیار نہیں ہے جو ہماری ملکیت سے نکلنے کے وقت ظاہر ہو جائے۔ بخلاف غلام کے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اور اگر اس جانور کو حربیوں سے خرید کر کوئی دارالاسلام لے آیا تو اس کا پرانا اور اصل مالک اگر اسے واپس لینا چاہے تو اس کی وہ قیمت اس خریدار کو ادا کر کے لے جو اس نے ادا کی تھی۔ کیونکہ بلا قیمت اور مفت میں لینے سے خرید کر لانے والے کا سراسر نقصان ہے۔

غلام اپنے ساز و سامان لے کر حربیوں کی طرف بھاگ گیا حربیوں نے گرفتار کیا اور ایک مسلمان غلام کو بمع سامان خرید کر لے آیا مولیٰ غلام کو بغیر کسی عوض کے لے لے اور گھوڑے اور سامان کو ثمن کے بدلے خرید لے

فَاِنْ اَبَقَ عَبْدٌ اِلَيْهِمْ وَذَهَبَ مَعَهُ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَاَخَذَ الْمُشْرِكُوْنَ ذَالِكَ كُلَّهُ وَاشْتَرٰى رَجُلٌ ذَالِكَ كُلَّهُ وَاَخْرَجَهُ اِلٰى دَارِالْاِسْلَامِ فَاِنَّ الْمَوْلٰى يَأْخُذُ الْعَبْدَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَالْفَرَسَ وَالْمَتَاعَ بِالثَّمَنِ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا يَأْخُذُ الْعَبْدَ وَمَامَعَهُ بِالثَّمَنِ اِنْ شَاءَ اعْتِبَارَ الْحَالَةِ الْاِجْتِمَاعِ بِحَالَةِ الْاِنْفِرَادِ وَقَدْبَيَّنَّا الْحُكْمَ فِيْ كُلِّ فَرْدٍ

ترجمہ...... اور اگر ہمارا کوئی غلام اپنے ساتھ گھوڑا اور کچھ اسباب بھی لے کر ان مشرکوں کے پاس پہنچا اور ان لوگوں نے اس غلام کو اس کے جانور اور سامان کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ پھر کسی مسلمان نے ان تمام چیزوں غلام، جانور اور سامان کو ایک ساتھ خرید لیا اور دارالاسلام لے آیا۔ تو اس صورت میں اس کا پرانا مالک غلام کو تو مفت میں یعنی کسی قیمت کی ادائیگی کے بغیر واپس لے لے گا۔ البتہ اس گھوڑے اور اس کے سامان کو ان کی قیمت دے کر لے سکتا ہے۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ اگر چاہے تو گھوڑے اور سامان کے ساتھ غلام کو بھی ان کی قیمت ادا کر کے واپس لے سکتا ہے۔ یہ حکم دراصل ان چیزوں کو ایک ساتھ کر کی ایک ایک چیز پر قیاس ہے۔ جبکہ ہم نے پہلے ہی ایک ایک مسئلہ کا حکم بیان کر دیا ہے۔ (یعنی تنہا غلام کے بھاگنے میں یہی حکم ہے تو گھوڑا اور اسباب کے ساتھ بھاگنے کا بھی یہی حکم ہے۔)

حربی امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہوا اور مسلمان غلام کو خرید کر دارالحرب لے گیا وہ غلام آزاد ہوگا یا نہیں، اقوال فقہاء

وَاِذَادَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَابِأَمَانٍ وَاشْتَرٰى عَبْدًامُسْلِمًا وَاَدْخَلَهُ دَارَالْحَرْبِ عَتَقَ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يَعْتِقُ لِاَنَّ الْاِزَالَةَ كَانَتْ مُسْتَحَقَّةً بِطَرِيْقٍ مُعَيَّنٍ وَهُوَ الْبَيْعُ وَقَدِانْقَطَعَتْ وِلَايَةُ الْجَبْرِ عَلَيْهِ فَبَقِيَ فِيْ يَدِهِ عَبْدًا وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ

اَنَّ تَخْلِيْصَ الْمُسْلِمِ عَنْ ذُلِّ الْكَافِرِ وَاجِبٌ فَيُقَامُ الشَّرْطُ وَهُوَ تَبَايُنُ الدَّارَيْنِ مَقَامَ الْعِلَّةِ وَهُوَ الْاِعْتَاقُ تَخْلِيْصًا لَهُ كَمَا يُقَامُ مُضِيُّ ثَلٰثِ حِيَضٍ مَقَامَ التَّفْرِيْقِ فِيْمَا اِذَا اَسْلَمَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ

ترجمہ...... اور اگر کوئی حربی اجازت اور امان لے کر ہمارے دارالاسلام میں آیا اور وہ یہاں سے کسی مسلمان یا ذمی غلام کو خرید کر اپنے ساتھ دارالحرب لے گیا۔ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ غلام وہاں جاتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے کہ وہ آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ حربی کافر کی ملکیت کو ایک خاص طور پر یعنی بطور بیع کے دور کرنا واجب تھا (۔یعنی اس حربی کافر کو اس بات پر مجبور کیا جاتا کہ مسلمان غلام کو وہ فروخت کردے۔ پھر اگر وہ انکار کرتا تو قاضی جبراً اس غلام کو فروخت کر کے اس کی قیمت اس حربی کو دے دیتا) لیکن موجودہ صورت میں اس حربی پر جبر کرنے کا اختیار باقی نہ رہا۔ اس لئے یہ علام اس کے پاس غلام ہی کے حکم میں رہ گیا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مسلمان کو کافر کی غلامی کی ذلت سے نکالنا واجب ہے۔ اس لئے شرط یعنی دونوں ملکوں کی جدائی کو علت کے قائم مقام قرار دیا جائے گا۔ یعنی آزاد کرنا۔ تاکہ وہ غلام اپنی ذات کی زندگی سے چھوٹ جائے۔ جیسے اس صورت میں کہ عورت یا اس کا شوہر دارالحرب میں مسلمان ہو گیا تو تین حیض گزر جانے کو ہی طلاق دینے کے قائم مقام کر دیا جائے گا (تاکہ مسلمان بیوی اپنے کافر شوہر یا مسلمان شوہر اپنی کافرہ بیوی کے ساتھ ناپاکی کی زندگی سے نجات پالے)۔

حربی کا غلام مسلمان ہو گیا پھر دارالاسلام آ گیا تو وہ آزاد ہے

وَ اِذَا اَسْلَمَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ ثُمَّ خَرَجَ اِلَيْنَا اَوْظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَهُوَ حُرٌّ وَكَذَالِكَ اِذَاخَرَجَ عَبِيْدُهُمْ اِلٰى عَسْكَرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَهُمْ اَحْرَارٌ لِمَارُوِيَ اَنَّ عَبِيْدًامِنْ عَبِيْدِالطَّائِفِ اَسْلَمُوْا وَخَرَجُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَضٰى بِعِتْقِهِمْ وَقَالَ هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ وَلِاَنَّهُ اَحْرَزَ نَفْسَهُ بِالْخُرُوْجِ اِلَيْنَا مُرَاغِمًا لِمَوْلَاهُ اَوْبِالْاِلْتِحَاقِ بِمَنْعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ اِذَاظُهِرَ عَلَى الدَّارِ وَاعْتِبَارُ يَدِهِ اَوْلٰى مِنَ اعْتِبَارِ يَدِ الْمُسْلِمِيْنَ لِاَنَّهَا اَسْبَقُ ثُبُوْتًا عَلٰى نَفْسِهِ فَالْحَاجَةُ فِيْ حَقِّهِ اِلٰى زِيَادَةِ تَوْكِيْدٍ وَفِيْ حَقِّهِمْ اِلٰى اِثْبَاتِ الْيَدِابْتِدَاءً فَكَانَ اَوْلٰى

ترجمہ...... اور اگر کافر حربی کا غلام مسلمان ہو کر ہمارے پاس دارالاسلام میں پہنچ گیا یا وہ وہیں تھا کہ مسلمانوں نے دارالحرب پر غلبہ پالیا تو وہ آزاد مانا جائے گا۔ اسی طرح اگر حربیوں کے غلام ان کے پاس سے نکل کر مسلمانوں کے لشکر میں آ گئے تو وہ سب آزاد ہو جائیں گے۔ اس روایت کی وجہ سے کہ اہل طائف کے کئی غلام نکل کر رسول اللہ ؐ کے لشکر میں آ گئے تھے تو رسول اللہ ؐ نے ان سب کی آزادی کا حکم دے دیا تھا۔ یہ فرماتے ہوئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے آزاد کئے ہوئے ہیں۔ اس کی روایت احمد و ابن ابی شیبہ والبیہقی اور طبرانی نے کی ہے اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روایت مرسلاً کی ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ اس مسلمان غلام نے اپنے مولیٰ کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ کر خود کو محفوظ کر لیا یا جب دارالحرب پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو مسلمانوں کے لشکر سے مل کر محفوظ ہو گیا اور اس کا اس کی اپنی ذات پر اپنے قبضہ کا اعتبار کرنا اس بات کے مقابلہ میں زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ثابت کیا جائے کیونکہ اس کا اپنی ذات پر قبضہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اور اس قبضہ کو صرف زیادہ مضبوط ہونے کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کے قبضہ کو تسلیم کرنے سے اس کی ضرورت ہو جائے گی کہ کب سے ان کا اس پر قبضہ ثابت ہے۔ لہٰذا غلام کا اپنا ذاتی قبضہ ہی دوسروں کی بہ نسبت اولیٰ ہوا۔

بَـــابُ الْـمُسْتَـامِنِ

ترجمہ...... باب، مستامن کے بیان میں

مسلمان تاجر دار الحرب میں امان لے کر داخل ہو جائے اس کیلئے ان کے اموال کے ساتھ تعرض کا حکم

وَ اِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَايَحِلُّ لَهُ اَنْ يَّتَعَرَّضَ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلَامِنْ دِمَائِهِمْ لِاَنَّهُ ضَمِنَ اَنْ لَّايَتَعَرَّضَ لَهُمْ بِالْاِسْتِيْمَانِ فَالتَّعَرُّضُ بَعْدَ ذَالِكَ يَكُوْنُ غَدْرًا وَالْغَدْرُ حَرَامٌ اِلَّا اِذَا غَدَرَ بِهِمْ مَلِكُهُمْ فَأَخَذَ اَمْوَالَهُمْ اَوْحَبَسَهُمْ اَوْفَعَلَ غَيْرُهُ بِعِلْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ لِاَنَّهُمْ هُمُ الَّذِيْنَ نَقَضُوا الْعَهْدَ بِخِلَافِ الْاَسِيْرِ لِاَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَأْمِنٍ فَيُبَاحُ لَهُ التَّعَرُّضُ وَاِنْ اَطْلَقُوْهُ طَوْعًا

ترجمہ...... امن چاہنے والا خواہ کفار میں سے ہو یا مسلمانوں میں سے ہو۔ مستامن وہ شخص ہے جو امان لے کر آیا ہو۔ پس اگر حربیوں میں سے کوئی شخص امان لے کر ہمارے یہاں آیا یا ہمارے یہاں سے کوئی تاجر امان لے کر حربیوں کے یہاں گیا تو وہ مستامن کہلائے گا۔ اور اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ اس ملک میں داخل ہو کر کسی طرح سے غدر کرے یا کسی کے ساتھ خیانت کرے۔

و اذا دخل الخ اگر کوئی مسلمان امان لے کر تجارت کی نیت سے دار الحرب پہنچا تو وہ کافروں کے مالوں یا ان کی جانوں سے کچھ تعرض نہ کرے کہ اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے امان لے کر یہ عہد کر لیا ہے کہ میں کافروں سے کچھ تعرض (اور چھیڑ چھاڑ) نہیں کروں گا۔ اس لئے اس کے بعد ان سے تعرض کرنا غدر ہے اور بالاجماع غداری کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر مسلمان تاجر کے ساتھ ان کفار کا بادشاہ غدر کرے کہ اس کا مال چھین لے یا اس کو قید کرے یا اس بادشاہ کے علم میں ہوتے ہوئے بھی وہاں کے کفار کسی طرح تنگ کریں اور بادشاہ اس کی حفاظت اور ان سے روک پیدا نہ کرے تب اس مسلمان پر بھی اپنے عہد پر قائم رہنا ضروری نہیں رہا کہ یہ عہد ہی ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ کافروں نے خود ہی اپنا عہد توڑ دیا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کفار کسی مسلمان کو قید کر کے لے جائیں تو وہ جو مناسب سمجھے اپنے لئے کرے کیونکہ اس نے امان کا عہد نامہ ان سے نہیں لیا ہے۔ اس لئے اسے ہر طرح ان سے تعرض کرنا مباح ہوگا۔ اگرچہ کافروں نے اپنی خوشی سے ہی اسے رہا بھی کر دیا ہو۔

مسلمان تاجر ممانعت کے باوجود غدر کر کے کوئی چیز دار الاسلام لے کر آ جائے تو وہ اس کا مالک ہوگا یا نہیں؟

فَاِنْ غَدَرَ بِهِمْ اَعْنِي التَّاجِرَ فَأَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهٖ مَلَكَهٗ مِلْكًا مَحْظُوْرًا لِوُرُوْدِ الْاِسْتِيْلَاءِ عَلٰى مَالٍ مُبَاحٍ اِلَّا اَنَّهٗ حَصَلَ بِسَبَبِ الْغَدْرِ فَأَوْجَبَ ذَالِكَ خُبْثًا فِيْهِ فَيُؤْمَرُ بِالتَّصَدُّقِ بِهٖ وَهٰذَا لِاَنَّ الْحَظْرَ لِغَيْرِهٖ لَايَمْنَعُ انْعِقَادَ السَّبَبِ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ

ترجمہ...... فَاِنْ غَدَرَ بِهِمْ الخ اور اگر مسلمان تاجر ممانعت کے باوجود کافروں کے ساتھ اپنی طرف سے غدر کر کے ان کی کوئی چیز لے لے اور وہاں سے نکال کر دار الاسلام آ جائے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا مگر ایسی ملکیت ممنوع سمجھی جائے گی۔ اس لئے کہ اگرچہ مباح مال پر اس نے قبضہ کیا اور

اس کی ملکیت ہوئی لیکن اس کے حاصل کرتے ہوئے اس نے ان کے ساتھ فعل حرام یعنی غداری کی ہے۔ اس طرح اس نے اس مال میں ایک خبث اور خرابی پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا اس مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس لئے کہ کسی خارجی وجہ سے حرمت کا آجانا سبب پیدا ہو جانے کو منع نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم باب استیلاء الکفار کے شروع ہی میں بیان کر چکے ہیں۔

مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا اور کسی نے اسے مال بطور قرض دیا یا اس نے بطور قرض دیا یا مسلمان نے یا حربی نے ایک دوسرے کا مال غصب کیا پھر وہ مسلمان دارالاسلام سے نکل آیا اور وہ حربی بھی دارالاسلام امان لے کر آگیا ایک دوسرے کو مال واپس کریں گے یا نہیں

وَ اِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَالْحَرْبِ بِاَمَانٍ فَأَدَانَهٗ حَرْبِيٌّ اَوْ اَدَانَ هُوَ حَرْبِيًّا اَوْ غَصَبَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ ثُمَّ خَرَجَ اِلَيْنَا وَاسْتَأْمَنَ الْحَرْبِيُّ لَمْ يُقْضَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى صَاحِبِهٖ بِشَيْءٍ اَمَّا الْاِدَانَةُ فَلِاَنَّ الْقَضَاءَ يَعْتَمِدُ الْوِلَايَةَ وَلَا وِلَايَةَ وَقْتَ الْاِدَانَةِ اَصْلًا وَ لَا وَقْتَ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُسْتَأْمِنِ لِاَنَّهٗ مَا الْتَزَمَ حُكْمَ الْاِسْلَامِ فِيْمَا مَضٰى مِنْ اَفْعَالِهٖ وَ اِنَّمَا الْتَزَمَ ذٰلِكَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ وَ اَمَّا الْغَصْبُ فَلِاَنَّهٗ صَارَ مِلْكًا لِلَّذِيْ غَصَبَهٗ وَاسْتَوْلٰى عَلَيْهِ لِمُصَادَفَتِهٖ مَالًا غَيْرَ مَعْصُوْمٍ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ وَ كَذٰلِكَ لَوْ كَانَ حَرْبِيَّيْنِ فَعَلَا ذٰلِكَ ثُمَّ خَرَجَا مُسْتَأْمِنَيْنِ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ ...... اگر کوئی مسلمان امان لے کر دارالحرب میں داخل ہوا اور وہاں کسی نے اسے کچھ مال قرض کے طور پر دیا یا اسی نے وہاں کے کسی شخص کو قرض دیا یا اس مسلمان نے یا وہاں کے حربی نے ایک دوسرے کا مال غصب کر لیا۔ پھر وہاں سے وہ مسلمان دارالاسلام نکل آیا اور وہی حربی بھی امان لے کر دارالاسلام میں آگیا تو ان دونوں میں سے دوسرے کے لئے حکم کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔ ادھار کی صورت میں اس لئے حکم نہ ہوگا (فیصلہ سنانے سے بھی قاضی کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا) کیونکہ قاضی کا فیصلہ اسی صورت میں نافذ ہوتا ہے جبکہ قاضی کو اس پر فیصلہ کرنے کا کچھ اختیار بھی ہو۔ حالانکہ ادھار لین دین کرنے کے وقت قاضی کو کسی قسم کا حق اس پر نہ تھا۔ اسی طرح اس وقت بھی یعنی اپنا فیصلہ دیتے وقت قاضی کو اس حربی جو کہ امان لے کر آیا ہوا ہے کسی قسم کا فیصلہ سنانے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ آنے والے حربی نے اپنے پچھلے دنوں کے افعال کے متعلق خود پر اسلام کے حکم کو لازم نہیں کیا بلکہ صرف آئندہ محدود دنوں کے لئے اپنے افعال کے متعلق کچھ باتوں کا امتزاج کیا ہے اور غصب کی صورت میں تو غصب کی ہوئی چیز اسی وقت غاصب کی ملک ہوگئی جبکہ وہ اس پر غالب ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس نے ایسے مال کو غصب کیا ہے جو محترم مال نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (یعنی دارالحرب کے لوگ اور ان کا مال اور وہ جگہ سب ملکیت میں آنے کے قابل اور غیر محترم ہیں) اسی طرح اگر دو حربیوں نے آپس میں ایسا کیا ہو پھر امان لے کر ہمارے یہاں آئے (اور ہمارے قاضی کے پاس آکر اپنا پرانا مقدمہ پیش کیا) تو ان کے درمیان بھی قاضی کچھ فیصلہ نہ کرے گا۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ اپنے اختیار پر اعتماد کر کے اور اسی بنیاد پر ہوتا ہے۔ (یعنی قاضی کو یہ اختیار ہو کہ اس کا حکم ان لوگوں پر بھی نافذ ہو۔ حالانکہ ان حربیوں نے جس جگہ یہ معاملہ کیا ہے وہ دارالحرب ہے جہاں اس قاضی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مسلمان کا ساتھی حربی یا دونوں حربی مسلمان ہو کر نہیں آئے بلکہ صرف امان لے کر آئے ہوں۔

اگر دونوں حربی مسلمان ہو کر دارالاسلام آگئے قرض ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا

وَ لَوْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ قُضِيَ بِالدَّيْنِ بَيْنَهُمَا وَ لَمْ يُقْضَ بِالْغَصْبِ اَمَّا الْمُدَايَنَةُ فَلِاَنَّهَا وَقَعَتْ صَحِيْحَةً لِوُقُوْعِهَا بِالتَّرَاضِيْ وَالْوِلَايَةُ ثَابِتَةٌ حَالَةَ الْقَضَاءِ لِاِلْتِزَامِهِمَا الْاَحْكَامَ بِالْاِسْلَامِ وَاَمَّا الْغَصْبُ فَلِمَا بَيَّنَّا اَنَّهٗ مَلَكَهٗ

وَلَاخُبْثَ فِیْ مِلْكِ الْحَرْبِیِّ حَتّٰی یُؤْمَرَ بِالرَّدِّ

ترجمہ...... وَلَوْ خَرَجَا مُسْلِمَیْنِ...... الخ اور اگر دونوں حربی مسلمان ہو کر دارالاسلام چلے آئے تو ان کے درمیان (مطالبہ کرنے کی صورت میں) قرضہ کا حکم کیا جائے گا۔ یعنی جو قرض دار ہو وہ اپنا قرض ادا کر دے۔ لیکن غصب کی صورت میں کوئی حکم نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرضہ کا لین دین تو صحیح طور پر ہوا تھا کیونکہ دونوں کی رضامندی سے ہوا تھا۔ اور قاضی کو اپنے فیصلہ سنانے کے وقت ان دونوں پر اختیار حاصل ہے۔ کیونکہ ان دونوں نے اسلام قبول کر کے اسلام کے احکام کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور غصب کی صورت میں فیصلہ نہ کرنا اوپر بتائی ہوئی وجہ سے ہے۔ یعنی اس حالت میں غصب کرنے والا حربی دوسرے حربی کے مال مغصوب کا مالک ہو چکا ہے اور حربی کی ملکیت میں کوئی ناپاکی نہیں ہے۔ کہ اسے واپس کرنے کا حکم دیا جائے۔

مسلمان امان لیکر دارالحرب میں داخل ہوا اور حربی کی کوئی چیز غصب کر لی پھر حربی مسلمان ہو کر اس مسلمان کے ساتھ دارالاسلام آیا اسے واپسی کا حکم دیا جائے

وَ اِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَالْحَرْبِ بِاَمَانٍ فَغَصَبَ حَرْبِیًّا ثُمَّ خَرَجَا مُسْلِمَیْنِ اُمِرَ بِرَدِّ الْغَصْبِ وَلَمْ یُقْضَ عَلَیْهِ اَمَّاعَدَمُ الْقَضَاءِ فَلِمَا بَیَّنَّا اَنَّهٗ مَلَكَهٗ وَاَمَّاالْاَمْرُبِالرَّدِّ وَمُرَادُهُ الْفَتْوٰی بِهٖ فَلِاَنَّهٗ فَسَدَالْمِلْكُ لِمَایُقَارِنُهٗ مِنَ الْمُحَرَّمِ وَهُوَنَقْضُ الْعَهْدِ

ترجمہ...... اور اگر کوئی مسلمان امان لے کر دارالحرب میں گیا اور اس نے وہاں کسی حربی کا کوئی مال غصب کر لیا پھر وہ حربی مسلمان ہو گیا اور مسلمان کے ساتھ ہو کر دونوں دارالاسلام آ گئے۔ تو دیانت داری کے طور پر اس سے کہا جائے گا کہ اس کا مال مغصوب واپس کر دے۔ مگر قاضی اس کا حکم نہیں کرے گا۔ اور یہ اسی وجہ سے حکم نہیں کرے گا جو اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ مسلمان اس محترم مال کا مالک ہوا ہے۔ پھر بھی اس مسلمان کو واپس کرنے کے لئے کہنے اور فتویٰ دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ غلط اور فاسد طریقہ سے اس مال کا مالک ہوا ہے۔ یعنی اس نے عہد کی خلاف اور غداری کے ساتھ غصب کیا ہے جو ایک حرام کام ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ اصل مالک کو اس کا مال واپس کر دیا جائے۔

دو مسلمانوں نے امان لیکر دارالحرب میں داخل ہو کر ایک دوسرے کو قتل کر دیا خطاءً ہو یا عمداً تو قاتل پر مقتول کی دیت لازم ہو گی اور یہ دیت عاقلہ پر لازم نہیں ہو گی

وَ اِذَا دَخَلَ مُسْلِمَانِ دَارَالْحَرْبِ بِاَمَانٍ فَقَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ عَمَدًا اَوْخَطاً فَعَلَی الْقَاتِلِ الدِّیَةُ فِیْ مَالِهٖ وَعَلَیْهِ الْكَفَّارَةُ فِی الْخَطَاءِ اَمَّاالْكَفَّارَةُ فَلِاِطْلَاقِ الْكِتَابِ وَالدِّیَةِ لِاَنَّ الْعِصْمَةَ الثَّابِتَةَ بِالْاِحْرَازِبِدَارِالْاِسْلَامِ لَاتَبْطُلُ بِعَارِضِ الدُّخُوْلِ بِالْاَمَانِ وَاِنَّمَا لَایَجِبُ الْقِصَاصُ لِاَنَّهٗ لَایُمْكِنُ اسْتِیْفَاؤُهٗ اِلَّابِمَنَعَةٍ وَلَامَنَعَةَ بِدُوْنِ الْاِمَامِ وَجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَلَمْ یُوْجَدْ ذَالِكَ فِیْ دَارِالْحَرْبِ وَاِنَّمَا تَجِبُ الدِّیَةُ فِیْ مَالِهٖ فِی الْعَمَدِلِاَنَّ الْعَوَاقِلَ لَاتَعْقِلُ الْعَمَدَ وَفِی الْخَطَاءَ لِاَنَّهٗ لَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَی الصِّیَانَةِ مَعَ تَبَایُنِ الدَّارَیْنِ وَالْوُجُوْبُ عَلَیْهِمْ عَلٰی اعْتِبَارِ تَرْكِهَا

ترجمہ...... وَاِذَا دَخَلَ مُسْلِمَانِ...... الخ اور اگر دو مسلمان امان لے کر دارالحرب میں گئے اور وہاں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا خواہ عمداً

خطاءً تو قاتل پر مقتول کی دیت لازم آئے گی لیکن یہ دیت خاص قاتل کے اپنے مال پر واجب ہوگی یعنی اس کی برادری اس میں شریک نہیں ہوگی ۔اور خطاء کی صورت میں اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا (۔یعنی عمداً قتل کرنے کی صورت میں بھی قتل (قصاص) لازم نہیں آئے گا) بلکہ صرف دیت لازم آئے گی ۔اور قتل خطاء میں کفارہ اس لئے واجب ہوگا کہ کتاب اللہ میں حکم مطلق ہے (یعنی کتاب اللہ قرآن مجید میں قتل خطاء کی صورت میں مطلقاً کفارہ کا حکم ہے یعنی اس میں اس کی تفصیل نہیں ہے کہ یہ قتل دارالاسلام میں ہو یا دارالحرب میں ہو۔پس دارالاسلام ہونے کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں ہے وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ الایہ یعنی جس نے کسی مومن کو خطاءً قتل کیا ہے اس پر ایک مومن غلام کو آزاد کرنا لازم ہوگا الخ اب یہ قتل خواہ دارالاسلام میں ہوا ہو یا دارالحرب میں بہر حال اس پر ایک مومن غلام کو آزاد کرنا لازم ہوگا) اور اب قصاص کے حکم کو ختم کر کے دیت لازم کرنے کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ مقتول کو دارالاسلام میں رہنے کی وجہ سے اس کی جان کی جو عصمت اور محافظت تھی وہ امان لے کر دارالحرب میں جانے سے ختم نہ ہوئی لہٰذا اس کا خون یوں ہی ضائع نہیں ہوگا بلکہ اس کا بدل یعنی مال لازم ہوگا۔اور خون کا بدلہ خون (قصاص) اس لئے لازم نہ ہوگا کہ قصاص لینے کے لئے طاقتور حکومت اور قدرت کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر یہ ممکن نہ ہوگا (ہونے سے بھی زبردست فتنہ پھیل جائے گا) اور طاقتور حکومت کے لئے امام المومنین اور جماعت مسلمین کا ہونا ضروری ہے۔جبکہ دارالحرب میں اس کا ہونا ممکن نہیں ہے (۔قاضی خان نے ذکر کیا ہے کہ یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ عمداً ہونے کی صورت میں قاتل پر قصاص لازم ہوگی۔یہی قول امام مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ علیہم کا بھی ہے) اس سے پہلے یہی کہا گیا ہے کہ قتل عمد ہونے کی صورت میں جو دیت لازم ہوگی وہ خاص اسی قاتل کے مال سے لازم ہوگی۔اس لئے کہ عاقلہ یعنی مددگار برادری کا قتل عمد کا جرمانہ اپنے اوپر برداشت نہیں کرتی ہے۔وہ تو قتل خطاء میں برداشت کرتی ہے وہ بھی دیت یہاں ان پر لازم نہ ہوگی کیونکہ ان پر دیت اس بناء پر لازم ہوتی ہے کہ وہ لوگ اس خطاوار کو یوں ہی آزاد نہ چھوڑیں بلکہ اس پر نظر رکھیں اور اس کی حفاظت کرتے رہیں۔مگر یہاں تو ملک بدلا ہوا ہے یعنی وہ تو دارالحرب ہے جہاں کسی طرح بھی اس کی حفاظت ممکن نہیں ہے۔لہٰذا ان پر دیت بھی لازم نہ ہوگی۔

اگر مسلمان قیدی، دارالحرب میں ایک دوسرے کو قتل کر دیں تو دیت قاتل پر لازم ہوگی یا نہیں؟

وَ اِنْ كَانَا اَسِيْرَيْنِ فَقَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ اَوْ قَتَلَ مُسْلِمٌ تَاجِرٌ اَسِيْرًا فَلَاشَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ اِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَأ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا فِي الْاَسِيْرَيْنِ الدِّيَةُ فِي الْخَطَاءِ وَالْعَمَدِ لِاَنَّ الْعِصْمَةَ لَاتَبْطُلُ بِعَارِضِ الْاَسْرِ كَمَا لَاتَبْطُلُ بِعَارِضِ الْاِسْتِيْمَانِ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ وَامْتِنَاعُ الْقِصَاصِ لِعَدْمِ الْمَنَعَةِ وَيَجِبُ الدِّيَةُ فِيْ مَالِهٖ لِمَا قُلْنَا وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ بِالْاَسْرِ صَارَ تَبْعًا لَهُمْ بِصَيْرُوْرَتِهٖ مَقْهُوْرًا فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَلِهٰذَا يَصِيْرُ مُقِيْمًا بِاِقَامَتِهِمْ وَمُسَافِرًا بِسَفَرِهِمْ فَيَبْطُلُ بِهِ الْاِحْرَازُ اَصْلًا وَصَارَ كَالْمُسْلِمِ الَّذِيْ لَمْ يُهَاجِرْ اِلَيْنَا وَخَصَّ الْخَطَأَ بِالْكَفَّارَةِ لِاَنَّهٗ لَا كَفَّارَةَ فِي الْعَمَدِ عِنْدَنَا

ترجمہ......اور اگر دو مسلمان دارالحرب میں داخل ہوئے جو قیدی تھے ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا یا ان میں سے ایک مسلم تاجر نے مسلمان قیدی کو قتل کر دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاتل پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔البتہ اگر خطاءً قتل ہوا ہو تو کفارہ واجب ہوگا اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ دونوں قیدیوں کی صورت میں دیت واجب ہوگی۔خواہ خطاءً قتل ہوا ہو یا عمداً کیونکہ قید میں ہونے کی وجہ سے اس کی عصمت ختم نہ ہوگی۔جیسے کہ امان لے کر جانے سے وہ معصوم ہی رہتا ہے۔جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اور قصاص لازم ہونے سے اس لئے انکار کیا گیا ہے کہ وہاں اپنی طاقت اور اپنا اختیار نہیں ہے اور دیت صرف قاتل کے مال میں اس لئے لازم ہوگی کہ اس کے مددگار برادری (عاقلہ) عمداً قتل کرنے میں کوئی مدد نہیں کرتے ہیں اور نہ اس کا نقصان برداشت کرتے ہیں اور قتل خطا ہونے کی صورت میں وہاں اس کی حفاظت نہیں کر سکتے

ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ قیدی اپنے مقید ہونے کی وجہ سے اہل حرب کے تابع ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ ان لوگوں سے مغلوب ہے۔ اس لئے وہ حربی جہاں بھی اقامت کریں گے وہیں وہ بھی اقامت کرنے پر مجبور ہوگا۔ اور جب بھی وہ لوگ سفر کریں گے یہ بھی ان کے ساتھ مسافر ہو جائے گا۔ اس طرح وہ ان لوگوں سے اپنے نفس کی حفاظت نہیں کر سکتا ہے۔ اور وہ ایسے مسلمان کے مثل ہو گیا جو دار الحرب میں اسلام لایا مگر وہاں سے ہجرت کر کے ہمارے یہاں نہیں آیا۔ پھر کفارہ صرف قتل خطا کی صورت میں لازم کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک قتل عمد میں کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے (۔ واضح ہو کہ گزشتہ مسئلہ میں قاضی خان صاحبین رحمۃ اللہ علیہما سے جو نقل کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں دونوں قیدیوں کی صورت میں بھی قتل عمد میں قصاص ہی واجب ہو۔ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ حالانکہ نص میں قصاص نہیں بلکہ دیت کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان نہیں کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فَصْلٌ فِي اسْتِيْمَانِ الْكَافِرِ

ترجمہ...... فصل، حربی مستامن کے احکام کا بیان

حربی کے لئے دار الاسلام میں امان لیکر کتنی مدت ٹھہرنے کی اجازت ہے؟

قَالَ وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ إِلَيْنَا مُسْتَأْمِنًا لَمْ يُمَكَّنْ أَنْ يُقِيْمَ فِيْ دَارِنَا سَنَةً وَيَقُوْلُ لَهُ الْإِمَامُ إِنْ أَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةَ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْحَرْبِيَّ لَا يُمَكَّنُ مِنْ إِقَامَةٍ دَائِمَةٍ فِيْ دَارِنَا إِلَّا بِالْإِسْتِرْقَاقِ أَوِ الْجِزْيَةِ لِأَنَّهُ يَصِيْرُ عَيْنًا لَهُمْ وَعَوْنًا عَلَيْنَا فَيَلْتَحِقُ الْمَضَرَّةُ بِالْمُسْلِمِيْنَ وَيُمَكَّنُ مِنَ الْإِقَامَةِ الْيَسِيْرَةِ لِأَنَّ فِيْ مَنْعِهَا قَطْعُ الْمِيْرَةِ وَالْجَلَبِ وَسَدُّ بَابِ التِّجَارَةِ فَفَصَّلْنَا بَيْنَهُمَا بِسَنَةٍ لِأَنَّهَا مُدَّةٌ تَجِبُ فِيْهَا الْجِزْيَةُ فَيَكُوْنُ الْإِقَامَةُ لِمَصْلَحَةِ الْجِزْيَةِ ثُمَّ إِنْ رَجَعَ بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ قَبْلَ تَمَامِ السَّنَةِ إِلٰى وَطَنِهِ فَلَا سَبِيْلَ عَلَيْهِ وَإِذَا مَكَثَ سَنَةً فَهُوَ ذِمِّيٌّ لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَامَ سَنَةً بَعْدَ تَقَدُّمِ الْإِمَامِ إِلَيْهِ صَارَ مُلْتَزِمًا لِلْجِزْيَةِ فَيَصِيْرُ ذِمِّيًّا وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُوَقِّتَ فِيْ ذٰلِكَ مَادُوْنَ السَّنَةِ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرَيْنِ

ترجمہ...... کہا جب کوئی حربی امن لے کر ہمارے ہاں آئے تو اس کو اتنا موقع نہ دیا جائے کہ وہ ہمارے یہاں ایک سال ٹھہرے۔ ایسی صورت میں امام اس سے یہ کہے کہ اگر تم پورے ایک سال ہمارے یہاں رہ جاؤ گے تو میں تم پر جزیہ مقرر کر دوں گا۔ اس باب میں اصل یہ ہے کہ کسی حربی کو دار الاسلام میں ہمیشہ رہنے کا موقع اور اختیار نہیں دیا جائے گا۔ البتہ اسی صورت میں موقع مل سکتا ہے جبکہ اسے غلام بنالینا ہو یا اس پر جزیہ مقرر کیا گیا ہو۔ کیونکہ اجازت دینے کی صورت میں وہ شخص جاسوس اور ہمارے خلاف اپنے ملک دار الحرب کا مددگار ہو جائے گا۔ جس سے عام مسلمانوں کو سخت نقصان ہوگا۔ البتہ تھوڑے دن رہنے کی اسے اجازت دی جاسکے گی کیونکہ اس کا بھی انکار کر دینے سے غلہ اور دوسری ضروری چیزوں کی درآمد اور رسد ختم ہو جائے گی۔ اس طرح تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم نے تھوڑی اور زیادہ مدت کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک سال کا عرصہ مقرر کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی مدت ہے جس میں جزیہ واجب ہوتا ہے۔ اور اس کو اقامت کی اجازت دینے میں جزیہ وصول کرنے کی مصلحت ہوگی۔ پھر امام کے کہنے کے بعد اگر وہ ایک سال سے پہلے اپنے وطن کو چلا گیا تو اس پر جزیہ لازم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر کہنے کے بعد بھی وہ ایک سال تک یہاں رہ گیا تو وہ ذمی بن جائے گا۔ یعنی آئندہ وہ اپنے وطن نہیں جاسکے گا۔ کیونکہ امام نے تو اس کو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ جب یہاں مقیم رہ گیا تو گویا اس نے خود ہی اپنے اوپر جزیہ لازم کر لیا اور اب وہ ذمی ہو گیا۔ اور امام کو اختیار ہے کہ سال سے کم مدت میں کوئی خاص وقت

مثلاً ایک دو مہینے مقرر کر کے اسے مہلت دے دے۔

امام کے کہنے کے باوجود وہ ایک سال ٹھہرا رہا تو وہ ذمی ہوگا

وَ اِذَا اَقَامَهَا بَعْدَ مَقَالِ الْاِمَامِ يَصِيْرُ ذِمِّيًّا لِمَا قُلْنَا ثُمَّ لَا يُتْرَكُ اَنْ يَّرْجِعَ اِلٰى دَارِ الْحَرْبِ لِاَنَّ عَقْدَ الذِّمَّةِ لَا يَنْقُضُ كَيْفَ وَاِنَّ فِيْهِ قَطْعَ الْجِزْيَةِ وَ جَعْلَ وَلَدِهٖ حَرْبًا عَلَيْنَا وَفِيْهِ مَضَرَّةٌ بِالْمُسْلِمِيْنَ

ترجمہ...... وَاِذَا اَقَامَهَا الخ اور جب امام کے کہنے اور مہلت دینے کے بعد بھی وہ سال بھر (مجموعًا) رہ گیا تو وہ ذمی ہو جائے گا۔ جس کی دلیل بیان کی جا چکی ہے۔ کہ اس نے امام کی حکم عدولی کر کے خود پر جزیہ لازم کر لیا ہے۔ پھر اسے دارالحرب واپس جانے کے لئے نہیں چھوڑا جائے گا۔ کیونکہ ایک مرتبہ اسے ذمی بنا کر اس کا ذمہ لے کر اس کے خلاف نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پھر اسے چھوڑ دینے سے جزیہ کم ہو جائے گا۔ اور اس کی اولاد ہمارے خلاف لڑنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔ جس سے مسلمانوں کا سخت نقصان ہوگا۔

حربی دارالاسلام میں امان لیکر داخل ہوا اس نے خراجی زمین خریدی اس پر خراج لگایا گیا تو وہ ذمی ہے

فَاِنْ دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِاَمَانٍ فَاشْتَرٰى اَرْضَ خَرَاجٍ فَاِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ لِاَنَّ خَرَاجَ الْاَرْضِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الرَّأْسِ وَ اِذَا الْتَزَمَهٗ صَارَ مُلْتَزِمًا الْمُقَامَ فِيْ دَارِنَا اَمَّا بِمُجَرَّدِ الشِّرَاءِ لَا يَصِيْرُ ذِمِّيًّا لِاَنَّهٗ قَدْ يَشْتَرِيْهَا لِلتِّجَارَةِ وَاِذَا لَزِمَهٗ خَرَاجُ الْاَرْضِ فَبَعْدَ ذَالِكَ تَلْزَمُهُ الْجِزْيَةُ لِسَنَةٍ مُسْتَقْبَلَةٍ لِاَنَّهٗ يَصِيْرُ ذِمِّيًّا بِلُزُوْمِ الْخَرَاجِ فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ وُجُوْبِهٖ وَقَوْلُهٗ فِي الْكِتَابِ فَاِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ تَصْرِيْحٌ بِشَرْطِ الْوَضْعِ فَيُخَرَّجُ عَلَيْهِ اَحْكَامٌ جَمَّةٌ فَلَا يُغْفَلُ عَنْهُ

ترجمہ...... اگر کوئی حربی ہمارے ملک دارالاسلام میں امان لے کر آیا اس نے یہاں کوئی خراجی زمین خریدی۔ اس بناء پر جب بھی اس زمین پر خراج لازم کیا جائے گا تو وہ ذمی ہو جائے گا۔ کیونکہ زمین پر خراج لازم کرنا آدمی پر جزیہ لازم کرنے کے مانند ہوتا ہے۔ پس جب کہ اس حربی نے خود پر خراج کو لازم کر لیا تو گویا اس نے دارالاسلام میں خود رہنے کو لازم کر لیا۔ مگر صرف زمین خرید لینے سے وہ ذمی نہیں ہو جائے گا کیونکہ زمین کبھی تجارت کے لئے بھی خریدی جاتی ہے۔ جب زمین پر خراج لازم کر دیا گیا تو اس کے بعد آئندہ سال کے لئے اس کی ذات پر جزیہ لازم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ زمین پر خراج لازم ہونے سے ہی وہ ذمی ہو جائے گا۔ اس طرح جب سے اس پر جزیہ لازم ہوگا اسی وقت سے اس کی مدت شروع ہو جائے گی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (جامع صغیر) میں جو یہ فرمایا ہے کہ جس وقت بھی اس پر خراج مقرر کیا جائے گا اسی وقت سے وہ ذمی ہو جائے گا۔ تو اس کلام میں صراحت کے ساتھ یہ شرط بنادی گئی کہ جزیہ مقرر کرنے پر ہی وہ ذمی ہو جائے گا یعنی اس سے پہلے تک اس پر ذمی ہو جانے کا حکم نہیں لگایا جائے گا پس اسی کہنے پر اس سے بہت سے احکام نکل آتے ہیں۔ اس لئے اس شرط کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔

حربیہ امان لیکر داخل ہوا اور ذمی سے نکاح کر لے تو وہ ذمیہ ہوگی یہی حکم مرد کا ہے

وَاِذَا دَخَلَتْ حَرْبِيَّةٌ بِاَمَانٍ فَتَزَوَّجَتْ ذِمِّيًّا صَارَتْ ذِمِّيَّةً لِاَنَّهَا الْتَزَمَتِ الْمُقَامَ تَبَعًا لِلزَّوْجِ وَ اِذَا دَخَلَ حَرْبِيٌّ بِاَمَانٍ فَتَزَوَّجَ ذِمِّيَّةً لَمْ يَصِرْ ذِمِّيًّا لِاَنَّهٗ يُمْكِنُهٗ اَنْ يُّطَلِّقَهَا فَيَرْجِعُ اِلٰى بَلَدِهٖ فَلَمْ يَكُنْ مُلْتَزِمًا الْمُقَامَ

ترجمہ...... وَاِذَا دَخَلَتْ حَرْبِيَّةٌ...... الخ اور اگر کوئی حربیہ عورت امان لے کر ہمارے دارالاسلام میں داخل ہوئی اور اس نے ہمارے یہاں کے

کسی ذمی مرد سے نکاح کر لیا تو وہ ذمیہ ہو گئی۔ کیونکہ نکاح کر لینے سے اس نے اپنے شوہر کے تابع ہو کر یہیں رہنے کو لازم کر لیا ہے یعنی اب وہ ذمیہ ہو گئی ہے، اور اگر کوئی حربی مرد امان لے کر ہمارے ملک دارالاسلام میں داخل ہوا اور ملکی ذمیوں میں سے کسی ذمیہ عورت سے اس نے نکاح کر لیا تو وہ ذمی نہیں بنے گا کیونکہ اسے اس بات کا اختیار رہتا ہے کہ بیوی کو طلاق دے کر اپنے ملک میں واپس چلا جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس نے یہاں رہنے کو خود پر لازم نہیں کیا ہے۔

حربی امان لیکر دارالاسلام میں داخل ہوا پھر دارالحرب لوٹ گیا اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت یا دین چھوڑ کر گیا پھر لوٹ کر دارالاسلام آیا تو وہ مباح الدم ہے

وَلَوْ اَنَّ حَرْبِيًّا دَخَلَ دَارَنَا بِأَمَانٍ ثُمَّ عَادَ اِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيْعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ اَوْ دَيْنًا فِيْ ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ لِاَنَّهُ اَبْطَلَ اَمَانَهُ وَمَا فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ مِنْ مَالِهِ عَلَى خَطَرٍ فَاِنْ اُسِرَ اَوْ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُوْنُهُ وَصَارَتِ الْوَدِيْعَةُ فَيْئًا اَمَّا الْوَدِيْعَةُ فَلِاَنَّهَا فِيْ يَدِهِ تَقْدِيْرًا لِاَنَّ يَدَ الْمُوْدَعِ كَيَدِهِ فَيَصِيْرُ فَيْئًا تَبْعًا لِنَفْسِهِ وَاَمَّا الدَّيْنُ فَلِاَنَّ اِثْبَاتَ الْيَدِ عَلَيْهِ بِوَاسِطَةِ الْمُطَالَبَةِ وَقَدْ سَقَطَتْ وَيَدُ مَنْ عَلَيْهِ اَسْبَقُ اِلَيْهِ مِنْ يَدِ الْعَامَّةِ فَيَخْتَصُّ بِهِ

ترجمہ...... اور اگر کوئی حربی ہمارے ملک میں امان و اجازت کے ساتھ داخل ہوا۔ پھر وہ اپنے ملک دارالحرب لوٹ گیا۔ اور چلتے ہوئے یہاں کسی مسلم کے پاس اپنی کوئی امانت یا ان کے ذمہ کچھ قرض چھوڑ کر گیا۔ تو (اس کے واپس چلے جانے سے اس کا امان نامہ ختم ہو کر وہ حسب سابق ہو گیا کہ لوٹ کر آنے سے) اس کا خون مسلمانوں کے لئے مباح ہو گیا۔ اور دارالاسلام میں وہ جو کچھ مال چھوڑ کر گیا تھا وہ سب خطرہ میں ہے (یعنی اس کا یہ مال امان سابق باقی رکھنے اور حق جتانے کے لائق نہیں رہا)۔ چنانچہ اگر وہ آنے کے بعد قید کر لیا جائے یا دارالحرب میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے دارالحرب پر غالب ہونے کی صورت میں قتل کر دیا جائے تو اس کی پہلے کی رکھی ہوئی امانت مال غنیمت ہو جائے گی اور چھوڑا ہوا قرضہ ختم اور ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ امانت تو معنًی اس کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ دارالاسلام میں جس کے پاس وہ رکھ کر گیا تھا اس کا قبضہ خود اس حربی کے قبضہ کی طرح ہے تو اب جیسے وہ خود غنیمت کے حکم میں (اور مباح الدم) ہو گیا اسی کے تابع ہو کر اس کی رکھی ہوئی امانت بھی غنیمت ہو گئی۔ اور وہ قرض جو کسی پر چھوڑ کر گیا تھا یعنی کسی قرضدار پر جو اس کا قرض باقی ہے وہ اس لئے ساقط ہو جائے گا کہ اس کا مطالبہ کرنے کے بعد ہی اس پر قبضہ ثابت ہوگا۔ اور وہ حربی کے واپس چلے جانے کی وجہ سے اس کے مطالبہ کا حق ساقط ہو گیا ہے۔ اور اس سے تمام مسلمانوں کا حق متعلق ہو گیا مگر جس شخص پر وہ حق باقی ہے چونکہ اس کا قبضہ اس مال پر دوسروں کی بہ نسبت پہلے سے ہے اس لئے یہ حق اُسی کے قبضہ میں رہ جائے گا۔

اگر وہ حربی قتل کر دیا گیا اور مسلمان دارالحرب پر غالب نہ آسکے تو اسکا چھوڑا ہوا قرض اور امانت اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی

وَاِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَى الدَّارِ فَالْقَرْضُ وَالْوَدِيْعَةُ لِوَرَثَتِهِ وَكَذَالِكَ اِذَا مَاتَ لِاَنَّ نَفْسَهُ لَمْ تَصِرْ مَغْنُوْمَةً فَكَذَالِكَ مَالُهُ وَهٰذَا لِاَنَّ حُكْمَ الْاَمَانِ بَاقٍ فِيْ مَالِهِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ اَوْ عَلَى وَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ

ترجمہ...... وَاِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ ...... الخ اگر (مسلمانوں سے مقابلہ میں) صرف وہی حربی قتل کر دیا گیا اور عام مسلمان اس دارالحرب پر غالب

نہیں آسکے تو اس کا چھوڑا ہوا قرض یا کسی شخص کے پاس رکھی ہوئی امانت جو کچھ بھی دارالاسلام میں ہے اس کے وارثوں کی میراث ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ خود مر گیا (قتل نہیں کیا گیا) تو اس کا مال بھی غنیمت نہ ہوا۔ کیونکہ دارالاسلام میں آنے کے لئے جو اس نے امان نامہ حاصل کیا تھا وہ اس کے مال کے بارے میں باقی ہے۔ اسی لئے اس کا قرض یا امانت جو کچھ بھی ہے وہ خود اس کو یا اس کے بعد اس کے وارثوں کو واپس دی جائے گی۔

مسلمانوں نے جو اموال دھمکا کر اور بغیر قتال کے پیش قدمی کر کے حاصل کئے وہ مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کئے جائیں گے

قَالَ وَمَا اَوْجَفَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ مِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا يُصْرَفُ الْخِرَاجُ قَالُوْا هُوَ مِثْلُ الْاَرَاضِي الَّتِيْ اَجْلَوْا اَهْلَهَا عَنْهَا وَالْجِزْيَةِ وَلَا خُمْسَ فِيْ ذَالِكَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيْهِمَا الْخُمُسُ اعْتِبَارًا بِالْغَنِيْمَةِ وَلَنَا مَارُوِيَ اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَخَذَ الْجِزْيَةَ وَ كَذَا عُمَرُ وَمُعَاذٌ وَوُضِعَ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَمْ يُخَمَّسْ وَلِاَنَّهُ مَالٌ مَاخُوْذٌ بِقُوَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ بِخِلَافِ الْغَنِيْمَةِ لِاَنَّهُ مَمْلُوْكٌ بِمُبَاشَرَةِ الْغَانِمِيْنَ وَ بِقُوَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاسْتَحَقَّ الْخُمُسَ بِمَعْنًى وَاسْتَحَقَّهُ الْغَانِمُوْنَ بِمَعْنًى وَفِيْ هٰذَا السَّبَبُ وَاحِدٌ وَ هُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مَعْنٰى لِاِيْجَابِ الْخُمُسِ

ترجمہ ...... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اور مجاہدین اسلام نے اہل حرب کے جو اموال صرف ان پر پیش قدمی اور دھمکا کر یعنی قتال کئے بغیر اپنے قبضہ میں لئے وہ مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کئے جائیں گے جیسے کہ مال خراج خرچ کیا جاتا ہے۔ اور ہمارے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ یہ اموال ان اراضی کے مانند ہیں جہاں سے لوگوں کو نکال دیا گیا ہے۔ اور مثل جزیہ کے ہیں اور ان میں سے پانچواں حصہ نہیں لیا جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جزیہ و اراضی اور خراج سب سے پانچواں حصہ لیا جائے گا غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے۔ (یعنی جس طرح غنیمت سے پانچواں حصہ لیا جائے گا۔ اسی طرح جزیہ، اراضی، خراج میں سے بھی لیا جائے گا)۔

ہماری دلیل ...... یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا اور حضرت عمرؓ نے سواد والوں سے اور حضرت معاذؓ نے یمن والوں سے جزیہ لیا۔ اور یہ سب مال بیت المال میں رکھا گیا تھا۔ اور اس میں سے پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔ (ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ یہ ایسا مال ہے جو مسلمان کی قوت اور رعب سے قتل و قتال کئے بغیر حاصل ہوا ہے۔ برخلاف غنیمت کے کیونکہ غنیمت کا مال تو غازیوں اور مسلمانوں کی لڑائی سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مال غنیمت سے بہ نظر رعب (بیت المال) پانچواں حصہ کا حق دار ہوتا ہے۔ اور قتال کی نوبت آنے کا خیال کر کے باقی چار حصے کے مجاہدین مستحق ہوتے ہیں اور اس مال سے جو کہ قتال کے بغیر دشمن کے صرف مرعوب ہو جانے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اس میں صرف ایک ہی سبب (مسلمانوں کے رعب سے) ہوتا ہے اس میں پانچواں حصہ واجب کرنے کی وجہ معقول نہیں ہوتی ہے۔

تشریح ...... حاصل یہ کہ وہ تمام اموال جو مسلمانوں کے لشکر نے بغیر کسی مشقت و قتال کے فقط رعب و دبدبہ کی بناء پر حاصل کیئے ہوں وہ امت مسلمہ کی فلاح و ترقی میں خرچ ہوں گے۔ غرض یہ کہ ایسے اموال سے خمس نہ نکالا جائے گا اور نہ ہی ایسے اموال کو باقاعدہ طور پر لشکر اسلام میں تقسیم کیا جائے گا بلکہ ان اموال اہل اسلام کی فلاح ان کی سرحدوں کی حفاظت آلات حرب وغیرہ کیلئے استعمال کیئے جائیں گے۔

جب حربی دار الاسلام میں امان لے کر آیا اور مسلمان ہوگیا تو اس کی دار الحرب میں بیوی بچے اور مال و دولت تھی اور مسلمان دار الحرب پر غالب آگئے تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

وَ اِذَا دَخَلَ الْحَرْبِیُّ دَارَنَا بِاَمَانٍ وَلَهُ امْرَأَةٌ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ وَاَوْلَادٌ صِغَارٌ وَكِبَارٌ وَمَالٌ اَوْدَعَ بَعْضَهُ ذِمِّیًّا وَ بَعْضَهُ حَرْبِیًّا وَبَعْضَهُ مُسْلِمًا فَاَسْلَمَ هٰهُنَا ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَذَالِكَ كُلُّهُ فَیْءٌ اَمَّا الْمَرْأَةُ وَاَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَظَاهِرٌ لِاَنَّهُمْ حَرْبِیُّوْنَ كِبَارٌ وَلَیْسُوْا بِاَتْبَاعٍ وَكَذَالِكَ مَافِیْ بَطْنِهَا لَوْ كَانَتْ حَامِلًا لِمَا قُلْنَا مِنْ قَبْلُ وَاَمَّا اَوْلَادُهُ الصِّغَارُ فَلِاَنَّ الصَّغِیْرَ اِنَّمَا یَصِیْرُ مُسْلِمًا تَبَعًا لِاِسْلَامِ اَبِیْهِ اِذَا كَانَ فِیْ یَدِهٖ وَتَحْتَ وِلَایَتِهٖ وَمَعَ تَبَایُنِ الدَّارَیْنِ لَایَتَحَقَّقُ ذَالِكَ وَكَذَا اَمْوَالُهُ لَا تَصِیْرُ مُحْرَزَةً بِاِحْرَازِهٖ نَفْسَهُ لِاخْتِلَافِ الدَّارَیْنِ فَیَبْقَى الْكُلُّ فَیْأً وَ غَنِیْمَةً

ترجمہ......وَاِذَا دَخَلَ الْحَرْبِیُّ دَارَنَا...... الخ اور اگر حربی امان لے کر ہمارے یہاں آیا اس حال میں کہ وہاں دار الحرب میں اس کی بیوی چھوٹی اور بڑی ہر طرح کی اولاد بھی موجود ہے اور اس کا مال بھی جس میں سے تھوڑا حصہ کسی ذمی کے پاس اور تھوڑا کسی حربی کے پاس اور کچھ مال کسی مسلمان کے پاس بطور امانت رکھا ہے۔ پھر وہ حربی دار الاسلام میں مسلمان ہوگیا۔ پھر غازیوں نے دار الحرب کو مغلوب کرلیا تو اس حربی کا کل مال غنیمت کا مال ہوجائے گا۔ چنانچہ بیوی اور بالغ اولاد کا غنیمت ہونا تو ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ سب حربی اور کافر اور بالغ ہیں۔ اس لئے ایک حربی کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے یہ بالغ اولاد اور اس کی بیوی اس کی تابع ہوکر مسلمان نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس حربی کی بیوی اگر حاملہ ہو تو اس کے پیٹ کا بچہ بھی غنیمت ہوگا۔ کیونکہ وہ جب تک پیدا ہوکر پیٹ سے جدا نہیں ہوجاتا تب تک اپنی ماں کا جزء ہے لیکن اس کے وہ بچے جو ابھی تک نابالغ اور چھوٹے ہیں تو وہ اپنے باپ کے تابع ہوکر اسی صورت میں مسلمان سمجھے جائیں گے جبکہ اپنے باپ کے قبضہ اور اس کی ماتحتی اور ایک ہی حکومت میں ہوں۔ حالانکہ ان کا باپ دار الاسلام میں اور وہ چھوٹے بچے دار الحرب میں ہیں۔ اس لئے دونوں حکومتوں کی جدائی کے ساتھ چھوٹے بچے اپنے باپ کے تابع نہیں ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح اس حربی کے خود مسلمان ہوجانے سے اس کی جان تو محفوظ ہوجائے گی مگر اس کے محفوظ ہوجانے سے اس کے اموال محفوظ نہ ہوں گے۔ کیونکہ دونوں ملک علیحدہ ہیں۔ یعنی وہ خود دار الاسلام میں اور اس کے اموال سب دار الحرب میں ہیں اس لئے یہ سب غنیمت ہوجائیں گے۔

اگر حربی دار الحرب میں مسلمان ہوگیا پھر دار الاسلام آیا اور مسلمان دار الحرب پر غالب آگئے تو اس کی صغیر اولاد آزاد مسلمان ہوں گے

وَ اِنْ اَسْلَمَ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ فَظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَاَوْلَادُهُ الصِّغَارُ اَحْرَارٌ مُسْلِمُوْنَ تَبَعًا لِاَبِیْهِمْ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا تَحْتَ وِلَایَتِهٖ حِیْنَ اَسْلَمَ اِذِ الدَّارُ وَاحِدَةٌ وَمَا كَانَ مِنْ مَّالٍ اَوْدَعَهُ مُسْلِمًا اَوْ ذِمِّیًّا فَهُوَ لَهُ لِاَنَّهُ فِیْ یَدٍ مُحْتَرَمَةٍ وَیَدُهُ كَیَدِهٖ وَمَاسِوٰى ذَالِكَ فَیْءٌ اَمَّا الْمَرْأَةُ وَاَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَلِمَا قُلْنَا وَاَمَّا الْمَالُ الَّذِیْ فِیْ یَدِ الْحَرْبِیِّ فَلِاَنَّهُ لَمْ یَصِرْ مَعْصُوْمًا لِاَنَّ یَدَ الْحَرْبِیِّ لَیْسَتْ یَدًا مُحْتَرَمَةً

ترجمہ......اور اگر کوئی حربی پہلے دار الحرب میں اسلام لایا پھر دار الاسلام آگیا۔ اس کے بعد مجاہدین نے اس کے ملک پر قبضہ کرلیا تو اس کے چھوٹے بچے اپنے باپ کے تابع ہوکر آزاد و مسلمان ہیں۔ کیونکہ اسلام لانے کے وقت وہ بچے اسی کی ماتحتی اور اختیار میں تھے اس لئے کہ اس وقت وہ سب ایک ہی ملک یعنی دار الحرب میں تھے۔ اور اس کے مال میں سے اس نے جو کچھ کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانۃ رکھا تھا تو وہ اسی کا رہے گا۔

کیونکہ وہ محترم قبضہ میں ہے اور قابض نے جو قبضہ کیا ہے وہ اس کے اپنے قبضہ کے حکم میں ہے۔ اور ان مذکورہ افراد اور اموال کے سوا اس کا جو کچھ بھی کہیں ہے وہ سب مال غنیمت ہے۔ کیونکہ بیوی اور بڑے بالغ اولاد کا مملوک ہونا تو اس لئے ہے کہ یہ لوگ بالغ حربی ہیں اور اب اس حربی کے تابع نہیں ہیں۔ اسی طرح اس کا وہ مال جو کسی حربی کے قبضہ میں ہے وہ اس لئے غنیمت کا مال سمجھا جائے گا کہ وہ مال محترم نہیں ہے۔ کیونکہ حربی کا قبضہ محترم نہیں ہوتا ہے۔

تشریح...... صاحب ہدایہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی دارالحرب میں اسلام قبول کر کے دارالاسلام کی طرف آئے اور اسی اثناء میں دارالکفر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے اب اس شخص کی نابالغ اولاد اور سی طرح وہ مال جو کسی مسلمان کے پاس ہو یا ذمی کے پاس بطور امانت رکھا ہو یا بطور مضاربت وغیرہ رکھا ہو یہ سب چیزیں اصل مالک کی ملکیت میں ہوں گی۔ اسلئے کہ ان اشیاء میں قبضہ محترمہ پایا گیا اور نابالغ اولاد باپ کے تابع ہے باقی اولاد کبیر اور بیوی یا وہ مال جو کسی حربی کے قبضہ میں تھا یہ اشیاء اصل مالک کی ملکیت میں نہ آئیں گی کہ بیوی اور اولاد کبیر اس کے تابع نہیں او ر مال ید محترمہ میں نہیں۔

جب حربی دارالحرب میں مسلمان ہو گیا مسلمان نے اسے عمداً یا خطاءً قتل کر لیا اور مقتول کے ورثاء دارالحرب میں موجود ہیں نہ قصاص لازم ہے نہ دیت

وَ اِذَا اَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ فِيْ دَارِالْحَرْبِ فَقَتَلَهُ مُسْلِمٌ عَمْدًا اَوْخَطأً وَلَهُ وَرَثَةٌ مُسْلِمُوْنَ هُنَالِكَ فَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ اِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَاِ وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي الْخَطَاِ وَالْقِصَاصُ فِي الْعَمَدِلِاَنَّهُ اَرَاقَ دَمًا مَعْصُوْمًا لِوُجُوْدِ الْعَاصِمِ وَهُوَالْاِ سْلَامُ لِكَوْنِهٖ مُسْتَجْلِبًا لِلْكَرَامَةِ وَهٰذَا لِاَنَّ الْعِصْمَةَ اَصْلُهَا الْمُؤْثِمَةُ لِحُصُوْلِ اَصْلِ الزَّجْرِبِهَا وَهِيَ ثَابِتَةٌ اِجْمَاعًا وَالْمُقَوِّمَةُ كَمَالٌ فِيْهِ لِكَمَالِ الْاِمْتِنَاعِ بِهٖ فَيَكُوْنُ وَصْفًافِيْهِ فَيَتَعَلَّقُ بِمَاعُلِّقَ بِهِ الْاَصْلُ وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰى فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّلَّكُمْ وَهُوَمُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ الاية جَعَلَ التَّحْرِيْرَ كُلَّ الْمُوْجَبِ رُجُوْعًا اِلَى حَرْفِ الْفَاءِ اَوْاِلٰى كَوْنِهٖ كُلَّ الْمَذْكُوْرِ فَيَنْتَفِيْ غَيْرُهٗ وَلِاَنَّ الْعِصْمَةَ الْمُؤْثِمَةَ بِالْاٰدَمِيَّةِ لِاَنَّ الْاٰدَمِيَّ خُلِقَ مُتَحَمِّلًا اَعْبَاءَ التَّكْلِيْفِ وَالْقِيَامُ بِهَابِحُرْمَةِ التَّعَرُّضِ وَالْاَمْوَالُ تَابِعَةٌ لَهَااَمَّاالْمُقَوِّمَةُ فَالْاَصْلُ فِيْهَا الْاَمْوَالُ لِاَنَّ التَّقَوُّمَ يُؤْذِنُ بِجَبْرِ الْفَائِتِ وَذَالِكَ فِي الْاَمْوَالِ دُوْنَ النُّفُوْسِ لِاَنَّ مِنْ شَرْطِهِ التَّمَاثُلَ وَهُوَفِي الْمَالِ دُوْنَ النَّفْسِ فَكَانَتِ النُّفُوْسُ تَابِعَةً ثُمَّ الْعِصْمَةُ الْمُقَوِّمَةُ فِي الْاَمْوَالِ بِالْاِحْرَازِ بِالدَّارِ لِاَنَّ الْعِزَّةَ بِالْمَنَعَةِ فَكَذَالِكَ فِي النُّفُوْسِ اِلَّااَنَّ الشَّرْعَ اَسْقَطَ اعْتِبَارَمَنَعَةِ الْكَفَرَةِ لِمَااَنَّهٗ اَوْجَبَ اِبْطَالَهَا وَالْمُرْتَدُّوَالْمُسْتَأْمِنُ فِيْ دَارِنَا اَهْلُ دَارِهِمْ حُكْمًا لِقَصْدِ هِمَا الْاِنْتِقَالَ اِلَيْهَا

ترجمہ...... وَاِذَا اَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ...... الخ اگر کوئی حربی دارالحرب ہی میں اسلام لایا پھر کسی مسلمان نے اسے عمداً یا خطاءً قتل کر دیا۔ اس حال میں کہ اس مقتول کے مسلمان وارث دارالحرب میں موجود ہوں تو اس قاتل پر نہ قصاص لازم آئے گا اور نہ دیت لازم ہوگی۔ البتہ قتل خطا ہونے کی صورت میں کفارہ لازم آئے گا اور دیانت داری کے طور پر اس پر توبہ واستغفار کرنا فرض ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قتل خطا میں قاتل پر دیت واجب ہوگی اور قتل عمد میں قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ قاتل نے ایک بے قصور اور معصوم شخص کو قتل کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے اس کی جان محفوظ ہو چکی اور اس کا محافظ موجود ہے۔ کیونکہ اسلام اپنے ساتھ کرامت اور بزرگی لاتا ہے ایسا اس لئے ہے کہ قاتل کو

گنہگار کرنے والی بات دراصل مقتول کے اندر کی عصمت ہوتی ہے (یعنی جس نفس کے بارے میں معصوم ہونا معلوم ہوگا تو اس کے قاتل کو اس بات کا یقین ہوگا کہ اس کو قتل کر دینے سے یقیناً میں گنہگار ہوں گا۔ اس لئے اس کے قتل سے وہ پرہیز کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔) اور ایسی عصمت بالا جماع موجودہ صورت میں ثابت ہے۔ اور اس بناء پر دیت کا لازم آنا اس عصمت میں کمال کا درجہ ہے۔ کیونکہ اس سے مکمل طور پر قاتل پرہیز کرے گا (۔ یعنی جب کسی کی عصمت ثابت ہوگئی تو اس کے قتل کرنے سے زبردست خوف پیدا ہوگا۔ پھر اصل عصمت کی وجہ سے قاتل پرہیز کرے گا۔ اور جب اسے یہ بات معلوم ہوگی کہ اس قتل کرنے کی بناء پر دیت کا مال بھی دینا ہوگا پھر تو وہ مکمل طور پر پرہیز کرے گا۔) اس طرح دیت کا لازم آ جانا اس میں ایک وصف ہو گیا۔ یعنی اصل کے ساتھ ایک وصف ہے تو جیسے اصل عصمت کا تعلق اسلام سے ہے اسی طرح اس کمال دیت کا تعلق بھی اسلام کے ساتھ ہوا۔ (اس لئے اگر عمداً قتل ہوا تو گناہ اور قصاص لازم ہوگا اور اگر خطأً قتل ہوا ہو تو اسلام کی وجہ سے دیت لازم آئے گی۔ یہ تقریر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے

ہماری دلیل...... یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ...... الآیۃ (النساء: ۹۲)۔ یعنی اگر مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں حالانکہ مقتول خود مومن ہے تو ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے)۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنا پوری سزا واجب قرار دی ہے۔ یعنی لازم آیا کہ اس قتل کی جزو یہی ہے کہ ایک غلام آزاد کر دے۔ اس بناء پر کہ آیت میں فاء جزاء مذکور ہے یا اس اعتبار سے کہ اس کی جزاء جو کچھ بھی ہے وہی ہے جس کا ذکر ہوا۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ عصمت جو گنہگار کرنے والی ہے وہ آدمی ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ آدمی اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ احکام شرع کو بجالائے اور ان پر قائم رہے۔ جس کی صورت یہ ہو کہ انسانی جان سے تعرض کرنے کو اپنے اوپر حرام جانے۔ اور اب دیت کے اموال تو وہ انسانی نفس کے تابع ہوتے ہیں (۔ کہ ان کی اصل کچھ نہیں ہے) اور وہ قیمتی اس بناء پر ہوتے ہیں کہ اس میں اموال اصل ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کی قیمت مقرر کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جو چیز جاتی رہے اسے پورا کیا جائے۔ اور یہ بات مالوں میں تو ہو سکتی ہے لیکن جانوں میں نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جانے والی چیز پورا کرنا اور اس کی کمی کو دور کرنا اس طرح ہوا کہ آنے والی چیز جانے والی کی جیسی ہی ہو ورنہ وہ کمی پوری نہیں ہو سکتی ہے۔ اور یہ بات مال میں تو ہو سکتی ہے لیکن جان میں اس کا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے جان کے بدلہ مال (دیت) میں اصل مال ہے اور جان اس کی تابع ہے۔ پھر جس محترم جان کا خون بہا مال سے دیا جاتا ہے یہ وہی نفس ہے جو دارالاسلام میں محفوظ کی گئی ہو کیونکہ عزت اسی وقت ہوگی کہ اسے مسلمانوں سے قوت اور طاقت حاصل ہو۔ اور یہی بات جانوں میں بھی ہے۔ لیکن شرع نے کافروں سے طاقت ہونے کے اعتبار کو ختم کر دیا ہے کیونکہ کافروں کی مددگاری اور قوت کو باطل کر دیا ہے (اور اس طرح اگر دارالاسلام میں امن پانے والے حربی یا مرتد کو قتل کر دیا جائے تو بھی قصاص اور خون بہا ساقط نہ ہوگا) کیونکہ مرتد اور مستامن جو ہمارے ملک میں ہے وہ حربیوں کے حکم میں ہے۔ کیونکہ وہ دونوں دارالحرب واپس چلے جانے کا ہی ارادہ رکھتے ہیں۔

جس نے مسلمان کو خطاء قتل کر دیا یا ایسے حربی کو قتل کیا جو دارالاسلام میں مسلمان ہو چکا تھا دیت کس پر لازم ہے؟

وَ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَأً لَا وَلِيَّ لَهُ اَوْ قَتَلَ حَرْبِيًّا دَخَلَ اِلَيْنَا بِأَمَانٍ فَاَسْلَمَ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ لِلْاِمَامِ وَ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ لِاَنَّهُ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُوْمَةً خَطَأً فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ النُّفُوْسِ الْمَعْصُوْمَةِ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ لِلْاِمَامِ اَنَّ حَقَّ الْاَخْذِ لَهُ لِاَنَّهُ لَا وَارِثَ لَهُ

ترجمہ...... اور اگر کسی نے ایسے مسلمان کو خطأً قتل کر دیا جس کا کوئی وارث نہیں ہے یا ایسے حربی کو قتل کر دیا جو امان لے کر ہمارے یہاں داخل ہو کر

مسلمان ہوگیا تھا۔ تو اس قاتل کے عاقلہ (قاتل کی مددگار برادری) پر واجب ہوگا کہ اس مقتول کی دیت امام المسلمین کو ادا کردے اور اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایک بے گناہ کو خطأً قتل کیا ہے اس لئے اس کا قیاس ہر ایسے شخص پر ہوگا جو معصوم اور بے لنا ہو یعنی شرعاً قتل سے محفوظ ہو۔ اس میں امام کے پاس جمع کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دیت کے وصول کرنے کا حق صرف امام کو ہوگا کیونکہ اس مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اور یہ حکم صرف اسی صورت میں ہوگا جبکہ اس نے خطأً قتل کیا ہو۔

اگر عمداً قتل کردیا امام کو قتل اور دیت کا اختیار ہے

وَ اِنْ کَانَ عَمَدًا فَاِنْ شَاءَ الْاِمَامُ قَتَلَهُ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَالدِّيَّةَ لِاَنَّ النَّفْسَ مَعْصُوْمَةٌ وَالْقَتْلُ عَمَدٌ وَالْوَلِیُّ مَعْلُوْمٌ وَهُوَ الْعَامَّةُ اَوِ السُّلْطَانُ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ السُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَاوَلِیَّ لَهُ وَقَوْلُهُ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الدِّيَّةَ مَعْنَاهُ بِطَرِيْقِ الصُّلْحِ لِاَنَّ مُوْجَبَ الْعَمَدِ هُوَالْقَوَدُ عَيْنًا وَ هٰذَا لِاَنَّ الدِّيَّةَ اَنْفَعُ فِیْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ مِنَ الْقَوَدِ فَلِهٰذَا كَانَ لَهُ وِلَايَةُ الصُّلْحِ عَلَى الْمَالِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّعْفُوَ لِاَنَّ لِحَقٍّ لِلْعَامَّةِ وَوِلَايَتُهُ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ مِنَ النَّظَرِ اِسْقَاطُ حَقِّهِمْ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ

ترجمہ ...... وَاِنْ كَانَ عَمَدًا ...... الخ اور اگر عمداً کیا ہو تو امام کو اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو اس قاتل کو قصاصاً قتل کردے یا اگر مناسب سمجھے تو طے اور صلح کر کے اس قاتل سے دیت لے لے۔ کیونکہ مقتول بے گناہ اور معصوم آدمی تھا۔ اور قتل بھی خاص ارادہ کے ساتھ ہوا ہے اور اس کے ولی کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اس کا اپنا کوئی رشتہ دار ولی نہیں ہے اس لئے دوسرے عام مسلمان ہیں یا امام وقت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کا کوئی ولی نہیں ہے سلطان اس کا ولی ہے۔ اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اگر چاہے تو قاتل سے دیت لے لے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صلح کے طور پر دیت لے کیونکہ قتل عمد میں قصاص لینے ہی کا فیصلہ متعین ہے۔ اس کے باوجود دیت لینا اس لئے جائز ہوا ہے کہ اس مسئلہ میں قصاص کے مقابلہ میں دیت لینے ہی میں زیادہ نفع ہے۔ اسی لئے امام کو یہ اختیار ہے کہ قاتل سے مال پر صلح کرلے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کے لئے تیسری صورت یعنی بالکل معاف کردینے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ حق تو اصل میں تمام مسلمانوں کا ہے۔ لیکن یہ سلطان اور امام ان سبھوں کا والی ہے اور اس کی حق ولایت کسی خاص مصلحت کی بناء پر ہے اور مفت میں ان کے حق کو ساقط کرنے میں کوئی مصلحت بھی نہیں ہے۔ اس بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مقتول کا ولی معلوم ہونے میں کچھ تردد نہیں ہے۔ بلکہ سارے مسلمان اس کے ولی ہیں۔ اور سلطان سب کی طرف سے نمائندہ ہو کر اس کا ولی طے پایا ہے۔

بَابُ الْعُشْرِ وَ الْخَرَاجِ

ترجمہ ...... باب عشر اور خراج کے بیان میں

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ذمی ہو جانے کے اسباب بیان کر کے ذمی پر وظائف مالیہ بیان فرمائے۔ یعنی اس کی زمین اور اس کی ذات پر خراج مقرر کرنا ہے۔ اور خراج کسی اصول کے ساتھ مقرر ہوتا ہے آئندہ ذکر کیا جائے گا۔ اور یہ زمین کا لگان محصول گھر وارہ ہے اور اس زمانہ میں جو ٹیکس لیا جاتا ہے وہ عشر اور خراج دونوں سے علیحدہ ہے۔ عشر میں صرف پیداوار کا دسواں حصہ ہے۔ چونکہ اس عشر میں عبادت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں اسی لئے عشر کو پہلے بیان کیا ہے۔ مگر جس زمین پر عشر اور جن لوگوں پر خراج لازم ہوتا ہے اسے پہلے جاننا ضروری ہے۔ اسی لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ بَابُ الْعُشْرِ الخ

عشری اور خراجی زمین کی تعیین

قَالَ اَرْضُ الْعَرْبِ كُلُّهَا اَرْضُ عُشْرٍ وَهِيَ مَابَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى اَقْصٰى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمَهْرَةَ اِلٰى حَدِّالشَّامِ وَالسَّوَادُ اَرْضُ خَرَاجٍ وَهُوَمَابَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى عَقَبَةِ حُلْوَانَ وَمِنَ الثَّعْلَبَةِ وَيُقَالُ مِنَ الْعَلْثِ اِلٰى عَبَّادَانَ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِيْنَ لَمْ يَأْخُذُوا الْخَرَاجَ مِنْ اَرَاضِي الْعَرَبِ وَلِاَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْفَيْءِ فَلَايَثْبُتُ فِيْ اَرَاضِيْهِمْ كَمَالَايَثْبُتُ فِيْ رِقَابِهِمْ وَهٰذَا لِاَنَّ وَضْعَ الْخَرَاجِ مِنْ شَرْطِهِ اَنْ يُقَرَّاَهْلُهَا عَلَى الْكُفْرِ كَمَافِيْ سَوَادِالْعِرَاقِ وَمُشْرِكُوا الْعَرَبِ لَايُقْبَلُ مِنْهُمْ اِلَّا الْاِسْلَامَ وَالسَّيْفُ وَعُمَرُؓ حِيْنَ فَتَحَ السَّوَادَ وَضَعَ الْخَرَاجَ عَلَيْهَا بِمَحْضَرٍمِّنَ الصَّحَابَةِؓ وَوَضَعَ عَلٰى مِصْرَحِيْنَ افْتَتَحَهَا عَمْرُوبْنُ الْعَاصِ وَكَذَااجْتَمَعَتِ الصَّحَابَةُؓ عَلٰى وَضْعِ الْخَرَاجِ عَلَى الشَّامِ

ترجمہ...... عرب کی پوری زمین عشری ہے۔ جو عذیب سے لے کر یمن میں مہرہ کے پتھر تک ہے۔ (یہ اس کی لمبائی کی حد ہے۔ اور چوڑائی میں ریگ رواں سے لے کر) شام کی حد تک ہے۔ اور سواد عراق کی زمین خراجی ہے جو عقبہ حلوان تک (چوڑائی) میں ہے۔ اور ثعلبہ سے لے کر اور کہا جاتا ہے کہ علث سے لے کر عبادان تک (لمبائی میں) ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ؐ اور خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ فئی وغنیمت کے حکم میں ہے۔ لہٰذا عرب کی زمینوں میں خراج ثابت نہ ہوگا۔ جیسے عرب والوں کی ذات اور گردن میں جزیہ لازم نہیں ہوتا ہے کیونکہ خراج مقرر کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس ملک والوں کو ان کے اپنے ملک میں حسب سابق چھوڑ دیا گیا ہو۔ جیسے کہ سواد عراق میں ہوا۔ مگر مشرکین عرب سے اسلام یا تلوار سے فیصلہ ہوگا اس کے علاوہ تیسری صورت نہ ہوگی اور حضرت عمرؓ نے جب سواد عراق کو فتح کیا تو صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اس ملک پر خراج مقرر کر دیا۔ اور جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا تو اس پر خراج مقرر کیا۔ اسی طرح ملک شام پر خراج لازم کرنے میں صحابہ کرامؓ نے اجماع کیا ہے۔

سواد عراق کی زمینوں کا حکم

قَالَ وَ اَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوْكَةٌ لِأَهْلِهَا يَجُوْزُبَيْعُهُمْ لَهَاوَتَصَرُّفُهُمْ فِيْهَالِأَنَّ الْاِمَامَ اِذَافَتَحَ اَرْضًا عَنْوَةً وَ قَهْرًالَهُ اَنْ يُقِرَّأَهْلَهَا عَلَيْهَا وَيَضَعَ عَلَيْهَا وَعَلٰى رُؤُسِهِمُ الْخَرَاجَ فَتَبْقَى الْأَرَاضِيْ مَمْلُوْكَةً لِأَهْلِهَا وَقَدْقَدَّمْنَاهُ مِنْ قَبْلُ

ترجمہ...... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ سواد عراق کی زمین وہاں کے لوگوں کی مملوکہ ہے۔ یہاں تک کہ ان کا اس زمین کو بیچنا اور اس میں تصرف کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ امام نے جب کسی زمین کو قہر اور طاقت سے فتح کیا تو اسے اختیار ہے کہ وہاں کے لوگوں کو اسی زمین پر باقی رکھے اور ان پر اور ان کی زمین پر خراج مقرر کرے اس طرح وہاں کی زمین وہاں کے باشندوں کی مملوک رہے گی۔ اس مسئلہ کو ہم باب قسمۃ الغنائم میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

عشری زمین کی تعریف

قَالَ وَكُلُّ أَرْضٍ اَسْلَمَ أَهْلُهَا أَوْفُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِّمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍلِأَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيْفِ عَلَى الْمُسْلِمِ وَالْعُشْرُ اَلْيَقُ بِهٖ لِمَافِيْهِ مِنْ مَّعْنَى الْعِبَادَةِ وَكَذَاهُوَأَخَفُّ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِنَفْسِ الْخَارِجِ

ترجمہ ...... اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہر وہ زمین جس کے رہنے والے اسلام لے آئے یا وہ قہراً فتح کر کے مجاہدین میں تقسیم کردی گئی تو وہ عشری زمین ہے۔ کیونکہ وہاں لگان مقرر کرتے وقت سب سے پہلے مسلمان پر لازم کیا گیا ہے۔ اور اس لگان کے لئے مسلمان کے بارے میں عشر ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں عبادت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ اور وہ آسان بھی ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف پیداوار سے ہوتا ہے۔

خراجی زمین کی تعریف

وَكُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَأُقِرَّأَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ وَكَذَا إِذَاصَالَحَهُمْ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْكَافِرِوَالْخَرَاجُ أَلْيَقُ بِهِ وَمَكَّةُ مَخْصُوْصٌ مِّنْ هٰذَا فَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَحَهَا عَنْوَةً وَتَرَكَهَا لِأَهْلِهَا وَلَمْ يُوَظِّفِ الْخَرَاجَ

ترجمہ ...... وَكُلُّ اَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً ...... الخ اور وہ زمین جو قہر اور غلبہ سے فتح کی گئی پھر وہاں کے باشندے ہی وہاں باقی رکھے گئے تو وہ خراجی زمین ہے۔ اسی طرح اگر ان لوگوں سے صلح کر لی گئی ہو تو بھی وہ زمین خراجی ہوگی۔ کیونکہ سب سے پہلے وہاں کافر پر ہی لگان مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ اور کافر کے ساتھ خراج ہی زیادہ مناسب ہے۔ اور ایسی زمینوں سے مکہ مکرمہ کو خاص کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ؐ نے مکہ مکرمہ کو اپنی طاقت سے فتح کر کے وہاں کے لوگوں کو ان کی جگہ پر ہی باقی رکھا۔ اور ان پر خراج مقرر نہیں کیا۔

وہ زمین جو قہراً اور طاقت سے حاصل کی گئی اور نہروں کے پانی سے سینچی گئی وہ خراجی ہے

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ كُلُّ اَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَوَصَلَ اِلَيْهَامَاءُ الْاَنْهَارِ فَهِيَ اَرْضُ خَرَاجٍ وَمَالَمْ يَصِلْ اِلَيْهَامَاءُ الْاَنْهَارِ وَ اسْتُخْرِجَ مِنْهَا عَيْنٌ فَهِيَ اَرْضُ عُشْرٍلِاَنَّ الْعُشْرَيَتَعَلَّقُ بِالْاَرْضِ النَّامِيَةِ وَنَمَاؤُهَا بِمَائِهَا فَيُعْتَبَرُ السَّقْيُ بِمَاءِ الْعُشْرِاَوْبِمَاءِ الْخَرَاجِ

ترجمہ ...... وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ ...... الخ اور جامع صغیر میں ہے کہ جو زمین قہراً اور طاقت سے فتح کی گئی ہو پھر اس زمین میں نہروں کا پانی پہنچا تو وہ زمین خراجی ہے اور جس میں نہروں کا پانی نہیں پہنچا بلکہ وہیں کوئی چشمہ یا کنواں نکالا گیا تو وہ زمین عشری ہے۔ کیونکہ عشری کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہوتا ہے اور اس کی پیداوار پانی سے ہوتی ہے لہٰذا اعتبار عشری پانی یا خراجی پانی سے سیراب کرنے پر موقوف ہوگا۔ یعنی جیسے پانی سے اس کی سیرابی ہوگی اسی کا حکم دیا جائے گا۔

ارض موات کب خراجی ہوتی ہے؟

قَالَ وَمَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَوَاتًافَهِيَ عِنْدَاَبِيْ يُوْسُفَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا فَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْخَرَاجِ وَمَعْنَاهُ بِقُرْبِهٖ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِاَرْضِ الْعُشْرِفَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَالْبَصْرَةُ عِنْدَهٗ كُلُّهَا عُشْرِيَّةٌ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ لِاَنَّ حَيِّزَالشَّيْءِ يُعْطٰى لَهٗ حُكْمُهٗ كَفِنَاءِ الدَّارِيُعْطٰى لَهٗ حُكْمُ الدَّارِحَتّٰى يَجُوْزَلِصَاحِبِهَا الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ وَكَذَالَا يَجُوْزُ اَخْذُ مَاقَرُبَ مِنَ الْعَامِرِوَكَانَ الْقِيَاسُ فِي الْبَصْرَةِ اَنْ تَكُوْنَ خَرَاجِيَّةً لِاَنَّهَا مِنْ حَيِّزِاَرْضِ الْخَرَاجِ اِلَّا اَنَّ الصَّحَابَةَ وَظَّفُوْا عَلَيْهَا الْعُشْرَفَتُرِكَ الْقِيَاسُ لِاِجْمَاعِهِمْ

ترجمہ......اور جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا۔ یعنی جنگل کی غیر مزروعہ زمین (غیر آباد) کو مزروعہ (آباد) کیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا محل وقوع (کہ کیسی جگہ میں ہے) دیکھا جائے گا۔ کہ اگر وہ زمین خراجی زمین کے قریب ہو تو وہ زمین بھی خراجی زمین ہوگی اور اگر عشری زمین کے قریب ہو تو وہ بھی عشری زمین ہوگی۔ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بصرہ کی زمین سب عشری ہے کیونکہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے۔ رواہ ابن عبدالبر۔ کیونکہ جو چیز جس موقع پر ہو اسی کا حکم پاتی ہے۔ جیسے کہ فناء دار کو اسی دار کا حکم دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس دار کے مالک کو فناء دار سے فائدہ اٹھانے کی پوری اجازت ہوتی ہے۔ اسی طرح آبادی کے قریب جو زمین ہوتی ہے اس کو لینا جائز نہیں ہوتا ہے۔ بصرہ کے بارے میں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بھی خراجی ہو کیونکہ وہ خراجی زمین کے قریب ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے اس پر عشر مقرر کیا تھا ان کے اس اجماع کی وجہ سے قیاس کو چھوڑنا پڑا ہے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بنجر زمین کو قابل کاشت کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کے مطابق اس پر حکم نافذ کیا جائے گا۔ یعنی اگر قرب وجوار کی زمینیں عشری ہوں تو بنجر سے قابل کاشت ہونے والی زمین پر بھی عشری زمین کا اطلاق ہوگا۔ اگر آس پاس کی اراضی [illegible] تو [illegible] غیر آباد بعد ازاں قابل کاشت زمین خراجیہ متصور ہوگی۔

[illegible] مذکورہ زیر بحث مسئلہ میں پانچ امور کو واضح کیا گیا ہے۔

۱۔ ارض موات، ۲۔ ارض موات کا عشری وخراجی ہونے کا حکم، ۳۔ بصرہ کی اراضی کا حکم، ۴۔ اجماع صحابہ، ۵۔ قیاس

ارض موات

اردو زبان میں غیر آباد اور بنجر زمین کہا جاتا ہے۔ اور عربی زبان میں ارض موات کہتے ہیں۔ ارض موات (غیر آباد، بنجر زمین) کو ارض خالصہ بھی کہتے ہیں۔ ظاہر روایت کے مطابق ارض موات ایسی زمین کو کہا جاتا ہے جو کسی کی ملکیت نہ ہو۔ نہ ہی کسی کا مخصوص حق ہو۔ قابل منفعت نہ ہو۔ امام طحاویؒ کے نزدیک ارض موات ایسی زمین کو کہتے ہیں جو آبادی کے قریب نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ ارض موات پر زمین کے ایسے قطعہ کا تحقق ہوتا ہے۔ جو آبادی سے اتنا دور ہو کہ بلند آواز سے پکارنے سے آواز سنائی نہ دے۔ ظاہر روایت میں امام طحاویؒ، امام ابو یوسفؒ کے موقف کی شرط نہیں ہے۔ ظاہر روایت کے اعتبار سے وہ زمین جو سمندر کے ہٹ جانے سے خالی ہو جائے تو وہ بھی ارض موات کا حکم رکھتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ (ارض موات) شہر کے قریب ہو یا دور غیر مملوکہ بڑا جنگل بھی ارض موات کے زمرے میں آتا ہے۔ بقول صاحب بدائع الصنائع صحیح قول ظاہر روایت کا ہے۔ روایات واحادیث کی رو سے بنجر وغیر آباد اراضی کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ دائمی طور پر نا قابل کاشت اراضی ۲۔ افتادہ زمین ۳۔ خالصہ زمین

چنانچہ ان تینوں اقسام کی اراضی کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ وباللہ التوفیق

۱۔ دائمی نا قابل کاشت زمین:......ایسی بنجر زمین جو ہمیشہ سے غیر آباد چلی آرہی ہو اور اس کی ویرانی وسختی کے پیش نظر عام لوگ اسے قابل کاشت کرنے سے گھبراتے اور پہلو تہی کرتے ہوں۔ نقیع میں حضرت زبیرؓ کو ایسی ہی زمین دی گئی تھی۔

۲۔ افتادہ زمین:......وہ زمین جو کاشت کے قابل ہونے کے باوجود اس میں کسی وجہ سے نا قابل کاشت ہو۔ مثال کے طور پر،

۱۔ ایسی اراضی جو بستیاں اجڑنے کے بعد بے کار پڑی رہتی ہو اور انہیں قابل کاشت بنانے والا کوئی نہ ہو۔

۲۔ ایسی زمینیں جو آبپاشی کی دشواری کے باعث کاشت کے قابل نہ ہو سکے۔ جیسا کہ مدینہ کی یہ زمینیں اہل مدینہ نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے کر دی تھیں۔ وادی عقیق میں حضرت ہلال بن حارثؓ کو آپ ﷺ نے ایسی زمین عطا فرمائی تھی۔

۳۔ خالصہ زمین

مفتوحہ علاقوں کی ان تمام زمینوں پر ''خالصہ زمین'' کا اطلاق وتحقق ہوتا تھا جو اسلامی حکومت کیلئے ''خالصہ'' قرار دی جاتی تھیں۔ ایسی اراضی چھ اقسام پر مبنی ہے۔

پہلی قسم...... جن زمینوں کے مالک جنگ میں قتل ہو جاتے تھے وہ خالصہ زمین متصور ہوتی تھی۔

دوسری قسم...... جس اراضی کے مالکان اپنی زمینیں چھوڑ کر فرار ہو جاتے تھے ان پر خالصہ زمین کا اطلاق ہوتا تھا۔

تیسری قسم...... وہ زمینیں جو صرف بادشاہ کے اخراجات کی تکمیل کیلئے مختص ہوتی تھیں وہ خالصہ زمینیں کہلاتی تھیں۔

چوتھی قسم...... ایسی زمینیں جو شاہی خاندان اور افسران کی جاگیریں ہوتی تھیں وہ خالصہ زمینیں تھیں۔

پانچویں قسم...... وہ زمین جو ترائی، جھیلیں اور جھاڑیوں وغیرہ کی حامل ہوتی تھیں ان پر خالصہ زمین کا تحقق ہوتا تھا۔

چھٹی قسم...... وہ ارضی جو چند افراد کے قبضے میں عیاشی کا سامان بہم پہنچاتی تھیں اور اسلامی حکومت کے غلبہ سے ان (زمینوں) کا کوئی مالک یا آباد کار کوئی نہ ہوتا تھا۔ یہ تمام زمینیں ''خالصہ اراضی'' کو متحقق کرتی تھیں۔

ارض موات (بنجر زمین) کے عشری وخراجی ہونے کا حکم

بنجر زمین کے عشری یا خراجی ہونے پر مبنی اصول یہ ہے کہ زمین پر عشر یا خراج باعتبار حکم کے پانی کے ساتھ منتقل ہو جائیگا۔ یعنی اگر کسی شخص نے بنجر زمین کو عشری پانی (چشمہ، کنواں، تالاب وغیرہ کا پانی) سے سیراب کیا تو وہ (بنجر زمین) عشری قرار پائے گی۔ اگر اسے (بنجر زمین کو) خراجی پانی (عجمی لوگوں کی بنائی ہوئی نہر کا پانی یا کفار کے مقبوضہ پانی پر مجاہدین کا غلبہ ہو وغیرہ) سے سیراب کیا تو ہو (بنجر زمین) قابل کاشت ہونے کے بعد خراجی متصور ہوگی۔ اس سے ہدایہ کے متن میں امام ابو یوسفؒ کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر قرب وجوار کی اراضی عشری پانی سے سیراب ہوتی ہے تو یہ (بنجر زمین) بھی عشری ہوگی۔ خراجی کی صورت خراجی ہوگی۔ اعتبار قرب وجوار کی زمین کا ہوگا۔ جیسا کہ شرح وقایہ باب زکوٰۃ الخارج میں مسلمانوں پر ابتداء خراج لاگو ہونے پر مبنی اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے۔ یعنی بنجر زمین کو قابل کاشت کرنے کیلئے اگر خراجی پانی استعمال کیا گیا تو اس زمین پر خراج عائد ہوگا۔

یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس طرح مسلمانوں پر ابتداء خراج نافذ العمل ہوگا جبکہ فقہاء کی صراحت یہ ہے کہ مسلمانوں پر ابتداء خراج لاگو نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ابن ہمامؒ (صاحب فتح القدیر) کے حوالے سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب ایک مسلمان خراجی پانی سے اپنی زمین سیراب کر لے تو زمین پر خراج پانی سے منتقل ہو جائے گا۔ یوں مسلمان پر ابتداء خراج لازم نہ ہوگا بلکہ جس کا حکم خراج ہے وہ اپنے حکم کے ساتھ منتقل ہوا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے اس (مسلمان) نے خراجی زمین خریدی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

ارض موات کب عشری ہوتی ہے؟

وَ قَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ اَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا اَوْ بِعَيْنٍ اِسْتَخْرَجَهَا اَوْ مَاءِ دَجْلَةَ وَالْفُرَاتِ وَالْاَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِىْ لَايَمْلِكُهَا اَحَدٌ فَهِىَ عُشْرِيَّةٌ وَكَذَا اِنْ اَحْيَاهَا بِمَاءِ السَّمَاءِ وَاِنْ اَحْيَاهَا بِمَاءِ الْاَنْهَارِ الَّتِىْ احْتَفَرَهَا الْاَعَاجِمُ مِثْلَ نَهْرِ الْمَلِكِ وَ نَهْرِيَزْ دَجَرد فَهِىَ خَرَاجِيَّةٌ لِمَاذَكَرْنَا مِنَ اعْتِبَارِ الْمَاءِ اِذْهُوَ السَّبَبُ لِلنَّمَاءِ وَلِاَنَّهُ لَايُمْكِنُ

تَوْظِيْفُ الْخَرَاجِ ابْتِدَاءً عَلَى الْمُسْلِمِ كُرْهًا فَيُعْتَبَرُ فِيْ ذَالِكَ الْمَاءُ لِأَنَّ السَّقْيَ بِمَاءِ الْخَرَاجِ دَلَالَةُ الْتِزَامِهِ

ترجمہ...... اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر اس نے وہاں کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر اس زمین کو اس کے پانی سے سیراب کیا یا قدرتی دریاؤں مثل دجلہ وفرات کے پانی سے سیراب کیا۔ جبکہ ان دریاؤں کا کوئی مالک نہیں ہے تو یہ زمین عشری ہوگی۔ اسی طرح اگر زمین کو بارش کے پانی سے سیراب کیا تب بھی وہ زمین عشری ہوگی۔ اور اگر ایسی نہروں کے پانی سے سیراب کیا جن کو بادشاہوں اور عجم کے امیروں نے کھودا ہے جیسے نہر نوشیرواں اور نہر یزدگرد تو یہ خراجی زمین ہوگی کیونکہ ہم نے پہلے بتادیا ہے کہ اس موقع میں پانی کا اعتبار ہوتا ہے۔ کیونکہ پیداوار کا اصل سبب پانی ہی ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ مسلمان پر شروع سے ہی زبردستی کر کے خراج لازم کرنا ممکن نہیں ہے اسی لئے اس میں پانی کا اعتبار کیا جائے کیونکہ جب اس نے خراجی پانی سے سیراب کیا تو اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اپنے اوپر خراج دینے کو لازم کر لیا ہے۔ اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کی خراجی زمین خریدی تو حسب سابق اس پر خراج باقی رہے گا۔

زمین میں خراج مقرر کرنے کا معیار

قَالَ وَالْخَرَاجُ الَّذِيْ وَضَعَهُ عُمَرُ رضی اللہ عنہ عَلَى أَهْلِ السَّوَادِ مِنْ كُلِّ جَرِيْبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ قَفِيْزٌ هَاشِمِيٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ وَمِنْ جَرِيْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمِنْ جَرِيْبِ الْكَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخِيْلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ وَهٰذَا هُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَإِنَّهُ بَعَثَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ حَتّٰى يَمْسَحَ سَوَادَ الْعِرَاقِ وَجَعَلَ حُذَيْفَةَ مُشْرِفًا فَمَسَحَ فَبَلَغَ سِتًّا وَّثَلٰثِيْنَ أَلْفَ أَلْفِ جَرِيْبٍ وَوَضَعَ عَلٰى ذَالِكَ مَا قُلْنَا وَكَانَ بِمَحْضَرٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ فَكَانَ إِجْمَاعًا مِّنْهُمْ وَلِأَنَّ الْمُؤَنَ مُتَفَاوِتَةٌ فَالْكَرْمُ أَخَفُّهَا مُؤْنَةً وَالْمَزَارِعُ أَكْثَرُهَا مُؤْنَةً وَالرِّطَابُ بَيْنَهُمَا وَالْوَظِيْفَةُ تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِهَا فَجُعِلَ الْوَاجِبُ فِي الْكَرْمِ أَعْلَاهَا وَفِي الزَّرْعِ أَدْنَاهَا وَفِي الرَّطْبَةِ أَوْسَطُهَا

ترجمہ...... کہا اور وہ خراج جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق والوں پر مقرر کیا تھا وہ اس حساب سے تھا کہ ہر ایک جریب (اتنی زمین جس کی لانبائی ملک کسریٰ کے ذراع سے، ساٹھ ذراع لانبی ہو یہ ذراع عام ذراع سے کچھ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ عام ذراع چھ قبضوں کا اور ملک کسریٰ کا سات قبضوں کا ہوتا تھا اور اس کی چوڑائی بھی ساٹھ ذراع ہو)۔ ایسی زمین جس کو پانی ملا ہو اس پر ایک ہاشمی قفیز۔ یعنی اس کی پیداوار سے ایک صاع اور ایک درہم ہے۔ اور ہر جریب رطبہ (فتح راء کے ساتھ اس کی جمع رطاب اور ارطاب ہے۔ انوار الحق قاسمی)۔ (سبزی، ترکاری، بیگن، خربوزہ، ککڑی وغیرہ) پر پانچ درہم ہیں۔ اور ہر جریب انگور پر جس کی بیلیں ایک ساتھ ہوں یعنی درمیان میں کوئی کھیتی وغیرہ نہ ہو اس میں دس درہم ہیں۔ اسی طرح ہر ایک جریب خرمہ پر جو ایک ساتھ ہوں دس درہم ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔ چنانچہ ابوعبیدہ بن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف کو بھیجا اور انہوں نے سواد عراق کی پیمائش کی اور حضرت حذیفہ کو مشرف مقرر کیا۔ چنانچہ وہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب رقبہ ہوا۔ اور آپ نے اس پر اسی طرح محصول مقرر کیا جب کہ ہم نے بیان کر دیا ہے اور یہ کام تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں کسی انکار واعتراض کے بغیر ہوا لہٰذا اس پر تمام صحابہ کا اجماع ثابت ہو گیا۔ اور اس وجہ سے بھی کہ کھیتی اور باغبانی وغیرہ کے کام میں خرچ اور محنت میں کافی فرق ہوتا ہے اسی لئے انگور کے باغ میں خرچ اور محنت کم ہوتا ہے اور ایک مرتبہ لگا دینے کے بعد اس کی بیلیں بہت دنوں تک باقی رہتی ہیں اور غلہ کے کھیتوں میں خرچ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان رطاب یعنی کھیرے و ککڑی و بیگن و خربوز وغیرہ ہیں۔ اور ان کے خرچ کے فرق اور کم وبیش ہونے کی وجہ سے ان کا محصول بھی کم و بیش اور ان کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ اسی لئے انگور کے باغ میں سب سے زیادہ محصول مقرر کیا۔ اور کھیتی میں سب سے کم اور رطبہ یعنی ککڑی وغیرہ

میں درمیانی درجہ کا لگایا ہے۔

کھیت اور باغ کے خراج مقرر کرنے کا معیار

قَالَ وَمَاسِوٰی ذَالِكَ مِنَ الْاَصْنَافِ كَالزَّعْفرَانِ وَالْبُسْتَانِ وَغَیْرِهٖ یُوْضَعُ عَلَیْهَا بِحَسْبِ الطَّاقَةِ لِاَنَّهٗ لَیْسَ فِیْهِ تَوْظِیْفُ عُمَرَؓ وَقَدِاعْتَبَرَ الطَّاقَةَ فِیْ ذَالِكَ فَنَعْتَبِرُهَا فِیْمَا لَاتَوْظِیْفَ فِیْهِ قَالُوْا وَنِهَایَةُ الطَّاقَةِ اَنْ یَّبْلُغَ الْوَاجِبُ نِصْفَ الْخَارِجِ لَایُزَادُ عَلَیْهِ لِاَنَّ التَّنْصِیْفَ عَیْنُ الْاِنْصَافِ لِمَاكَانَ لَنَا اَنْ نُّقَسِّمَ الْكُلَّ بَیْنَ الْغَانِمِیْنَ وَالْبُسْتَانُ كُلُّ اَرْضٍ یَحُوْطُهَا حَائِطٌ وَفِیْهَا نَخِیْلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَاَشْجَارٌ اُخَرُ وَفِیْ دِیَارِنَا وَظَّفُوْا مِنَ الدَّرَاهِمِ فِی الْاَرَاضِیْ كُلِّهَا وَتُرِكَ كَذَالِكَ لِاَنَّ التَّقْدِیْرَ یَجِبُ اَنْ یَّكُوْنَ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ كَانَ

ترجمہ......قَالَ وَمَا سِوٰی ذَالِكَ...... الخ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ان چیزوں کے ماسوا دوسری قسموں مثلاً زعفران کے کھیت اور باغ وغیرہ میں ان پر طاقت اور حیثیت کے مطابق محصول لازم کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے بارے میں حضرت عمرؓ سے کوئی مقدار مقرر نہیں ہوئی ہے اور خود حضرت عمرؓ نے محصول لگانے میں زمین کی طاقت کا بھی خیال رکھا ہے۔ تو جن چیزوں میں آپ کی طرف سے کوئی محصول مقرر کیا ہوا نہیں ہے ان میں ہم بھی زمین کی طاقت کا خیال رکھیں گے۔ ہمارے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ انتہائے طاقت یہ ہے کہ جو کچھ محصول مقرر کیا جائے وہ اس کی پیداوار کے نصف تک ہو اس سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ آدھا مقرر کرنا ہی اصل انصاف ہے کیونکہ ہمیں یہ اختیار تھا کہ اس کی پوری زمین ہی ہم مجاہدین اور اپنے لوگوں میں تقسیم کردیں۔ بستان ہر ایسی زمین اور باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف چہار دیواری ہو اور اس کے اندر مختلف قسم کے درخت اور پودے لگے ہوئے ہوں۔ مثلاً خرمہ اور دوسرے درخت۔ ہمارے علاقوں میں تو تمام زمینوں پر روپے سے محصول مقرر کیا جاتا ہے کیونکہ محصول کی مقدار کے بارے میں یہ واجب ہے کہ وہ طاقت کے مطابق مقرر کیا جائے خواہ کسی چیز سے مقرر ہو۔

محصول کی مقدار پیداوار برداشت نہ کرسکے تو امام محصول میں کمی کرسکتا ہے

قَالَ فَاِنْ لَّمْ تُطِقْ مَاوُضِعَ عَلَیْهَا نَقَصَهُمُ الْاِمَامُ وَالنُّقْصَانُ عِنْدَقِلَّةِ الرَّیْعِ جَائِزٌ بِالْاِجْمَاعِ اَلَاتَرٰی اِلٰی قَوْلِ عُمَرَؓ لَعَلَّكُمَا حَمَّلْتُمَا الْاَرْضَ مَالَاتُطِیْقُ فَقَالَا لَابَلْ حَمَّلْنَاهَا مَاتُطِیْقُ وَلَوْزِدْنَاهَا لَاطَاقَتْ وَهٰذَایَدُلُّ عَلٰی جَوَازِ النُّقْصَانِ وَاَمَّاالزِّیَادَةُ عِنْدَزِیَادَةِ الرَّیْعِ یَجُوْزُعِنْدَ مُحَمَّدٍؒ اِعْتِبَارًا بِالنُّقْصَانِ وَعِنْدَاَبِیْ یُوْسُفَؒ لَایَجُوْزُلِاَنَّ عُمَرَؓ لَمْ یَزِدْ حِیْنَ اُخْبِرَ بِزِیَادَةِ الطَّاقَةِ.

ترجمہ......قدوریؒ نے کہا ہے کہ اگر ایسا ہو کہ جو محصول کسی زمین پر لگایا گیا اگر وہ زمین اس کو برداشت نہ کرسکتی ہو یعنی پیداوار سے محصول نکالنے کے بعد نصف سے بھی کم بچتا ہو تو امام کو چاہئے کہ اس محصول کو کم کردے۔ اور پیداوار کے کم ہونے کی صورت میں محصول کم کردینا بالاجماع جائز ہے۔ اسی لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ وابن حنیفؓ سے فرمایا تھا کہ کہیں ایسا تو تم نے نہیں کیا کہ اتنا محصول مقرر کردیا ہو جسے وہ زمین برداشت نہ کرسکتی ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے ہم نے اتنا ہی لگایا ہے جسے وہ برداشت کرسکتی ہو بلکہ اگر ہم کچھ بھی لگانا چاہتے تو وہ زمین اسے بھی برداشت کرلیتی۔ (کیونکہ اس کی پیداوار بہت زیادہ ہے)۔ (رواہ البخاری)

اس گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محصول کم مقرر کرنا بھی صحیح ہے۔ اور یہ بات کہ پیداوار اگر اندازہ سے بہت زیادہ ہوجائے تو محصول کو بڑھانا

بھی جائز ہے یا نہیں۔ تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طرح مقرر کئے ہوئے محصول کو گھٹانا جائز ہے اسی طرح اسے بڑھا دینا بھی جائز ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بڑھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر دی گئی تھی کہ وہ لگائے ہوئے محصول سے بھی زیادہ محصول برداشت کرسکتی ہے پھر بھی آپ نے محصول نہیں بڑھایا۔

خراجی زمین پر سیلاب آگیا یا قحط سالی ہوگئی یا پانی ختم ہوگیا یا کھیت پر آفت آگئی خراج ساقط ہوجائے گا

وَاِنْ غَلَبَ عَلٰی أَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ اَوِ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنْهَا اَوِ اصْطَلَمَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ فَلَاخَرَاجَ عَلَيْهِ لِأَنَّهٗ فَاتَ التَّمَكُّنُ مِنَ الزِّرَاعَةِ وَهُوَ النَّمَاءُ التَّقْدِيْرِيُّ الْمُعْتَبَرُ فِی الْخَرَاجِ وَفِيْمَا اِذَا اصْطَلَمَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ فَاتَ النَّمَاءُ التَّقْدِيْرِيُّ فِیْ بَعْضِ الْحَوْلِ وَكَوْنُهٗ نَامِيًا فِیْ جَمِيْعِ الْحَوْلِ شَرْطٌ كَمَافِیْ مَالِ الزَّكٰوةِ أَوْيُدَارُالْحُكْمُ عَلٰی الْحَقِيْقَةِ عِنْدَخُرُوْجِ الْخَارِجِ

ترجمہ...... وَاِنْ غَلَبَ عَلٰی أَرْضٍ...... الخ اور اگر خراجی زمین میں پانی بہت زیادہ آگیا یا اس کا پانی بالکل خشک ہوگیا یا اس کھیتی کو ایسی کوئی آفت لگ گئی جس سے وہ کھیتی برباد ہوگئی تو اس پر خراج لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس میں کھیتی باقی ہی نہیں رہی۔ اور خراج میں اس بات کو بہت دخل ہے کہ اس زمین میں تقدیری طور پر اضافہ ہوتا ہو۔ یعنی اس میں کھیتی باقی رہ سکتی ہو۔ اور جب کبھی کھیتی میں ایسی کوئی آفت آجائے تو سال کے کسی بھی حصہ اور وقت میں نمو تقدیری ختم ہوگئی۔ حالانکہ خراج وصول کرنے کے لئے شرط ہے کہ وہ تمام سال قابل کاشت (نمو تقدیری) رہے جیسا کہ زکوٰۃ کے مال میں شرط ہے یا یوں کہا جائے کہ جب کھیتی ظاہر ہوگئی تو اس کا حقیقی طور پر بڑھنا ہی حکم کا مدار ہوگیا۔ زیادتی اور اضافہ حقیقی طور پر ہونا ہی اصل تھا مگر حکمی اضافہ اس حقیقی اضافہ کا قائم مقام تھا۔ اور جب کھیتی نظر آنے لگی تو حقیقی اضافہ موجود ہوگیا۔ پس خراج کا تعلق اسی حقیقی اضافہ سے ہوا۔ پھر یہ بھی آفت کے آجانے سے ختم ہوگئی لہٰذا خراج بھی ختم ہوگیا۔ اور اب فتویٰ یہ ہے کہ اگر کھیتی ایک سال میں تین مہینے بھی پائی گئی تو خراج ساقط نہ ہوگا۔ لیکن وجہ وہی ہے جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

مالک زمین نے اسے بے کار چھوڑ دیا تو خراج ساقط نہ ہوگا

قَالَ وَاِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ لِاَنَّ التَّمَكُّنَ كَانَ ثَابِتًا وَهُوَالَّذِیْ فَوَّتَهٗ قَالُوْا مَنِ انْتَقَلَ اِلٰی اَخَسِّ الْاَمْرَيْنِ مِنْ غَيْرِعُذْرٍفَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ الْاَعْلٰی لِاَنَّهٗ هُوَالَّذِیْ ضَيَّعَ الزِّيَادَةَ وَهٰذَا يُعْرَفُ وَلَايُفْتٰی بِهٖ كَيْلَا يَتَجَرَّءَ الظَّلَمَةُ عَلٰی اَخْذِاَمْوَالِ النَّاسِ

ترجمہ...... قَالَ وَاِنْ عَطَّلَهَا...... الخ اور اگر مالک زمین نے کھیتی کو یوں ہی بے کار چھوڑ دیا تو اس پر خراج لازم آجائے گا۔ اس لئے کہ اسے کھیتی کرنے کی پوری قدرت موجود تھی پھر بھی اس نے جان بوجھ کر وہ ضائع کر دیا۔ مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ اگر کسی زمین میں قیمتی چیز مثلاً زعفران وغیرہ پیدا ہوتی ہو پھر بھی مالک نے کسی عذر کے بغیر معمولی سی چیز مثلاً جوار وغیرہ کی کھیتی کرلی تو اس پر اعلیٰ چیز کا ہی حسب سابق لگان لگایا جائے گا۔ کیونکہ اس نے قصداً اعلیٰ مقدار ضائع کردی ہے۔ مگر یہ بات صرف معلوم ہونی چاہئے۔ اور اس کا فتویٰ نہیں دینا چاہئے تاکہ ظالم حکام رعایا کے مال میں جرأت نہ کریں۔

اہل خراج میں سے جو مسلمان ہو گیا اس سے خراج لیا جائے گا

وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الْخَرَاجِ اُخِذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ عَلٰى حَالِهٖ لِاَنَّ فِيْهِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ فَيُعْتَبَرُ مُؤْنَةً فِيْ حَالَةِ الْبَقَاءِ فَاَمْكَنَ اِبْقَاؤُهٗ عَلَى الْمُسْلِمِ

ترجمہ...... اور جن لوگوں پر خراج واجب ہوا گر ان میں سے کوئی مسلمان ہو گیا تو اس سے بدستور سابق خراج لیا جائے گا۔ کیونکہ خراج کے معنی (محصول اور لگان کے علاوہ) اخراجات اور خرچ کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے بعد میں یعنی حالت بقاء میں بھی اس میں خراج اور مئونت ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس لئے کسی مسلمان پر اس حالت کو باقی رکھنا ممکن ہے (یعنی مسلمان پر ابتداءً تو خراج لازم نہیں کیا جا سکتا ہے مگر خراجی زمین ہو جانے کے بعد اس کو خراجی کہنا ممکن ہو جائے گا)۔

مسلمان ذمی سے ارض خراج خرید سکتا ہے یا نہیں؟

وَيَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ اَرْضَ الْخَرَاجِ مِنَ الَّذِيْ يُؤْخَذُ مِنْهُ الْخَرَاجُ لِمَا قُلْنَا وَ قَدْ صَحَّ اَنَّ الصَّحَابَةَؓ اشْتَرَوْا اَرَاضِيَ الْخَرَاجِ وَ كَانُوْا يُؤَدُّوْنَ خَرَاجَهَا فَدَلَّ عَلٰى جَوَازِ الشِّرَاءِ وَاَخْذِ الْخَرَاجِ وَاَدَائِهٖ لِلْمُسْلِمِ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ

ترجمہ...... اور یہ بات جائز ہوگی۔ مسلمان خراجی زمین کو ذمی سے خرید لے اور اس سے خراج لیا جائے۔ اوپر میں بیان کی ہوئی دلیل کی وجہ سے۔ یعنی اس مئونت کو باقی رکھنا ممکن ہے۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے بھی خراجی زمینیں خریدی اور وہ ان کا خراج دیا کرتے تھے۔ اس سے اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ اس زمین کا خریدنا جائز اور خراج لینا اور مسلمان کو خراج دینا بلا کراہت جائز ہے۔

خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں

وَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الْخَرَاجِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّؒ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا لِاَنَّهُمَا حَقَّانِ مُخْتَلِفَانِ وَجَبَا فِيْ مَحَلَّيْنِ بِسَبَبَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ فَلَا يَتَنَافَيَانِ وَلَنَا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِيْ اَرْضِ مُسْلِمٍ وَلِاَنَّ اَحَدًا مِنْ اَئِمَّةِ الْعَدْلِ وَالْجَوْرِ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا وَكَفٰى بِاِجْمَاعِهِمْ حُجَّةً وَلِاَنَّ الْخَرَاجَ يَجِبُ فِيْ اَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقَهْرًا وَالْعُشْرُ فِيْ اَرْضٍ اَسْلَمَ اَهْلُهَا طَوْعًا وَالْوَصْفَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ اَرْضٍ وَاحِدَةٍ وَسَبَبُ الْحَقَّيْنِ وَاحِدٌ وَهُوَ الْاَرْضُ النَّامِيَةُ اِلَّا اَنَّهٗ يُعْتَبَرُ فِي الْعُشْرِ تَحْقِيْقًا وَفِي الْخَرَاجِ تَقْدِيْرًا وَلِهٰذَا يُضَافَانِ اِلَى الْاَرْضِ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الزَّكٰوةُ مَعَ اَحَدِهِمَا

ترجمہ...... وَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ ...... الخ اور خراجی زمین کی پیداوار سے عشر نہیں ہے۔ یعنی اس میں فقط خراج لازم آئے گا۔ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس میں سے عشر اور خراج دونوں لئے جائیں گے۔ کیونکہ یہ دو مختلف حقوق میں جو دو موقعوں میں دو مختلف سبب سے واجب ہوتے ہیں اس لئے ان کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے (کہ ایک کے ہونے سے دوسرا نہ ہو) کیونکہ خراج تو مالک کے ذمہ زمین کی قوت پیدائش کے سبب سے ہے اور عشر پیداوار پر حقیقی پیدائش کے سبب سے ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کی زمین میں عشر و خراج دونوں جمع نہیں ہوں گے۔ ابن عدی نے ضعیف سند سے اس کی روایت کی ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کے اماموں میں سے وہ خواہ ظالم ہو یا عادل ہو

کسی نے بھی عشر وخراج کو جمع نہیں کیا ہے۔ اس طرح ان کا متفقہ عمل بھی ایک دلیل ہوئی اور اس دلیل سے بھی کہ خراج تو ایسی زمین میں واجب ہوتا ہے جو تلوار کے زور سے قہراً فتح کی گئی ہو۔ اور عشر ایسی زمین میں واجب ہوتا ہے جہاں کے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہوں اور یہ دونوں باتیں ایک ہی زمین میں ایک ساتھ نہیں پائی جاسکتی ہیں۔ (اسی لئے صحابہ کرامؓ سے بھی دونوں کو جمع کرنا منقول نہیں ہے) اور عشر وخراج دونوں کا سبب ایک ہی یعنی پیداوار والی زمین ہے البتہ ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ عشر میں حقیقی اور یقینی پیداوار کا اعتبار ہے اور خراج میں تقدیری پیداوار یعنی زراعت پر صرف قادر ہونا ہی کافی ہے لیکن حقیقۃً زمین ہی سبب ہے۔ اسی لئے دونوں کی نسبت زمین کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے بولتے ہیں کہ عشرِ زمین یا خراجِ زمین اور ایسا ہی اختلاف زکوٰۃ کے ساتھ عشر یا خراج جمع کرنے میں ہے۔ چنانچہ اگر عشری یا خراجی زمین تجارت کی نیت سے کسی نے خریدی تو ہمارے نزدیک اس میں تجارت کی زکوٰۃ نہیں ہوگی بلکہ صرف عشری زمین ہونے سے عشر ورنہ خراج لازم آئے گا۔

تشریح...... حاصل یہ کہ ابن عدیؒ کی مثل دیگر روایات میں بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے کہ مسلمان کی زمین پر عشر وخراج (ایک ساتھ) جمع نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا صرف یحیٰی بن عنبہ پر جرح کی وجہ سے متذکرہ روایت کو باطل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا احناف کے موقف (عشر وخراج جمع نہیں ہوں گے) کو ثابت کرنے کیلئے متن ہدایہ کی متدلہ روایت لَا يَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَ خَرَاجٌ فِي اَرْضِ مُسْلِمٍ قابل حجت ہے۔ صاحب ہدایہ نے مسلمان کی زمین پر عشر وخراج جمع نہ ہونے کے سلسلے میں دوسری دلیل یوں پیش کی ہے کہ عادل وظالم (مسلم) حکمرانوں نے بھی مسلمانوں سے عشر وخراج کو ایک ساتھ وصول نہیں کیا۔ عادل حکمرانوں کا عشر وخراج دونوں کو جمع کر کے وصول نہ کرنا اس بنا پر تھا کہ حق وانصاف کا تقاضا یہی ہے کہ عشر وخراج کو جمع نہ کیا جائے۔ لیکن ظالم حکمرانوں کا ہر دو (عشر وخراج) کو جمع نہ کرنا یا تو شرعی نکتہ نگاہ کے پیش نظر علماء کے فتاویٰ کی بنا پر تھا کیونکہ ظالم حکمرانوں کا جبر وتشدد عموماً سیاسی اختلاف کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس کے پس منظر میں صرف اقتدار پر قابض رہنے کی تدابیر ہوا کرتی ہیں۔ نظریاتی میدان (نظریہ اسلام) میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ اور عشر وخراج لاگو کرنے کا مسئلہ خالص شرعی ہے۔ اسلئے مسلمان ظالم حاکم ہونے کے باوجود اپنے اندر کچھ نہ کچھ ایمان اور شعائر اسلام کے احترام کی رمق ضرور رکھتا ہے۔ اسلئے مملکت اسلامیہ کے ظالم حکمران بھی عشر وخراج کو جمع نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ دریں صورت عادل وظالم حکمران کا متفقہ فیصلہ (عشر وخراج کا جمع نہ ہونا) قابل حجت ہے۔ عشر کا تعلق نفس زمین کے ساتھ ہے پیداوار ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان سے ہر پیداوار پر عشر وصول کیا جاتا ہے بخلاف خراج کے کہ اس کا تعلق محض پیداوار کے ساتھ ہے اگر پیداوار موجود ہے تو خراج ہے ورنہ نہیں۔ اسی امر کو ہدایہ کے متن میں واضح کیا گیا ہے کہ عشر میں تحقیقی پیداوار معتبر ہے اور خراج میں تقدیری پیداوار کا اعتبار ہے۔ جو زمین قہر وغلبہ سے حاصل کی جائے اس پر خراج لاگو ہوتا ہے اور جس زمین کا مالک مسلمان ہو جائے تو اس پر عشر واجب ہوتا ہے ایک ہی زمین میں یہ دونوں وصف جمع نہیں ہوسکتے۔

اس توجیہ میں صاحب ہدایہ نے امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب دیا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ دونوں حق مختلف ہیں۔ اور یہ دو محل میں مختلف سبب سے واجب ہوتے ہیں۔ لہٰذا عشر وخراج کا جمع ہونا منافی نہیں۔ امام شافعیؒ کے اس استدلال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ دونوں وصف ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اور ان دونوں کا سبب مختلف نہیں بلکہ ایک ہے اور وہ پیداوار والی زمین کا وجود ہے لہٰذا عشر وخراج جمع کرنے کے منافی ہونے کا تحقق ہوگیا۔ اختلاف زکوٰۃ کے حوالے سے بھی احناف کا موقف قوی ہے۔ کیونکہ جس عشری یا خراجی زمین کو تجارت کی نیت سے خریدا جاتا ہے اس پر تجارت پر مبنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اگر وہ (زمین) تجارت کی نیت سے نہ خریدی جائے تو اس پر زکوٰۃ تجارت واجب نہ ہوگی۔ بخلاف عشر وخراج کے کہ زمین کے عشری ہونے پر عشر واجب ہوتا ہے اور خراجی ہونے کی صورت میں اس پر خراج عائد ہوتا ہے خواہ اسے (زمین کو) مزارعت ومشارکت، مستاجری کی نیت سے خریدا جائے۔ کیونکہ عشر وخراج وجوبی وظیفہ ہیں جو زمین کی موجودگی میں کسی بھی صورت میں مالک سے ساقط نہیں ہوتے جبکہ تجارت کی نیت سے زمین نہ خریدنے کی صورت میں زکوٰۃ تجارت ساقط ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اختلاف زکوٰۃ کے حوالے سے بھی

امام شافعیؒ کا قول محل نظر ہے۔ چنانچہ اس پوری بحث سے باور ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ و احناف کا قول راجح ہے اور امام شافعیؒ کا موقف مرجوح متصور ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

پیداوار کے مکرر ہونے سے خراج مکرر نہیں ہوگا

وَ لَا يَتَكَرَّرُ الْخَرَاجُ بِتَكَرُّرِ الْخَرَاجِ فِيْ سَنَةٍ لِاَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يُوَظِّفْهُ مُكَرَّرًا بِخِلَافِ الْعُشْرِ لِاَنَّهُ لَايَتَحَقَّقُ عُشْرًا اِلَّا بِوُجُوْبِهٖ فِيْ كُلِّ خَارِجٍ

ترجمہ......وَلَا يَتَكَرَّرُ...... الخ اور ایک ہی سال میں زمین میں دو بار پیداوار ہو جانے سے دوبارہ خراج نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے خراج دوبارہ مقرر نہیں کیا تھا۔ برخلاف عشر کے کیونکہ عشر اسی وقت لازم آئے گا کہ اس زمین کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جائے۔ تاکہ زمین میں جتنی پیداوار ہوئی ہے اس میں سے دسواں حصہ لینا ثابت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الْجِزْيَةِ

ترجمہ......باب، جزیہ کے بیان میں

جزیہ کی اقسام

وَ هِيَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ جِزْيَةٌ تُوْضَعُ بِالتَّرَاضِيْ وَالصُّلْحِ فَتَتَقَدَّرُ بِحَسْبِ مَايَقَعُ عَلَيْهِ الْاِتِّفَاقُ كَمَا صَالَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَهْلَ نَجْرَانَ عَلٰى أَلْفٍ وَمِائَتَيْ حُلَّةٍ وَلِأَنَّ الْمُوْجِبَ هُوَالتَّرَاضِيْ فَلَايَجُوْزُ التَّعَدِّيْ اِلٰى غَيْرِ مَاوَقَعَ عَلَيْهِ الْاِتِّفَاقُ.

ترجمہ......جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔ اس جگہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قسموں کو اس طرح بیان کیا ہے۔ وَ هِيَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ الخ۔ جزیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جو آپس کی رضامندی اور صلح کے ساتھ طے پا جائے تو اس کی مقدار وہی ہوگی جس پر دونوں نے اتفاق کر لیا ہو۔ جیسا کہ رسول اللہؐ نے نجران والوں سے ایک ہزار دو سو (۱۲۰۰) کپڑوں کے جوڑے (ازار اور چادر) پر صلح کی تھی۔ اور اس دلیل سے بھی کہ مال کی موجب (متعینہ مقدار جس پر دونوں کا اتفاق ہوا ہے) وہ ان دونوں کی رضامندی ہے۔ اس لئے جس بات پر دونوں فریق میں رضامندی ہو چکی ہو اس سے پھر جانا اور تجاوز کرنا جائز نہ ہوگا۔

تشریح......وَ هِيَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ ......الخ جزیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک وہ جزیہ جو مسلمین اور محاربین کے درمیان صلح و خوشی کے ساتھ طے پایا جائے۔ جیسا کہ رسول اللہؐ نے نجران والوں سے سالانہ بارہ سو (۱۲۰۰) کپڑوں کے جوڑوں پر طے کر لیا تھا تو اس میں مصالحت کے بعد اس کی خلاف ورزی جائز نہ ہوگی۔ اس وعدہ کو پورا کرنا ہوگا۔ واضح ہو کہ اہل نجران سے صلح کے حوالے سے ابوداؤد میں حدیث ابن عباسؓ سے اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجران (نون کے فتحہ اور جیم کے سکون کے ساتھ ملک یمن کا ایک علاقہ جس کے باشندے نصرانی تھے) سے دو ہزار حلوں (حاء کے ضمہ اور لام کے تشدید کے ساتھ ایک ازار اور ایک چادر کے جوڑے) پر صلح کی کہ ان میں سے نصف تو ماہ صفر میں ادا کریں اور باقی ماہ رجب میں ادا کیا کریں اور مسلمانوں کو تیس زرہ اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے تیس تیس بطور رعایت دیں اور مسلمان ان

ہتھیاروں کے ضامن ہوں گے (ضرورت نہ ہونے سے واپس دینے کے ذمہ دار ہوں گے۔) اس کے عوض لازمی طور سے ان کا کوئی گرجا توڑ پھوڑ نہیں کیا جائے گا اور ان کا پادری نہیں نکالا جائے گا۔ اور ان کو ان کے دین کے کسی معاملہ میں کسی طرح کے فتنہ میں نہیں ڈالا جائے گا۔ جب تک خود ان کی طرف سے کوئی نئی بات نہ پیدا ہو یا سود نہ کھائیں۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روایت کی ہے۔ حلہ کے معنی ایک ازار اور ایک چادر ہے۔ اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ سوائے اس کے کہ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے شاید ابن عباسؓ کو نہیں پایا لیکن حدیث حجت ہے۔ الحاصل یہ مال جو نجران والوں پر بطور صلح لازم ہوا وہ جزیہ ہے جو باہمی رضامندی سے طے پایا ہے اس لئے اس میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا اور دوسری قسم جزیہ کی وہ ہے جو امام المسلمین بطور احسان ان پر لازم کردے۔ جس کی مقدار مشہور ہے اور باقی عبارت کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

جزیہ کی تعریف

وَ جِزْيَةٌ يَبْتَدِي الْإِمَامُ وَضْعَهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ وَاَقَرَّهُمْ عَلٰى اَمْلَاكِهِمْ فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغِنٰى فِيْ كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَّاَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُمْ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ وَعَلٰى وَسْطِ الْحَالِ اَرْبَعَةً وَعِشْرِيْنَ دِرْهَمًا فِيْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيْنِ وَعَلَى الْفَقِيْرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فِيْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمًا وَهٰذَا عِنْدَنَا

ترجمہ...... وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِي...... الخ اور دوسری قسم وہ جزیہ ہے جو امام المسلمین کافروں پر بالکل ابتداء میں مقرر کردے۔ اس وقت جب کہ امام ان کافروں پر غالب ہو کر بھی (انہیں قتل نہ کرنے یا غلام نہ بنالے بلکہ) ان کو ان کی اپنی املاک پر باقی رہنے دے) یعنی امام نے تلوار کی طاقت سے کافروں کے کسی ملک کو فتح کر لینے کے بعد بھی ان پر احسان کرتے ہوئے ان کو ان کے اپنے گھر اور جائیداد وغیرہ پر بدستور باقی رکھا اور سمجھ کے مطابق ان پر جزیہ مقرر کردیا۔ تو اس جزیہ کی مقدار شرع میں مشہور و معروف ہے۔ فیضع یعنی امام ایسے شخص پر جس کی مالداری واضح اور ظاہر ہو سالانہ اڑتالیس (۴۸) درہم مقرر کرے گا اس تفصیل کے ساتھ کہ اس سے ہر ماہ چار درہم لئے جائیں گے۔ اور درمیانی مال دار سے سالانہ چوبیس (۲۴) درہم جس سے ماہوار دو درہم کے حساب سے اور جس کے پاس مال جمع نہ ہو مگر وہ اپنی ضرورت سے زیادہ کما لیتا ہو اس پر سالانہ بارہ (۱۲) درہم (یعنی ماہوار ایک درہم کے حساب سے) مقرر کرے گا۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ ہر اس شخص پر جزیہ لازم کیا جائے گا جو لڑائی کے اہل ہو۔ لہٰذا ایسے لوگوں پر جو اپاہج اور لنجے ہوں ان پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ اور فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مالداری کا اعتبار ہر ملک کی عادت اور عرف پر ہے۔ پس جو شخص جس شہر میں مالدار اور تونگر شمار ہوتا ہو وہ قسم اول میں ہے۔ مع) خلاصہ یہ ہوا کہ ان تین قسموں کے اعتبار سے ہر ایک قسم پر مختلف جزیہ لازم ہوگا۔ یہ حکم ہم احناف کے نزدیک ہے۔

امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَضَعُ عَلٰى كُلِّ حَالِمٍ دِيْنَارًا اَوْمَا يَعْدِلُ الدِّيْنَارَ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيْرُ فِيْ ذٰلِكَ سَوَاءٌ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمُعَاذٍ خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ وَحَالِمَةٍ دِيْنَارًا اَوْعِدْلَهٗ مَعَافِرَ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَلِاَنَّ الْجِزْيَةَ اِنَّمَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ حَتّٰى لَا يَجِبُ عَلٰى مَنْ لَا يَجُوْزُ قَتْلُهٗ بِسَبَبِ الْكُفْرِ كَالذَّرَارِيْ وَالنِّسْوَانِ وَهٰذَا الْمَعْنٰى يَنْتَظِمُ الْفَقِيْرَ وَالْغَنِيَّ وَمَذْهَبُنَا مَنْقُوْلٌ عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَلِاَنَّهٗ وَجَبَ نُصْرَةً لِلْمُقَاتِلَةِ فَتَجِبُ عَلَى التَّفَاوُتِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الْاَرْضِ وَهٰذَا لِاَنَّهٗ وَجَبَ بَدَلًا عَنِ النُّصْرَةِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ

وَذَالِكَ يَتَفَاوَتُ بِكَثْرَةِ الْوَفْرِ وَقِلَّتِهِ فَكَذَا مَا هُوَ بَدَلُهُ وَمَارَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلٰى اَنَّهُ كَانَ ذَالِكَ صُلْحًا وَلِهٰذَا اَمَرَهُ بِالْاَخْذِ مِنَ الْحَالِمَةِ وَاِنْ كَانَتْ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا الْجِزْيَةُ

ترجمہ...... اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہر بالغ پر ایک دینار یا جو اس کے مساوی ہو مقرر کر دے۔ اس معاملہ میں مالدار اور فقیر دونوں برابر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے جس میں آپ نے حضرت معاذؓ کو حکم فرمایا تھا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافر لو۔ معافر ایک قسم کے یمنی کپڑے کو کہتے ہیں۔ کسی تفصیل کے بغیر۔ یعنی اس حکم میں امیر وغریب کی کوئی تفصیل نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ذمہ میں سے ہر بالغ فقیر وامیر پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت ایک دینار واجب ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ جزیہ تو قتل کے عوض واجب ہوتا ہے۔ اس بناء پر وہ شخص جس کا قتل جائز نہ ہو اس پر جزیہ بھی لازم نہیں ہوگا، جیسے نابالغ بچے اور عورتیں۔ اب جبکہ جزیہ قتل کا بدلہ ٹھہرا تو فقیر اور مالدار دونوں کے لئے حکم برابر ہوا۔ ہمارا مذہب حضرت عمر وعثمان اور علیؓ سے منقول ہے اور مہاجرین وانصار میں سے کسی نے ان کے خلاف اعتراض نہیں کیا ہے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ جزیہ کو اس لئے واجب کیا گیا ہے کہ اس سے مجاہدین کی مدد کی جائے تو زمین کے اخراج کی طرح جزیہ میں بھی فرق رکھا جائے گا اور یہ اس واسطے ہے کہ جزیہ تو جان ومال کی مدد کے بدلے واجب ہوا ہے۔ اور اس میں مال کی زیادتی اور کمی کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے بدلہ جو چیز واجب ہوگی اس میں بھی فرق ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث روایت کی ہے وہ صلح کرنے پر محمول ہے۔ یعنی اسی طرح صلح واقع ہوئی تھی۔ اسی لئے بالغہ عورت سے بھی جزیہ لینے کا حکم دیا حالانکہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے۔ ابوداؤد و ترمذی اور نسائی روایتوں میں ہر بالغ کا لفظ ہے اور عبدالرزاق وابن مردویہ اور مرسل ابوداؤد میں ہر بالغ وبالغہ دونوں کے الفاظ مذکور ہیں۔ لیکن عبدالرزاق نے کہا ہے کہ معمر کہا کرتے تھے کہ بالغہ کا لفظ غلط ہے کیونکہ عورتوں پر جزیہ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس کی اسناد صحیح ہے تو اس دلیل سے اسے غلط کہنا خود غلط اور ناقابل قبول ہے۔ بلکہ اس کی تاویل یہ ہے کہ حکم صلح کے طور پر عورتوں کو بھی شامل ہے جیسا کہ بنی تغلب کی صلح میں ایسا ہی ہوا ہے۔

تشریح...... امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دریں مسئلہ ہر بالغ ذمی پر ایک دینار یا اس کے برابر وزن رکھنے والا مال (جزیہ) مقرر کیا جائے گا۔ اس امر (مقدار جزیہ) میں مالدار اور فقیر سب لوگ برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذؓ بن جبل سے فرمایا تھا کہ خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ وَ حَالِمَةٍ دِيْنَارًا اَوْ عِدْلَهٗ مَعَافِرَ (ہر بالغ مرد وعورت سے ایک دینار اس کے برابر معافر (یعنی کپڑے کی ایک قسم) اخذ کر)۔ چونکہ اس حکم میں آپ ﷺ نے مالدار وفقیر کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ لہٰذا ہر ذمی خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر، مرد ہو یا عورت سب پر ایک دینار جزیہ واجب الادا ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دوسری دلیل...... یہ ہے کہ ''جزیہ'' کا وجوب قتل کے عوض میں ہے۔ حتیٰ کہ ایسے لوگوں پر جزیہ واجب نہیں ہوتا جن کا قتل کفر کی بنا پر جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ نابالغ بچے اور عورتیں وغیرہ۔ امام شافعیؒ کی مستدلہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی، عبدالرزاق، ابن مردویہ میں ہم معنی الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور مرسل ابوداؤد میں ''ہر بالغ وبالغہ'' کا لفظ مذکور ہے۔ عبدالرزاق بقول معمر فرماتے ہیں کہ بالغہ کا لفظ غلط ہے۔ کیونکہ عورتوں پر جزیہ واجب نہیں۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں تو اس دلیل سے اس کو غلط کہنا مقبول نہ ہوگا۔ بلکہ بنی تغلب کی طرح یہ حکم بطور صلح عورتوں کو بھی شامل ہوگا۔ مشائخ احناف نے بھی امام شافعیؒ کی استدلال کردہ روایت کو صلح پر محمول کیا ہے۔ بایں دلیل کہ بالغہ عورتوں سے جزیہ لینے کا حکم (اس حدیث میں) دیا گیا ہے۔ حالانکہ عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔

احناف کا موقف بمع استدلال اجماع صحابہ ؓ: مذکورہ زیر بحث مسئلہ میں احناف کا موقف مبنی برحق ہے۔ کیونکہ

۱۔ ابن ابی شیبہ میں روایت منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے مالدار ذمی پر اڑتالیس درہم، متوسط پر چوبیس درہم اور فقیر پر بارہ درہم کے حساب سے سالانہ جزیہ مقرر کیا تھا۔ اور یہ روایت مرسل ہے۔

۲۔ ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں نقل کیا ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے مالدار (غنی) ذمی پر سالانہ اڑتالیس درہم اور متوسط پر چوبیس درہم اور فقیر پر بارہ درہم جزیہ مقرر کیا تھا اور کسی صحابی نے اس فیصلے سے اعراض وانکار نہیں کیا تھا۔ لہٰذا جزیہ کی مذکورہ مقدار اجماع صحابہؓ سے متحقق ہے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ کے اسی فیصلے پر حضرت عثمانؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ نے عمل کیا اور کسی صحابی نے بھی اس سے اعراض وانکار نہیں کیا تھا۔ پس اجماع صحابہ کا اثبات ہو گیا۔ اور اجماع صحابہ نص قطعی کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مقدار جزیہ کے حوالے سے احناف کا موقف راجح اور امام شافعیؒ کا قول مرجوح وملِ نظر ہے۔

اہل کتاب اور مجوس پر جزیہ کا حکم

قَالَ وَتُوْضَعُ الْجِزْيَةُ عَلٰى اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوْسِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ الْاٰيَة وَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْجِزْيَةَ عَلَى الْمَجُوْسِ

ترجمہ......اور جزیہ لازم کیا جائے گا اہل کتاب پر اور مجوس پر خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے۔ اس فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ الْاٰيَة یعنی اہل کتاب سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ جزیہ دینے لگیں۔ الخ۔ اور اس لئے کہ رسول اللہؐ نے مجوس پر جزیہ مقرر کیا تھا (یعنی مقام ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا)۔ (رواہ البخاری)

عجمی بت پرستوں پر جزیہ کا حکم

قَالَ وَعَبَدَةَ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّؒ هُوَ يَقُوْلُ اِنَّ الْقِتَالَ وَاجِبٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَقَاتِلُوْهُمْ اِلَّا اَنَّا عَرَفْنَا جَوَازَ تَرْكِهٖ فِيْ حَقِّ اَهْلِ الْكِتَابِ بِالْكِتَابِ وَفِيْ حَقِّ الْمَجُوْسِ بِالْخَبَرِ فَبَقِيَ مَنْ وَّرَاءَهُمْ عَلَى الْاَصْلِ وَلَنَا اَنَّهٗ يَجُوْزُ اسْتِرْقَاقُهُمْ فَيَجُوْزُ ضَرْبُ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ اِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَشْتَمِلُ عَلٰى سَلْبِ النَّفْسِ مِنْهُمْ فَاِنَّهٗ يَكْتَسِبُ وَيُؤَدِّيْ اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَنَفَقَتُهٗ فِيْ كَسْبِهٖ

ترجمہ......اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ عجم کے بت پرستوں پر بھی لازم کیا جائے۔ (مگر عرب کے بت پرستوں سے سوائے اسلام یا تلوار کے اور کچھ بھی قبول نہ ہوگا۔) اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فرمان باری تعالیٰ وَقَاتِلُوْهُمْ یعنی کافروں سے قتال کرو۔ کے حکم کی بناء پر قتال واجب ہوا ہے۔ لیکن قرآن سے ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قتال نہ کر کے جزیہ لینا بھی جائز ہے۔ اور یہ حکم عام ہے جو عرب ہوں یا عجم سب کو شامل ہے۔ لیکن اہل کتاب سے قتال نہ کر کے جزیہ لینے کے حکم کو ہم نے قرآن سے جانا۔ اور مجوس کے بارے میں ہمیں حدیث سے معلوم ہوا۔ اس لئے ان کے ماسوا بت پرست وغیرہ کا حکم اپنی اصل یعنی قتال کرنے کا باقی رہ گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے اس لئے ان پر جزیہ لازم کرنا بھی جائز ہوا۔ کیونکہ غلام بنانے اور جزیہ وصول کرنے میں سے ہر ایک کام سے ان کی حیثیت اور شخصیت کو چھیننا لازم آتا ہے تاکہ وہ فساد نہ کریں۔ چنانچہ وہ کما کر مسلمانوں کو ادا کرتے ہیں۔ اور ان کے ذاتی اخراجات نان نفقہ بھی ان کی آمدنی سے ہی پورے کئے جاتے ہیں۔

جزیہ لینے سے پہلے مسلمان غالب آجائیں حربی اور انکی عورتیں اور بچے مال فئی ہیں

وَاِنْ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُمْ وَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ لِجَوَازِ اسْتِرْقَاقِهِمْ

ترجمہ ..... وَاِنْ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ ..... الخ اور اگر جزیہ مقرر کرنے سے پہلے مجاہدین ان کو فتح کر لیں تو یہ سب بت پرست مرد، عورتیں اور بچے سب مسلمانوں کی غنیمت میں آجائیں گے کیونکہ ان کو غلام بنانا جائز ہے۔

عربی بت پرستوں اور مرتدوں پر جزیہ نہیں ہے

وَ لَا تَوْضَعُ عَلٰى عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَاالْمُرْتَدِّيْنَ لِاَنَّ كُفْرَهُمَا قَدْتَغَلَّظَ اَمَّامُشْرِكُوا الْعَرَبِ فَلِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَشَأَبَيْنَ اَظْهُرِهُمْ وَالْقُرْاٰنُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ فَالْمُعْجِزَةُ فِيْ حَقِّهِمْ اَظْهَرُ وَاَمَّاالْمُرْتَدُّفَلِاَنَّهٗ كَفَرَبِرَبِّهٖ بَعْدَ مَاهُدِيَ لِلْاِسْلَامِ وَ وَقَفَ عَلٰى مَحَاسِنِهٖ فَلَايُقْبَلُ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ اِلَّا الْاِسْلَامُ اَوِالسَّيْفُ زِيَادَةً فِي الْعُقُوْبَةِ وَ عِنْدَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُسْتَرَقُّ مُشْرِكُوا الْعَرَبِ وَجَوَابُهٗ مَاقُلْنَا

ترجمہ ..... اور عرب کے بت پرستوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔ اسی لئے مرتد ہو جانے والوں پر بھی جزیہ نہیں ہے یہ لوگ خواہ عرب ہوں یا عجم ہوں۔ کیونکہ ان لوگوں کا کفر بہت ہی سخت ہو گیا ہے مشرکین عرب کے کفر کی سختی اور زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ خود ان کے ہی درمیان پیدا ہوئے اور رسول بنائے گئے۔ قرآن مجید انہیں کی زبان میں اترا اس بناء پر ان کے سامنے اور ان کے حق میں بہت سے معجزات ظاہر ہوئے۔ اور مرتد کے کفر کے بہت برے اور سخت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے پہلے اسلام کی ہدایت پائی اور اس کی خوبیوں سے واقف ہوا۔ پھر اس نے براہ راست اللہ عزوجل سے کفر کیا۔ لہٰذا مشرکین عرب اور مرتدین سے سوائے اسلام یا تلوار کے تیسری چیز قبول نہیں کی جائے گی۔ تاکہ ان کی سزا بھی سخت ہو اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشرکین عرب بھی غلام بنائے جائیں گے۔ جس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ یعنی ان کا کفر انتہائی خراب اور سخت ہے اور غلام بنانا فتح اور غلبہ کے بعد ہوگا۔ اور گفتگو اس بات میں ہے کہ اگر وہ لوگ فتح ہونے سے پہلے ہی جزیہ دینا قبول کریں تو قبول نہ ہوگا۔

مسلمان مشرکین عرب اور مرتدوں پر غالب ہو جائیں تو انکی عورتیں اور بچے مال غنیمت ہیں

وَ[illegible] ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ لِاَنَّ اَبَابَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ اِسْتَرَقَّ نِسْوَانَ بَنِيْ حَنِيْفَةَ وَصِبْيَانَهُمْ [illegible]رْتَدُّوْا وَقَسَّمَهُمْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ

ترجمہ ..... اور جب مومنین مشرکین عرب یا مرتدوں پر قابو پالیں تو فقط ان کی عورتیں اور بچے مال غنیمت ہوں گے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بنو حنیفہ کے مرتدوں کی ساری عورتوں اور سارے بچوں کو غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیا۔

تشریح ..... وَاِذَا ظُهِرَ عَلَيْهِمْ ..... الخ مشرکین عرب یا مرتدین پر اگر مجاہدین قابو پالیں تو ان کے نوجوان قتل کر دیئے جائیں۔ اور ان کی عورتیں اور بچے مال غنیمت کے طور پر مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بنی حنیفہ کے مرتدین کی تمام عورتوں اور بچوں کو بطور غنیمت تقسیم کر دیا تھا۔ یہ قوم مسیلمہ کذاب کا حال ہے جو رسول اللہؐ پر ایمان لایا پھر آپ کے مرض موت کے زمانہ میں اسلام سے مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور رسول اللہؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین و انصار کا ایک لشکر حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرداری میں ان مرتدین کے مقابلہ میں بھیجا۔ ان بنو حنیفہ کی جماعت بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ وہ لوگ ساٹھ ہزار سے زیادہ کے ساتھ لڑنے کو نکلے۔ اور سخت قتال واقع ہوا۔ چنانچہ حضرت ابودجانہ انصاری و نضر بن انس اور قراء صحابہ کی بڑی جماعت سب اس میں شہید ہوئے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو فتح دی بالآخر مسیلمہ کذاب مارا گیا اور بنو حنیفہ فتح کر لئے گئے۔ تب آپ (ابوبکرؓ) نے ان کی عورتوں اور بچوں کو تقسیم کر دیا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حصہ میں

جو عورت آئی اس کے پیٹ سے محمد بن علی پیدا ہوئے اسی لئے ان کو محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں۔ یہی حال ان مرتدوں کی عورتوں اور بچوں کا بھی ہوگا۔

مرتد مسلمان نہ ہو تو قتل کیا جائے گا ان کی عورتوں اور بچوں پر جزیہ نہیں ہے

وَمَنْ لَمْ يُسْلِمْ مِنْ رِجَالِهِمْ قُتِلَ لِمَاذَكَرْنَا وَلَاجِزْيَةَ عَلَى اِمْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ لِاَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ اَوْعَنِ الْقِتَالِ وَهُمَالَايُقْتَلَانِ وَلَايُقَاتِلَانِ لِعَدَمِ الْاَهْلِيَّةِ.

ترجمہ...... اوران مرتدوں میں سے جو مرد اسلام نہیں لایا وہ قتل کیا جائے گا۔ مذکورہ بالا وجہ کی بناء پر۔ یعنی مرتدوں میں سے جو جنگ کرنے کے قابل ہوگا اس سے اسلام کے سوا اور کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور کسی عورت یا نابالغ پر جزیہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ جزیہ لازم ہونا مغلوبین کے قتل کا بدلا ہے یا مجاہدین کے قتال میں مدد ہے۔ اور بچے اور عورتیں قتل نہیں کی جاتی ہیں۔ اور نہ ان میں لڑائی کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ لہٰذا بچوں اور عورتوں پر جزیہ بھی نہیں ہے۔

لنگڑے، نابینا، مفلوج پر جزیہ نہیں

قَالَ وَلَازَمِنٍ وَلَااَعْمٰى وَكَذَا الْمَفْلُوْجُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ لِمَابَيَّنَّا وَعَنْ اَبِىْ يُوْسُفَ اَنَّهُ تُجِبُ اِذَاكَانَ لَهُ مَالٌ لِاَنَّهُ يُقْتَلُ فِى الْجُمْلَةِ اِذَاكَانَ لَهُ رَأْىٌ وَلَاعَلٰى فَقِيْرٍغَيْرِ مُعْتَمِلٍ خِلَافًالِلشَّافِعِىِّ لَهُ اِطْلَاقُ حَدِيْثِ مُعَاذٍ عَنْهُ وَلَنَا اَنَّ عُثْمَانَ عَنْهُ لَمْ يُوَظِّفْهَا عَلٰى فَقِيْرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَذَالِكَ بِمَحْضَرٍمِّنَ الصَّحَابَةِ عَنْهُمْ وَلِاَنَّ خَرَاجَ الْاَرْضَ لَايُوَظَّفُ عَلٰى اَرْضٍ لَاطَاقَةَ لَهَافَكَذَا هٰذَاالْخَرَاجُ وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْمُعْتَمِلِ

ترجمہ...... قَالَ وَلَازَمِنٍ ...... الخ اور ایسا لنجا جس کا کوئی عضو نہ ہو اور اندھے پر جزیہ نہیں ہے۔ یہی حکم فالج زدہ اور بوڑھے پھوس کا بھی ہے کیونکہ یہ لوگ نہ لڑتے ہیں اور نہ قابل قتل ہیں۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہو تو اس پر جزیہ لازم ہوگا۔ کیونکہ ایسا شخص اگر لڑائی میں کم از کم مشورہ دینے والا ہو تو اسے بھی قتل کیا جاتا ہے۔ اور ایسے فقیر پر بھی جزیہ واجب نہیں ہے جس کی آمدنی اس کی ذاتی خرچ سے زیادہ نہ ہو۔ اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ ان کی دلیل حضرت معاذؓ کی حدیث ہے۔ جس میں حکم مطلق ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کرو۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیفؓ نے ایسے فقیر پر خراج لازم نہیں کیا جو کمانے کے قابل نہیں تھا یا اس کے ذاتی اخراجات سے بچتا نہیں تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اسے جائز رکھا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ زمین کا خراج ایسی زمین پر نہیں لگایا جائے گا جسے وہ زمین برداشت نہیں کر سکتی ہو۔ اسی طرح یہ خراج یعنی جزیہ بھی ایسے شخص پر نہیں لگایا جاتا ہے جو اسے ادا نہ کر سکتا ہو۔ لہٰذا حضرت معاذؓ کی حدیث ایسے فقیر پر محمول ہے جس کی کمائی اس کی ضرورت سے بچ جاتی ہو۔

غلام، مکاتب، مدبر، ام ولد پر جزیہ کا حکم

وَلَايُوْضَعُ عَلَى الْمَمْلُوْكِ وَالْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِوَاُمِّ الْوَلَدِلِاَنَّهُ بَدَلٌ عَنِ الْقَتْلِ فِىْ حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِىْ حَقِّنَا وَعَلٰى اعْتِبَارِ الثَّانِىْ لَاتَجِبُ فَلَاتَجِبُ بِالشَّكِّ وَلَايُؤَدِّىْ عَنْهُمْ مَوَالِيْهِمْ لِاَنَّهُمْ تَحَمَّلُوالزِّيَادَةَ بِسَبَبِهِمْ

ترجمہ...... وَلَايُوْضَعُ عَلَى الْمَمْلُوْكِ ...... الخ اور جزیہ غلام و مکاتب و مدبر اور ام ولد پر بھی لازم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جزیہ ان لوگوں کے حق

میں ان کے قتل کے عوض ہوتا ہے۔ اور ہمارے حق میں مدد کرنے کے صلہ میں ہوتا ہے۔ یعنی یہ لوگ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے ہیں اس لئے جزیہ اس کے عوض دیتے ہیں۔ اس بات کا لحاظ کرنے کی وجہ سے غلام پر جزیہ واجب نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا شک کی وجہ سے واجب نہیں ہوگا یعنی جن لوگوں سے جزیہ لیا جاتا ہے ان سے لینے کے دو اسباب ہیں۔

اول...... یہ کہ ذمیوں کے لحاظ سے جزیہ ان کے قتل کا عوض ہے۔ دوم...... یہ ہے کہ ہمارے لحاظ سے وہ مدد اور تعاون کا بدل ہے۔

پس پہلے لحاظ سے وہ غلام پر واجب ہونا چاہئے کیونکہ حربی غلام بھی قتل کیا جاتا ہے اور جب اسے قتل نہیں کر کے اس پر رعایت کی گئی تو اس پر جزیہ واجب ہوگا۔ لیکن دوسرے لحاظ سے واجب نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے پہلا سبب ہی باقی رہ گیا اس طرح صرف ایک سبب سے واجب ہونے سے شک پیدا ہو گیا۔ چنانچہ شک کی وجہ سے واجب نہیں کیا جائے گا۔ اور ان غلاموں کی طرف سے ان کے مالک بھی ادا نہیں کریں گے کیونکہ ان کے غلاموں کے سبب سے ان کی حیثیت سے زیادہ ان پر واجب ہو جاتا ہے۔

راہب جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے پر جزیہ کا حکم

وَ لَا تُوْضَعُ عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِيْنَ لَايُخَالِطُوْنَ النَّاسَ كَذَاذَكَرَهٰهُنَا وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ تُوْضَعُ عَلَيْهِمْ اِذَا كَانُوْا يَقْدِرُوْنَ عَلَى الْعَمَلِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ يُوْسُفَ وَجْهُ الْوَضْعِ عَلَيْهِمْ اَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْعَمَلِ هُوَالَّذِىْ ضَيَّعَهَا فَصَارَ كَتَعْطِيْلِ الْاَرْضِ الْخَرَاجِيَّةِ وَوَجْهُ الْوَضْعِ عَنْهُمْ اَنَّهُ لَاقَتْلَ عَلَيْهِمْ اِذَاكَانُوْا لَايُخَالِطُوْنَ النَّاسَ وَالْجِزْيَةُ فِىْ حَقِّهِمْ لِاِسْقَاطِ الْقَتْلِ وَلَابُدَّاَنْ يَّكُوْنَ الْمُعْتَمِلُ صَحِيْحًا وَيُكْتَفٰى بِصِحَّتِهٖ فِىْ اَكْثَرِ السَّنَةِ

ترجمہ...... اور ایسے راہبوں پر بھی جزیہ لازم نہیں کیا جائے گا جو عام لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتے ہوں۔ یعنی آبادی سے باہر اپنے جھونپڑے میں تنہا پڑے رہتے ہوں۔ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی اس موقع پر ذکر کیا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ اگر یہ لوگ کام کر سکتے ہوں تو ان پر جزیہ لازم کر دیا جائے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے خود ہی اپنے کمانے کی صلاحیت ختم کر دی ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگئی جیسے کہ اس نے خراجی زمین میں پیداوار نہیں کی بلکہ اسے بے کار چھوڑ دیا۔ اور ان پر جزیہ واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا قتل لازم نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ عام لوگوں سے ربط یا میل جول نہیں رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں قتل کو ساقط کرنے کے لئے ہی جزیہ تھا۔ اس لئے ان پر جزیہ نہیں ہوگا۔ واضح ہو کہ کمانے والے فقیر پر جزیہ واجب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شخص تندرست ہو اور سال میں اکثر دنوں کی تندرستی کافی ہے۔

تشریح...... امام محمدؒ سے امام ابوحنیفہؒ کا قول مروی ہے کہ اگر رہبان میں کمائی کی قدرت موجود ہے تو پھر رہبان پر جزیہ عائد کیا جائے گا۔ باوجودیکہ اس (رہبان) کا میل جول لوگوں سے نہ ہو۔ کیونکہ خراجی زمین سے پیداوار نہ اٹھانے کے باوجود اس (خراجی زمین) میں پیداواری صلاحیت پائے جانے کے باعث ''خراج'' ساقط نہیں ہوتا۔ اسی طرح راہبوں میں کمانے کی طاقت موجود ہونے کی بنا پر ان کے نفسوں کا خراج (جزیہ) بھی ساقط نہ ہوگا۔ لیکن ترک مباحات ولذات اور لوگوں سے عدم اختلاط (میل جول نہ ہونا) کی وجہ سے ان (راہبوں) پر وجوب قتل کا تحقق نہیں ہوتا۔ اسلئے ''جزیہ'' لاگو نہ ہوگا۔ جیسا کہ معتمل (کمانے والا) فقیر پر مرض لاحق ہونے کیوجہ سے ''جزیہ'' ساقط ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ مدت مرض قلیل ہو۔

جزیہ دینے والا اسلام لے آیا تو جزیہ کا حکم

وَمَنْ اَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ وَكَذَالِكَ اِذَامَاتَ كَافِرًا خِلَافًا لِلشَّافِعِىِّ فِيْهِمَا لَهٗ اَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ

الْعِصْمَةِ اَوْعَنِ السُّكْنٰى وَقَدْ وَصَلَ اِلَيْهِ الْمُعَوَّضُ فَلَايَسْقُطُ عَنْهُ الْعِوَضُ بِهٰذَاالْعَارِضِ كَمَافِى الْاُجْرَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ عَلٰى مُسْلِمٍ جِزْيَةٌ وَلِاَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوْبَةً عَلَى الْكُفْرِوَلِهٰذَا تُسَمّٰى جِزْيَةً وَهِىَ وَالْجَزَاءُ وَاحِدٌ وَعُقُوْبَةُ الْكُفْرِ تَسْقُطُ بِالْاِسْلَامِ وَلَاتُقَامُ بَعْدَالْمَوْتِ وَلِاَنَّ شَرْعَ الْعُقُوْبَةِ فِى الدُّنْيَا لَايَكُوْنُ اِلَّالِدَفْعِ الشَّرِّوَقَدِانْدَفَعَ بِالْمَوْتِ وَالْاِسْلَامِ وَلِاَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًاعَنِ النُّصْرَةِ فِىْ حَقِّنَاوَقَدْقَدَرَ عَلَيْهَا بِنَفْسِهٖ بَعْدَالْاِسْلَامِ وَالْعِصْمَةُ تَثْبُتُ بِكَوْنِهٖ اٰدَمِيًّاوَالذِّمِّىُّ يَسْكُنُ مِلْكَ نَفْسِهٖ فَلَامَعْنٰى لِاِيْجَابِ بَدَلِ الْعِصْمَةِ وَالسُّكْنٰى

ترجمہ......اگر ایسا ذمی جس پر جزیہ باقی ہو وہ اسلام لے آیا تو اس کا جزیہ ختم ہو جائے گا۔اسی طرح اگر وہ حالت کفر میں مر گیا تو بھی جزیہ ختم ہو جائے گا۔ان دونوں صورتوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ تو اس کی جان کی حفاظت یا سکونت کے بدلے واجب ہوا تھا۔اس طرح اس نے جب اپنے لئے حفاظت اور سکونت حاصل کر لی تو اس کے عوض جو چیز (جزیہ) واجب ہوئی تھی وہ اس کے اسلام لانے یا اس کے مر جانے سے ساقط نہیں ہوگی۔جیسے کہ اگر اس نے کوئی چیز کرایہ پر لے کر اس سے نفع اٹھایا یا عمداً خون کر کے مال پر صلح کی تو اس کی اجرت یا اس صلح کے عوض کا مال اس کے مر جانے یا مسلمان ہو جانے سے ختم نہیں ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان پر جزیہ نہیں ہے (۔اس کی روایت ابوداؤد والترمذی واحمد اور دارقطنی نے کی ہے) اور ابوداؤد نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کی ذمی جب مسلمان ہو جائے تو اس پر جزیہ نہیں ہے (اور طبرانی نے یہی معنی معجم وسط میں رسول اللہ کی حدیث سے روایت کئے ہیں۔مف) اور اس دلیل سے کہ جزیہ تو کفر پر باقی رہنے کی سزا ہے اسی لئے اس کو جزیہ کہا بھی جاتا ہے۔جزیہ اور جزاء کے ایک ہی معنی ہیں۔اور کفر کی سزا تو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں یعنی مسلمان ہو جانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔اور مرنے کے بعد اس پر جاری نہیں کی جاتی ہے۔بلکہ معاف ہو جاتی ہے۔اور اس وجہ سے بھی کہ دنیا میں کوئی سزا اس لئے ثابت ہے کہ حالت کفر میں رہنے کی وجہ سے جو شرارتیں وہ کر سکتا ہو وہ نہ کر سکے اور یہ بات اس کے مر جانے یا مسلمان ہو جانے سے ختم ہو جاتی ہے۔اور اس وجہ سے بھی کہ جزیہ واجب ہونا ہمارے حق میں اس کی نصرت کا عوض ہے۔یعنی وہ اپنے کفر کی وجہ سے کوئی مدد نہیں کر سکتا ہے اس لئے اس پر جزیہ لازم کر دیا گیا ہے۔جبکہ اس کے عوض وہ مسلمان ہو کر خود ہر طرح سے مدد کرنے پر قادر ہو گیا ہے اور یہ بات کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جزیہ کو حفاظت وسکونت کا عوض قرار دیا ہے تو بات یہ ہے کہ اس کے محض آدمی ہونے کی وجہ سے خواہ وہ کچھ بھی ہو اس کی حفاظت ثابت ہے۔اور اس کی سکونت کا وہ خود مالک ہے یعنی اس کی اپنی ذاتی ملک میں ہے لہٰذا اس کی حفاظت اور سکونت کے عوض جزیہ واجب کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

دو سالوں کے جزیہ میں تداخل ہے

وَاِنِ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتِ الْجِزْيَتَانِ وَفِى الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَمَنْ لَّمْ يُؤْخَذْمِنْهُ خَرَاجُ رَأْسِهٖ حَتّٰى مَضَتِ السَّنَةُ وَجَاءَتْ سَنَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُؤْخَذْ وَهٰذَاعِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُؤْخَذُمِنْهُ وَهُوَقَوْلُ الشَّافِعِىِّ .

ترجمہ......اگر کسی ذمی کے ذمہ دو سال کا جزیہ جمع ہو گیا (ایک جزیہ بروقت نہ دینے کی وجہ سے) تو دونوں جزیہ ایک میں مل جائیں گے یعنی ایک ہی جزیہ واجب ہوگا۔اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ جس شخص سے جزیہ نہیں لیا گیا۔یہاں تک کہ ایک سال گزر کر دوسرا سال بھی آ گیا تو اس سے سال

گزشتہ کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ اس سے پہلا جزیہ بھی لے لیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

سال پورے ہونے پر وہ فوت ہو گیا جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا

وَاِنْ مَاتَ عِنْدَتَمَامِ السَّنَةِ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا وَكَذَالِكَ اِنْ مَاتَ فِيْ بَعْضِ السَّنَةِ اَمَّامَسْالَةُ الْمَوْتِ فَقَدْذَكَرْنَاهَا وَقِيْلَ خَرَاجُ الْاَرْضِ عَلٰى هٰذَاالْخِلَافِ وَقِيْلَ لَاتَدَاخُلَ فِيْهِ بِالْاِتِّفَاقِ لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ اَنَّ الْخَرَاجَ وَجَبَ عِوَضًا وَلَاعْوَاضُ اِذَااجْتَمَعَتْ وَاَمْكَنَ اسْتِيْفَاءُ هَا تُسْتَوْفٰى وَقَدْ اَمْكَنَ فِيْمَا نَحْنُ فِيْهِ بَعْدَ تَوَالِي السِّنِيْنَ بِخِلَافِ مَا اِذَا أَسْلَمَ لِاَنَّهُ تَعَذَّرَ اسْتِيْفَاؤُهُ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوْبَةً عَلَى الْاِصْرَارِ عَلَى الْكُفْرِ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ وَلِهٰذَا لَاتُقْبَلُ مِنْهُ لَوْبَعَثَ عَلٰى يَدِنَائِبِهِ فِيْ اَصَحِّ الرِّوَايَاتِ بَلْ يُكَلَّفُ اَنْ يَّأْتِيَ بِهٖ بِنَفْسِهٖ فَيُعْطِيْ قَائِمًا وَالْقَابِضُ مِنْهُ قَاعِدٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَأْخُذُ بِتَلْبِيْبِهٖ وَيَهُزُّهُ هَزًّا وَيَقُوْلُ اَعْطِنِي الْجِزْيَةَ يَاذِمِّيُّ وَقِيْلَ عَدُوَّ اللهِ فَثَبَتَ اَنَّهُ عُقُوْبَةٌ وَالْعُقُوْبَاتُ اِذَااجْتَمَعَتْ تَدَاخَلَتْ كَالْحُدُوْدِ وَلِاَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًاعَنِ الْقَتْلِ فِيْ حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِيْ حَقِّنَا كَمَاذَكَرْنَالٰكِنْ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَافِي الْمَاضِيْ لِاَنَّ الْقَتْلَ اِنَّمَايُسْتَوْفٰى لِحِرَابٍ قَائِمٍ فِي الْحَالِ لَالِحِرَابٍ مَاضٍ وَكَذَاالنُّصْرَةُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لِاَنَّ الْمَاضِيَ وَقَعَتِ الْغُنْيَةُ عَنْهُ ثُمَّ قَوْلُ مُحَمَّدٍ فِي الْجِزْيَةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَجَائَتْ سَنَةٌ اُخْرٰى حَمَلَهُ بَعْضُ الْمَشَائِخِ عَلَى الْمُضِيِّ مَجَازًا وَقَالَ الْوُجُوْبُ بِاٰخِرِ السَّنَةِ فَلَابُدَّمِنَ الْمُضِيِّ لِيَتَحَقَّقَ الْاِجْتِمَاعُ فَيَتَدَاخَلُ وَعِنْدَالْبَعْضِ هُوَمَجْرِيٌّ عَلٰى حَقِيْقَتِهٖ وَالْوُجُوْبُ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ بِاَوَّلِ الْحَوْلِ فَيَتَحَقَّقُ الْاِجْتِمَاعُ بِمُجَرَّدِ الْمَجِيْ وَالْاَصَحُّ اَنَّ الْوُجُوْبَ عِنْدَنَافِي ابْتِدَاءِ الْحَوْلِ وَعِنْدَالشَّافِعِيِّ فِيْ اٰخِرِهٖ اِعْتِبَارًا بِالزَّكٰوةِ وَلَنَا اَنَّ مَاوَجَبَ بَدَلًاعَنْهُ لَايَتَحَقَّقُ اِلَّافِي الْمُسْتَقْبَلِ عَلٰى مَا قَرَّرْنَاهُ فَتَعَذَّرَاِيْجَابُهُ بَعْدَ مُضِيِّ الْحَوْلِ فَاَوْجَبْنَا هَا فِيْ اَوَّلِهٖ

ترجمہ ...... اور اگر سال کے پورا ہونے کے بعد وہ ذمی مر گیا تو بالاتفاق ان سب کے قول میں اس سے گزشتہ سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ سال کے اندر مر گیا تو بھی بالاتفاق یہی حکم ہے۔ اور ذمی کے مر جانے کا مسئلہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ زمین کے خراج میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ خراج کے مسئلہ میں بالاتفاق تداخل نہیں ہوگا (پورے دو سال کا خراج لیا جائے گا) پس اختلاف اس صورت میں باقی رہا کہ جب ذمی پر پورے دو سال گزر گئے اور اس نے جزیہ نہیں دیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تداخل ہو جائے گا۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تداخل نہیں ہوگا۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ تو عوض کے طور پر واجب ہوا ہے۔ اور جب کئی عوض ایک ساتھ جمع ہو جائیں اور ان کو وصول کرنا پورے طور پر ممکن بھی ہو تو وہ وصول کر لئے جائیں گے۔ اور یہاں کی موجودہ صورت بھی یہی ہے کہ متواتر کئی سال گزر جانے کے بعد بھی وصولی کرنا ممکن ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہ مسلمان ہو گیا تب وصول کرنا ممنوع ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ...... یہ ہے کہ کفر پر اصرار کرنے کی سزا میں یہ جزیہ واجب ہوا تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسی لئے اگر وہ اپنے کسی نائب کے ہاتھ بھیج دے تو سب روایتوں سے اصح یہ ہے کہ قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو یہی حکم دیا جائے گا کہ خود ہی لا کر کھڑے ہو کر امام یا اس کے نائب کے سامنے جو بیٹھا ہوا ہے اسے پیش کرے اور ایک روایت میں ہے کہ جزیہ وصول کرنے والا ذمی کے سینہ پر

گلے کے پاس اس کا کپڑا پکڑ کے ہلائے اور کہے کہ اے آدمی جزیہ دو اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ یوں کہے کہ اے دشمن خدا جزیہ دو۔ الحاصل۔ یہ بات ثابت ہوگئی کہ جزیہ ایک سزا ہے۔ اور ایک جنس کی چند سزائیں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں جیسے کہ حدود کی بحث میں ہے (مثلاً ایک شخص نے کئی آدمیوں کو زنا کا بہتان یا ایک کے بعد دوسرے کو لگایا اور سب کا دعویٰ اس کے خلاف ثابت ہو جانے کی وجہ سے سب کی طرف سے اس کو صرف ایک بار حد قذف لگائی جائے گی۔ حالانکہ ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ حد لگانی چاہئے تھی۔) اور اس دلیل سے بھی کہ ذمیوں کے حق میں جزیہ قتل کا عوض ہے اور ہمارے حق میں تصرف کا عوض ہے۔ جیسا کہ بتلایا جا چکا ہے۔ لیکن یہ سب زمانہ آئندہ کے لئے ہوتا ہے زمانہ گزشتہ کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ فی الحال لڑائی ہو رہی ہو۔ گزشتہ لڑائی کے لئے نہیں۔ اسی طرح نصرت بھی آئندہ کے واسطے ہوئی ہے کیونکہ ماضی میں جو فتنہ ہوا تھا وہ تو ختم ہو چکا ہے اور اس سے بے پروائی ہو چکی یعنی اب اس کے لئے ضرورت نہیں رہی۔

واضح ہو کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جزیہ کے بارے میں یہ بات جو فرمائی ہے کہ دوسرا سال آ گیا اس کو بعض مشائخ نے گزر جانے پر محمول کیا ہے یعنی دوسرا سال بھی گزر گیا کیونکہ جزیہ کا وجوب تو سال گزر جانے پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے سال کا گزر جانا ضروری ہوا تا کہ دونوں سالوں کا جزیہ اکٹھا ہو کر ایک دوسرے میں داخل ہو جائے۔ اور بعض مشائخ کے نزدیک یہ کلام اپنی حقیقت پر باقی ہے۔ یعنی دوسرا سال شروع ہو جانا ہی مراد ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ابتدائے سال میں ہی جزیہ واجب ہو جاتا ہے لہٰذا دوسرا سال آتے ہی دونوں سالوں کے جزیہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور قول اصح یہی ہے کہ ہمارے نزدیک سال کے شروع ہی میں جزیہ واجب ہو جاتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے سال کے آخر میں واجب ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ جس چیز کا بدلہ ہے یعنی قتل اور نصرت تو اس کا پایا جانا زمانہ مستقبل ہی میں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا سال کے گزر جانے کے بعد جزیہ واجب کرنا سخت مشکل اور متعذر ہے۔ اس لئے ہم نے اس حکم کو سال کی ابتداء ہی میں واجب کر دیا ہے۔

فَصْلٌ

ترجمہ...... فصل، ذمیوں سے متعلق چند احکام

دار الاسلام میں نئے سرے سے بیعہ اور کنیسہ بنانے کی اجازت نہیں

وَ لَا يَجُوْزُ اِحْدَاثُ بِيْعَةٍ وَ لَا كَنِيْسَةٍ فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا خِصَاءَ فِي الْاِسْلَامِ وَلَا كَنِيْسَةَ وَالْمُرَادُ اِحْدَاثُهَا

ترجمہ...... دار الاسلام میں از سر نو بیعہ یا کنیسہ بنانا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اسلام میں خصی ہونا اور کنیسہ نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جدید کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کو بیہقی اور ابو عبید نے روایت کیا ہے لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے۔ بیعہ یہودیوں کی عبادت گاہ اور کنیسہ نصاریٰ کی عبادت گاہ یا اس کے برعکس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ نصرانیوں میں سے کچھ درویش اپنے آلہ تناسل کو تانت وغیرہ سے باندھ کر بے کار کر دیتے تھے تا کہ شہوت پرستی اور نفس پرستی سے نجات ہو جائے تو رسول اللہؐ نے اس سے قطعی طور سے منع فرما دیا جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔

بیعہ اور کنیسہ منہدم ہو جائے اسکا اعادہ کر سکتے ہیں

وَ اِنِ انْهَدَمَتِ الْبِيَعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيْمَةُ اَعَادُوْهَا لِاَنَّ الْاَبْنِيَةَ لَا تَبْقٰى دَائِمَةً وَلَمَّا اَقَرَّهُمُ الْاِمَامُ فَقَدْ عَهِدَ اِلَيْهِمْ

الْإِعَادَةَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَايُمَكَّنُوْنَ مِنْ نَقْلِهَا لِأَنَّهُ إِحْدَاثٌ فِي الْحَقِيْقَةِ وَالصَّوْمَعَةُ لِلتَّخَلِّيْ فِيْهَا بِمَنْزِلَةِ الْبِيْعَةِ بِخِلَافِ مَوْضِعِ الصَّلٰوةِ فِي الْبَيْتِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلسُّكْنٰى وَهٰذَا فِي الْأَمْصَارِ دُوْنَ الْقُرٰى لِأَنَّ الْأَمْصَارَ هِيَ الَّتِيْ تُقَامُ فِيْهَا الشَّعَائِرُ فَلَاتَعَارُضَ بِإِظْهَارِ مَا يُخَالِفُهَا وَ قِيْلَ فِيْ دِيَارِنَا يُمْنَعُوْنَ مِنْ ذَالِكَ فِي الْقُرٰى أَيْضًا لِأَنَّ فِيْهَا بَعْضَ الشَّعَائِرِ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ فِيْ قُرَى الْكُوْفَةِ لِأَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ وَ فِيْ أَرْضِ الْعَرَبِ يُمْنَعُوْنَ مِنْ ذَالِكَ فِيْ أَمْصَارِهَا وَ قُرَاهَا لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَجْتَمِعُ دِيْنَانِ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ

ترجمہ......وَ اِنِ انْهَدَمَتِ ......الخ اور اگر پرانی بیعہ یا کنیسہ ٹوٹ پھوٹ گئی ہو تو وہ ان کو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ کوئی عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی ہے لیکن امام المسلمین نے جب ذمیوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دی ہے تو گویا ان سے یہ وعدہ کرلیا کہ تمہاری عبادت گاہ کو بھی باقی رکھیں گے۔ تاہم ذمیوں کو یہ حق نہیں دیا جائے گا کہ ان عمارتوں کو شہر کے اندر کسی دوسری جگہ پر منتقل کردیں کیونکہ منتقل کرنے کا مطلب حقیقت میں نیا بنانا ہوگا جس کی ان کو اجازت نہیں ہوگی۔ اور ان کو تنہائی کا عبادت خانہ جس کو صومعہ کہا جاتا ہے بھی بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ وہ بھی بیعہ کے حکم میں ہے۔ بخلاف اس کے اگر وہ اپنے گھر ہی میں کوئی جگہ ایسی مقرر کرلیں تو ان کو اس کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ یہ جگہ سکونت کے تابع ہوتی ہے۔ یہ احکام جو بیان کئے گئے ہیں اس صورت میں ہیں جبکہ شہر میں وہ آباد ہو یا شہر میں عبادت گاہ بنانی چاہے۔ گاؤں اور دیہاتوں کے لئے نہیں ہیں۔ کیونکہ اسلامی شعائر شہروں ہی میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس کے مخالف جگہ میں کچھ کرنا اس کے مخالف نہیں ہوگا۔ لیکن شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہمارے علاقوں میں دیہات میں بھی ذمیوں کو ایسی باتوں سے منع کیا جائے گا۔ کیونکہ ہمارے دیہاتوں میں بھی کچھ شعائر اسلام قائم ہوتے ہیں۔ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ کوفہ کے دیہاتوں میں جائز ہے کیونکہ وہاں اکثر لوگ ذمی تھے۔ لیکن عرب کے ملک میں شہروں اور دیہاتوں سب میں ان باتوں سے ممانعت کی جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوں گے۔ اس کی روایت مالک واسحٰق وعبدالرزاق وغیرہم نے صحاح میں کی ہے۔

ذمیوں کو وضع قطع میں ممتاز رہنے کا حکم کیا جائے گا

قَالَ يُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمْيِيْزِ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ زِيِّهِمْ وَمَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوْجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ فَلَايَرْكَبُوْنَ الْخَيْلَ وَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِالسِّلَاحِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِإِظْهَارِ الْكُسْتِيْجَاتِ وَالرُّكُوْبِ عَلَى السُّرُوْجِ الَّتِيْ هِيَ كَهَيْأَةِ الْأُكُفِّ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُوْنَ بِذَالِكَ إِظْهَارَ الصَّغَارِ عَلَيْهِمْ وَصِيَانَةً لِضَعَفَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلِأَنَّ الْمُسْلِمَ يُكْرَمُ وَالذِّمِّيُّ يُهَانُ وَلَايُبْتَدَأُ بِالسَّلَامِ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ الطَّرِيْقُ فَلَوْلَمْ تَكُنْ عَلَامَةٌ مُمَيِّزَةٌ فَلَعَلَّهٗ يُعَامَلُ مُعَامَلَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ ذَالِكَ لَايَجُوْزُ وَالْعَلَامَةُ تَجِبُ أَنْ يَّكُوْنَ خَيْطًا غَلِيْظًا مِّنَ الصُّوْفِ يَشُدُّهٗ عَلٰى وَسْطِهٖ دُوْنَ الزُّنَّارِ مِنَ الْإِبْرِيْسَمِ فَإِنَّهٗ جَفَاءٌ فِيْ حَقِّ أَهْلِ الْإِسْلَامِ وَيَجِبُ أَنْ يَّتَمَيَّزَ نِسَاؤُهُمْ عَنْ نِّسَائِنَا فِي الطُّرُقَاتِ وَ الْحَمَّامَاتِ وَيُجْعَلُ عَلٰى دُوْرِهِمْ عَلَامَاتٌ كَيْلَايَقِفَ عَلَيْهَا سَائِلٌ يَدْعُوْلَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ قَالُوْا الْأَحَقُّ أَنْ لَايُتْرَكُوْا أَنْ يَّرْكَبُوْا إِلَّا لِلضَّرُوْرَةِ وَ إِذَا رَكِبُوْا لِلضَّرُوْرَةِ فَلْيَنْزِلُوْا فِيْ جَامِعِ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِنْ لَزِمَتْهُ ضَرُوْرَةٌ اِتَّخَذُوْا سَرْجًا بِالصِّفَةِ الَّتِيْ تَقَدَّمَتْ وَ يُمْنَعُوْنَ عَنْ لِبَاسٍ يَخْتَصُّ بِهٖ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالزُّهْدِ وَ الشَّرَفِ

ترجمہ......اور ذمیوں سے مواخذہ کیا جائے گا (ان پر دباؤ ڈالا جائے گا) کہ وہ اپنے لباس (وضع قطع، لباس وشکل وصورت) سواروں وگھوڑوں کی

زینوں اور ٹوپیوں وغیرہ میں خود کو مسلمانوں سے علیحدہ حالت میں رکھیں یعنی مسلمانوں سے جدا ہوں اور ان کے جیسا نہ رکھیں۔ چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں۔ اور بدن پر ہتھیار نہ لٹکائیں۔ اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ ذمی ماخوذ کئے جائیں گے (دباؤ ڈالا جائے گا) کہ وہ اپنی زنار ظاہر کریں اور ایسی زینوں پر سوار ہوں جو خچروں اور گدھوں کے پلانگی صورت میں ہوں۔ اور یہ دباؤ محض اس لئے ڈالا جائے گا کہ ان کا حقیر ہونا ظاہر ہو۔ اور کمزور عقیدوں کے مسلمان ان سے محفوظ رہیں۔ اور اس لئے کہ مسلمانوں کی تعظیم کی جاتی ہے اور ذمی کی اہانت کی جاتی ہے۔ اور ان کو پہلے سلام نہیں کیا جائے اور ان کا راستہ تنگ رکھا جائے۔ اب اگر ان کی پہچان کی کوئی علامت نہ ہو تو شاید ان کے ساتھ بھی مسلمانوں کے جیسا برتاؤ کیا جانے لگے اور یہ بات جائز نہ ہوگی۔ اور یہ بات واجب ہے کہ ان کی علیحدہ پہچان کے لئے سوت یا بالوں کا موٹا ڈورا (زنار) ان کے پاس ہو جس کو وہ اپنی کمر میں باندھیں ریشم کی زنار نہ ہو۔ کیونکہ مسلمان کے حق میں ظلم ہوگا (کہ اس سے ایک قسم کی ان کی بڑائی ظاہر ہوگی۔) اور یہ بھی واجب ہے کہ ذمیوں کی عورتیں بھی ہماری عورتوں سے راستوں اور حماموں میں علیحدہ آمد ورفت اور نشست و برخاست کریں۔ اس طرح سے کہ وہ صاف پہچانی جاسکیں۔ اور ذمیوں کے دروازوں پر بھی نشانیاں لگادی جائیں۔ تاکہ مانگنے والے ان کے دروازوں پر کھڑے ہو کر ان کے لئے مغفرت کی دعا نہ کریں۔ ہمارے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ذمیوں کو ضرورت کے سوا عام حالات میں سواری کی اجازت نہ دی جائے۔ اور جب ضرورۃً وہ سوار ہوں تو جہاں پر مسلمانوں کا مجمع ہو وہ وہاں پر اتر جائیں۔ پھر اگر کسی کے ساتھ لازمی ضرورت ہو جائے تو وہ اکاف کی صورت کی زین (جو خچروں اور گدھوں کے پالان کی صورت ہو) بنا دے۔ اور ذمیوں کو ایسے لباس سے منع کیا جائے گا جو عالموں وزاہدوں و شرفاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ یہ بزرگی کی علامت ہے جس سے ذمی محروم ہیں۔

جزیہ سے انکار کرنے، مسلمان کو قتل کرنے، حضور علیہ السلام کو گالی دینے یا مسلمان عورت سے زنا کرنے سے معاہدہ ختم نہ ہوگا

وَ مَنِ امْتَنَعَ مِنَ الْجِزْيَةِ اَوْقَتَلَ مُسْلِمًا اَوْسَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْزَنٰى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْتَقِضْ عَهْدُهٗ لِاَنَّ الْغَايَةَ الَّتِيْ يَنْتَهِيْ بِهَا الْقِتَالُ الْتِزَامُ الْجِزْيَةِ لَااَدَاؤُهَا وَالْاِلْتِزَامُ بَاقٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ سَبُّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ نَقْضًا لِاَنَّهٗ لَوْكَانَ مُسْلِمًا يَنْقُضُ اِيْمَانَهٗ فَكَذَا يَنْقُضُ اَمَانَهٗ اِذْعَقْدُالذِّمَّةِ خَلْفٌ عَنْهُ وَلَنَا اَنَّ سَبَّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُفْرٌ مِّنْهُ وَالْكُفْرُ الْمُقَارِنُ لَايَمْنَعُهٗ فَالطَّارِيْ لَايَرْفَعُهٗ.

ترجمہ ...... اور جس ذمی نے جزیہ دینے سے انکار کیا یا اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا یا رسول اللہ کو برا کہا یا کسی مسلمان عورت سے زنا کیا تو ان کاموں سے اس کے ذمی ہو کر رہنے کا معاہدہ ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ قتال کی آخری حد یہ ہو جاتی ہے کہ وہ کافر سرنگوں ہو کر اپنے اوپر جزیہ دینے کو لازم کرلے۔ اس کا ادا کرنا اس کی آخری حد نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے جس جزیہ کے دینے کو اس نے اپنے اوپر لازم کیا ہے وہ ابھی باقی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ کو برا کہنا اس ذمی کی طرف سے وعدہ خلافی اور عہد شکنی ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ مسلمان ہو کر ایسی بات کرتا ہے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا۔ پس اسی طرح اس ذمی کا بھی امان ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ امان کا عہد ایمان کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ کو برا کہنا اس کی جانب سے کفر ہے اور ذمی بنانے کے وقت جو کفر اس کے اندر تھا وہ اس کے ذمی بننے میں حائل نہیں ہوا تو یہ کفر جو اس کو بعد میں لگا ہے وہ بھی اس کے ذمہ کے وعدہ کو ختم نہیں کرے گا۔

تشریح ...... وَ مَنِ امْتَنَعَ مِنَ الْجِزْيَةِ ...... الخ مذکورہ باتوں سے ذمی کا معاہدہ ختم نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سے معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو برا کہنے سے جس طرح ایک مسلمان کا ایمان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح ذمی کا امان بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ امان کا

عہد ایمان کے قائم مقام ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو برا کہنا اس کی جانب سے کفر ہے۔ اور ذمی بنانے کے وقت جو کفر اس کے اندر لگا تھا وہ ذمی بننے کے لئے مانع نہیں ہوا تو یہ کفر جو بعد میں اس پر طاری ہوا ہے وہ ذمی کے معاہدہ کو ختم نہیں کرے گا۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ ذمی کا معاہدہ کرتے وقت جو کفر تھا وہ اس کے اعتقاد کی وجہ سے تھا۔ مگر موجودہ کفر مسلمانوں کے اعتقاد کی توہین کرنے سے ہے۔ لہٰذا ایسے موذی شخص کو قتل کرنا ہی اولیٰ ہے اور درالمنتقی میں ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق برے کلمات کو علانیہ نہ کہے۔ کیونکہ اگر اس نے اعلانیہ کہا یا اس کی عادت بنالی تو اسے قتل کردینا چاہئے۔ اگرچہ وہ عورت ہی ہو۔ اسی حکم پر اس زمانہ میں فتویٰ دیا جائے گا۔ جیسا کہ ردالمختار میں ہے اور حدیث میں ہے کہ جب کعب بن اشرف نے رسول اللہ کی ہجو کی جو کہ مدینہ کا یہودی تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کے واسطے کون ہے۔ یہ سن کر محمد ابن مسلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کے لئے میں کافی ہوں۔ بالآخر اسے قتل کردیا۔ جیسا کہ اس کی روایت بخاری نے کی ہے۔ اسی طرح ابورافع کے قتل کا قصہ بھی بخاری نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن الخطل کو اس کے ہجو کرنے کے جرم میں آپ نے قتل کرادیا۔ اسی طرح ایک زبردست شخص رسول اللہ کی برائی کرتا پھرتا تھا تو اسے حضرت خالد بن ولیدؓ نے قتل کردیا۔ اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص آپ کی برائی کرتا تھا اسے حضرت زبیرؓ نے قتل کردیا۔ اسی طرح رسول اللہؐ نے حضرت علی وزبیرؓ کو ایک ہجو کرنے والے کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اسے قتل کردیا اور ابن سعد وابن عساکر نے روایت کی ہے کہ مہاجر بن ابی امیہ جو حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے یمن کا حاکم تھا اسے خبر ملی کہ یہاں ایک عورت ایسی ہے جو رسول اللہ کی ہجو کا گیت گاتی ہے۔ اس پر مہاجر نے اسے پکڑ کر اس کا ہاتھ کاٹ لیا اور اس کے دانت توڑ دیئے۔ جب یہ خبر حضرت ابوبکر کو پہنچی تو فرمایا کہ اگر تم ایسا کرکے نہ آتے تو میں تم کو ہی یہ حکم دیتا کہ اس عورت کو قتل کردو۔ اور ابوداؤد والنسائی نے ابو برزہ الاسلمی سے روایت کی ہے کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا۔ اس وقت آپ نے ایک شخص سے کچھ سختی سے کلام کیا تھا۔ اس نے جواب میں آپ کو برا بھلا کہا تو میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ تو فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ کہ رسول اللہؐ کے سوا کسی دوسرے کو اس کا حق نہیں ہے۔ اور بیہقی نے اس کی روایت کی اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ اور عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ کی بدگوئی کرے میں اس کے قتل کا فتویٰ دوں گا اور اس کے قریب ابن الہام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہی قول امام مالک واحمد واسحٰق وشافعی وغیرھم رحمہم اللہ کا ہے۔ اور ابن المنذر نے کہا ہے کہ عامہ علماء کا یہی قول ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ذمی سے جزیہ لے کر اس کا قتل اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ وہ عاجزی کے ساتھ ادا کرتا رہے۔ اور جیسے ہی وہ برائی اور بدگوئی کرے گا تو اس کا یہ عمل مسلمانوں کے خلاف سرکشی وتکبر ہوگا۔ اس لئے اس کا قتل مباح ہوجائے گا۔ وھٰذا ھو الحق واللہ تعالیٰ اعلم۔

دارالحرب چلے جانے سے عہد ٹوٹ جائے گا

قَالَ وَلَا يَنْقُضُ الْعَهْدُ اِلَّا اَنْ يَّلْتَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ اَوْ يَغْلِبُوْنَ عَلٰى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُوْنَنَا لِاَنَّهُمْ صَارُوْا حَرْبًا عَلَيْنَا فَيُعْرٰى عَقْدُ الذِّمَّةِ عَنِ الْفَائِدَةِ وَهُوَ دَفْعُ شَرِّ الْحِرَابِ

ترجمہ...... قَالَ وَلَا يَنْقُضُ الْعَهْدَ...... الخ اور ذمی کا عہد ختم نہیں ہوگا مگر صرف اسی صورت میں کہ وہ دارالحرب میں واپس چلا جائے یا ذمیوں کی حمایت کے ساتھ کسی علاقہ میں جتھابندی کرکے مسلمانوں سے لڑیں۔ وہ جب ہمارے مقابلہ میں آگئے تو ان کے ذمی بن کر رہنے کا وعدہ بے فائدہ ہوگیا۔ کیونکہ یہ معاہدہ تو اسی لئے کیا گیا تھا کہ لڑائی کی برائی اور اس کا فتنہ ختم ہو۔

وہ ذمی جو نقض عہد کرلے وہ مرتد کی طرح ہے

وَاِذَا نَقَضَ الذِّمِّيُّ الْعَهْدَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ مَعْنَاهُ فِي الْحُكْمِ بِمَوْتِهٖ بِاللِّحَاقِ لِاَنَّهُ الْتَحَقَ بِالْاَمْوَاتِ وَكَذَا فِي

حُكْمِ مَاحَمَلَهُ مِنْ مَّالِهِ اِلَّا اَنَّهُ لَوْ اُسِرَ يُسْتَرَقُّ بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ

ترجمہ...... اور جب ذمی نے اپنا وعدہ توڑ دیا تو وہ مرتد کے حکم میں ہو گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا حکم مرتد کے مانند ہے۔ کہ دارالحرب میں چلے جانے سے اس کی موت کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ بے ایمان مردہ آدمیوں سے مل گیا ہے (۔ یہاں تک کہ مرتد کی طرح اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا) اسی طرح وہ اپنے ساتھ جو کچھ مال لے گیا ہے اس کا حکم بھی مثل مرتد کے ہے (یہاں تک کہ اگر دارالحرب پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو اس کا وہ سب مال مرتد کے مال کی طرح غنیمت ہو جائے گا) لیکن اتنا فرق ہے کہ اگر یہ ذمی قید کیا گیا تو غلام بنالیا جائے گا۔ بخلاف مرتد کے کہ اس کے بعد وہ یا تو اسلام لے آئے گا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

فَصْلٌ

ترجمہ...... فصل، نصاریٰ بنی تغلب کا بیان

نصاریٰ بنو تغلب سے مسلمان کی زکوٰۃ کا دگنا لیا جائے گا

وَ نَصَارىٰ بَنِىْ تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الزَّكٰوةِ لِاَنَّ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ صَالَحَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ بِمَحْضَرٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ

ترجمہ...... اور نصاریٰ بنی تغلب کے مال سے اس کا دگنا لیا جائے گا جو مسلمانوں سے زکوٰۃ میں لیا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ان سے اسی طرح کی مصالحت کی تھی۔ (رواہ ابن ابی شیبہ)

تشریح...... بَنِىْ تَغْلِبَ...... الخ یہ لوگ عرب کی نسل سے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان لوگوں سے جزیہ طلب کیا تو ان لوگوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم عرب ہیں اس لئے ہم سے بھی اس طرح لیا جائے جس طرح اہل عرب سے لیا جاتا ہے تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں مشرک سے صدقہ نہیں لوں گا۔ یہ سن کر کچھ تغلبی بھاگ کر نصاریٰ روم سے مل گئے۔ تب نعمان بن زرعہ نے عرض کیا اے امیر المومنین! یہ لوگ جنگجو قوم ہیں اور عرب ہیں۔ ان کو جزیہ دینے میں شرم آتی ہے۔ اسلئے آپ ان سے صدقہ کے نام سے جزیہ ہی وصول کریں اور اپنے دشمنوں کو ان سے مدد حاصل کرنے کا موقع نہ دیں۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے ان کو بلوایا اور جو کچھ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اس کا ان سے دوگنا ان کے مردوں اور عورتوں پر مقرر کیا۔ اس فیصلہ پر تمام موجود صحابہ ﷺ نے بھی اتفاق کیا۔

بنو تغلب کی عورتوں سے جزیہ وصول کیا جائے گا بچوں سے نہیں

وَ يُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَ لَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ لِاَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ عَلَى الصَّدَقَةِ الْمُضَاعَفَةِ وَالصَّدَقَةُ تَجِبُ عَلَيْهِنَّ دُوْنَ الصِّبْيَانِ فَكَذَا الْمُضَاعَفُ وَقَالَ زُفَرُ لَا يُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ اَيْضًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّهُ جِزْيَةٌ فِى الْحَقِيْقَةِ عَلٰى مَا قَالَ عُمَرُ هٰذِهٖ جِزْيَةٌ فَسَمُّوْهَا مَاشِئْتُمْ وَلِهٰذَا تُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْيَةِ وَلَا جِزْيَةَ عَلَى النِّسْوَانِ وَلَنَا اَنَّهُ مَالٌ وَجَبَ بِالصُّلْحِ وَالْمَرْاَةُ مِنْ اَهْلِ وُجُوْبِ مِثْلِهٖ عَلَيْهَا وَالْمَصْرَفُ مَصَالِحُ الْمُسْلِمِيْنَ لِاَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ وَ ذٰلِكَ لَا يَخْتَصُّ بِالْجِزْيَةِ اَلَا تَرٰى اَنَّهُ لَا يُرَاعٰى فِيْهِ شَرَائِطُهَا

ترجمہ...... مال کی اس مقدار کے حساب سے مردوں کے علاوہ ان کی عورتوں سے بھی لیا جائے گا۔ لیکن ان کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا کیونکہ مصالحت تو زکوٰۃ کی دوگنی مقدار پر ہوتی ہے۔ اور زکوٰۃ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی لازم ہوا کرتی ہے۔ مگر بچوں پر نہیں ہوتی ہے اس لئے دوگنے کا بھی یہی حال ہوگا اور بنی تغلب کے مردوں کی طرح ان کی عورتوں سے بھی لیا جائے گا مگر ان کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا۔ اور زفرؒ نے کہا ہے کہ تغلبی عورتوں سے بھی نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہ جزیہ ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ یہ جزیہ ہے۔ تم اسے جو چاہو کہو۔ (رواہ البیہقی)

اسی وجہ سے وہ جزیہ کے مصارف میں خرچ ہوتا ہے۔ اور عورتوں پر جزیہ نہیں ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ایسا مال ہے جو صلح کے ساتھ واجب ہوا ہے۔ اور عورت اس لائق ہوتی ہے کہ اس پر ایسا مال واجب ہو۔ اور جہاں یہ مال خرچ ہوتا ہے وہ مسلمانوں کے عام فائدے کے مقامات ہیں۔ کیونکہ یہ بیت المال کا مال ہے۔ اور یہ مصرف صرف جزیہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں جزیہ کی خاص شرطوں کا لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ یہ مال نائب کے ذریعہ سے نہیں لیا جاتا ہے بلکہ اصل ذمہ دار خود کھڑے ہو کر ادا کرتا ہے۔ وغیرہٗ ذالک

تغلبی کے مولیٰ پر خراج عائد کیا جائے گا

وَ يُوْضَعُ عَلٰى مَوْلَى التَّغْلِبِيِّ الْخِرَاجُ اَىِ الْجِزْيَةُ وَخِرَاجُ الْاَرْضِ بِمَنْزِلَةِ مَوْلَى الْقُرَشِيِّ وَ قَالَ زُفَرُ يُضَاعَفُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ اَلَاتَرٰى اَنَّ مَوْلَى الْهَاشِمِيِّ يُلْحَقُ بِهٖ فِىْ حَقِّ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ وَلَنَا اَنَّ هٰذَا تَخْفِيْفٌ وَالْمَوْلٰى لَا يُلْحَقُ بِالْاَصْلِ فِيْهِ وَ لِهٰذَا تُوْضَعُ الْجِزْيَةُ عَلٰى مَوْلَى الْمُسْلِمِ اِذَا كَانَ نَصْرَانِيًّا بِخِلَافِ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ لِاَنَّ الْحُرُمَاتِ تَثْبُتُ بِالشُّبُهَاتِ فَاُلْحِقَ الْمَوْلٰى بِالْهَاشِمِىِّ فِىْ حَقِّهٖ وَ لَا يَلْزَمُ مَوْلَى الْغَنِيِّ حَيْثُ لَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ لِاَنَّ الْغَنِيَّ مِنْ اَهْلِهَا وَاِنَّمَا الْغِنٰى مَانِعٌ وَلَمْ يُوْجَدْ فِىْ حَقِّ الْمَوْلٰى اَمَّا الْهَاشِمِىُّ فَلَيْسَ بِاَهْلٍ لِهٰذِهِ الصِّلَةِ اَصْلًا لِاَنَّهٗ صِيْنَ لِشَرَفِهٖ وَ كَرَامَتِهٖ عَنْ اَوْسَاخِ النَّاسِ فَاُلْحِقَ بِهٖ مَوْلَاهُ

ترجمہ...... اور تغلبی کے غلاموں پر بھی جزیہ و زمین کا خراج مقرر کیا جائے گا۔ جیسے ہاشمی کے غلاموں پر مقرر کیا جاتا ہے یعنی اگر ہاشمی نے کسی کافر غلام کو آزاد کیا تو اس پر جزیہ وخراج مقرر کیا جائے گا۔ اسی طرح تغلبی کے غلاموں سے دوگنا نہیں بلکہ صرف جزیہ وخراج لیا جائے گا اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تغلبی کے مولی سے دوگنا لیا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قوم کا آزاد کیا ہوا بھی اسی قوم میں سے ہوتا ہے۔ (ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے)۔ جیسا کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صدقہ حرام ہونے میں ہاشمی کا مولی ہاشمی کے ساتھ ملا لیا جاتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ دوگنا لینے میں تخفیف ہے (یعنی اس میں ذلت کا وصف نہیں ہے بخلاف جزیہ کے کہ اس کی ادائیگی میں ذلت ہوتی ہے) اور آزاد کیا ہوا انسان اس تخفیف میں اپنے آزاد کرنے والے کے ساتھ نہ ہوگا۔ اسی لئے مسلمان کے آزد کئے ہوئے پر جبکہ وہ مثلاً نصرانی ہو جزیہ مقرر کیا جاتا ہے۔ بخلاف صدقہ حرام ہونے کے (کہ جس طرح ہاشمی پر صدقہ حرام ہوتا ہے اس کے آزاد کردہ پر بھی صدقہ حرام ہوتا ہے) کیونکہ شبہ ہو جانے سے حرمت کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے حرمت کے معاملہ میں ہاشمی کے ساتھ اس کے آزاد کئے ہوئے غلام کو بھی ملا لیا گیا ہے (۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ مالدار شخص کے آزاد کئے ہوئے پر بھی صدقہ لینا حرام ہونا چاہئے کیونکہ اس میں بھی شبہ موجود ہے۔ تو اس کا جواب دیا کہ) مالدار کے غلام سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دراصل مالدار پر صدقہ لینا حرام نہیں ہوتا ہے کیونکہ مالدار شخص میں صدقہ لینے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگرچہ فی الحال اس کی مالداری کی وجہ سے اس کے لئے ممنوع ہے یا تونگری اس کے لئے مانع ہے۔ اور اس کے آزاد کئے ہوئے میں مالداری بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن ہاشمی میں صدقہ لینے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ہے اگرچہ وہ ہاشمی بالکل ہی فقیر کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ہاشمی اس کی اپنی شرافت وکرامت کی وجہ

سے لوگوں کے میل وکچیل سے محفوظ رکھا گیا ہے تو اس کی ساتھ اس کا آزاد کردہ غلام بھی ملا لیا گیا ہے۔

خراج، اموال بنی تغلب اور اہل الحرب کے امام کو دیئے ہوئے ہدایا اور جزیہ کو مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائے گا

قَالَ وَمَاجَبَاهُ الْإِمَامُ مِنَ الْخِرَاجِ وَمِنْ اَمْوَالِ بَنِیْ تَغْلِبَ وَمَااَهْدَاهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اِلَی الْإِمَامِ وَالْجِزْيَةِ يُصْرَفُ فِیْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ كَسَدِّالثُّغُوْرِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِيْرِ وَالْجُسُوْرِ وَيُعْطٰی قُضَاةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَائُهُمْ مِنْهُ مَا يَكْفِيْهِمْ وَيُدْفَعُ مِنْهُ اُرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيْهِمْ لِاَنَّهٗ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ فَاِنَّهٗ وَصَلَ اِلَی الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ وَهُوَ مَعَدٌّ لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ وَهٰؤُلَاءِ عَمَلَتُهُمْ وَنَفَقَةُ الذَّرَارِیِّ عَلَی الْاٰبَاءِ فَلَوْلَمْ يُعْطَوْا كِفَايَتَهُمْ لَاحْتَاجُوْا اِلَی الْاِكْتِسَابِ وَلَايَتَفَرَّغُوْنَ لِلْقِتَالِ

ترجمہ...... کہا اور امام المسلمین نے جو کچھ کہ خراج و اموال بنی تغلب اور ہدیہ اہل حرب سے اور جزیہ سے جمع کیا ہے۔ اسے وہ امام عام مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرے جیسے دارالاسلام کی سرحدوں کو لشکروں سے مضبوط کرنا، اور دریاؤں و نہروں کے پل بنانا اور مسلمانوں کے قاضیوں و عاملوں اور علماء کو ان کی ضرورت کے مطابق دینا۔ کیونکہ یہ سب بیت المال کا مال ہے۔ اور مسلمانوں کو کسی جہاد اور قتال کے بغیر حاصل ہوا ہے۔ (بیت المال کا انتظام اس لئے کیا جاتا ہے اور اس قسم کا مال وہاں رکھا جاتا ہے کہ تمام مسلمانوں کی مصلحتوں میں کام آئے۔ اوپر میں جتنے کام اور مدیں ذکر کی گئیں) یہ سب مسلمانوں کے ہی کام میں آتی ہیں اور مسلمانوں کے واسطے وہ کام کرتے ہیں۔ چونکہ کام کرنے والوں کے بال بچوں کا خرچ بھی ان کے باپ پر لازم ہوتا ہے۔ اب اگر ان لوگوں کو بیت المال سے ان کے ضروری اخراجات کیلئے نہ دیا جائے تو وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے آمدنی کی دوسری صورتیں اختیار کرنے میں مشغول ہوں گے اور قتال و جہاد کیلئے فارغ نہ ہو سکیں گے (اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی تجنیس کی روایت کے مطابق طالب علم بھی اس میں داخل ہیں)

جو سال کے درمیان فوت ہو جائے اس پر کچھ لازم نہیں

وَ مَنْ مَاتَ فِیْ نِصْفِ السَّنَةِ فَلَا شَیْءَ لَهٗ مِنَ الْعَطَاءِ لِاَنَّهٗ نَوْعُ صِلَةٍ وَلَيْسَ بِدَيْنٍ وَ لِهٰذَا سُمِّیَ عَطَاءً فَلَا يَمْلِكُ قَبْلَ الْقَبْضِ وَ يَسْقُطُ بِالْمَوْتِ وَ اَهْلُ الْعَطَاءِ فِیْ زَمَانِنَا مِثْلُ الْقَاضِیْ وَ الْمُدَرِّسِ وَ الْمُفْتِیْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ...... ومن مات...... الخ اور قاضی و علماء وغیرہ میں سے جو کوئی درمیان سال (یا آخر سال میں) میں مرجائے تو اس عطاء میں سے ان کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک طرح کا صلہ ہے۔ حکومت پر قرض نہیں ہے۔ اس لئے اسے عطاء کہتے ہیں۔ اور عطیہ کے لئے اس پر قبضہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اور موت سے یہ ساقط ہو جاتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں مستحق عطاء قاضی و مفتی و مدرس ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ:...... زمانۂ سابق میں جس شخص کو اسلام میں کسی طرح کی برتری حاصل تھی وہ اہل عطاء میں سے شمار کئے جاتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو بھی بیت المال سے ملتا تھا۔ اب اصلی کافروں کے احکام شروع کئے جارہے ہیں۔

بَابُ أَحْكَامِ الْمُرْتَدِّيْنَ

ترجمہ...... باب، مرتدوں کے احکام کے بیان میں۔

کوئی شخص مرتد اور بے دین ہو جائے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے

قَالَ وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ عَنْهُ لِاَنَّهُ عَسَاهُ اعْتَرَتْهُ شُبْهَةٌ فَتُزَاحُ وَفِيْهِ دَفْعُ شَرِّهٖ بِاَحْسَنِ الْاَمْرَيْنِ اِلَّا اَنَّ الْعَرْضَ عَلٰى مَاقَالُوْا غَيْرُ وَاجِبٍ لِاَنَّ الدَّعْوَةَ بَلَغَتْهُ

ترجمہ...... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ اسلام سے پھر جائے تو اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے (اور دوبارہ مسلمان ہونے کے لئے سمجھایا جائے) اگر اسے کوئی شبہ پیدا ہو گیا ہو وہ حل کر دیا جائے۔ کیونکہ شاید اس کو کوئی ایسا شبہہ پیدا ہو گیا ہو اور وہ خود حل نہ سکتا ہو تو وہ حل کر دیا جائے۔ اس کی اس خرابی (بد دینی اور ارتداد) کو دور کرنے کے دو طریقوں میں سے اچھا طریقہ یہی ہے یعنی اس کو قتل کر دینے سے مبرا اس کو سمجھانا ہے۔ لیکن مشائخ کے قول کی بناء پر اس کے سامنے اب اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس کو تو اسلام کی دعوت پہلے ہی پہنچ چکی ہے۔

تین دن تک قید میں ڈالا جائے مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے

قَالَ وَيُحْبَسُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ الْمُرْتَدُّ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْاِسْلَامُ حُرًّا كَانَ اَوْ عَبْدًا فَاِنْ اَبٰى قُتِلَ وَتَاْوِيْلُ الْاَوَّلِ اَنَّهُ يَسْتَمْهِلُ فَيُمْهَلُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ لِاَنَّهَا مُدَّةٌ ضُرِبَتْ لِاِبْلَاءِ الْاَعْذَارِ وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ يُسْتَحَبُّ اَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ طَلَبَ ذَالِكَ اَوْلَمْ يَطْلُبْ وَعَنِ الشَّافِعِيِّ اَنَّ عَلَى الْاِمَامِ اَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَايَحِلُّ لَهُ اَنْ يَقْتُلَهُ قَبْلَ ذَالِكَ لِاَنَّ اِرْتِدَادَ الْمُسْلِمِ يَكُوْنُ عَنْ شُبْهَةٍ ظَاهِرًا فَلَابُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يُمْكِنُهُ التَّاَمُّلُ فَقَدَّرْنَاهُ بِالثَّلٰثِ وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰى فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الْاِمْهَالِ وَكَذَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ وَلِاَنَّهُ كَافِرٌ حَرْبِيٌّ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ فَيُقْتَلُ لِلْحَالِ مِنْ غَيْرِ اسْتِمْهَالٍ وَهٰذَا لِاَنَّهُ لَايَجُوْزُ تَاْخِيْرُ الْوَاجِبِ لِاَمْرٍ مَوْهُوْمٍ وَلَافَرْقَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ لِاِطْلَاقِ الدَّلَائِلِ وَكَيْفِيَّةُ تَوْبَتِهٖ اَنْ يَتَبَرَّأَ عَنِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا سِوَى الْاِسْلَامِ لِاَنَّهُ لَادِيْنَ لَهُ وَلَوْ تَبَرَّأَ عَمَّا انْتَقَلَ اِلَيْهِ كَفَاهُ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ

ترجمہ...... قَالَ وَيُحْبَسُ ...... الخ اور ایسے دین سے پھر جانے والے (مرتد) کو اولاً تین دنوں تک قید میں رکھا جائے۔ اس عرصہ میں اگر مسلمان ہو گیا تو بہتر ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ جامع صغیر میں ہے کہ مرتد کے سامنے اسلام پیش کیا جائے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام ہو اگر اس وقت بھی انکار کر دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس میں پہلے قول کی تاویل یہ ہے کہ اگر مرتد نے مہلت مانگی تو تین دنوں کی مہلت دی جائے گی۔ کیونکہ مہلت دینے کی تمام صورتوں میں عذروں کے دور کرنے کے لئے اتنی ہی مدت مقرر ہے۔ امام ابوحنیفہ وابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما سے روایت ہے کہ اسے تین کی مہلت دینی مستحب ہے خواہ مانگے یا نہ مانگے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دے۔ اس سے پہلے اسے قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان کا مرتد ہو جانا بظاہر کسی خاص وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اسے اتنی مہلت ضرور دینی

چاہئے جس میں وہ غور کر کے صحیح راستے پر آ سکے۔ جس کے لئے ہم نے تین دنوں کی مہلت مقرر کی ہے (۔حضرت عمرؓ کا قول ظاہر یہی ہے جیسا کہ مالک وبیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کی ہے۔) اور ہماری دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ۔یعنی مشرکوں کو قتل کر دو۔ حالانکہ اس میں مہلت دینے کی قید نہیں ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ جو شخص اپنا دین بدلے اس کو تم قتل کر دو (۔بخاری وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے۔) اور اس دلیل سے بھی کہ یہ شخص حربی کافر ہو گیا ہے اسے تو پہلے ہی دعوت اسلام پہنچ چکی ہے۔ اس لئے اسے بغیر مہلت دیئے فوراً قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اس کو قتل کرنا واجب ہو گیا۔ اور اس کا مسلمان ہو جانا غیر یقینی اور امر موہوم ہے تو ایسی وہمی بات کے لئے کسی واجب کام میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہوتا ہے (۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہی ہے۔)۔ مرتد ہو جانے والا خواہ آزاد ہو یا غلام ہو اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ جن دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی ہے اور حکم نکلا ہے وہ مطلق ہے (یعنی اس میں دونوں داخل ہیں)۔ مرتد کے توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ (وہ یوں کہے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدًا رسول اللہ اس کے بعد دین) اسلام کے سوا تمام دینوں سے انکار اور بیزاری کا اظہار کرے۔ کیونکہ فی الحال اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اور اگر دین اسلام چھوڑ کر جس دین کی طرف وہ مائل ہوا تھا صرف اسی سے بیزاری ظاہر کر دے تو بھی کافی ہے۔ کیونکہ مقصود اصلی حاصل ہو گیا ہے۔

اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل مکروہ ہے

قَالَ فَاِنْ قَتَلَهٗ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْاِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ وَلَاشَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ وَمَعْنَى الْكَرَاهِيَّةِ هٰهُنَا تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ وَ انْتِفَاءُ الضَّمَانِ لِاَنَّ الْكُفْرَ مُبِيْحٌ لِلْقَتْلِ وَالْعَرْضُ بَعْدَ بُلُوْغِ الدَّعْوَةِ غَيْرُ وَاجِبٍ

ترجمہ...... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر اس مرتد کو اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے قتل کر دیا تو یہ فعل مکروہ ہوگا اور اس قاتل پر قصاص یا دیت کچھ لازم نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ میں کراہیت کے معنی ہیں مستحب کام کو چھوڑ دینا۔ اور اس پر کوئی ضمان اس لئے لازم نہیں ہوگا کہ اس کے اندر کے کفر نے اس کے اپنے خون کو حلال کر دیا ہے۔ اور ایک بار اسلام کی دعوت پہنچ جانے کے بعد بھی دوبارہ اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہوتا ہے۔

مرتدہ کی کیا سزا ہے

وَاَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْتَلُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تُقْتَلُ لِمَارَوَيْنَا وَلِاَنَّ رِدَّةَ الرَّجُلِ مُبِيْحَةٌ لِلْقَتْلِ مِنْ حَيْثُ اَنَّهٗ جِنَايَةٌ مُغَلَّظَةٌ فَتَنَاطُ بِهَا عُقُوْبَةٌ مُغَلَّظَةٌ وَرِدَّةُ الْمَرْاَةِ تُشَارِكُهَا فِيْهَا فَتُشَارِكُهَا فِيْ مُوْجِبِهَا وَلَنَا اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَلِاَنَّ الْاَصْلَ تَاخِيْرُ الْاَجْزِيَةِ اِلٰى دَارِ الْاٰخِرَةِ اِذْ تَعْجِيْلُهَا يُخِلُّ بِمَعْنَى الْاِبْتِلَاءِ وَاِنَّمَا عُدِلَ عَنْهُ دَفْعًا لِشَرٍّ نَاجِزٍ وَهُوَ الْحِرَابُ وَلَايَتَوَجَّهُ ذٰلِكَ مِنَ النِّسَاءِ لِعَدَمِ صَلَاحِيَّةِ الْبِنْيَةِ بِخِلَافِ الرِّجَالِ فَصَارَتِ الْمُرْتَدَّةُ كَالْاَصْلِيَّةِ قَالَ وَلٰكِنْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ لِاَنَّهَا امْتَنَعَتْ عَنْ اِيْفَاءِ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى بَعْدَ الْاِقْرَارِ فَتُجْبَرُ عَلٰى اِيْفَائِهٖ بِالْحَبْسِ كَمَا فِيْ حُقُوْقِ الْعِبَادِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَتُجْبَرُ الْمَرْاَةُ عَلَى الْاِسْلَامِ حُرَّةً كَانَتْ اَوْاَمَةً

ترجمہ...... اور مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ بھی قتل کی جائے گی۔ اسی حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کر دی ہے (کہ جو کوئی اپنا دین بدلے (مرتد ہو) اسے قتل کر دو) اور اس دلیل سے بھی کہ مرد کا مرتد ہونا اس کے خون کو اس بناء پر مباح کر دیتا ہے کہ یہ ایک سخت جرم ہے۔ لہٰذا اس کی سزا بھی سخت یعنی قتل ہی ہونی چاہئے اور عورت بھی مرتد ہونے سے اس سخت جرم میں شریک ہے۔ اس لئے عورت بھی اسی سزا میں شریک ہوگی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (جیسا کہ صحاح میں مذکور

ہے)اوراس دلیل سے کہ سزاؤں کے متعلق اصل یہ ہے کہ ان کو آخرت میں دیئے جانے کے لئے جہاں تک ممکن ہو موخر کیا جائے۔ کیونکہ فی الفور سزا دے دینے سے مجرم کے امتحان میں خلل پیدا ہو جاتا ہے (کہ وہ کس حد تک بے باکی کی جرأت کر سکتا ہے) اس اصل ہونے کے باوجود اس کے خلاف اس لئے کیا جاتا ہے کہ فوری طور پر بھی اس کا فتنہ وفساد ختم ہو اور دنیا سے بھی لڑائی دفع ہو۔ مگر عورتوں کی ذات سے ایسی لڑائی کی امید نہیں کی جاتی ہے۔ کیونکہ فطری طور سے ان میں جنگ کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ بخلاف مردوں کے۔ لہٰذا مرتدہ کافرہ (ایک بار اسلام لاکر پھر کافر ہونے والی) اصلی کافر رہنے والی کے حکم میں ہوگئی۔ (یعنی جیسی کہ اصلی کافرہ عورت میدان جنگ میں بھی قتل نہیں کی جاتی ہے اسی طرح مرتد ہونے والی کافرہ بھی قتل نہیں کی جائے گی)۔ البتہ وہ قید خانہ میں ڈالی جائے گی۔ اور دوبارہ اسلام قبول نہ کر لینے تک وہیں پڑی رہے گی۔ کیونکہ وہ ذات الٰہی کا اوراس کے حق کا اقرار کر کے اب اس کے ادا کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ اس لئے اسے قید میں ڈال کر اس حق کو ادا کرنے پر مجبور کی جائے گی جیسے کہ بندوں کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ عورت کو (دوبارہ) اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا وہ عورت آزاد ہو، چاہے باندی ہو۔

تشریح...... اگر عورت مرتد ہو جائے تو احناف کے ہاں اسے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اسے قید میں رکھا جائے گا اور اس کے ساتھ اسے ترغیب ودعوت دی جائے گی اگر پھر بھی اسلام قبول نہ کیا تو قید میں ہی رہنے دیا جائے گا یہاں تک کہ موت اس کا فیصلہ کر لے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت مرتد ہو جائے تو اسے مرد کی طرح قتل کیا جائے گا دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ اس ارشاد نبوی ﷺ میں کسی کی تخصیص نہیں ہے لہٰذا یہ حکم عمومی ہوگا۔ دوسری دلیل یہ کہ خون کو مباح کرنے کا سبب کفر ہے جو کہ عورت میں پایا جا رہا ہے۔

تیسری دلیل...... یہ کہ کفر بعد از اسلام کفر اصلی سے زیادہ سخت ہے احناف فرماتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ ''عورت اور بچے کو قتل نہ کرو''۔

باندی مرتد ہو جائے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے

وَالْاَمَةُ يُجْبِرُهَا مَوْلَاهَا اَمَّا الْجَبْرُ فَلِمَا ذَكَرْنَا وَمِنَ الْمَوْلٰى لِمَا فِيْهِ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقَّيْنِ وَيُرْوٰى تُضْرَبُ فِيْ كُلِّ اَيَّامٍ مُبَالَغَةً فِي الْحَمْلِ عَلَى الْاِسْلَامِ

ترجمہ...... اور باندی اس کا مولیٰ اپنی اس باندی پر جبر کرے گا تا کہ حق اللہ کے ساتھ حق العبد بھی جمع ہو جائے۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ اس کے لئے اس کا مولیٰ اسے ہر روز مارے تا کہ پورے طور پر جبر ہو اور وہ اسلام قبول کر لے۔

مرتد کی ملک اپنے اموال سے زائل ہو جاتی ہے

قَالَ وَيَزُوْلُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ اَمْوَالِهٖ بِرِدَّتِهٖ زَوَالًا مُرَاعًى فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَتْ اِلٰى حَالِهَا قَالُوْا هٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا لَايَزُوْلُ مِلْكُهٗ لِاَنَّهٗ مُكَلَّفٌ مُحْتَاجٌ فَاِلٰى اَنْ يُّقْتَلَ بَقِيَ مِلْكُهٗ كَالْمَحْكُوْمِ عَلَيْهِ بِالرَّجْمِ وَالْقِصَاصِ وَلَهٗ اَنَّهٗ حَرْبِيٌّ مَقْهُوْرٌ تَحْتَ اَيْدِيْنَا حَتّٰى يُقْتَلَ وَلَا قَتْلَ اِلَّا بِالْحِرَابِ فَهٰذَا يُوْجِبُ زَوَالَ مِلْكِهٖ وَمَالِكِيَّتِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ مَدْعُوٌّ اِلَى الْاِسْلَامِ بِالْاِجْبَارِ وَيُرْجٰى عَوْدُهٗ اِلَيْهِ فَتَوَقَّفْنَا فِيْ اَمْرِهٖ فَاِنْ اَسْلَمَ جُعِلَ هٰذَا الْعَارِضُ كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ حَقِّ هٰذَا الْحُكْمِ وَصَارَ كَاَنْ لَّمْ يَزَلْ مُسْلِمًا وَلَمْ يَعْمَلِ السَّبَبُ وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحُكِمَ بِلِحَاقِهٖ اِسْتَقَرَّ كُفْرُهٗ فَيَعْمَلُ السَّبَبُ عَمَلَهٗ وَزَالَ مِلْكُهٗ

ترجمہ...... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مرتد ہو جانے کی وجہ سے اس مرتد کی ملکیت اس کے اپنے مالوں سے ختم ہو جاتی ہے۔ مگر اس کی ملکیت

کا ختم ہو جانا کچھ عارضی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ پھر اسلام قبول کر لے تو وہ ملکیت بحال ہو جاتی ہے۔ مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ اس کی ملکیت ختم نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ مکلّف اور ضرورت مند ہے اس لئے اس کے قتل ہو جانے تک اس کی ملکیت باقی رہتی ہے۔ جیسے وہ شخص جس پر رجم یا قصاص کا حکم دیا گیا ہو کہ اس کے قتل یا رجم ہونے تک اس کی ملکیت باقی رہتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ایک حربی کافر ہے جو ہمارے قبضہ میں مقہور اور گرفتار ہے تا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اور قتل بغیر لڑائی کے نہیں ہوتا ہے۔ (یعنی وہ فی الحال حربی ہے اسی لئے اس کا قتل جائز ہے) اور یہی بات اس چیز کو واجب کرتی ہے کہ اس کی ملکیت اور مالکیت سب ختم ہو جائے۔ البتہ ابھی اس پر جبر کر کے اسے اسلام کی طرف اس امید پر دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ اس طرح ہم نے اس کے معاملہ میں ذرا انتظار کیا ہے (یعنی اس وقت یہ بات ظاہر ہو جانے کے لئے توقف کیا ہے کہ وہ دوبارہ اسلام لاتا ہے یا نہیں)؟ اگر وہ اسلام لے آیا تو اس کے فی الحال مرتد ہو جانے کو نہ ہونے کے جیسا فرض کر لیا جائے گا اور اس کی ملکیت کے ختم ہو جانے کو کالعدم مان لیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ برابر مسلمان ہی رہا۔ اور اپنی ملکیت کے زائل ہونے کا سبب اختیار نہیں کیا یعنی مرتد نہیں ہوا۔ اور اگر اس عرصہ میں وہ مر گیا یا مرتد ہونے پر قتل کر دیا گیا یا بھاگ کر وہ دارالحرب میں پہنچ گیا (اور قاضی نے اس کے بارے میں فیصلہ سنا دیا کہ وہ دارالحرب پہنچ گیا ہے)۔ تو اس کا کفر برقرار ہو کر پکا ہو گیا۔ اس لئے اب اس کا مرتد ہونا اپنا اثر دکھائے گا یعنی اس کے سابقہ ملکیت ختم ہو جائے گی۔

تشریح ..... مرتد ہونا ملکیت کے زوال کا سبب ہے۔ تمام فقہاء وائمہ کا اتفاق اس بات پر ہے کہ اگر مرتد دوبارہ اسلام قبول کر لے تو اس کی ملکیت برقرار رہے گی اور اسے تصرف کا حق ہے۔ اگر مرتد نے دوبارہ اسلام قبول نہ کیا بلکہ حالت ارتداد میں فوت ہوا یا قتل کیا گیا یا دارالحرب سے جا ملا تو اب اس صورت میں اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

امام صاحب کے ہاں مرتد کی ملکیت اپنے اموال سے سبب (ارتداد) کے پائے جانے کی بنیاد پر زائل ہو گی اور جب قتل یا موت واقع ہوئی تو اب ملکیت کے زوال کو ارتداد کی طرف مضاف کیا جائے گا اس لئے کہ مرتد کے اسلام لانے کا احتمال تھا اسلئے زوال پر ملکیت کا حکم موقوف تھا۔

صاحبین کے ہاں ارتداد سے ملکیت زائل نہ ہو گی اس لئے کہ سبب ملکیت حریت پایا جا رہا ہے لیکن قتل، موت یا دارالحرب سے ملنے پر ملکیت کے زوال کا حکم لگایا جائے گا۔ امام صاحب کا موقف راجح ہے کہ مرتد جب اسلام قبول کر لے تو گویا مرتد ہوا ہی نہیں پس ملکیت کے فوری زائل ہونے پر توقف کیا جائے گا۔

مرتد حالت ارتداد میں مر گیا یا قتل کر لیا گیا تو حالت اسلام کی کمائی ورثہ کو ملے گی

قَالَ وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ اِنْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِىْ اِسْلَامِهٖ اِلٰى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِىْ حَالِ رِدَّتِهٖ فَيْئًا وَهٰذَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ كِلَاهُمَا لِوَرَثَتِهٖ وَقَالَ الشَّافِعِىُّ كِلَاهُمَا فَيْئٌ لِاَنَّهٗ مَاتَ كَافِرًا وَالْمُسْلِمُ لَا يَرِثُ الْكَافِرَ ثُمَّ هُوَ مَالُ حَرْبِىٍّ لَا اَمَانَ لَهٗ فَيَكُوْنُ فَيْئًا وَلَهُمَا اَنَّ مِلْكَهٗ فِى الْكَسْبَيْنِ بَعْدَ الرِّدَّةِ بَاقٍ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ فَيَنْتَقِلُ بِمَوْتِهٖ اِلٰى وَرَثَتِهٖ وَيُسْتَنَدُ اِلٰى مَا قُبَيْلِ رِدَّتِهٖ اِذِ الرِّدَّةُ سَبَبُ الْمَوْتِ فَيَكُوْنُ تَوْرِيْثُ الْمُسْلِمِ مِنَ الْمُسْلِمِ وَلِاَبِىْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ يُمْكِنُ الْاِسْتِنَادُ فِىْ كَسْبِ الْاِسْلَامِ لِوُجُوْدِهٖ قَبْلَ الرِّدَّةِ وَلَا يُمْكِنُ الْاِسْتِنَادُ فِىْ كَسْبِ الرِّدَّةِ لِعَدَمِهٖ قَبْلَهَا وَمِنْ شَرْطِهٖ وُجُوْدُهٗ

ترجمہ ..... قَالَ وان مات او قتل ..... الخ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ اگر وہ مرتد مر گیا یا ارتداد کی حالت میں قتل کر دیا گیا تو جو کچھ اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان ورثہ کو مل جائے گا۔ اور جو کچھ اس نے ارتداد کے زمانہ میں کمایا تھا وہ مال غنیمت ہوگا۔ یہ قول امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ دونوں حالتوں (حالت اسلام اور حالت ارتداد) کی ساری کمائی اس کے ورثہ کی کمائی ہو جائے گی۔ اور امام شافعی (و مالک اور احمد) رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ دونوں کمائیاں مال غنیمت میں شمار ہوں گی کیونکہ وہ حالت کفر میں مرا ہے۔ اور کافر کا وارث کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔ پھر یہ سارا مال ایک ایسے حربی کا ثابت ہوا جس کا دارالاسلام میں امان باقی نہیں رہا تھا لہٰذا وہ مال غنیمت ہو جائے گا۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اس کی دونوں قسموں کی کمائیاں اس کے مرتد ہونے کے بعد بھی اس کی ملکیت میں باقی رہیں گی۔ جیسا کہ ابھی اوپر میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب بیان کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس کے مر جانے کے بعد اس کی ملکیت اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اور یہ کہا جائے گا کہ اس کے مرنے سے ذرا پہلے اس کی ملکیت ورثہ کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کا مرتد ہونا ہی اس کی موت کا سبب ہے۔ لہٰذا مسلمان نے مسلمان ہی کی میراث پائی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی کمائی کو اس طرح منسوب کرنا ممکن ہے کیونکہ وہ تو اس کے مرتد ہونے سے پہلے موجود تھی۔ اور ارتداد کی کمائی کو اس طرح منسوب کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے مرتد ہونے سے پہلے موجود نہ تھی۔ حالانکہ منسوب اور مستند ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس وقت بھی موجود ہو۔

تشریح ..... اگر کسی مرتد کو حالت ارتداد میں موت آ گئی یا وہ (مرتد) بوجہ ارتداد کے قتل کیا گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے مؤقف کے بموجب حالت اسلام میں بذریعہ اکتساب (کمائی) حاصل شدہ مال مسلمان ورثاء کو بطور وراثت ملے گا۔ جب کہ حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال ''مال غنیمت'' متصور ہوگا کیونکہ حالت اسلام کی کمائی حالت ارتداد سے پہلے کی طرف منسوب ہوگی اور یہ ممکن ہے اور بعد از ارتداد کی کمائی کو پہلے کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں اس لئے بعد از ردت کمایا ہوا مال غنیمت ہوگا۔ صاحبین کے ہاں مرتد کا مال میراث متصور ہوگا کہ یہ مال مرتد کی ملکیت میں ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں مرتد کا کمایا ہوا مال بصورت موت یا قتل مال غنیمت شمار ہوگا اس لئے کہ مرتد کی موت حالت کفر میں ہوئی ہے۔

مرتد کے کمائے ہوئے مال کے بارے میں صاحبین (امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) کا مؤقف ہو یا امام شافعیؒ کی رائے امام ابوحنیفہؒ کے مؤقف کے مد مقابل مرجوح ہیں۔ کیونکہ مرتد کے مال پر زوال ملکیت کا تحقق (ثبوت) ہوتا ہے، چنانچہ مرتد نے بحالت اسلام اور قبل از ارتداد جو مال بذریعہ اکتساب (کمائی) حاصل کیا وہ مسلمان ورثاء کے لئے میراث متصور ہوگا۔ اور حضرت علیؓ کے اقدام پر مبنی اجماع صحابہؓ کو اسی (قبل از ارتداد کمائے ہوئے مال) پر محمول کیا جائے گا۔ اور امام شافعیؒ کی مستدلہ روایت (مسلمان کافر کا وارث نہیں) کو بعد از ارتداد بذریعہ اکتساب (کمائی) حاصل شدہ مال پر محمول کیا جائے گا۔ اس طرح کرنے سے حضرت علیؓ کے اقدام پر مبنی صحابہ اکرامؓ کے اجماع اور امام شافعیؒ کی مستدلہ روایت کے مابین تعارض رفع ہو جائے گا اور اس پر عمل کرنے میں تشابہ بھی پیدا نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مؤقف قابل ترجیح ہے۔

حالت ارتداد کے ورثا وارث رہیں گے

ثُمَّ اِنَّمَا يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ حَالَةَ الرِّدَّةِ وَبَقِيَ وَارِثًا اِلٰى وَقْتِ مَوْتِهٖ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِعْتِبَارًا لِلْاِسْتِنَادِ وَعَنْهُ اَنَّهٗ يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ عِنْدَ الرِّدَّةِ وَلَا يَبْطُلُ اِسْتِحْقَاقُهٗ بِمَوْتِهٖ بَلْ يَخْلُفُهٗ وَارِثُهٗ لِاَنَّ الرِّدَّةَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ وَعَنْهُ اَنَّهٗ يُعْتَبَرُ وُجُوْدُ الْوَارِثِ عِنْدَ الْمَوْتِ لِاَنَّ الْحَادِثَ بَعْدَ اِنْعِقَادِ السَّبَبِ قَبْلَ تَمَامِهٖ كَالْحَادِثِ قَبْلَ اِنْعِقَادِهٖ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ الْحَادِثِ مِنَ الْمَبِيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَتَرِثُهُ اِمْرَأَتُهُ الْمُسْلِمَةُ اِذَا مَاتَ اَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لِاَنَّهٗ يَصِيْرُ فَارًّا وَاِنْ كَانَ صَحِيْحًا وَقْتَ الرِّدَّةِ

ترجمہ ..... اب یہ بات کہ اس کا وارث کون شخص ہوگا۔ تو امام ابوحنیفہؒ سے حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہونے کی حالت میں اس کا وارث تھا اور مرتد کی موت تک اس کا وارث رہا وہی وارث ہوگا۔ کیونکہ مرتد ہونے سے پہلے کی جانب مستند اور منسوب ہے اس لئے اس اسناد کا

اعتبار ہوگا اور دوسری روایت جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے یہ ہے کہ اس کے مرتد ہونے کے وقت جو شخص وارث تھا وہی وارث ہوگا اور اگر وہ مر بھی جائے تو اس کے وارث مرتد کے وارث کی بجائے ہوں گے۔ کیونکہ مرتد ہونا مر جانے کے حکم میں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تیسری روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ہے (اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہی روایت اصح ہے۔ المبسوط ۱۲) کہ مرتد کی موت کے وقت وارث کا وجود معتبر ہے۔ کیونکہ سبب منعقد ہونے کے بعد اس سبب کے پورا ہونے سے پہلے جو وارث پیدا ہوا گویا وہ سبب منعقد ہونے سے پہلے پیدا ہوا جیسے مبیعہ باندی پر قبضہ سے پہلے ہی اس سے بچہ پیدا ہوا۔ یعنی وہ بیع کے قبل ٹھہرایا جائے گا اور اس کی مسلمان بیوی بھی وارث ہوگی بشرطیکہ جس وقت مرتد مرا یا قتل کیا گیا ہے اس وقت یہ عورت عدت گزار رہی ہو کیونکہ یہ مرتد شوہر فرار کرنے والا ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ مرتد ہونے کے وقت تندرست ہو۔

مرتدہ کی کمائی اس کے ورثا کو ملے گی

وَالْمُرْتَدَّةُ كَسْبُهَا لِوَرَثَتِهَا لِاَنَّهُ لَاحِرَابَ مِنْهَا فَلَمْ يُوْجَدْ سَبَبُ الْفَيْءِ بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ

ترجمہ...... اور اب مرتدہ عورت کا مسئلہ یہ ہوگا کہ اس کی کمائی اس کے وارثوں کی ہوگی۔ کیونکہ اس کی طرف سے جنگ نہیں ہوئی ہے اس لئے ایسا کوئی سبب نہیں پایا گیا جس سے اس کی کمائی مال غنیمت ہو جائے۔ بخلاف مرتد مرد کے کہ اس کی ردت کی حالت کی کمائی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال غنیمت ہے۔

حالت مرض میں عورت مرتد ہو جائے تو مسلمان خاوند وارث ہوگا

وَيَرِثُهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ اِنِ ارْتَدَّتْ وَهِيَ مَرِيْضَةٌ لِقَصْدِهَا اِبْطَالَ حَقِّهِ وَاِنْ كَانَتْ صَحِيْحَةً لَايَرِثُهَا لِاَنَّهَا لَاتُقْتَلُ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّهُ بِمَالِهَا بِالرِّدَّةِ بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ

ترجمہ...... اور مرتدہ کا مسلمان شوہر اس کا وارث ہوگا۔ بشرطیکہ یہ مرتد ہونے والی مرتد ہونے کے وقت بیمار ہو۔ کیونکہ اس طرح اس نے اپنے شوہر کی میراث کے حق کو مٹانا چاہا ہے۔ اور اگر وہ مرتد ہونے کے وقت بیمار نہ ہو تو اس کا مسلمان شوہر اس کا وارث نہ ہوگا۔ کیونکہ عورت قتل نہیں کی جاتی ہے۔ تو اس کے مرتد ہو جانے سے اس کے مال کے ساتھ اس کے شوہر کا کوئی حق متعلق نہیں ہوا۔ بخلاف مرتد مرد کے یعنی چونکہ وہ مرتد ہونے سے قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کا مرتد ہونا گویا مر جانا ہی ہے۔ اس لئے اس کے مال سے اس کے وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔

مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا یا قاضی نے لحوق کا فیصلہ کر دیا تو اسکے مدبر امہات الاولاد اور دیون کا حکم

قَالَ وَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلِحَاقِهٖ عَتَقَ مُدَبَّرُوْهُ وَاُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَحَلَّتِ الدُّيُوْنُ الَّتِيْ عَلَيْهِ وَنُقِلَ مَااكْتَسَبَهُ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰى وَرَثَتِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَبْقٰى مَالُهٗ مَوْقُوْفًا كَمَا كَانَ لِاَنَّهٗ نَوْعُ غَيْبَةٍ فَاَشْبَهَ الْغَيْبَةَ فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ وَلَنَا اَنَّهٗ صَارَ مُرْتَدًّا بِاللِّحَاقِ مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ وَهُمْ اَمْوَاتٌ فِيْ حَقِّ اَحْكَامِ الْاِسْلَامِ لِانْقِطَاعِ وِلَايَةِ الْاِلْزَامِ كَمَا هِيَ مُنْقَطِعَةٌ عَنِ الْمَوْتٰى فَصَارَ كَالْمَوْتِ اِلَّا اَنَّهٗ لَايَسْتَقِرُّ لِحَاقُهٗ اِلَّا بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ لِاِحْتِمَالِ الْعَوْدِ اِلَيْنَا فَلَابُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ وَاِذَا تَقَرَّرَ مَوْتُهٗ ثَبَتَ الْاَحْكَامُ الْمُتَعَلِّقَةُ وَهِيَ مَاذَكَرْنَاهَا كَمَا فِي الْمَوْتِ الْحَقِيْقِيِّ ثُمَّ يُعْتَبَرُ كَوْنُهٗ وَارِثًا عِنْدَ لِحَاقِهٖ فِيْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ لِاَنَّ اللِّحَاقَ هُوَ السَّبَبُ وَالْقَضَاءُ لِتَقَرُّرِهٖ لِقَطْعِ الْاِحْتِمَالِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَقْتَ الْقَضَاءِ لِاَنَّهٗ يَصِيْرُ مَوْتًا بِالْقَضَاءِ وَالْمُرْتَدَّةُ

اِذَالحِقَتْ بِدَارِ الْحَرْبِ فَهِيَ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ

ترجمہ...... کہا اگر کوئی مرتد ہو کر دارالحرب پہنچ گیا۔ اور حاکم نے بھی اس کے پہنچ جانے کا حکم دے دیا تو اس کے مدبر غلام اور ام ولد سب آزاد ہو گئے اور اس پر جتنے (میعادی) قرضے (وقت معین تک کے) تھے وہ اسی وقت فی الفور قابل ادا ہو گئے اور اس نے جو کچھ حالت اسلام میں کمایا تھا وہ سب اس کے مسلمان وارثوں کی طرف منتقل ہو گیا (اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حالت ردت کی کمائی بھی وارثوں کی ہو جائے گی۔ مف) اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس کا مال اس کی ملک ہی میں رہے گا مگر بطور توقف۔ جیسے دارالحرب میں جانے سے پہلے یہی حکم تھا۔ کیونکہ دارالحرب میں پہنچ جانا گویا سفر میں غائب ہو جانے کے مشابہ ہے تو ایسا ہوا گویا دارالاسلام میں سفر کے لئے جاتے ہوئے غائب ہوا۔

ہماری دلیل...... یہ ہے کہ وہ حربیوں سے مل کر مرتد ہو گیا۔ اور اسلامی احکام کے معاملہ میں حربی لوگ مردہ کے حکم میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان پر کوئی بات لازم کرنے کا حق نہیں ہوتا ہے۔ کوئی بات ان پر لازم نہیں کی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ یہ حق ایک مردہ سے ختم ہو جاتا ہے۔ مگر فوراً ہی اس کے دارالحرب پہنچ جانے اور وہاں کے لوگوں میں گھل مل جانے کا حکم نہیں دیا جائے گا مگر اس وقت جبکہ قاضی اس کا فیصلہ سنادے اور اعلان کر دے کیونکہ اس بات کا احتمال باقی رہتا ہے کہ وہ دوبارہ واپس آجائے۔ اس لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہوا۔ اور جب اس کی موت یعنی دارالحرب میں منتقل ہونے کا فیصلہ اس نے سنا دیا تو اس کے مرنے پر جو احکام متعلق تھے وہ سب ثابت ہو گئے یعنی اس کے مدبر اور ام ولد کے آزاد ہونے وغیرہ کے جو احکام اوپر بیان کئے جاچکے ہیں۔ جیسے حقیقتاً مر جانے میں ہوتا ہے۔ پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وارث ہونے کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ وہ دارالحرب پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ یہی پہنچنا میراث کا سبب ہے۔ اور قاضی کا فیصلہ ہی اسے پورے طور پر ثابت کرتا ہے۔ تاکہ وہاں پہنچنے اور نہ پہنچنے کا احتمال بالکل ختم ہو کر یقین ہو جائے (۔ حاصل یہ ہوا کہ دارالحرب میں پہنچ جانے کے وقت جو وارث پیدا ہوگا وہ بھی وارث ہوگا۔) اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قاضی کے فیصلہ کے وقت وارث ہونے کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ اس مرتد کا حربیوں کے درمیان پہنچ جانا ہی قاضی کے فیصلہ سے اس کی موت کے حکم میں ہوگا (۔ اس بناء پر اس کے حربیوں کے درمیان پہنچ جانے کے بعد قاضی کے فیصلہ سے پہلے جو بچہ پیدا ہوگا وہ بھی وارث ہوگا۔) اور اگر مرتدہ عورت بھاگ کر دارالحرب میں پہنچ گئی تو اس کے بارے میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے۔ یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی کا حکم ہونے تک جو موجود ہوگا اس کا بھی وارث ہونا معتبر ہوگا۔

مرتد مقروض کا قرض کس طرح ادا کیا جائے گا

وَ تُقْضَى الدُّيُوْنُ الَّتِيْ لَزِمَتْهُ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ وَمَالَزِمَتْهُ فِيْ حَالِ رِدَّتِهِ مِنَ الدُّيُوْنِ تُقْضٰى مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِيْ حَالِ رِدَّتِهِ قَالَ الْعَبْدُالضَّعِيْفُ عَصَمَهُ اللّٰهُ هٰذِهٖ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعَنْهُ اَنْ يُّبْدَأَبِكَسْبِ الْإِسْلَامِ وَ اِنْ لَمْ يَفِ بِذَالِكَ يُقْضٰى مِنْ كَسْبِ الرِّدَّةِ وَعَنْهُ عَلٰى عَكْسِهٖ وَجْهُ الْاَوَّلِ اَنَّ الْمُسْتَحِقَّ بِالسَّبَبَيْنِ مُخْتَلِفٌ وَحُصُوْلُ كُلِّ وَاحِدٍمِنَ الْكَسْبَيْنِ بِاِعْتِبَارِ السَّبَبِ الَّذِيْ وَجَبَ لَهُ الدَّيْنُ فَيُقْضٰى كُلُّ دَيْنٍ مِنَ الْكَسْبِ الْمُكْتَسَبِ الَّذِيْ فِيْ تِلْكَ الْحَالَةِ لِيَكُوْنَ الْغُرْمُ بِالْغُنْمِ وَجْهُ الثَّانِيْ اَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ مِلْكُهُ حَتّٰى يَخْلُفُهُ الْوَارِثُ فِيْهِ وَمِنْ شَرْطِ هٰذِهِ الْخِلَافَةِ الْفَرَاغُ عَنْ حَقِّ الْمُوْرِثِ فَيُقَدَّمُ الدَّيْنُ عَلَيْهِ مَاكَسْبُ الرِّدَّةِ فَلَيْسَ بِمَمْلُوْكٍ لَهُ لِبُطْلَانِ اَهْلِيَّةِ الْمِلْكِ بِالرِّدَّةِ عِنْدَهُ فَلَايُقْضٰى دَيْنُهُ مِنْهُ اِلَّا اِذَاتَعَذَّرَقَضَاؤُهُ مِنْ مَحَلٍّ اٰخَرَفَحِيْنَئِذٍ يُقْضٰى مِنْهُ كَالذِّمِّيِّ اِذَامَاتَ وَلَاوَارِثَ لَهُ يَكُوْنُ مَالُهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَوْكَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُقْضٰى مِنْهُ كَذَالِكَ هٰهُنَا وَجْهُ الثَّالِثِ اَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ حَقُّ الْوَرَثَةِ وَكَسْبُ الرِّدَّةِ خَالِصُ حَقِّهٖ فَكَانَ قَضَاءُ

الدَّيْنِ مِنْهُ أَوْلَى إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ بِأَنْ لَمْ يَفِ بِهِ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الْإِسْلَامِ تَقْدِيمًا لِحَقِّهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ تُقْضَى دُيُونُهُ مِنَ الْكَسْبَيْنِ لِأَنَّهُمَا جَمِيعًا مِلْكُهُ حَتَّى يَجْرِيَ الْإِرْثُ فِيهِمَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ......اور مرتد پر جتنے قرضے حالت اسلام میں لازم ہوئے تھے وہ اس کے اسلام کی حالت کی کمائی سے ادا کئے جائیں گے اور جو قرضے اس کے مرتد ہونے کی حالت میں لازم ہوئے تھے وہ اس کے مرتد ہونے کے زمانہ کی کمائی سے ادا کئے جائیں گے۔ اس عبد ضعیف (مصنف) نے فرمایا ہے کہ یہ ایک روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے یعنی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ پہلے حالت اسلام کی کمائی سے ادا کرنا شروع کیا جائے۔ پھر اگر پورے قرضوں کی ادائیگی کے لئے یہ کمائی کافی نہ ہو تب اس کی حالت ارتداد کی کمائی سے ادا کئے جائیں۔ (یہ روایت امام حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ہے) اور تیسری روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے برعکس ہے۔ یعنی پہلے ارتداد کے زمانہ کی کمائی سے شروع کیا جائے۔ پھر اگر پورے قرضے ادا نہ ہوں تو حالت اسلام کی کمائی سے ادا کئے جائیں۔ (یہ روایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔) پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ اس پر جو کچھ دین اور باقی ہے وہ دو مختلف سببوں سے مختلف ہے۔ یعنی اسلام کے زمانہ کی کمائی کے سبب سے اس پر زمانۂ اسلام کا قرضہ واجب ہے۔ اور ارتداد کے زمانہ کی کمائی سے ردت کا قرض باقی اور واجب الاداء ہے اس طرح دو مختلف سببوں سے اس پر دو طرح کے قرضے واجب الادا ہیں اور حالت اسلام کی کمائی اور ردت کی کمائی دونوں میں سے ہر ایک اس کو باعتبار ایسے سبب کے حاصل ہوئی جس کے لئے قرض واجب ہوا (مثلاً اسلام کی حالت میں اس نے کوئی چیز ادھار لے کر نفع سے بیچی اور حالت ردت میں اس نے مثلاً شراب ادھار لے کر نفع کمایا۔ پس دونوں کمائیاں اپنے اپنے ادھار سے حاصل ہوئیں۔ جس کے سبب سے اس پر قرض لازم ہوا) اس لئے ہر ایک قرض اس کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ جو قرض کے وقت اس کی حالت کی کمائی ہے تا کہ قرض ادا کرنا اس کے نفع کے اعتبار سے ہو اور دوسری روایت کی وجہ ہے کہ حالت اسلام کی کمائی اس کی ملک ہے یہاں تک کہ اس کمائی میں اس کا وارث اس کے قائم مقام ہوتا ہے یعنی میراث پاتا ہے۔ اور ایسی قائم مقامی کی شرط یہ ہے کہ مورث (جائیداد اور مال کے مالک) کے حق سے فارغ ہو لہٰذا قرض اس پر مقدم ہوگا۔ اور حالت ارتداد کی کمائی تو وہ مرتد کی مملوک نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے مالک ہونے کی قدرتی صلاحیت باطل ہوگئی۔ لہٰذا اس کی کمائی سے اس کا قرض ادا نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس صورت میں ادا کیا جائے گا جبکہ حالت اسلام کی کمائی سے اس قرض کو ادا کرنا ممکن ہو جائے۔ تو اس وقت ردت کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ جیسے اگر ذمی مر گیا اور اس کا کوئی بھی وارث نہ ہو تو اس کا تمام مال عام مسلمانوں کے لئے ہوگا اور اگر اس پر قرض ہو تو اسی مال سے ادا کیا جائے گا۔ پس اس مقام میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ اور تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اس کی حالت اسلام کی کمائی اس کے وارثوں کا حق ہے۔ اور ردت کی کمائی خالص اسی کا حق ہے اس لئے ردت کی کمائی سے قرض کی ادائیگی مقدم ہوگی۔ لیکن اگر اس سے قرض پورا ادا نہ ہو سکے بلکہ یہ کم ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کی حالت اسلام کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی میراث سے مقدم ہوتی ہے۔ اور امام ابو یوسف ومحمد (اور مالک وشافعی واحمد) رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ دونوں میں میراث جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تشریح......مرتد کے واجب الادا قرضہ جات کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی تین روایات ہیں۔

اول......امام زفر نے ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ مرتد کے حالت اسلام کے قرضہ جات حالت اسلام کی کمائی سے ادا کریں گے اور حالت ردت کے قرضہ جات حالت ردت کی کمائی سے ادا کئے جائیں گے وجہ یہ ہے کہ یہاں پر دو سبب ہیں جن کی وجہ سے مرتد پر قرضہ واجب ہے۔

دوم......دوسری روایت حسن بن زیاد کی ہے کہ حالت اسلام میں کمایا ہوا مال مرتد کی ملکیت ہے اس لئے زمانۂ اسلام کی کمائی سے مرتد کے قرضہ جات ادا کریں گے اس لئے کہ انسان پر جو قرضہ ہوتا ہے اسی کے مال سے ادا کیا جاتا ہے نہ کہ وارث کو ترکہ سے حاصل ہونے والے مال سے۔

سوم...... امام ابو یوسف نے یہ روایت کی ہے کہ واجب الاداقرض کی ادائیگی کا آغاز حالت ارتداد کی کمائی سے کریں گے اور ناکامی ہونے کی صورت میں حالت اسلام میں کمائے ہوئے مال سے بقیہ قرض ادا کریں گے اس لئے کہ حالت اسلام کی کمائی ورثاء کا حق ہے اور حالت ردت کا کمایا ہوا مال خالص مرتد کا حق ہے لہٰذا اسی مال سے مرتد کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔

مرتد کی حالت ردت میں خرید وفروخت اور لین دین کا حکم

قَالَ وَمَا بَاعَهُ اَوِ اشْتَرَاهُ اَوْ اَعْتَقَهُ اَوْ وَهَبَهُ اَوْ رَهَنَهُ اَوْ تَصَرَّفَ فِيْهِ مِنْ اَمْوَالِهِ فِيْ حَالِ رِدَّتِهِ فَهُوَ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُوْدُهُ وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّد يَجُوْزُ مَا صَنَعَ فِي الْوَجْهَيْنِ اِعْلَمْ اَنَّ تَصَرُّفَاتِ الْمُرْتَدِّ عَلٰى اَقْسَامٍ نَافِذٌ بِالْاِتِّفَاقِ كَالْاِسْتِيْلَادِ وَ الطَّلَاقِ لِاَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ اِلٰى حَقِيْقَةِ الْمِلْكِ وَ تَمَامِ الْوِلَايَةِ وَبَاطِلٌ بِالْاِتِّفَاقِ كَالنِّكَاحِ وَالذَّبِيْحَةِ لِاَنَّهُ يَعْتَمِدُ الْمِلَّةَ وَلَا مِلَّةَ لَهُ وَمَوْقُوْفٌ بِالْاِتِّفَاقِ كَالْمُفَاوَضَةِ لِاَنَّهَا تَعْتَمِدُ الْمُسَاوَاةَ وَلَا مُسَاوَاةَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْمُرْتَدِّ مَالَمْ يُسْلِمْ وَمُخْتَلَفٌ فِيْ تَوَقُّفِهِ وَهُوَ مَا عَدَدْنَاهُ لَهُمَا اَنَّ الصِّحَّةَ تَعْتَمِدُ الْاَهْلِيَّةَ وَالنَّفَاذُ يَعْتَمِدُ الْمِلْكَ وَلَا خِفَاءَ فِيْ وُجُوْدِ الْاَهْلِيَّةِ لِكَوْنِهِ مُخَاطَبًا وَكَذَا الْمِلْكُ لِقِيَامِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَلٰى مَاقَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلِهٰذَا لَوْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ بَعْدَ الرِّدَّةِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنِ امْرَاَةٍ مُسْلِمَةٍ يَرِثُهُ وَلَوْ مَاتَ وَلَدُهُ بَعْدَ الرِّدَّةِ قَبْلَ الْمَوْتِ لَا يَرِثُهُ فَيَصِحُّ تَصَرُّفَاتُهُ قَبْلَ الْمَوْتِ اِلَّا اَنَّ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الصَّحِيْحِ لِاَنَّ الظَّاهِرَ عَوْدُهُ اِلَى الْاِسْلَامِ اِذِ الشُّبْهَةُ تُزَاحُ فَلَا يُقْتَلُ وَصَارَ كَالْمُرْتَدَّةِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الْمَرِيْضِ لِاَنَّ مَنِ انْتَحَلَ اِلٰى نِحْلَةٍ لَا سِيَّمَا مُعْرِضًا عَمَّا نَشَاَ عَلَيْهِ قَلَّمَا يَتْرُكُهُ فَيُفْضِيْ اِلَى الْقَتْلِ ظَاهِرًا بِخِلَافِ الْمُرْتَدَّةِ لِاَنَّهَا لَا تُقْتَلُ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُوْرٌ تَحْتَ اَيْدِيْنَا عَلٰى مَاقَرَّرْنَاهُ فِيْ تَوَقُّفِ التَّصَرُّفَاتِ بِنَاءً عَلَيْهِ وَصَارَ كَالْحَرْبِيِّ يَدْخُلُ دَارَنَا بِغَيْرِ اَمَانٍ فَيُؤْخَذُ وَيُقْهَرُ وَيَتَوَقَّفُ تَصَرُّفَاتُهُ لِتَوَقُّفِ حَالِهِ وَكَذَا الْمُرْتَدُّ وَاسْتِحْقَاقُهُ الْقَتْلَ لِبُطْلَانِ سَبَبِ الْعِصْمَةِ فِي الْفَصْلَيْنِ فَاَوْجَبَ خَلَلًا فِي الْاَهْلِيَّةِ بِخِلَافِ الزَّانِيْ وَقَاتِلِ الْعَمْدِ لِاَنَّ الْاِسْتِحْقَاقَ فِيْ ذَالِكَ جَزَاءٌ عَلَى الْجِنَايَةِ وَبِخِلَافِ الْمَرْاَةِ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ حَرْبِيَّةً وَلِهٰذَا لَا تُقْتَلُ

ترجمہ...... اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مرتد نے اپنی ردت کی حالت میں جو مال فروخت کیا یا خریدا یا آزاد کیا یا ہبہ کیا یا رہن کیا یا اپنے مال میں کچھ اور تصرف کیا تو اس کا یہ تمام تصرف موقوف رہے گا۔ یعنی اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کر لے تو اس کا ہر تصرف صحیح مان لیا جائے گا۔ اور اگر وہ اسی حالت میں مرجائے یا قتل کر دیا جائے یا دار الحرب میں داخل ہو جائے تو اس کا یہ پچھلا تمام تصرف باطل ہو جائے گا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں اس نے جو کچھ تصرف کیا وہ سب جائز ہوگا۔

اِعْلَمْ اَنَّ تَصَرُّفَاتَ الْمُرْتَدِّ الخ۔ واضح ہو کہ مرتد کے تصرفات کئی قسم کے ہوتے ہیں۔

اول...... وہ جو بالاتفاق نافذ ہوتا ہے۔ جیسے ام ولد بنانا اور طلاق دینا (یعنی عدت کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی یا دونوں ایک ساتھ مرتد ہو گئے پھر طلاق دی تو صحیح مانتے ہوئے نافذ ہوگا) کیونکہ ایسے تصرف میں حقیقی ملک اور پوری ولایت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ (اسی بناء پر اپنے لڑکے کی باندی سے استیلاد (ام ولد بنانا) صحیح ہے۔ اور غلام کی طلاق بھی صحیح ہوتی ہے۔ اور حق شفعہ دے دینا اور ہبہ قبول کرنا بھی اسی قسم سے ہے۔

دوم......وہ تصرف جو بالاتفاق باطل ہے جیسے نکاح اور ذبیحہ (اور وارث ہونا) کیونکہ اپنے تصرف کے لئے ملت (اسلام) پر اعتماد ضروری ہے۔ جبکہ مرتد کے واسطے کوئی ملت نہیں ہے۔

سوم......قسم وہ تصرف جو بالاتفاق موقوف ہے جیسے (کاروبار کرتے ہوئے) شرکت مفاوضہ کیونکہ اس میں جانبین کے درمیان مساوات کی شرط ہوتی ہے جبکہ ایک مسلمان اور ایک کافر کے درمیان جب تک کہ مرتد مسلمان نہ ہو جائے دونوں میں مساوات نہیں مانی جاتی ہے۔

چہارم......وہ تصرف جس کے موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ اور یہ وہی تصرفات ہیں جن کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں (یعنی خرید وفروخت، عتق و رہن، اسی طرح مکاتب بنانا اور قرض وصول کرنا، اجارہ اور ولایت)۔ اس میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ ایسا تصرف اس صورت میں صحیح ہوتا ہے جبکہ تصرف کرنے والے میں اس کی اہلیت پائی جائے اور اس کا مالک ہونے سے وہ نافذ ہو جاتا ہے اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس شخص میں دبے تصرف کی اہلیت موجود ہے کیونکہ وہ احکام الٰہی کا مخاطب ہے۔ اسی طرح اس میں ملکیت بھی موجود ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ مرتد کے مرجانے تک باقی ہے۔ اسی وجہ سے اگر اس کے مرتد ہو جانے کے بعد اس کی مسلمان بیوی سے چھ مہینے کے اندر کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ بھی اس کا وارث ہوگا۔ (اس لئے اگر اس کی ملکیت ختم ہوگئی تو وہ وارث نہ ہوتا) اور اگر اس کے مرتد ہونے کے بعد اور مرنے سے پہلے یہ بچہ مر گیا تو وارث نہ ہوگا۔ (اور اگر ملکیت ختم ہوگئی ہوتی تو وارث ہوتا۔) تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی کہ اس کے مرنے سے پہلے اس کے تصرفات صحیح ہیں۔ لیکن صاحبین کے درمیان آپس میں صرف یہ اختلاف ہے کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تصرفات اسی طرح صحیح ہوں گے جیسے تندرست آدمی کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں۔ یعنی اس کے کل مال سے صحیح ہوں گے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے گا۔ اس لئے کہ جو شبہ اس کو پیدا ہو گیا ہے وہ مٹا دیا جائے گا تو وہ قتل نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ مرتد عورت کے جیسا ہو گیا جو قتل نہیں کی جاتی ہے۔

وَعِندَ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ تَصِحُّ ......الخ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تصرفات ویسے ہی صحیح ہوں گے جیسا کہ کسی مریض کے صحیح ہوتے ہیں۔ یعنی اس کی تہائی مال سے صحیح ہوں گے۔ کیونکہ جس شخص نے کوئی ایسا دعویٰ (نیا مذہب اپنایا) بالخصوص ایسی صورت میں کہ وہ اپنی ساری عمر بلکہ پیدائش کے وقت سے ایک خاص مسلک پر رہتے ہوئے جس پر وہ پیدا ہوا اور بڑھا اس سے پھر گیا جبکہ شاذ و نادر ہی کوئی شخص اپنی مرضی سے دیدہ دانستہ چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کرتا ہے۔ تو بظاہر اس کا انجام یہی ہونا چاہئے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ بخلاف مرتدہ عورت کے کہ وہ قتل نہیں کی جاتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ایک حربی ہے جو ہمارے قبضہ میں لاچار اور مجبور محض ہے۔ چنانچہ اس کی ملک موقوف رہنے کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں (۔ اور جب اس کی ملکیت موقوف رہے تو اس کے تصرفات بھی موقوف رہیں گے۔) اس کے تصرفات اسی بناء پر موقوف کر دیئے جاتے ہیں کہ اس کی ملکیت موقوف ہوتی ہے۔ اور یہ مرتد اس حربی کی طرح ہو گیا جو امام سے اجازت لئے بغیر ہمارے ملک میں کسی طرح داخل ہو گیا۔ اور گرفتار کر کے اسے مجبور کر دیا گیا۔ تو اس وقت کے اس کے تصرفات موقوف کر دیئے جاتے ہیں (ان کے بارے میں فی الحال کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے) اس امید پر کہ شاید امام المسلمین اس کے ساتھ احسان کرے اور اسے چھوڑ دے۔ یہی حال اس مرتد کا بھی ہے یعنی اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ وہ دوبارہ اسلام قبول کرے پھر رہا کر دیا جائے۔ اور چونکہ وہ قتل کا بھی مستحق ہو چکا ہے کیونکہ اس کی عصمت ختم ہو چکی ہے اور اس کا احترام باطل ہو گیا ہے۔ تو اب اس کی اہلیت میں خرابی اور نقص پیدا ہو گیا ہے۔ خواہ مرتد ہو یا حربی ہو۔ بخلاف زانی اور عمداً قتل کرنے والے کے کیونکہ زنا یا عمداً قتل کا اصل حکم یہی ہے کہ اسے اس کے جرم پر واجبی سزا دی جائے۔ اور برخلاف مرتد عورت کے کیونکہ وہ حربیہ نہیں ہے۔ اسی لئے وہ قتل نہیں کی جاتی ہے۔

امام کا مرتد کے دار الحرب کا فیصلہ کر دینے کے بعد وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام لوٹ آیا تو جو مال وارثوں کے پاس پائے وارثوں سے واپس لے لے

فَاِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلِحَاقِهٖ بِدَارِ الْحَرْبِ اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهٗ فِيْ يَدِ وَرَثَتِهٖ مِنْ مَّا لِهٖ بِعَيْنِهٖ اَخَذَهٗ لِاَنَّ الْوَارِثَ اِنَّمَا يَخْلُفُهٗ لِاِسْتِغْنَائِهٖ وَاِذَا عَادَ مُسْلِمًا اِحْتَاجَ اِلَيْهِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ بِخِلَافِ مَا اِذَا اَزَالَهُ الْوَارِثُ عَنْ مِلْكِهٖ وَبِخِلَافِ اُمَّهَاتِ اَوْلَادِهٖ وَمُدَبَّرِيْهِ لِاَنَّ الْقَضَاءَ قَدْ صَحَّ بِدَلِيْلٍ مُصَحِّحٍ فَلَا يُنْقَضُ وَلَوْ جَاءَ مُسْلِمًا قَبْلَ اَنْ يَقْضِيَ الْقَاضِيْ بِذَالِكَ فَكَاَنَّهٗ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا لِمَا ذَكَرْنَا

ترجمہ ..... اگر امام المسلمین کی طرف سے مرتد کے بارے میں دار الحرب میں پہنچ جانے کے حکم کے بعد وہ دوبارہ مسلمان ہو کر دار الاسلام میں لوٹ آیا تو اپنے مال میں سے جس مال کو اپنے وارثوں کے پاس بعینہ پائے اس سے اس مال کو واپس مانگ لے۔ کیونکہ اس کا وارث اس کا قائم مقام اسی بناء پر ہوا تھا کہ یہ مرتد اپنے اس مال سے بے پرواہ ہو گیا تھا (اسے عملاً اس کی فی الحال ضرورت نہیں رہتی تھی)۔ اور جب وہ مسلمان ہو کر لوٹ آیا تو وہ خود اپنے تمام مال کا محتاج اور ضرورت مند ہو گیا ہے۔ لہٰذا اسی کا حق ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر اس کے وارث نے اس مال کو اپنی ملکیت سے نکال دیا ہو تو وہ وارث اس کا ضامن بھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح اب اس کی ام ولد اور اس کے مدبر جو اس عرصہ میں آزاد ہو چکے تھے دوبارہ غلام نہیں بنائے جائیں گے۔ کیونکہ ان لوگوں کا آزاد ہو جانا ایسی دلیل سے ثابت ہوا ہے جو صحیح ثابت ہو چکی ہے (قاضی کے فیصلہ دے دینے کے بعد) اس لئے وہ حکم واپس نہیں لیا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر اس وقت تک قاضی نے اس کے بارے میں دار الحرب میں پہنچ جانے سے متعلق فیصلہ نہ سنایا ہو پھر وہ واپس آ گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ گویا وہ مرتد نہیں ہوا تھا بلکہ مسلمان ہی تھا (تو اس کی کل ملکیت حسب سابق قائم رہے گی) کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (کہ اس کو دار الحرب میں پہنچ جانے کے بعد اسی وقت مردہ قرار دیا جائے گا جبکہ قاضی اس کا حکم سنا دے)۔

مرتد نے نصرانیہ باندی سے وطی کی جو حالت اسلام میں اس کے پاس تھی چھ ماہ سے زائد پر بچہ لے آئی تو اسکی ام ولد ہوگی

وَاِذَا وَطِئَ الْمُرْتَدُّ جَارِيَةً نَصْرَانِيَةً كَانَتْ لَهٗ فِيْ حَالَةِ الْاِسْلَامِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ ارْتَدَّ فَادَّعَاهُ فَهِيَ اُمُّ وَلَدٍ لَهٗ وَالْوَلَدُ حُرٌّ وَهُوَ ابْنُهٗ وَلَا يَرِثُهٗ وَاِنْ كَانَتِ الْجَارِيَةُ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الْاِبْنُ اِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ اَمَّا صِحَّتُهُ الْاِسْتِيْلَادُ فَلِمَا قُلْنَا وَاَمَّا الْاِرْثُ فَلِاَنَّ الْاُمَّ اِذَا كَانَتْ نَصْرَانِيَةً وَالْوَلَدُ تَبَعٌ لَهٗ لِقُرْبِهٖ اِلَى الْاِسْلَامِ لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ فَصَارَ فِيْ حُكْمِ الْمُرْتَدِّ وَالْمُرْتَدُّ لَا يَرِثُ الْمُرْتَدَّ اَمَّا اِذَا كَانَتْ مُسْلِمَةً فَالْوَلَدُ مُسْلِمٌ تَبَعًا لَهَا لِاَنَّهَا خَيْرُهُمَا دِيْنًا وَالْمُسْلِمُ يَرِثُ الْمُرْتَدَّ

ترجمہ ..... وَاِذَا وَطِئَ الْمُرْتَدُّ ..... الخ اور اگر مرتد نے ایسی نصرانیہ باندی سے وطی کی جو اس کے مسلمان رہنے کی حالت میں اس کی ملکیت میں تھی۔ پھر اس کے مرتد ہونے کے وقت سے چھ ماہ سے زیادہ پر اسے بچہ پیدا ہوا۔ اور مرتد نے اس کے بچہ سے اپنے نسب کا دعویٰ کیا تو یہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔ اور وہ بچہ آزاد ہو جائے گا۔ اور وہ اس مرتد کا لڑکا بھی ہوگا پھر بھی اس کا وارث نہیں ہوگا اور اگر یہ باندی مسلمان ہو (نصرانیہ نہ ہو) تو یہ لڑکا اس مرتد کا وارث ہوگا۔ اس وقت جبکہ یہ مرتد اپنے مرتد ہونے کی بناء پر قتل کیا جائے یا دار الحرب میں پہنچ جائے اس کے ام ولد ہو جانے کی دلیل تو ہم پہلے ہی بیان

کر چکے ہیں (کہ ام ولد کے دعوٰی کا صحیح ہونا حقیقی ملکیت پر ہی موقوف نہیں ہوتا ہے اسی بناء پر ایسا غلام جسے تجارت کی اجازت مالک سے حاصل ہو چکی ہو (عبد ماذون) اور اس نے اپنی کسی باندی سے وطی کر کے اس سے نسب ہونے کا دعوٰی کیا ہو تو وہ نسب ثابت ہو جائے گا۔مف)۔اور میراث کے سلسلہ میں یہ بیان ہے کہ اس بچہ کی ماں جبکہ وہ نصرانیہ ہو اور بچہ اس مرتد کے تابع ہوگا کیونکہ وہ اسلام سے قریب تھا اس لئے اسے مجبور کر کے مسلمان رکھا جائے گا۔پس بچہ جب مرتد کے تابع ہوا تو وہ مرتد کے حکم میں ہوگا۔اور ایک مرتد دوسرے مرتد کا وارث نہیں ہوتا ہے۔اور جب اس بچہ کی ماں مسلمان باندی ہو تو بچہ ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا۔کیونکہ اس کی ماں ہی دین کے اعتبار سے بہتر ہے تو یہ بچہ اپنے مرتد باپ کا وارث ہوگا۔

مرتد اپنا مال لے کر دار الحرب چلا گیا پھر مسلمانوں نے اس پر فتح پا کر مال لے لیا تو وہ مال غنیمت ہے

وَ اِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهٖ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ ظَهَرَ عَلٰى ذَالِكَ الْمَالِ فَهُوَفَيْءٌ فَاِنْ لَحِقَ ثُمَّ رَجَعَ وَاَخَذَ مَالًا وَالْحَقَهٗ بِدَارِ الْحَرْبِ فَظَهَرَ عَلٰى ذَالِكَ الْمَالِ فَوَجَدَتْهُ الْوَرَثَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ رُدَّ عَلَيْهِمْ لِاَنَّ الْاَوَّلَ مَالٌ لَمْ يَجْرِفِيْهِ الْاِرْثُ وَالثَّانِيْ اِنْتَقَلَ اِلَى الْوَرَثَةِ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ بِلِحَاقِهٖ وَكَانَ لِلْوَارِثِ مَالِكًاقَدِيْمًا

ترجمہ......اور اگر مرتد اپنا مال لے کر دار الحرب پہنچ گیا۔پھر مجاہدین نے اس علاقہ پر غلبہ پا کر اس مال پر قبضہ کر لیا تو بالاجماع وہ مال غنیمت ہوگا اور اگر مرتد سامان کے بغیر تنہا دار الحرب پہنچ گیا پھر واپس آ کر اپنا مال لے کر دار الحرب دوبارہ پہنچ گیا۔پھر مجاہدین نے غالب ہو کر یہ مال اس سے لے لیا۔اور مرتد کے وارثوں نے اس مال کو اس کی غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے پالیا تو وہ ان وارثوں کو ہی دے دیا جائے گا۔(ان دونوں صورتوں کی دلیل یہ ہے کہ) پہلی صورت جس میں مرتد اپنے ساتھ مال بھی لے گیا تھا اس میں میراث جاری نہیں ہوئی تھی۔اور دوسری صورت (جس میں مرتد واپس آ کر اپنا مال لے گیا) وہ وارثوں کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔(کیونکہ قاضی نے اس مرتد کے دار الحرب میں پہنچ جانے کا حکم پہلے دے دیا تھا اس لئے وارث اس مال کا پرانا حقدار رہا (۔اور مال غنیمت میں جب کسی مال کا پرانا مالک کوئی مسلمان ظاہر ہو تو اسی کو دے دیا جاتا ہے۔)

مرتد دار الحرب چلا گیا اور دار الاسلام میں اسکا غلام ہے جسکے بارے میں قاضی نے اسے مل جانے کا فیصلہ کیا پھر بیٹے نے اس غلام کو مکاتب بنا دیا اس کے بعد وہی مرتد مسلمان ہو کر واپس آ گیا غلام کے مکاتب بنانے کا حکم

وَ اِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِدَارِ الْحَرْبِ وَلَهٗ عَبْدٌ فَقَضٰى بِهٖ لِاِبْنِهٖ وَكَاتَبَهُ الْاِبْنُ ثُمَّ جَاءَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمًا فَالْمُكَاتَبَةُ لِنُفُوْذِهَا بِدَلِيْلٍ مُنَفِّذٍ فَجَعَلْنَا الْوَارِثَ الَّذِيْ هُوَيَكُوْنُ خَلَفَهٗ كَالْوَكِيْلِ مِنْ جِهَتِهٖ وَحُقُوْقُ الْعَقْدِفِيْهِ يَرْجِعُ اِلَى الْمُؤَكِّلِ وَالْوَلَاءُ لِمَنْ يَقَعُ الْعِتْقُ عَنْهُ

ترجمہ......وَاِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ...... الخ اور اگر مرتد دار الحرب پہنچ گیا اور دار الاسلام میں اس کا ایک غلام تھا جس کے بارے میں قاضی نے اس کے بیٹے کو مل جانے کا فیصلہ کر دیا۔پھر بیٹے نے اس غلام کو مکاتب بنا دیا۔اس کے بعد وہی مرتد دوبارہ مسلمان ہو کر واپس آ گیا تو اس کے غلام کو پہلے مکاتب بنایا جانا صحیح رہے گا (اور مال کتابت اور غلام کی ولاء اسی مرتد کی ہوگی جو مسلمان ہو کر واپس آ گیا ہے۔کیونکہ اس کتاب کو باطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے)۔کیونکہ جس دلیل سے وہ نافذ ہو سکتی تھی اسی سے نافذ ہو چکی ہے۔(یعنی قاضی نے اس کے وارث کے لئے فیصلہ سنا دیا ہے)۔لہٰذا ہم نے اس وارث مذکور (بیٹے) کو جو اس مرتد کا قائم مقام تھا مرتد کی طرف سے بمنزلۂ وکیل کے مان لیا اور عقد کتابت میں حقوق کا تعلق مؤکل سے ہوا کرتا ہے (یعنی یہاں مال کتابت وارث کے باپ کا ہوگا) اور اس کی ولاء بھی اسی کی ہوگی جس کی طرف سے اسے آزادی حاصل ہوتی ہے۔

مرتد نے ایک آدمی کو خطاءً قتل کر دیا پھر دار الحرب چلا گیا یا اپنی ردت کی بناء پر قتل کیا گیا دیت کیسے ادا کرے گا

وَاِذَا قَتَلَ الْمُرْتَدُّ رَجُلًا خَطَأً ثُمَّ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ اَوْ قُتِلَ عَلٰی رِدَّتِہٖ فَالدِّیَۃُ فِیْ مَالٍ اِکْتَسَبَہٗ فِیْ حَالِ الْاِسْلَامِ خَاصَّۃً عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَقَالَا الدِّیَۃُ فِیْمَا اکْتَسَبَہٗ فِی الْاِسْلَامِ وَالرِّدَّۃِ جَمِیْعًا لِاَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْمُرْتَدَّ لِانْعِدَامِ النُّصْرَۃِ فَیَکُوْنُ فِیْ مَالِہٖ وَعِنْدَھُمَا الْکَسْبَانِ جَمِیْعًا مَالُہٗ لِنُفُوْذِ تَصَرُّفَاتِہٖ فِی الْحَالَیْنِ وَلِھٰذَا یَجْرِیْ الْاِرْثُ فِیْھِمَا عِنْدَھُمَا وَعِنْدَہٗ مَالُہٗ الْمُکْتَسَبُ فِی الْاِسْلَامِ لِنَفَاذِ تَصَرُّفِہٖ فِیْہِ دُوْنَ الْمَکْسُوْبِ فِی الرِّدَّۃِ لِتَوَقُّفِ تَصَرُّفِہٖ وَلِھٰذَا کَانَ الْاَوَّلُ مِیْرَاثًا عَنْہُ وَالثَّانِیْ فَیْئًا عِنْدَہٗ

ترجمہ......اور اگر مرتد نے خطأً کسی کو قتل کر دیا پھر دار الحرب پہنچ گیا یا اپنی ردت کی بناء پر قتل کیا گیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتول کی دیت اس مرتد کے خاص اس مال سے ادا کی جائے گی جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہوگا۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کی ادائیگی مرتد کی تمام کمائی سے ہوگی۔ (یعنی خواہ حالت اسلام کی ہو یا حالت ردت کی ہو)۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مرتد کے عاقلہ یعنی مددگار برادری اس مال کے خرچہ کو برداشت نہیں کرے گی۔ کیونکہ مددگاری ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے وہ پوری دیت اسی مرتد کے مال میں ہوگی۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کی دونوں حالتوں (حالت اسلام اور حالت ارتداد) کی کمائیاں اسی کے مال ہیں کیونکہ حالت اسلام اور حالت ردت دونوں میں اس کے تصرفات مؤثر ہیں۔ اسی لئے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں کمائیوں میں میراث جاری ہوتی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مال صرف وہی ہے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے کیونکہ اسی میں اس کا تصرف مؤثر ہوتا ہے اور اپنی ردت کے زمانہ میں اس نے جو کچھ بھی کمایا وہ اس کا مال ہی نہیں ہے۔ کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی اس کمائی میں اس کا تصرف ابھی موقوف ہے۔ اسی لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے اسلام کی کمائی میراث ہوتی ہے۔ جبکہ اس کی حالت اور ارتداد کی کمائی مال غنیمت ہو جاتی ہے۔ (یعنی اگر وہ از خود مر گیا یا کسی طرح مارا گیا اور مسلمان نہ رہا تو اس کی ردت کی حالت کی کمائی مال غنیمت ہو جاتی ہے۔

کسی مسلمان کا عمداً ہاتھ کاٹا گیا اس کے بعد وہ مرتد ہو گیا پھر اپنی حالت ردت میں مر گیا یا دار الحرب سے مل گیا پھر مسلمان ہو کر آیا پھر مر گیا تو قاطع پر کتنی دیت لازم ہے

وَاِذَا قُطِعَتْ یَدُ الْمُسْلِمِ عَمَدًا فَارْتَدَّ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی رِدَّتِہٖ مِنْ ذَالِکَ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْ ذَالِکَ فَعَلَی الْقَاطِعِ نِصْفُ الدِّیَۃِ فِیْ مَالِہٖ لِلْوَرَثَۃِ اَمَّا الْاَوَّلُ فَلِاَنَّ السِّرَایَۃَ حَلَّتْ مَحَلًّا غَیْرَ مَعْصُوْمٍ فَاُھْدِرَتْ بِخِلَافِ مَا اِذَا قُطِعَ یَدُ الْمُرْتَدِّ ثُمَّ اَسْلَمَ فَمَاتَ مِنْ ذَالِکَ لِاَنَّ الْاِھْدَارَ لَا یَلْحَقُہُ الْاِعْتِبَارُ اَمَّا الْمُعْتَبَرُ فَقَدْ یُھْدَرُ بِالْاِبْرَاءِ فَکَذَا بِالرِّدَّۃِ وَاَمَّا الثَّانِیْ وَھُوَ مَا اِذَا لَحِقَ وَمَعْنَاہُ اِذَا قَضٰی بِلِحَاقِہٖ لِاَنَّہٗ صَارَ مَیِّتًا تَقْدِیْرًا وَالْمَوْتُ یَقْطَعُ السِّرَایَۃَ وَاِسْلَامُہٗ حَیٰوۃٌ حَادِثَۃٌ فِی التَّقْدِیْرِ فَلَا یَعُوْدُ حُکْمُ الْجِنَایَۃِ الْاُوْلٰی فَاِذَا لَمْ یَقْضِ الْقَاضِیْ بِلِحَاقِہٖ فَھُوَ عَلَی الْخِلَافِ الَّذِیْ نُبَیِّنُہٗ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی.

ترجمہ......اور اگر کسی مسلمان کا ہاتھ عمداً کاٹا گیا اس کے بعد وہ مرتد ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ پھر وہ اسی زخم کے اثر سے اپنی ردت کی

حالت میں مرگیا یا دارالحرب میں چلا گیا تھا مگر مسلمان ہوکر واپس آیا اور اسی زخم سے مرگیا تو ہاتھ کاٹنے والے پر واجب ہوگا کہ اپنے مال سے اس کی آدھی دیت اس مرنے والے کے وارثوں کو دے۔ اسی طرح پہلی صورت میں جبکہ وہ حالت ردت میں مرا تھا یہ حکم اس بناء پر ہوگا کہ ہاتھ کاٹنا جو اس کی ذات میں اثر کر گیا جس سے وہ مرگیا وہ ایسے محل میں سرایت کر گیا ہے جو قابل احترام نہیں ہے۔ اس لئے اس کا خون ضائع ہوگیا۔ یعنی اس کا خون بہا (خون کا عوض) لازم نہ آیا۔ بخلاف اس کے اگر مرتد کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ مسلمان ہوگیا پھر وہ اسی زخم سے مرگیا تو کچھ بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ ہاتھ کاٹے جانے کے وقت مرتد رہنے کی وجہ سے اس کا خون یوں ہی ہدر (بے قیمت) تھا اس کے بعد مسلمان ہوجانے سے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور جو قصاص پہلے سے معتبر ہو کبھی بے اثر اور ہدر ہوجاتا ہے۔ اس طرح سے کہ اسے معاف کر دیا ہو۔ تو اسی طرح مرتد ہوجانے کی وجہ سے بھی وہ ہدر ہوجائے گا۔ اور اب دوسری صورت یعنی جبکہ دارالحرب پہنچ چکا ہو۔ یعنی قاضی کی طرف سے بھی اس کے دارالحرب پہنچنے کا اعلان کر دیا گیا ہو وہ پھر مسلمان ہوکر دارالاسلام میں اسی زخم سے مرگیا۔ تو اس کے خون بہا کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ اگرچہ زندہ تھا مگر حکماً اسے مردہ قرار دیا جا چکا تھا۔ اور مردہ میں زخم اثر نہیں کرتا ہے اور اس بیان کے مطابق اس کا مسلمان ہونا اس کے لئے ایک نئی زندگی ہوگی اس لئے پہلے جرم کا حکم اب نہیں لوٹایا جائے گا۔ یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہوگی جبکہ وہ دارالحرب میں پہنچ چکا ہو۔ اور اگر قاضی نے اس وقت تک اس کے بارے میں وہاں پہنچنے کا فیصلہ نہ کیا ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ جسے ہم انشاء اللہ آئندہ بیان کرتے ہیں۔

اگر دارالحرب نہیں گیا پھر مسلمان ہونے کے بعد مرگیا تو قاطع پر پوری دیت واجب ہوگی

قَالَ فَاِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَاَسْلَمَ ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ كَامِلَةً وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ نِصْفُ الدِّيَةِ لِاَنَّ اعْتِرَاضَ الرِّدَّةِ اَهْدَرَ السِّرَايَةَ فَلَا يَنْقَلِبُ بِالْاِسْلَامِ اِلَى الضَّمَانِ كَمَا اِذَا قَطَعَ يَدَ مُرْتَدٍّ فَاَسْلَمَ وَلَهُمَا اَنَّ الْجِنَايَةَ وَرَدَتْ عَلٰى مَحَلٍّ مَعْصُوْمٍ وَ تَمَّتْ فِيْهِ فَيَجِبُ ضَمَانُ النَّفْسِ كَمَا اِذَا لَمْ يَتَخَلَّلِ الرِّدَّةُ وَهٰذَا لِاَنَّهٗ لَا مُعْتَبَرَ بِقِيَامِ الْعِصْمَةِ فِيْ حَالِ بَقَاءِ الْجِنَايَةِ وَاِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ قِيَامُهَا فِيْ حَالِ انْعِقَادِ السَّبَبِ وَفِيْ حَالِ ثُبُوْتِ الْحُكْمِ وَحَالَةُ الْبَقَاءِ بِمَعْزِلٍ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ وَصَارَ كَقِيَامِ الْمِلْكِ فِيْ حَالِ بَقَاءِ الْيَمِيْنِ

ترجمہ...... اور اگر اس مرتد کے دارالحرب میں پہنچنے کے بارے میں قاضی نے ابھی تک کوئی اعلان نہیں کیا تھا کہ وہ دوبارہ مسلمان ہوگیا پھر ہاتھ کے زخم سے ہی مرگیا۔ تو ہاتھ کاٹنے والے پر اس کی پوری دیت لازم ہوگی۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ وزفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذکورہ تمام صورتوں میں ہاتھ کاٹنے والے پر نصف دیت ہی لازم ہوگی۔ کیونکہ درمیان میں مرتد ہوجانے کی وجہ سے زخم کھانے کا اثر باطل ہوگیا۔ یعنی یہ کہنا کہ زخمی ہونے کی وجہ سے اس کی جان گئی ہے یہ بات غلط ہوگئی اور اس کا اثر ختم ہوگیا ہے لہٰذا اب دوبارہ مسلمان ہوجانے سے اس کی ضمانت نہیں لوٹے گی۔ جیسے کسی مرتد کا ہاتھ کاٹا پھر وہ مسلمان ہوکر اسی زخم سے مرا تو ضمانت نہیں لوٹتی ہے اور امام ابوحنیفہ وابویوسف رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مجرم کا جرم ایک ایسی جگہ سے متعلق ہوا ہے جو معصوم اور بے قصور ہے۔ یعنی جس وقت ہاتھ کاٹا گیا تو یہ ہاتھ ایک مسلمان کا ہاتھ تھا۔ اور وہ جب اسی زخم سے مرا تب بھی وہ مسلمان ہی کا ہاتھ تھا اس لئے اس جرم کا پورا ہونا بھی ایک قابل احترام محل پر ہوا ہے اس لئے اس کے نفس کی دیت واجب ہوگی۔ جیسے بالغرض اگر درمیان میں وہ مرتد نہ ہوا ہوتا تو اس کا خون بہا واجب ہوتا۔ (کیونکہ ایک مرتد حکم ارتداد کے بغیر ہی دوبارہ مسلمان ہوجاتا ہے تو ایسا فرض کر لیا جاتا ہے کہ گویا وہ مرتد نہیں ہوا ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ جرم کی حالت بقاء میں عصمت قائم ہونے کا اعتبار نہیں ہوتا ہے بلکہ عصمت تو اسی وقت معتبر ہے جب ضمان کا سبب پیدا ہوا ہو اور جب حکم ثابت ہوا ہے۔ اور جرم کے باقی رہنے کی حالت ان سب سے دور ہے۔ اس کی مثال ایسی ہوگئی جیسے قسم کے باقی رہنے کے زمانہ میں ملکیت قائم رہنے کا حال ہے۔ (مثلاً کسی نے اپنی بیوی

سے کہا کہ اگر تم اس گھر میں داخل ہوئیں تو تم کو طلاق ہے۔ پھر فوراً ایک طلاق بائن دے دی۔ اس کے کئی دنوں بعد اس سے نکاح کر لیا۔ اس کے بعد وہ عورت اس گھر میں داخل ہوگئی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلاق پڑنے کے وقت ملکیت نکاح کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح شرط پائی جانے کے وقت بھی ملکیت نکاح ہونی چاہئے۔ ان دونوں کی درمیانی مدت میں جو قسم کے باقی رہنے کا زمانہ ہے اس میں ملکیت نکاح کے باقی رہنے کا اعتبار نہیں ہے (یعنی ملکیت کا باقی رہنا اور نہ رہنا دونوں برابر ہے۔) اسی طرح ہمارے مذکورہ مسئلہ میں ہاتھ کاٹنے کے وقت وہ مسلمان تھا۔ پھر درمیان میں مرتد ہو گیا۔ پھر زخم سرایت کرتے ہوئے جب وہ مرا ہے اس وقت بھی وہ مسلمان ہی تھا۔

مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا وہاں مال کمایا پھر اسے مال سمیت گرفتار کیا گیا اور انکار اسلام پر قتل کر دیا گیا، مال کا حکم

وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُكَاتَبُ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَاكْتَسَبَ مَالًا فَأُخِذَ بِمَالِهٖ وَاَبٰى اَنْ يُّسْلِمَ فَقُتِلَ فَاِنَّهٗ يُوَفّٰى مَوْلَاهُ مُكَاتَبَتَهٗ وَمَا بَقِيَ فَلِوَرَثَتِهٖ وَهٰذَا ظَاهِرٌ عَلٰى اَصْلِهِمَا لِاَنَّ كَسْبَ الرِّدَّةِ مِلْكُهٗ اِذَا كَانَ حُرًّا فَكَذَا اِذَا كَانَ مُكَاتَبًا وَاَمَّا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَلِاَنَّ الْمُكَاتَبَ اِنَّمَا يَمْلِكُ اَكْسَابَهٗ بِالْكِتَابَةِ وَالْكِتَابَةُ لَا يُتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ فَكَذَا اَكْسَابُهٗ اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ لَا يُتَوَقَّفُ تَصَرُّفُهٗ بِالْاَقْوٰى وَهُوَ الرِّقُّ فَكَذَا بِالْاَدْنٰى بِطَرِيْقِ الْاَوْلٰى

ترجمہ..... وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُكَاتَبُ ...... الخ اگر مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب پہنچ گیا حالانکہ اپنے مرتد رہنے کے زمانہ میں مال کمایا ہے۔ پھر امام نے اس کے مال کے ساتھ اسے گرفتار کر لیا۔ اور اسلام لانے سے انکار کیا جس کی بناء پر اسے قتل کیا گیا تو اب جو کچھ بھی مال اس کے پاس ہے اس میں سے اس کے مولی کو مال کتابت ادا کر دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد جو کچھ بچے گا وہ اس کے مسلمان وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ تفصیل صاحبینؒ کے اصول پر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس کے مرتد رہنے کی کمائی اس کی ملکیت ہے۔ اور وہ آزاد کے حکم میں ہے۔ اسی طرح جب وہ مکاتب ہو تب بھی اس کی ملکیت ہوگی۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو یہ حکم اس لئے ہے کہ مکاتب عقد کتابت کرنے کی وجہ سے اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے کتابت کو موقوف نہیں کیا جاتا ہے (۔ کیونکہ کتابت تو حقیقی موت سے بھی باطل نہیں رہتی ہے۔) اس لئے اس کی کمائی بھی موقوف نہیں رکھی جائے گی۔ کیا ہم یہ نہیں دیکھتے کہ جس وقت وہ صرف خالص غلام تھا اس وقت بھی اس کا تصرف موقوف نہ تھا تو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے بھی موقوف نہ ہوگا۔ یعنی اس کی غلامی ایسی چیز ہے کہ اس کے ساتھ کوئی تصرف نافذ نہیں ہوتا ہے۔ اور اس معاملہ میں اس کا مرتد ہونا اس سے کم ہے۔ کیونکہ مرتد کے بھی کچھ تصرفات بالاتفاق نافذ ہوتے ہیں۔ اور مکاتب نے جتنا مال چھوڑا ہے اگر اس سے اس کا بدل کتابت ادا ہو جاتا ہو تو گویا وہ آزاد ہو کر مرا ہے۔

مرد اور عورت دونوں مرتد ہو کر دار الحرب چلے گئے عورت نے حاملہ ہو کر بچہ جنا پھر اس بچہ کا بچہ ہوا پھر مسلمان نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو دونوں بچے مال غنیمت ہوں گے

وَ اِذَا ارْتَدَّ الرَّجُلُ وَامْرَأَتُهٗ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ وَلَحِقَا بِدَارِ الْحَرْبِ فَحَبِلَتِ الْمَرْأَةُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَوَلَدَتْ وَلَدًا وَوُلِدَ لِوَلَدِهِمَا وَلَدٌ فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ جَمِيْعًا فَالْوَلَدَانِ فَيْءٌ لِاَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُسْتَرَقُّ فَيَتْبَعُهَا وَلَدُهَا وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ الْاَوَّلُ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ لَا يُجْبَرُ وَلَدُ الْوَلَدِ وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ يُجْبَرُ تَبَعًا لِلْجَدِّ وَاَصْلُهُ التَّبَعِيَّةُ فِي الْاِسْلَامِ فَهِيَ رَابِعَةُ اَرْبَعَةِ مَسَائِلَ كُلُّهَا عَلَى الرِّوَايَتَيْنِ وَالثَّانِيَةُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَالثَّالِثَةُ جَرُّ الْوَلَاءِ وَالْاُخْرٰى الْوَصِيَّةُ لِلْقَرَابَةِ

ترجمہ..... اور اگر ایک مسلمان مرد اور اس کی بیوی نعوذ باللہ من ذٰلک دونوں ہی مرتد ہو کر دار الحرب پہنچ گئے اور عورت وہاں حاملہ ہو گئی (یا دار الاسلام ہی میں حاملہ ہو چکی تھی)۔ پھر اس سے بچہ پیدا ہوا اور وہ بڑا ہوا۔ یہاں تک کہ اس بچہ کے بھی بچہ ہوا پھر مجاہدین نے دار الحرب پر غالب ہو کر دونوں مرتد اور ان کے دونوں بچوں کو بھی گرفتار کر لیا تو یہ دونوں بچے مال غنیمت ہوں گے کیونکہ مرتدہ عورت تو باندی بنائی جائے گی۔ اور اس کا بچہ بھی اسی کے تابع ہوگا (۔ کیونکہ آزادی پانے یا غلام بنائے جانے میں بچہ اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے) اور یہ بچہ مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا اور اس بچہ کا جو بچہ ہوا ہے وہ ظاہر الروایۃ میں مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ وہ بھی اپنے دادا کے تابع کر کے مجبور کیا جائے گا۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ مسلمان ہونے میں حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق دادا کے تابع ہونے کا اعتبار ہے۔ یہ مسئلہ چار مسئلوں میں کا چوتھا مسئلہ ہے۔ کہ ان سب میں دو دو روایتیں ہیں (یعنی ایک روایت میں دادا کو باپ کی جگہ پر نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسری روایت میں باپ کی جگہ پر کیا جائے گا ۔) اور دوسرا مسئلہ صدقۂ فطر ہے اور تیسرا مسئلہ ولاء اپنی طرف لانا ہے۔ اور چوتھا قرابت کے لئے وصیت ہے (۔ چنانچہ دوسرے مسئلہ میں دادا اپنے پوتے کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے اس صورت میں جبکہ لڑکے کا باپ فقیر ہو۔ یہ حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ اور ظاہر الروایۃ میں ادا نہیں کرے گا اور تیسرے مسئلہ میں اگر دادا نے پوتے کو آزاد کیا۔ اور اس کا باپ کسی کا غلام ہو تو حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق دادا اپنے پوتے کی ولاء اپنے مولیٰ کی طرف لے آئے گا اور ظاہر الروایۃ میں نہیں۔ اور چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اپنے قرابت داروں کے لئے کچھ وصیت کی تو اس وصیت میں باپ داخل نہیں ہے اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق دادا بھی داخل نہیں ہے لیکن ظاہر الروایۃ کے مطابق داخل ہے۔

نابالغ سمجھدار بچوں کو اسلام قبول کرنا اور ارتداد قبول کرنا صحیح ہوگا یا نہیں

قَالَ وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يَعْقِلُ ارْتِدَادٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَيُجْبَرُ عَلَى الْاِسْلَامِ وَلَايُقْتَلُ وَاِسْلَامُهُ اِسْلَامٌ لَايَرِثُ اَبَوَيْهِ اِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ اِرْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ وَاِسْلَامُهُ اِسْلَامٌ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ اِسْلَامُهُ لَيْسَ بِاِسْلَامٍ وَارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ لَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ اَنَّهُ تَبَعٌ لِاَبَوَيْهِ فِيْهِ فَلَايُجْعَلُ اَصْلًا وَلِاَنَّهُ يَلْزَمُهُ اَحْكَامٌ يَشُوْبُهَا الْمَضَرَّةُ فَلَايُؤَهَّلُ لَهُ وَلَنَا فِيْهِ اَنَّ عَلِيًّا اَسْلَمَ فِيْ صِبَاهُ وَصَحَّحَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِسْلَامَهُ وَافْتِخَارُهُ بِذٰلِكَ مَشْهُوْرٌ وَلِاَنَّهُ اَتٰى بِحَقِيْقَةِ الْاِسْلَامِ وَهِيَ التَّصْدِيْقُ وَالْاِقْرَارُ مَعَهُ لِاَنَّ الْاِقْرَارَ عَنْ طَوْعٍ دَلِيْلٌ عَلٰى اعْتِقَادِهِ عَلٰى مَا عُرِفَ وَالْحَقَائِقُ لَاتُرَدُّ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ سَعَادَةٌ اَبَدِيَّةٌ وَنَجَاةٌ عُقْبَاوِيَّةٌ وَهِيَ مِنْ اَجَلِّ الْمَنَافِعِ وَهُوَ الْحُكْمُ الْاَصْلِيُّ ثُمَّ يَبْتَنِيْ عَلَيْهِ غَيْرُهَا فَلَايُبَالٰى بِشَوْبِهِ وَلَهُمْ فِي الرِّدَّةِ اَنَّهَا مَضَرَّةٌ مَحْضَةٌ بِخِلَافِ الْاِسْلَامِ عَلٰى اَصْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ لِاَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ اَعْلَى الْمَنَافِعِ عَلٰى مَامَرَّ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ فِيْهَا اَنَّهَا مَوْجُوْدَةٌ حَقِيْقَةً وَلَا مَرَدَّ لِلْحَقِيْقَةِ كَمَا قُلْنَا فِي الْاِسْلَامِ اِلَّا اَنَّهُ يُجْبَرُ عَلَى الْاِسْلَامِ لِمَا فِيْهِ مِنَ النَّفْعِ وَلَايُقْتَلُ لِاَنَّهُ عُقُوْبَةٌ وَالْعُقُوْبَاتُ مَوْضُوْعَةٌ عَنِ الصِّبْيَانِ مَرْحَمَةً عَلَيْهِمْ وَهٰذَا فِي الصَّبِيِّ الَّذِيْ يَعْقِلُ وَمَنْ لَايَعْقِلُ مِنَ الصِّبْيَانِ لَايَصِحُّ ارْتِدَادُهُ لِاَنَّ اِقْرَارَهُ لَايَدُلُّ عَلٰى تَغْيِيْرِ الْعَقِيْدَةِ وَكَذَا الْمَجْنُوْنُ وَالسَّكْرَانُ الَّذِيْ لَايَعْقِلُ

ترجمہ..... کہا امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک نابالغ مگر سمجھدار بچے کا مرتد ہونا بھی ارتداد ہے (۔ یعنی معتبر اور قابل گرفت ہے) اس لئے اس پر بھی اسلام لانے کے لئے جبر کیا جائے گا۔ لیکن اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کا اسلام قبول کرنا بھی اسلام ہے (معتبر ہے) یہاں تک کہ اگر اس کے والدین کافر ہوں تو وہ ان کا وارث نہ ہوگا۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس بچہ کا مرتد ہونا تو ارتداد نہ ہوگا۔ لیکن مسلمان

ہونے سے اس کا اسلام معتبر ہوگا۔ اور زفر و شافعی رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ اس کا مسلمان ہونا اسلام نہیں ہوگا اور مرتد ہونا بھی ارتداد نہ ہوگا (۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ اس کے اسلام کے معتبر ہونے میں اختلاف کو بہت کم گنجائش ہے (تقریباً کوئی اختلاف نہیں ہے) اس مسئلہ میں اصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسلام قبول کرنا ہے۔ چنانچہ ہم یہ بات آئندہ بیان کریں گے۔

لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ...... الخ ان دونوں یعنی امام زفر و شافعی رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام لانے میں وہ اپنے والدین کے تابع ہے اس لئے اس کا اسلام اصلی اسلام نہیں قرار دیا جائے گا۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ تابع بھی ہو اور اصلی بھی ہو۔ اور اسی دلیل سے بھی کہ اس کے اسلام کا اعتبار کر لینے میں اس کو کچھ ایسے احکام لازم ہو جائیں گے جن سے نقصان لازم آئے گا۔ اس لئے اس میں اہلیت اسلام کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (مثلاً اپنے کافر والدین کی میراث سے وہ محروم ہو جائے گا) اور ہماری حجت اس کے اسلام کے صحیح ہونے میں یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے بچپن میں ہی اسلام لائے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اسلام کو صحیح کہا اور اسے قبول فرمایا اور حضرت علی ﷺ نے اس پر افتخار کیا جو مشہور بات ہے۔

و لانه اتى الخ اور بچہ کا اسلام اس دلیل سے بھی صحیح ہے کہ اس نے اسلام کی حقیقت کو یعنی دل سے تصدیق کے ساتھ زبان سے اس کا اقرار کیا ہے۔ کیونکہ خوشی کے ساتھ اقرار کرنا اعتقاد کی دلیل ہے جیسے کہ اپنے موقع (بالکل ابتداء کتاب میں) پر معلوم ہو چکا ہے۔ اور حقیقت رفع نہیں ہوتی ہے۔ اور اس اسلام سے جس چیز کا تعلق ہوتا ہے وہ ہمیشہ کی سعادت حاصل کرنا۔ اور آخرت میں نجات پانا ہے جبکہ یہی نفع دنیاوی منافع میراث وغیرہ کے مقابلہ میں بہت بڑا نفع ہے۔ اور اسلام کا حکم اصلی بھی یہی ہے۔ اور باقی باتیں اسی سے بنتی اور آگے بڑھتی ہیں۔ اس لئے اگر میراث وغیرہ کا کچھ نقصان بھی بالفرض ہو جائے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ یہ تفصیل تو اس کی اسلام کے صحیح ہونے کے بارے میں ہے۔ اور اب اس کے مرتد ہونے کے بارے میں۔ تو امام ابو یوسف وزفر و شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر گیا۔

وَلَهُمْ فِي الرِّدَّةِ الخ اور لڑکے کے ارتداد کے صحیح نہ ہونے کے بارے میں امام ابو یوسف وزفر و شافعی رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہو جانا سراسر نقصان ہی نقصان ہے (۔ اور جو چیزیں صرف نقصان دہ ہوں ان کو بچہ کی طرف منسوب کرنا اور اس سے صادر ہونا جائز نہیں ہے۔ اسی بناء پر اس کی نہ طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ عتاق (اپنے غلام کی اس سے آزادی) قابل تسلیم ہوتی ہے۔ بخلاف اسلام کے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی اصل کی بناء پر کیونکہ اس کے اسلام کو تسلیم کر لینے سے سب سے بڑا نفع تو یہی ہے کہ اسی پر آخرت میں نجات پانا موقوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بچہ کے ارتداد کے صحیح ہونے کے بارے میں دلیل یہ ہے کہ وہ ایک حقیقت ہے اور در حقیقت ارتداد موجود ہے۔ اور حقیقت کبھی رد نہیں ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ ہم اسلام میں بیان کر چکے ہیں۔ پھر بھی مرتد لڑکے کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ اسی میں اس کا نفع ہے۔ بہر حال اسے قتل بھی نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قتل ایک بڑی سزا ہے۔ جبکہ بچوں پر رحم کھانے کا تقاضا یہ ہے اسے ایسی سزائیں نہ دی جائیں۔ اسی لئے اس سے سزائیں اٹھالی گئی ہیں۔ پھر یہ سب اختلاف ایسے لڑکے کے بارے میں ہیں جو اسلام اور کفر کو سمجھتا ہو اور جو بچہ اسے نہ سمجھتا ہو اس کا مرتد ہونا ہی صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے اسلام کا اقرار عقیدہ کے بدلنے کی دلیل نہیں ہے۔ اور یہی حکم مجنون اور ایسے مست کا بھی ہے جس کی سمجھ ختم ہو چکی ہو۔ یعنی اس کا مرتد ہونا یا اسلام لانا بالاجماع صحیح نہیں ہے۔

تشریح...... وَلَنَا فِيهِ اَنَّ عَلِيًّا اَسْلَمَ الخ نابالغ کا اسلام قبول کرنا ہمارے نزدیک صحیح ہونے کی اصل دلیل حضرت علیؓ کا عمل ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے بھی تسلیم کیا ہے اور حضرت علیؓ نے اس پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ جو مشہور ہے۔ یہ افتخار حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے مقابلہ میں کیا ہے جبکہ ان کو حضرت ابوسفیانؓ نے یہ لکھا تھا کہ اے ابوالحسن (علیؓ) میرے فضائل ہیں۔ جس کے جواب میں آپ نے چند اشعار لکھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ میرے بھائی اور خسر ہیں اور سید الشہداء حمزہؓ میرے چچا ہیں۔ اور جعفر طیارؓ میرے بھائی ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی میری بیوی ہیں دونوں کا خون اور گوشت میرے خون اور گوشت سے ملا ہوا ہے۔ اور رسول اللہؐ کے دونوں نواسے میرے لڑکے ہیں۔ اب بتاؤ کہ تم میں سے کون میری

برابری کرسکتا ہے۔ پھر میں اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے ہوں کہ میں اس وقت بالغ بھی نہیں ہوا تھا۔ اور اسلام لے آیا۔ عفیف بن عمرؓ نے طویل قصہ بیان کیا ہے۔ جس میں اس طرح بیان کیا ہے کہ پھر ایک لڑکا جو قریب البلوغ تھا آیا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا تو میں نے عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو جواب دیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے محمد بن عبداللہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں پیغمبر ہوں۔ جن کی پیروی چند آدمیوں کے سوا کسی نے نہیں کی ہے جو یہ ہیں۔ خود ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد اور یہ بچہ علی بن ابی طالب۔ عفیف بن عمرؓ نے کہا کہ مجھے اس بات کی تمنا رہ گئی کہ کاش میں اسی وقت مسلمان ہو جاتا۔ تا کہ اسلام لانے والوں میں میں چوتھا ہوتا۔ حاکم اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے۔ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں حضرت عمروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی اکرم اللہ وجہہ جس وقت اسلام لائے صرف آٹھ برس کے تھے۔ اور حاکم کی روایت میں جو ابن اسحق سے ہے کہ وہ دس برس کے تھے۔ اور یہی ابن سعد کی روایت مجاہد سے ہے اور بعض روایات میں نو برس ہیں۔ ذہبی نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام احمد سے یہی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ حساب سے آپ کی عمر بھی ساٹھ برس کے قریب ہے۔ پھر جعفر ابن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اپنے باپ محمد بن علی سے ذکر کی یعنی محمد بن علی بن الحسین سے ذکر کی کہ حضرت علیؓ جب شہید ہوئے اس وقت وہ اٹھاون برس کے تھے۔ لیکن ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہؐ وابو بکرؓ وعمرؓ وعلیؓ میں سے ہر ایک کی عمر تریسٹھ (۶۳) برس کی تھی۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں لکھا ہے کہ آپ نے رمضان ۴۰ھ میں شہادت پائی ہے۔ اس حال میں کہ اس وقت ساری روئے زمین پر تمام بنی آدم سے افضل تھے تمام اہل سنت کا اسی پر اجماع ہے۔ اور قول راجح کے مطابق آپ کی عمر شریف تریسٹھ (۶۳) کی تھی۔ اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے پینسٹھ (۶۵) کے قریب بیان کی ہے۔ اس طرح ابتداء کے اور انتہاء کے ناقص سال نکال کر باقی پورے تریسٹھ (۶۳) سال ہوتے ہیں۔ اس تفصیل کے مطابق لازم آتا ہے کہ آپ کی عمر قبول اسلام کے وقت دس برس ہو۔ اس کے بعد تئیس (۲۳) برس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔ اور آپ کے بعد بھی تیس (۳۰) برس زندہ رہے اس طرح مجموعۂ تریسٹھ (۶۳) سال ہوئے اور واضح ہو کہ حضرت خدیجہؓ عورتوں میں سب سے اول اور سب سے افضل ہیں۔ سوائے اپنی بیٹی فاطمہؓ کے کہ راجح قول کے مطابق حضرت سیدۃ النساء اپنی والدہ سے افضل ہیں پھر مردوں میں صحیح روایتوں کے درمیان آپس میں اختلاف ہے۔ بعض میں حضرت علیؓ اول ہیں اور بعض میں ابو بکرؓ اور بعض میں زید بن حارثہ ہیں۔ اور بعض میں بلالؓ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ شاید راویوں نے اقسام کے اعتبار سے ہر قسم کے اول کو بیان کیا ہے۔ خواہ اس طرح کہ اہل خاندان میں سے اول حضرت خدیجہ وحضرت علی ہیں یا اس طرح مراد ہو کہ عورتوں میں اول حضرت خدیجہؓ ہیں اور مردوں میں ابو بکرؓ ہیں اور لڑکوں میں علیؓ ہیں اور موالی میں زید بن حارثہؓ ہیں اور غلاموں میں بلالؓ ہیں الحاصل تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بلوغ سے پہلے اپنی طفولیت ہی میں اسلام لائے اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کے اسلام کو صحیح رکھا۔ چنانچہ ابو طالب کی میراث (غیر مسلم ہونے کی بناء پر) صرف طالب وعقیل نے پائی۔ اسی لئے امام مالکؒ نے اپنی موطا میں نقل کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے اپنے غیر مسلم دادا کی) میراث نہیں پائی۔ اور بات ان کے اسلام کے صحیح ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔

بَابُ الْبُغَاةِ

ترجمہ...... باب، باغیوں کے احکام کا بیان

تشریح...... بَابُ الْبُغَاةِ...... الخ باغی کی جمع بغاۃ جیسے قاضی کی جمع قضاۃ بغی سے مشتق ہے۔ امام المسلمین کی اطاعت وفرمانبرداری سے نکل جانے والے۔ واضح ہو کہ باغی وہ لوگ کہلائیں گے جو امام حق کی اطاعت سے ناحق نکل جائیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے بالاتفاق کسی ایک کو اپنا امام مان لیا۔ اور امن کے ساتھ اس کے سایہ میں آ گئے۔ پھر مسلمانوں میں کچھ لوگ اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے کنارہ کش ہو جائیں۔ تو دیکھنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوا۔ اگر واقعۃً امام نے ان پر کچھ ظلم کیا ہے تو یہ باغی نہیں کہلائیں گے بلکہ امام پر واجب ہوگا کہ وہ اپنا ظلم ختم

کر کے ان کے ساتھ انصاف کرے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی چاہئے کہ نہ ان لوگوں کی مدد کریں اور نہ امام کی اعانت کریں۔ اور اگر امام نے شرع کے اعتبار سے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ لوگ صرف اپنے حق کا دعوٰی کرتے رہے تو یہی لوگ باغی ہوں گے۔ اس وقت جو کوئی بھی قتال کر سکتا ہو اس پر واجب ہے کہ امام کی اعانت میں ان لوگوں کے خلاف قتال کرے۔ کیونکہ یہ لوگ باغی اور ناپسندیدہ ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ فتنہ سوتا ہے جو کوئی اس کو جگا دے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ ہوتے تو ہمیں اپنے اہل قبلہ کے ساتھ لڑائی کرنے کا علم حاصل نہ ہوتا۔ جو لوگ آپ کے ساتھ تھے وہ اہل عدل تھے اور آپ کے مقابل جو لوگ تھے وہ باغی تھے۔ آج کل کے زمانہ میں صرف اہل قبلہ کا حکم ہے۔ اس میں ہم عادل اور باغی میں تمیز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سبھی لوگ آج کل دنیا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کی ایک جماعت ایک شہر پر غلبہ حاصل کرلے اور امام کے خلاف علم بغاوت بلند کردے ان کو اطاعت امامت کی دعوت دی جائے گی اور شبہات کو دفع کیا جائے گا

وَاِذَاتَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى بَلَدٍوَخَرَجُوْامِنْ طَاعَةِ الْاِمَامِ دَعَاهُمْ اِلَى الْعَوْدِ اِلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ لِاَنَّ عَلِيًّا فَعَلَ ذَالِكَ بِاَهْلِ حَرُوْرَاءَ قَبْلَ قِتَالِهِمْ وَلِاَنَّهٗ اَهْوَنُ الْاَمْرَيْنِ وَلَعَلَّ الشَّرَّيَنْدَفِعُ بِهٖ فَيُبْدَأُ بِهٖ

ترجمہ ...... اگر مسلمانوں میں سے کوئی قوم زبردستی اور طاقت سے کسی علاقہ پر قابض ہوگئی۔ اور امام کی فرمانبرداری سے نکل گئی تو امام کو چاہئے کہ ان کو اپنی جماعت عامۃ المسلمین کی طرف واپس آنے کی دعوت دے۔ اور مستحب ہے کہ ان کا شبہ دور کرے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہل حروراء سے لڑائی کرنے سے پہلے ایسا ہی کیا۔ اور اس وجہ سے بھی کہ شبہ دور کرنا دونوں (دعوت اور قتال) میں سے یہی دعوت آسان کام ہے۔ اور شاید کہ اسی نصیحت اور مذاکرہ سے وہ فتنہ دب جائے کہ اس لئے پہلے یہی کام کرلے۔

تشریح ...... لِاَنَّ علیاً فَعَلَ كَذَالِكَ بِاَهْلِ حَرُوْرَاءَ الخ امام المسلمین کو چاہئے کہ باغیوں کے ساتھ فوراً قتال شروع نہ کردے بلکہ ان کو مہلت دے اور سمجھائے اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہل حروراء کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ حروراء۔ مد اور قصر دونوں طرح سے ثابت ہے۔ کوفہ کے قریب دیہاتوں میں سے ایک دیہات۔ وہاں خوارج کی ایک جماعت جمع ہوئی۔ اس کا قصہ یہ ہوا کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ دو شخصوں کو اپنا نمائندہ اور حکم ٹھہرایا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر سے ایک جماعت الگ ہوگئی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ جب یہ لوگ نکل کر حروراء میں جمع ہوئے تو میں نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ نماز کو ذرا ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا اعلان کردیں۔ اتنے میں میں ان لوگوں سے کچھ باتیں کرلوں۔ کہ شاید وہ کچھ سمجھ سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو تمہارے بارے میں خطرہ ہوتا ہے (کہ وہ مبادا کچھ کر بیٹھیں) میں نے کہا ایسی بات نہیں ہے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنے کپڑے بدلے اور میں وہاں چلا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ ابن عباس آپ کیوں تشریف لائے میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ اور آپ کے چچازاد بھائی و داماد کے پاس سے آیا ہوں۔ یہ سن کر کچھ لوگ میری باتیں سننے کے لئے ایک طرف جمع ہوگئے۔ اس وقت میں نے ان سے کہا تم لوگوں نے اصحاب رسول اور آپ کے چچا زاد بھائی میں کیا خرابی پائی جو ان پر عیب لگایا اور ان سے کنارہ کش ہوگئے ہو۔ وہ میرے سامنے بیان کرو شاید کہ میں ان کے جواب سے تم کو مطمئن کرسکوں انہوں نے کہا کہ وہ تین باتیں ہیں اول یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دین الٰہی میں لوگوں کو حکم اور مُنصف ٹھہرایا (۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ)۔ لوگوں کو منصف ٹھہرانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنے اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ثالث مقرر کیا تھا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے قتال کیا اور (ان پر غالب بھی ہوئے اس کے باوجود) ان لوگوں کی بیوی بچوں کو قید نہیں کیا اور نہ ہی ان کا مال لوٹا۔ اب اگر وہ لوگ جن سے قتال کیا تھا کافر تھے تو ان کے مال اور ان کی جانیں ہمارے لئے حلال ہونی چاہئیں۔ اور اگر وہ

مسلمان تھے تو ہمارا ان سے قتال کرنا حرام ہوا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حکم نامہ میں اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ مٹا دیا تھا۔ اب اگر وہ امیر المؤمنین نہیں ہیں تو (یقیناً اس کے برعکس) امیر الکافرین ہیں۔ پس میں نے ان سے کہا کہ اگر میں تم کو ان کے جواب کتاب اللہ اور حدیث رسول سے دے دوں جس سے تمہارا اعتراض دور ہو جائے تو کیا تم اپنے اس قول سے پھر جاؤ گے اور مخالفت چھوڑ دو گے۔ انہوں نے کہا ہاں واللہ ہم مخالفت چھوڑ دیں گے۔ تب میں نے کہا فرمان باری تعالیٰ ہے لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ یہاں تک کہ فرمایا یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ (مائدہ: ۹۵)۔ یعنی احرام کی حالت میں جو شخص شکار کرے اس کی قیمت متعین کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے دو عادل آدمیوں پر ذمہ داری ڈالی۔ اسی طرح عورت کے بارے میں بھی ثالث مقرر کیا چنانچہ فرمایا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (النساء: ۳۵)۔ یعنی ایک ثالث شوہر کی طرف سے اور ایک ثالث عورت کی طرف سے بھیجو۔ اب میں تم کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ آدمیوں کو ثالث مقرر کرنا ان کی جانوں اور مالوں کے حق میں اس سے زیادہ واجب ہے کہ ایک خرگوش کے بارے میں (احرام کی حالت میں شکار کر لینے پر جرمانہ دینے کے لئے) جس کی قیمت چوتھائی درہم ہو۔ اور اب تم یہ بتاؤ کہ کیا میں نے تمہارے اعتراض کا جواب دے کر تم کو مطمئن کر دیا یا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ تب میں نے کہا۔ تم جو یہ کہتے ہو کہ جن سے قتال کیا ان کو لونڈی اور غلام نہیں بنایا۔ اور ان کے مال کو غنیمت کا حکم نہیں دیا۔ تو اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے کوفہ میں صرف حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں سے قتال کیا۔ اب ذرا بتاؤ کہ تم اپنی ماں عائشہ کو گرفتار کر کے ان کے ساتھ ان باتوں کو حلال سمجھ لو جو جہاں میں حاصل ہونے والی باندیوں سے حلال جانتے ہو حالانکہ وہ تمہارا ماں ہیں اگر ایسا کرو تو تم کافر ہو۔ اب بتاؤ کہ اس اعتراض کا بھی میں نے تم کو شافی جواب دیا یا نہیں۔ جواب دیا۔ درست ہے۔ اطمینان بخش جواب ہے۔ فرمایا اب تمہارا یہ تیسرا اعتراض کہ انہوں نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ مٹا دیا تو کیا وہ امیر الکافرین تھے۔ تو میں کہتا ہوں کہ حدیبیہ میں قریش کے ساتھ صلح نامہ لکھا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے نام پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھا تھا جس پر قریش نے کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ ﷺ مان لیتے تو آپ کو خانہ کعبہ میں جانے سے نہیں روکتے۔ تب آپ نے فرمایا کہ لکھو محمد بن عبداللہ۔ اب تم یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ تو حضرت علی سے کہیں بہتر ہیں اس کے باوجود آپ نے اپنے نام سے رسالت (رسول اللہ) کا لفظ مٹا دیا اس کے باوجود آپ اپنی نبوت سے خارج نہیں ہو گئے۔ اب بتلاؤ کہ میں نے تمہارے اس اعتراض کا بھی تم کو اطمینان بخش جواب دیا یا نہیں وہ کہنے لگے اب اطمینان ہو گیا اس جواب کے بعد ان چھ ہزار باغیوں میں سے دو ہزار اس جماعت سے توبہ کر کے میرے ساتھ نکل آئے۔ اور باقی اپنی ضد پر قائم رہے بالآخر مارے گئے اس کی روایت نسائی واحمد وعبدالرزاق وطبرانی اور حاکم نے کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ...... الاية یعنی اگر مومنوں میں سے دو جماعتیں آپس میں قتال کریں ...... آخر تک

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں جماعتوں کو مومن فرمایا ہے۔ اس موقع میں خارجیوں کا یہ کہنا کہ قتال کرنے سے کفر ہو جاتا ہے بالکل غلط ہے اور مردود ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں باغیوں کا ذکر کیا اور حکم دیا کہ باغی جماعت سے قتال کرو۔ یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کر لیں۔ پس وہ لوگ اسی وقت تک باقی ہیں جب تک کہ وہ اطاعت کر کے رجوع نہ کر لیں۔

باغیوں سے ابتداءً قتال کی ممانعت

وَلَايَبْدَأُ بِقِتَالٍ حَتّٰى يَبْدَأُوْهُ فَاِنْ بَدَئُوْهُ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى يُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ هٰكَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُوْرِي فِيْ مُخْتَصَرِهٖ وَذَكَرَ الْاِمَامُ الْمَعْرُوْفُ بِخَوَاهَرْزَادَه اَنَّ عِنْدَنَا يَجُوْزُ اَنْ يَّبْدَأَ بِقِتَالِهِمْ اِذَا تَعَسْكَرُوْا اَوِ اجْتَمَعُوْا وَقَالَ الشَّافِعِي لَايَجُوْزُ حَتّٰى يَبْدَأُوْا بِالْقِتَالِ حَقِيْقَةً لِاَنَّهٗ لَايَجُوْزُ قَتْلُ الْمُسْلِمِ اِلَّا دَفْعًا وَهُمْ مُسْلِمُوْنَ بِخِلَافِ الْكَافِرِ لِاَنَّ نَفْسَ الْكُفْرِ مُبِيْحٌ عِنْدَهٗ وَلَنَا اَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى الدَّلِيْلِ وَهُوَ الْاِجْتِمَاعُ وَالْاِمْتِنَاعُ وَهٰذَا لِاَنَّهٗ لَوِ انْتَظَرَ الْاِمَامُ حَقِيْقَةَ قِتَالِهِمْ رُبَمَا لَايُمْكِنُهُ الدَّفْعُ فَيُدَارُ عَلَى الدَّلِيْلِ

ضَرُوْرَةَ دَفْعِ شَرِّهِمْ وَإِذَا بَلَغَهُ أَنَّهُمْ يَشْتَرُوْنَ السِّلَاحَ وَيَتَأَهَّبُوْنَ لِلْقِتَالِ يَنْبَغِيْ أَنْ يَّأْخُذَهُمْ وَيَحْبِسَهُمْ حَتّٰى يُقْلِعُوْا عَنْ ذَالِكَ وَيُحْدِثُوْا تَوْبَةً دَفْعًا لِلشَّرِّ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ مِنْ لُزُوْمِ الْبَيْتِ مَحْمُوْلٌ عَلٰى حَالِ عَدَمِ الْإِمَامِ أَمَّا إِعَانَةُ الْإِمَامِ الْحَقِّ فَمِنَ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْغِنَاءِ وَالْقُدْرَةِ

ترجمہ......اور باغیوں سے قتال کرنے میں امام ابتداء نہ کرے۔ باغی جب خود قتال کرنے میں پہل کردیں تب امام ان سے قتال کرے اور اتنا ہی ان سے قتال کرے کہ ان کی جماعت منتشر ہو جائے۔ اس بندہ ضعیف (مصنف ہدایہ) نے کہا ہے کہ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مختصر میں ایسا ہی کہا ہے اور شیخ الاسلام خواہر زادہ نے لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک جب باغی اپنا لشکر اور اپنی جماعت کو تیار کرلیں تو اسی وقت ان سے قتال شروع کردینا جائز ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب تک وہ لوگ حقیقتاً قتال شروع نہ کردیں تب تک ان سے قتال جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان سے قتال کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہوتا ہے کہ ان سے دفاع کرنا مقصود ہو۔ اور یہ باغی بھی تو آخر مسلمان ہی ہیں۔ برخلاف کافر کے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا کافر رہنا ہی اس کے قتال کو جائز کردیتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا مدار دلیل پر ہوتا ہے۔ یہاں دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ مقابلہ کی نیت سے اکٹھے ہوئے اور امام کی فرمانبرداری سے انکار کرنے لگے اس لئے ان سے قتال جائز ہو گیا۔ کیونکہ اگر امام ان کے حقیقی اور واقعی قتال شروع کرلینے کا انتظار کرے تو بسا اوقات (وہ اتنے آگے نکل جائیں کہ) ان سے دفاع کرنا بھی ممکن نہ ہوگا۔ (یعنی وہ جماعت بڑھ جائے گی اور ان کی طاقت بھی زیادہ ہو جائے گی)۔ (تو ان کی برائی اور نقصان کو دور کرنے کے لئے قتال کرنا اس کے جائز ہونے کی دلیل ہوئی۔ اور جیسے ہی امام کو یہ خبر پہنچے کہ باغی لوگ ہتھیار خریدنے اور قتال کرنے کی تیاری کررہے ہیں تو چاہئے کہ وہ اسی وقت ان لوگوں کو گرفتار کرکے قید خانہ میں ڈال دے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اس خیال سے بالکل توبہ کرلیں اور اپنی حرکت سے باز آجائیں۔ اس خیال سے کہ جہاں تک ممکن ہو فتنہ کو جلد از جلد دبا دیا جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو یہ بات مشہور ہے کہ جب مسلمانوں میں فتنہ پھیلے تو اپنے گھر میں بیٹھ جانا چاہئے۔ یہ بات اس حالت پر محمول ہوگی کہ اس وقت کوئی امام نہ ہو۔ کیونکہ امام حق موجود ہو تو جہاں تک طاقت واختیار ہو اس کی اعانت واجب ہے)۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إِلٰى أَمْرِ اللهِ یعنی مومنوں کی اس جماعت سے قتال کرو جو قتال کرتی ہو۔ یہاں تک کہ اللہ کے حکم کی جانب جھک جائے۔ اس آیت میں حکم کیا ہے۔ اس لئے امام کا ساتھ دینا واجب ہوا۔ اور آیت سے یہ بات بھی صراحۃً معلوم ہوئی کہ باغی جماعت بھی مومن ہی رہتی ہے۔ اگرچہ وہ گنہگار ہی ہو۔

باغیوں کی مددگار جماعت کیساتھ کیا سلوک کیا جائے

فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ أُجْهِزَ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَأُتْبِعَ مُوَلِّيْهِمْ دَفْعًا لِشَرِّهِمْ كَيْلَا يَلْتَحِقُوْا بِهِمْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِئَةٌ لَمْ يُجْهِزْ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَلَمْ يُتْبِعْ مُوَلِّيْهِمْ لِانْدِفَاعِ الشَّرِّ دُوْنَهُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجُوْزُ ذَالِكَ فِي الْحَالَيْنِ لِأَنَّ الْقِتَالَ إِذَا تَرَكُوْهُ لَمْ يَبْقَ قَتْلُهُمْ دَفْعًا وَجَوَابُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَلِيْلُهُ لَا حَقِيْقَتُهُ

ترجمہ......اور اگر کوئی دوسری جماعت ان باغیوں کی مددگار ہو تو جو لوگ ان کی طرف سے اس لڑائی میں زخمی ہوئے ہوں ان کو قتل کردینا چاہئے۔ اور ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرنا چاہئے۔ تاکہ ان کا فتنہ دور ہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اپنی جماعت سے مل جائیں اور اگر ان کی کوئی مددگار جماعت نہ ہو تو ان زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے۔ اور پریشان بھاگے ہوئے لوگوں کا پیچھا نہیں کیا جائے کیونکہ ایسا کئے بغیر ہیں تو ان کا فتنہ دور ہو چکا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دونوں صورتوں میں سے کسی میں بھی زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے اسی طرح بھاگنے والوں کا پیچھا نہیں کیا جائے۔ کیونکہ جب ان لوگوں نے قتال ختم کردیا تو اب ان کو قتل کرنا فتنہ کو دور کرنا نہیں ہوا۔ مگر اس کا بھی جواب وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس موقع میں اصل قتال

کرنے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ دلیل قتال معتبر ہے۔ (اور اس صورت میں جبکہ ان کی مددگار جماعت کوئی موجود ہو تو بھاگنے والوں کا ان سے ملنا قتال کی دلیل اس طرح ہے کہ وہ قتال ہی کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اسی واسطے ان کے زخمیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ اچھے ہو کر دوبارہ قتال کو نہ آئیں)۔

باغیوں کے بچوں کو قیدی اور ان کے اموال کو تقسیم نہیں کیا جائے گا

وَلَايُسْبٰى لَهُمْ ذُرِّيَةٌ وَلَايُقَسَّمُ لَهُمْ مَالٌ لِقَوْلِ عَلِيٍّ يَوْمَ الْجَمَلِ وَلَايُقْتَلُ اَسِيْرٌ وَلَايُكْشَفُ سِتْرٌ وَلَا يُؤْخَذُ مَالٌ وَهُوَالْقِدْوَةُ فِيْ هٰذَاالْبَابِ وَقَوْلُهُ فِي الْاَسِيْرِ تَأْوِيْلُهُ اِذَالَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ فَاِنْ كَانَتْ يَقْتُلُ الْاِمَامُ الْاَسِيْرَ وَاِنْ شَاءَ حَبَسَهُ لِمَاذَكَرْنَا وَلِاَنَّهُمْ مُسْلِمُوْنَ وَالْاِمَامُ يَعْصِمُ النَّفْسَ وَالْمَالَ وَلَابَأْسَ بِاَنْ يُقَاتِلُوْابِسَلَاحِهِمْ اِنِ احْتَاجَ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَيْهِ وَقَالَ الشَّافِعِي لَايَجُوْزُ وَالْكُرَاعُ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ لَهُ اَنَّهُ مَالُ مُسْلِمٍ فَلَايَجُوْزُ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ اِلَّا بِرِضَاهُ وَلَنَا اَنَّ عَلِيًّا قَسَّمَ السِّلَاحَ فِيْمَابَيْنَ اَصْحَابِهِ بِالْبَصْرَةِ وَكَانَتْ قِسْمَتُهُ لِلْحَاجَةِ لَا لِلتَّمْلِيْكِ وَلِاَنَّ لِلْاِمَامِ اَنْ يَّفْعَلَ ذَالِكَ فِي مَالِ الْعَادِلِ عِنْدَالْحَاجَةِ فَفِي مَالِ الْبَاغِيْ اَوْلٰى وَالْمَعْنٰى فِيْهِ اِلْحَاقُ الضَّرَرِ الْاَدْنٰى لِدَفْعِ الْاَعْلٰى

ترجمہ ...... وَلَايُسْبٰى لَهُمْ ...... الخ اور ان باغیوں کی ذریات یعنی بیوی اور بچے وغیرہ جس طرح جہاد میں کافروں کے بچے وغیرہ غلام اور باندی بنا لئے جاتے ہیں اس طرح یہ لوگ غلام اور باندی نہیں بنائے جائیں گے۔ اور نہ ان کا مال غنیمت کے طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ جمل کے دن صاف طور سے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ ان کے قیدیوں میں سے کوئی بھی قتل نہیں کیا جائے۔ اور نہ کسی عورت کی بے پردگی اور بے عزتی کی جائے۔ اور نہ ان کا کوئی مال لیا جائے۔ (ابن شیبہ نے اس کی روایت کی ہے۔ آپ (حضرت علیؓ) ہی سے تو ہمیں اہل قبلہ سے لڑائی کرنے کا خاص طریقہ معلوم ہوا ہے)۔ وہی اس مسئلہ میں ہمارے پیشوا ہیں (یعنی آپ نے جو کچھ بھی حضرت عائشہؓ اور ان کی جماعت کے ساتھ سلوک کیا وہی ہمیں بھی کرنا واجب ہے) اور قیدی کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ باغیوں کی مددگار جماعت کوئی نہ ہو۔ اور اگر باغیوں کی مددگار اور پناہ گاہ دوسری کوئی جماعت ہو تو امام کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دے یا چاہے تو ان کو قیدی بنا کر رکھ لے۔ (ایسا کرنے سے ان کا شر اور فتنہ دور ہوگا)۔ اور اس لئے بھی کہ یہ لوگ مسلم ہیں۔ اور امام کا کام ہے کہ وہ لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ اور باغیوں سے ہتھیار چھین کر بوقت ضرورت ان ہی ہتھیاروں سے ان کے خلاف قتال کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہتھیاروں سے مقاتلہ کرنے کو جائز نہیں کہتے ہیں۔ یہی اختلاف ان کے گھوڑوں اور اونٹوں کو استعمال کرنے میں بھی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے انکار کرنے کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب مال مسلمان کا مال ہے۔ جسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بصرہ میں مجاہدوں کے درمیان ہتھیاروں کو تقسیم کر دیا تھا۔ (اور ان کے سواری کے جانوروں کو بھی تقسیم کر دیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے محمد بن الحنفیہ سے اس کی روایت کی ہے۔)۔ انہوں نے اپنے مجاہدین کی ضرورت کی بناء پر یہ چیزیں تقسیم کی تھیں۔ ان کو مالک بنانے کے لئے ان کو نہیں دیا تھا۔ اور اس دلیل سے بھی کہ جب امام کے لئے اہل عدل کے مال کو بھی ضرورت پڑنے سے اسی طرح تقسیم کر دینا جائز ہے تو باغیوں کے مال کو تقسیم کر دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ ایسا کرنے کی بنیادی بات یہ ہے کہ بڑے نقصان کو دور کرنے کے لئے چھوٹے اور کمتر نقصان کو برداشت کرنا ثابت ہے (یعنی ایک چھوٹی سی باغیوں کی جماعت سے یہ سامان اور ہتھیار لے کر عام مسلمانوں کے نقصان کو دور کرنا۔ بلکہ یہ باغی افراد ان ہی ہتھیاروں سے عام مسلمانوں اور ان کے امام سے قتال کر کے گنہگار ہوتے۔ تو ان سے یہ ہتھیار چھین لینے سے نقصان اور گناہ کم ہو گیا اس گناہ سے جو ان سے قتال کرنے سے ان کو ہوتا ہے۔ اس بیان سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اگر باغی لوگ حقیقت میں باغی.

نہ ہوں یعنی کسی دلیل اور شبہ کی وجہ سے وہ لوگ قتال کرتے ہوں تو ان سے بھی ہتھیار چھین لینا جائز ہے۔ کیونکہ گہرے مطالعہ اور باریک تحقیق کے بعد یہی ثابت ہوگا کہ ان کا شبہ غلط ہے۔ اس لئے حقیقت میں ان کا قتال بے فائدہ اور سراسر نقصان دہ ہے)۔

تشریح...... فَاِنْ كَانَتْ لَهُمْ...... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے آخر میں جو اعلان فرمایا تھا اس کے بارے میں ابن ابی شیبہ نے ضحاک سے روایت کی کہ جب حضرت طلحہؓ وزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے شکست کھائی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طرح عام اعلان کرادیا کہ خبردار کوئی آنے والا اور کوئی بھاگنے والا قتل نہ کیا جائے اور کوئی دروازہ نہ کھولا جائے۔ اور کوئی عورت یا مال حلال نہ سمجھا جائے۔ ابن ابی شیبہ نے عبد خیر سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو۔ کسی زخمی کو قتل نہ کرو۔ جو شخص اپنا ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے۔ ابن ابی شیبہ نے محمد بن علی بن الحسین سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یوم البصرہ میں حکم دیا کہ پکار کر کہنے والا کوئی بول کر اعلان کردے کہ خبردار! کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔ کوئی قیدی قتل نہ کیا جائے۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے اور جو اپنا ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے آپ نے باغیوں کے اسباب میں سے کچھ نہیں لیا۔ اسی طرح عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کی ہے۔ اور بیہقی وحاکم نے بھی یہی حدیث ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے محمد بن الحنفیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یوم جمل کو باغیوں کے ہتھیار و گھوڑے لشکر میں بانٹ دیئے اور ابن سعد نے طبقات میں محمد بن الحنفیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ کسی زخمی کو قتل نہ کرو اور بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرو اور باغیوں نے جن ہتھیاروں اور گھوڑوں سے قتال کیا تھا وہ لشکر میں بانٹ دیئے۔ اور ابن ابی شیبہ نے ابوالبختری سے روایت کی ہے کہ جب اہل جمل بھاگے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو شخص لشکر سے باہر ہوگیا اس کا پیچھا نہ کرو۔ اور جو کچھ ہتھیار اور گھوڑے ہوں وہ تو تمہارے ہیں۔ لیکن کوئی عورت تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔ جس عورت کا شوہر مارا گیا ہو وہ چار مہینے دس دن عدت میں گزارے۔ لیکن آپ کے لشکر نے آپس میں اختلاف کیا اور کہا اے امیر المومنین ان کے خون ہمارے لئے حلال ہیں۔ لیکن ان کی عورتیں ہمیں کیوں حلال نہیں ہیں۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انتہائی غصہ میں آکر فرمایا اپنی عورتیں لاؤ اور ام المومنین عائشہ پر قرعہ ڈالو کیونکہ وہی ان سبھوں کی سردار ہیں۔ اس وقت لشکر والے اصل بات سمجھ گئے (کہ یہ کافر حربی نہیں بلکہ مومنین ہی ہیں اور دونوں کے احکام بہت مختلف ہوتے ہیں) اس لئے سبھوں نے عرض کیا اے امیر المومنین ہم اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں ابن ابی شیبہ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہمیشہ یہی حکم دیتے رہے کہ کوئی قتل نہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کی مددگار کوئی دوسری جماعت نہ تھی۔ کہ ان کے پاس پہنچتے اور ان سے مزید مدد حاصل کرتے یا پناہ لیتے۔

باغیوں کے اموال کو روکنے کا حکم

وَيَحْبِسُ الْاِمَامُ اَمْوَالَهُمْ وَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يُقَسِّمُهَا حَتّٰى يَتُوْبُوْا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ اَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلِمَا بَيَّنَاهُ وَاَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ وَلِهٰذَا يَحْبِسُهَا عَنْهُمْ وَاِنْ كَانَ لَا يَحْتَاجُ اِلَيْهَا اِلَّا اَنَّهُ يَبِيْعُ الْكُرَاعَ لِاَنَّ حَبْسَ الثَّمَنِ اَنْظَرُ وَاَيْسَرُ وَاَمَّا الرَّدُّ بَعْدَ التَّوْبَةِ فَلِانْدِفَاعِ الضَّرُوْرَةِ وَلِاَسْتِغْنَامِ فِيْهَا

ترجمہ...... وَيَحْبِسُ الْاِمَامُ الخ اور باغیوں کے مالوں کو امام روک کر رکھے یعنی نہ ان کو واپس کرے اور نہ ہی اپنے مجاہدین میں تقسیم کرے۔ یہاں تک کہ جب باغی اپنی حرکت سے توبہ کرلیں تو ان کا مال واسباب ان کو واپس کردے۔ یہاں تک ہم نے مجاہدین میں مال تقسیم نہ کرنے کی دلیل بیان کردی ہے۔ (یعنی حضرت علیؓ کا فرمان یہ کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے اور یہ کہ ان کے ہتھیار چھین لینے سے ان لوگوں کو بڑے گناہ یعنی عام مسلمانوں کے قتل کے خیال اور عمل سے روک کر ان کو بچانا ہے)۔ اس سے باغیوں کی بڑائی ختم کرنا ہے۔ تاکہ ان کا زور ٹوٹ جائے اور قوت کمزور

ہو جائے۔اسی لئے یہ سامان ان باغیوں کو آسانی سے واپس نہ کرے۔اگر چہ خود امام کو ان چیزوں کی ضرورت بھی نہ ہو۔البتہ امام کو چاہئے کہ ان کے سواری کے جانوروں کو بیچ کر ان کی قیمت محفوظ رکھ لے کیونکہ قیمت کی حفاظت جانوروں کی حفاظت کے مقابلہ میں بہت آسان ہے۔پھر جب کبھی وہ توبہ کرلیں تو ان کی قیمت ان کو واپس کردے کیونکہ مقصد پورا ہو چکا ہے۔اور ان جانوروں کو غنیمت کا مال نہیں مانا گیا ہے۔

باغیوں نے مسلمانوں کے علاقے پر غلبہ پاکر خراج اور عشر وصول کرلیا امام فتح پانے کے بعد دوبارہ عشر وخراج وصول نہیں کرے گا

قَالَ وَمَاجَبَاهُ اَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِيْ غَلَبُوْا عَلَيْهَا مِنَ الْخِرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ ثَانِيًا لِأَنَّ وَلَايَةَ الْاَخْذِ لَهٗ بِاعْتِبَارِ الْحِمَايَةِ وَلَمْ يَحْمِهِمْ فَاِنْ كَانُوْا صَرَفُوْهُ فِيْ حَقِّهٖ اَجْزٰى مَنْ اَخَذَمِنْهُ لِوُصُوْلِ الْحَقِّ اِلٰى مُسْتَحِقِّهٖ وَاِنْ لَمْ يَكُوْنُوْا صَرَفُوْهُ فِيْ حَقِّهٖ فَعَلٰى اَهْلِهٖ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يُعِيْدُوْا ذَالِكَ لِأَنَّهٗ لَمْ يَصِلْ اِلٰى مُسْتَحِقِّهٖ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ قَالُوْا لَا اِعَادَةَ عَلَيْهِمْ فِي الْخِرَاجِ لِأَنَّهُمْ مُقَاتِلَةٌ فَكَانُوْا مَصَارِفَ وَاِنْ كَانُوْا اَغْنِيَاءَ وَفِي الْعُشْرِ اِنْ كَانُوْا فُقَرَاءَ كَذَالِكَ لِأَنَّهٗ حَقُّ الْفُقَرَاءِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الزَّكٰوةِ وَفِي الْمُسْتَقْبَلِ يَأْخُذُهُ الْإِمَامُ لِأَنَّهٗ يَحْمِيْهِمْ فِيْهِ لِظُهُوْرِ وِلَايَتِهٖ

ترجمہ.....اور باغیوں نے مسلمانوں کے جن علاقوں پر غلبہ پاکر وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر جو کچھ وصول کرلیا ہے۔امام ان پر فتح پانے کے بعد ان سے دوبارہ خراج وعشر وصول نہیں کرے گا۔کیونکہ امام کو وہاں کے رہنے والوں پر ولایت اور حکومت جو کچھ حاصل ہے وہ اسی بناء پر ہے کہ وہ ان لوگوں کی حمایت اور حفاظت کرے گا اور اس کے عوض ان سے خراج وعشر وصول کرے گا۔اب جبکہ اس عرصہ میں امام ان لوگوں کی حفاظت اور حمایت نہیں کرسکا اور باغیوں نے بھی اپنے طور پر اس مال کو جس موقع میں خرچ کرنا چاہئے تھا وہاں خرچ کردیا تو جن لوگوں سے یہ چیزیں اس عرصہ میں لے لی گئیں ان کا دینا کافی ہو گیا۔ساتھ ہی حق حقدار مستحقین کو پہنچ چکا ہے اس لئے دوبارہ ان پر لازم کرنا اور امام کو وصول کرنا صحیح نہیں ہوگا۔اور اگر باغیوں نے لوگوں سے وصول کرکے اس رقم کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ نہیں کیا ہے تو جن لوگوں نے ادا کردیا ہے ان پر ان کی دینداری کا تقاضا یہی ہوگا کہ اللہ اور اپنے درمیان بہتر تعلق ادائیگی کے خیال سے اس مقدار کو اس کے مستحقین پر خرچ کرنے کے لئے وجوباً دوبارہ ادا کردیں کیونکہ حق اپنے حقدار تک نہیں پہنچا ہے۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ خراج کے بارے میں خراج دینے والوں پر دوبارہ دینا لازم نہیں ہے(کیونکہ خراج جہاں خرچ کیا جاتا ہے ان میں سے لڑنے والے سپاہیوں پر بھی خرچ کیا جاتا ہے تو اس کے اصل خود یہ باغی بھی ہو گئے) کیونکہ یہ بھی جہاد وقتال کے مستحق ہیں اس لئے خراج پانے اور خرچ کئے جانے کے مستحق ہو گئے اگر چہ وہ مالدار ہی ہوں اور عشر کی صورت میں اگر وہ لوگ (باغی) فقیر ہوں تو بھی یہی حکم ہوگا کہ دوبارہ ادا کرنا ضروری نہ ہوگا کیونکہ عشر فقیروں کا حق ہے اور یہ بات ہم باب الزکوٰۃ میں بیان کرچکے ہیں۔اس کے بعد آنے والے سالوں میں امام ان سے از سر نو وصول کرے گا کیونکہ اس کے بعد سے امام کی ولایت مکمل ہو جانے کی وجہ سے ان کی حمایت وحفاظت کرسکے گا۔

باغیوں کے لشکر میں ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر امام کسی وقت ان پر غالب آگیا تو قاتل پر قصاص یا دیت کچھ بھی واجب نہیں ہوگا

وَمَنْ قَتَلَ رَجُلًا وَهُمَا مِنْ عَسْكَرِ أَهْلِ الْبَغْيِ ثُمَّ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ لِأَنَّهٗ لَا وِلَايَةَ لِإِمَامِ الْعَدْلِ حِيْنَ

الْقَتْلِ فَلَمْ يَنْعَقِدْ مُوْجِبًا كَالْقَتْلِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ

ترجمہ...... وَمَنْ قَتَلَ رَجُلًا وَهُمَا مِنْ عَسْكَرٍ...... الخ اور باغیوں کے لشکر میں سے ایک شخص نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اس کے بعد کسی وقت امام ان پر غالب آ گیا تو اس قاتل پر اس قتل کے بارے میں قصاص یا دیت کچھ بھی واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ فعل قتل ہوتے وقت ان پر امام عادل کی ولایت نہیں تھی اس لئے یہ قتل قصاص یا دیت کا سبب نہیں ہوا۔ جس طرح اگر دار الحرب میں قتل واقع ہو جاتا تو وہ بھی موجب قصاص یا دیت نہ ہوتا۔ یعنی مسلمان افراد میں سے ایک نے دوسرے کو دار الحرب میں مار ڈالا اس کے بعد قاتل دار الاسلام آ گیا تو اس قتل کے عوض یہاں اس سے دیت یا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

باغیوں کی جماعت کسی شہر پر غالب آ گئی اہل شہر میں سے ایک نے دوسرے شہری کو قتل کر دیا قاتل سے قصاص لیا جائے گا

وَاِنْ غَلَبُوْا عَلٰى مِصْرٍ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمِصْرِ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْمِصْرِ عَمَدًا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى الْمِصْرِ فَاِنَّهٗ يُقْتَصُّ مِنْهُ وَ تَأْوِيْلُهٗ اِذَا لَمْ يَجْرِ عَلٰى اَهْلِهٖ اَحْكَامُهُمْ وَاُزْعِجُوْا قَبْلَ ذَالِكَ وَفِيْ ذَالِكَ لَمْ تَنْقَطِعْ وِلَايَةُ الْاِمَامِ فَيَجِبُ الْقِصَاصُ

ترجمہ...... اور اگر باغیوں کی جماعت کسی شہر پر غالب آ گئی۔ اس کے بعد ہی شہریوں میں سے ایک نے دوسرے کو عمداً قتل کر دیا۔ پھر امام عادل اس شہر پر غالب ہو گیا تو اس قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ فخر الاسلام نے اس حکم کی تاویل یہ بیان کی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہوگا کہ شہر پر پورے طور سے باغیوں کا قبضہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس سے پہلے ہی باغیوں کا قبضہ وہاں سے ختم کرا لیا گیا۔ اور صرف تھوڑی سی مدت کے لئے حاکم عادل کی حکومت باقی نہیں رہ سکی ہو۔ اس لئے قصاص لینے کا حکم وجوباً نافذ ہوگا۔ اس کا حاصل مسئلہ یہ ہوا کہ اس شہر پر باغیوں کا پورا قبضہ نہ ہوا ہو۔

اہل عدل میں سے کسی نے اپنے مورث باغی کو قتل کر دیا قاتل وارث ہوگا

وَ اِذَا قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْعَدْلِ بَاغِيًا فَاِنَّهٗ يَرِثُهٗ فَاِنْ قَتَلَهُ الْبَاغِيْ وَقَالَ قَدْ كُنْتُ عَلٰى حَقٍّ وَاَنَا الْاٰنَ عَلٰى حَقٍّ وَرِثَهٗ وَاِنْ قَالَ قَتَلْتُهٗ وَاَنَا اَعْلَمُ اَنِّيْ عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يَرِثْهُ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ لَا يَرِثُ الْبَاغِيْ فِي الْوَجْهَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَاَصْلُهٗ اَنَّ الْعَادِلَ اِذَا اَتْلَفَ نَفْسَ الْبَاغِيْ اَوْ مَالَهٗ لَا يَضْمَنُ وَلَا يَأْثَمُ لِاَنَّهٗ مَأْمُوْرٌ بِقِتَالِهِمْ دَفْعًا لِشَرِّهِمْ وَ الْبَاغِيْ اِذَا قَتَلَ الْعَادِلَ لَا يَجِبُ الضَّمَانُ عِنْدَنَا وَيَأْثَمُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الْقَدِيْمِ اَنَّهٗ يَجِبُ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ اِذَا تَابَ الْمُرْتَدُّ وَقَدْ اَتْلَفَ نَفْسًا اَوْ مَالًا لَهٗ اَنَّهٗ اَتْلَفَ مَالًا مَعْصُوْمًا اَوْ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُوْمَةً فَيَجِبُ الضَّمَانُ اِعْتِبَارًا بِمَا قَبْلَ الْمَنَعَةِ وَلَنَا اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ وَلِاَنَّهٗ اَتْلَفَ عَنْ تَاوِيْلٍ فَاسِدٍ وَالْفَاسِدُ مِنْهُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيْحِ اِذَا ضُمَّتْ اِلَيْهِ الْمَنَعَةُ فِيْ حَقِّ الدَّفْعِ كَمَا فِيْ مَنَعَةِ اَهْلِ الْحَرْبِ وَتَأْوِيْلِهِمْ وَهٰذَا لِاَنَّ الْاَحْكَامَ لَا بُدَّ فِيْهَا مِنَ الْاِلْزَامِ اَوِ الْاِلْتِزَامِ وَلَا الْتِزَامَ لِاعْتِقَادِ الْاِبَاحَةِ عَنْ تَاوِيْلٍ وَلَا اِلْزَامَ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ لِوُجُوْدِ الْمَنَعَةِ وَالْوِلَايَةُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ الْمَنَعَةِ وَعِنْدَ عَدَمِ التَّأْوِيْلِ ثَبَتَ الْاِلْتِزَامُ اعْتِقَادًا بِخِلَافِ الْاِثْمِ لِاَنَّهٗ لَا مَنَعَةَ فِيْ حَقِّ الشَّارِعِ اِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُوْلُ قَتْلُ الْعَادِلِ الْبَاغِيْ قَتْلٌ بِحَقٍّ فَلَا يَمْنَعُ الْاِرْثَ وَلِاَبِيْ يُوْسُفَ فِيْ قَتْلِ الْبَاغِي الْعَادِلَ اَنَّ التَّأْوِيْلَ الْفَاسِدَ اِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِيْ حَقِّ الدَّفْعِ وَالْحَاجَةُ هٰهُنَا اِلَى اسْتِحْقَاقِ الْاِرْثِ فَلَا يَكُوْنُ التَّاوِيْلُ مُعْتَبَرًا فِيْ حَقِّ الْاِرْثِ وَلَهُمَا فِيْهِ اَنَّ الْحَاجَةَ اِلٰى دَفْعِ الْحِرْمَانِ اَيْضًا اِذِ الْقَرَابَةُ سَبَبُ الْاِرْثِ فَيُعْتَبَرُ الْفَاسِدُ فِيْهِ

اِلَّا اَنَّ مِنْ شَرْطِہٖ بَقَاؤُہٗ عَلٰی دِیَانَتِہٖ فَاِذَا قَالَ کُنْتُ عَلَی الْبَاطِلِ لَمْ یُوْجَدِ الدَّافِعُ فَوَجَبَ الضَّمَانُ

ترجمہ.....اور اگر اہل عدل میں سے کسی نے اپنے مورث باغی کو قتل کر دیا تو بھی وہ اس قاتل کا وارث ہوگا (۔حالانکہ اپنے مورث کو قتل کرنے والا اس کا وارث نہیں ہوتا ہے۔) اور اگر باغی نے اپنے عادل مورث کو قتل کر دیا تو اس میں دو صورتیں اس طرح ہوں گی کہ اگر باغی نے کہا کہ میں قتل کرنے سے پہلے بھی خود کو حق پر سمجھتا تھا اور اب بھی حق پر سمجھتا ہوں۔ تو وہ اس مقتول کا وارث ہو جائے گا۔ اور اگر قاتل نے کہا میں قتل کے وقت خود کو باطل پر سمجھتا تھا تو اس صورت میں اس کا وارث نہیں ہوگا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے دونوں صورتوں میں سے کسی میں بھی وارث نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ اگر عادل نے کسی باغی کا مال یا اس کی جان برباد کی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اور گنہگار بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ باغیوں کے خلاف قتال کرنے کا اسے حکم ہے۔ تاکہ باغیوں کا فتنہ دور ہو۔ اور اگر باغی نے عادل کو قتل کیا تو ہمارے نزدیک ضمان واجب نہیں ہوگا مگر گنہگار ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول قدیم میں کہا ہے کہ ضمان بھی واجب ہوگا (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔) اسی طرح اگر مرتد نے توبہ کر لی اس سے پہلے حالت ارتداد میں اس نے جان و مال برباد کیا ہے تو اس کے بارے میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے (۔اور اگر باغی کے ساتھ بڑی جماعت یا بڑی طاقت نہ ہو اور اس حالت میں اس نے کوئی جان یا مال برباد کیا تو بالاتفاق اس پر ضمان واجب ہوگا۔) اس صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ باغی نے مال محترم یا معصوم جان برباد کی ہے اس لئے اس پر ضمان واجب ہوگا۔ جیسے طاقت حاصل ہونے سے پہلے قتل کرنے میں واجب ہوتا ہے اور ہماری دلیل صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ جس کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (۔وہ روایت یہ ہے کہ سلیمان بن ہشام نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ ایک عورت اپنے شوہر کے پاس سے نکل گئی۔ اور دعویٰ کیا کہ میری قوم مشرک ہے۔ اور خوارج سے جا کر مل گئی ہے اور وہاں اس نے نکاح کر لیا۔ پھر توبہ کر کے لوٹ آئی۔ تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس پر زہری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ جس وقت خوارج کا فتنہ پھیلا اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بہت سے ایسے صحابۂ کرامؓ بھی تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے ان سے مشورے کرنے پر سب کی رائے متفقہ طور پر یہ ہوئی کہ اگر خوارج نے قرآن کی تاویل کے ساتھ کسی عورت کو حلال کر لیا تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ اور اگر قرآنی تاویل سے کسی شخص کو حلال سمجھ کر قتل کیا تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر خارجیوں کے پاس کسی مسلمان کا مال بعینہ (بغیر کسی ردوبدل کے) پایا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ پس میرے علم کے مطابق فیصلہ یہ ہے کہ تم اس عورت کو اس کے شوہر کے پاس واپس کر دو۔ اور اگر کوئی شخص اس عورت پر بدکاری کا بہتان لگائے تو تم اس کو حد قذف لگاؤ۔ ابن ابی شیبہ نے عن معمر عن الزہری اس کی روایت کی ہے)۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ باغی نے فاسد تاویل کر کے تلف کیا ہے۔ اور فاسد تاویل بھی صحیح تاویل کے ساتھ مل جاتی ہے۔ (یعنی ضمان دور کرنے میں فاسد تاویل بھی صحیح تاویل کے حکم میں ہوتی ہے) بشرطیکہ فاسد تاویل کرنے والوں کو قوت اور طاقت حاصل ہو۔ جیسے حربی کافروں اور ان کی تاویل [illegible]ں جو طاقت اور قوت ہے کا یہی حکم ہے (۔یعنی اگر حربیوں نے لڑائی میں کئی مسلمان قتل کر دیئے یا ان کے مال برباد کر دیئے پھر سب مسلمان ہو گئے تو ان پر قصاص یا ضمان لازم نہیں ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام شرع میں الزام یا التزام ضروری ہے (یعنی حاکم لازم کر دے یا اپنی خوشی سے خود پر لازم کرے) اور باغی نے التزام نہیں کیا ہے کیونکہ وہ اپنی تاویل فاسد سے (اہل عدل کی جان اور مال کو) حلال جانتا ہے۔ اور باغی پر امام کی طرف سے بھی لازم کرنا نہیں پایا جاتا ہے۔ (کیونکہ امام کا اس پر کوئی حکومت اور اختیار نہیں ہوتا ہے)۔ کیونکہ باغیوں کے پاس خود اپنی قوت مدافعت موجود ہوتی ہے۔ اور جب تک ان کو مقابلہ کی طاقت حاصل نہیں تھی اس وقت تک امام کی حکومت اور ولایت باقی تھی۔ (اس لئے ضمان واجب ہونے کا حکم اس کی طرف سے ہوتا تھا) اور اسی طرح جب باغی نے تاویل نہیں کی تو التزام ثابت ہے (یعنی اس کے اپنے اعتقاد میں وہ عادل کو قتل کرنا یا اس کا مال لینا حرام جانتا ہے۔ برخلاف گناہ کے کہ وہ تو ہر صورت سے ثابت ہے) کیونکہ حق شرع میں منعت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ پس جب یہ اصل ثابت ہو گئی تب ہم یہ کہتے ہیں کہ جب عادل نے باغی کو قتل کیا تو یہ قتل برحق ہے اس لئے عادل اس مورث کی میراث سے محروم نہ ہوگا۔

اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ اگر باغی نے عادل کو قتل کیا تو وہ ہر حال میں میراث سے محروم ہوگا۔ اس دلیل سے کہ تاویل فاسد کا اعتبار صرف ضمان دور ہونے میں ہوتا ہے۔ اور یہاں استحقاق ارث کی حاجت ہے اس لئے ارث کے بارے میں فاسد تاویل کا اعتبار نہ ہوگا۔ یعنی باغی قاتل اپنے مورث عادل کا وارث نہ ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہ و محمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ یہاں محرومی کے ختم ہونے کی بھی ضرورت ہے یعنی اس لئے کہ آپس کی قرابت ہی سبب ارث ہے تو محرومی دور ہونے میں بھی فاسد تاویل معتبر ہو جائے گی۔ لیکن معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ حقیقت میں وہ اس تاویل کو سچ جانتا ہو یعنی یہ کہے کہ میں اس وقت حق پر تھا اسی لئے اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ میں باطل پر تھا تو ضمان ختم کرنے والی تاویل صحیح نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے ضمان واجب ہو جائے گا۔ اس طرح وہ میراث سے بھی محروم ہو جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جس وقت باغی نے قرآن و حدیث سے اپنے نزدیک ایک معنی نکالے اگر چہ حقیقت میں وہ معنی اس کی غلط سوچ اور فاسد سمجھ ہو لیکن اس بناء پر جو اس نے جان اور مال برباد کیا ہے اس کا قصاص نہ لئے جانے کے لئے یہ تاویل معتبر ہوگی۔ جیسا کہ جب کافر لڑائی کے بعد مسلمان ہو جائیں تو ان پر قصاص لازم نہیں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کہ وہ اپنے اعتقاد میں شرک کو حق جانتا تھا حالانکہ وہ محض شیطان کی تاویل تھی جس کا اعتبار بھی کر لیا گیا یعنی اس سے قصاص نہیں لیا گیا۔ لہٰذا باغی کی تاویل جو قرآن سے ہے اس بارے میں بدرجۂ اولیٰ معتبر ہوگی۔ کہ اس سے قصاص نہ لیا جائے۔

اب اس شبہ کا جواب کہ اس نے لڑائی میں ایسے مورث کو قتل کیا اور قانوناً قتل کرنے والا میراث سے محروم ہو جاتا ہے تو اب قاتل بھی میراث سے محروم ہوگا یا نہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک شخص اہل عدل میں سے ہو اور اس کا باپ باغیوں کے ساتھ ہو پھر بیٹے کے ہاتھ سے باپ مارا جائے تو بالاتفاق بیٹا اس کی میراث سے محروم نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باغیوں کے ساتھ قتال کا حکم دیا ہے اور اگر باغی باپ کے ہاتھ سے بیٹا مارا جائے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باپ مطلقاً محروم ہوگا۔ کیونکہ اس نے ناحق قتل کیا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی فاسد تاویل یہاں بھی کارآمد ہوگی۔ جیسے کفار کی بداعتقادی اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد میراث سے محروم نہیں کرتی ہے۔ اسی لئے اگر باغی نے یہ کہا کہ میں اس وقت بھی حق پر تھا اور اب بھی حق پر ہوں۔ یعنی میں نے شریعت کے حکم کو جس حد تک سمجھا ہے یہی حق ہے۔ تو وہ محروم نہ ہوگا۔ اور اگر اب یہ کہتا ہے کہ میں اس وقت باطل پر تھا تو گویا یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے مورث کو ناحق قتل کیا ہے اس لئے محروم ہو جائے گا۔

اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار بیچنا مکروہ ہے

قَالَ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ مِنْ اَهْلِ الْفِتْنَةِ وَفِيْ عَسَاكِرِهِمْ لِاَنَّهٗ اِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَلَيْسَ بِبَيْعِهٖ بِالْكُوْفَةِ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ وَمَنْ لَمْ يُعْرَفْ مِنْ اَهْلِ الْفِتْنَةِ بَأْسٌ لِاَنَّ الْغَلَبَةَ فِي الْاَمْصَارِ لِاَهْلِ السَّلَاحِ وَاِنَّمَا يُكْرَهُ بَيْعُ نَفْسِ السِّلَاحِ لَابَيْعُ مَالَايُقَاتَلُ بِهٖ اِلَّا بِصُنْعَةٍ اَلَاتَرٰى اَنَّهٗ يُكْرَهُ بَيْعُ الْمَعَازِفِ وَلَايُكْرَهُ بَيْعُ الْخَشَبِ وَ عَلٰى هٰذَا الْخَمْرُ مَعَ الْعِنَبِ

ترجمہ ...... وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ ...... الخ واضح ہو کہ اہل فتنہ کے ہاتھ اور ان کے لشکر میں ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس طرح دوسرے کو گناہ کرنے پر مدد پہنچانا ہے۔ اور کوفہ میں وہاں کے باشندوں کے ہاتھ اور جس کو فتنہ بازوں (خوارج) میں سے کوئی نہ پہچانتا ہو اس کے ہاتھ ہتھیار بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ شہروں میں صالحین عادل بہت سے ہوتے ہیں۔ پھر مکروہ کام تو خود ہتھیاروں کو بیچنا ہے اور ایسی چیز بیچنا مکروہ بھی نہیں ہے جس سے بغیر بنائے ہوئے قتال نہیں ہو سکتا ہو جیسے لوہا وغیرہ۔ جیسا کہ طنبورہ وستار وغیرہ کو بیچنا تو مکروہ ہے۔ لیکن اس کی لکڑی وغیرہ کو بیچنا (جس سے کہ طنبورہ بنتا ہے) مکروہ نہیں ہے۔ یہی حال شراب اور انگور کا ہے۔ (یعنی شراب بیچنا حرام ہے حالانکہ انگور بیچنا جائز ہے)۔

کِتَابُ اللَّقِيْطِ

ترجمہ ..... کتاب، لقیط کے بیان میں

لقیط کی وجہ تسمیہ اور لقیط اٹھانے کا حکم

أَللَّقِيْطُ سُمِّيَ بِهٖ بِاعْتِبَارِ مَآلِهٖ لِمَاأَنَّهٗ يُلْقَطُ وَالْاِلْتِقَاطُ مَنْدُوْبٌ اِلَيْهِ لِمَافِيْهِ اِحْيَائُهٗ وَاِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهٖ ضِيَاعُهٗ فَوَاجِبٌ

ترجمہ ..... (یعنی آدمی کا بچہ جو کسی مقام پر لاوارث پڑا ہوا ملے۔ اور یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کس شخص کا بچہ ہے) لقیط (پڑے ہوئے بچہ) کا اس کے انجام کے لحاظ سے لقیط نام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بچہ راہ سے اٹھایا جاتا ہے۔ (یعنی لقیط کے معنی لغت میں ہیں اٹھایا ہوا) اس طرح کے پڑے ہوئے بچہ کو اٹھالینا مستحب ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اس بچہ کی پرورش ہوتی ہے۔ اور اگر اس دیکھنے والے کا گمان غالب یہ ہو کہ میرے نہ اٹھانے سے یہ ہلاک ہوجائے گا تو اسے اٹھالینا اس پر واجب ہوگا۔

لقیط آزاد ہے

قَالَ اللَّقِيْطُ حُرٌّ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيْ بَنِيْ اٰدَمَ اِنَّمَا هُوَ الْحُرِّيَّةُ وَكَذَاالدَّارُدَارُالْاَحْرَارِ وَلِأَنَّ الْحُكْمَ لِلْغَالِبِ وَنَفَقَتُهٗ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ هُوَالْمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَلِأَنَّهٗ مُسْلِمٌ عَاجِزٌعَنِ التَّكَسُّبِ وَلَامَالَ لَهٗ وَلَاقَرَابَةَ فَأَشْبَهَ الْمُقْعَدَالَّذِيْ لَامَالَ لَهٗ وَلِأَنَّ مِيْرَاثَهٗ لِبَيْتِ الْمَالِ وَالْخِرَاجُ بِالضَّمَانِ وَلِهٰذَاكَانَتْ جِنَايَتُهٗ فِيْهِ وَ الْمُلْتَقِطُ مُتَبَرِّعٌ فِي الْاِنْفَاقِ عَلَيْهِ لِعَدَمِ الْوَلَايَةِ اِلَّااَنْ يَّأْمُرَهُ الْقَاضِيْ بِهٖ لِيَكُوْنَ دَيْنًا عَلَيْهِ لِعُمُوْمِ الْوَلَايَةِ

ترجمہ ..... کہا کہ ایسا اٹھایا ہوا بچہ (لقیط) آزاد ہوتا ہے (غلام نہیں ہوتا ہے) کیونکہ آدمی میں اصل آزادی ہے۔ ویسے بھی دار الاسلام آزاد لوگوں کا ملک ہوتا ہے کیونکہ اس کے اکثر افراد ضرور آزاد ہوتے ہیں جبکہ اکثر کا اعتبار ہوتا ہے۔ (یعنی دار الاسلام میں اکثر لوگ آزاد ہیں تو ان کے لحاظ سے ان ہی کی طرح وہ بچہ بھی آزاد سمجھا جائے گا اور اگر (اتفاق سے) اس کے ساتھ کچھ مال بھی موجود ہو تو اس کا اصل خرچ نان و نفقہ اسی مال سے ہوگا اور اس کو اٹھا کر لانے والا اسے اٹھا کر صرف اسی مال سے اس کی پرورش کرے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ کچھ مال وغیرہ نہ ہو تو نفقتہ فی بیت المال الخ) تو اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔ یہی بات حضرت عمر و علیؓ سے مروی ہے (۔ چنانچہ مالک رحمۃ اللہ علیہ مؤطا میں اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں روایت کیا۔) اور اس دلیل سے بھی کہ یہ لقیط مسلمان ہے جو کمانے اور آمدنی کرنے سے عاجز ہے اور کسی سے اس کا کوئی تعلق اور رشتہ داری بھی نہیں ہے۔ تو وہ ایسے لنجے کے مشابہ ہوگیا جس کے پاس کچھ بھی مال نہ ہو۔ (یعنی جس طرح اس لنجہ کا نفقہ بیت المال سے ہوتا ہے اسی طرح اس لقیط کا نفقہ بھی بیت المال سے ہی ہوگا)۔

اور اس دلیل سے بھی کہ اگر اس لقیط کے پاس مرتے وقت کچھ مال موجود ہو تو وہ (اس کی میراث) بھی بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔ اور بظاہر جس کو آمدنی حاصل ہو (پانے والا) وہی اس کا خرچ بھی برداشت کرے۔ اسی لئے اگر لقیط کوئی جرم کر لیتا ہے تو اس کا خرچ بیت المال سے ہی پورا کیا جاتا ہے۔ اس لقیط کو اٹھانے والا (ملتقط) اس کی پرورش میں جو کچھ بھی اس کی ذات پر کرے گا وہ احسان کے طور پر ہوگا۔ کیونکہ اس لقیط (بچہ

) پر اس پانے والے (ملتقط کو) کو کچھ حکومت اور ولایت نہیں ہے۔ لیکن اگر قاضی اس پر خرچ کرنے کے لئے اس ملتقط کو (اختیار بلکہ) حکم دے دے کہ تم اس پر خرچ کرتے رہو تاکہ تمہارا خرچ اس شخص پر قرض رہ جائے (یعنی اس کے بالغ ہونے کے بعد اس سے وصول کر لینا۔ تو ایسا ہی کرنا ہوگا) کیونکہ قاضی کی ولایت ہر شخص پر عام ہے۔ (اور اگر قاضی نے اس سے یہ بات نہیں کہی ہو کہ تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس لقیط پر قرض رہے گا تو صرف پرورش کا حکم دینے سے اس لقیط پر قرض باقی نہیں رہے گا۔ یہی قول اصح ہے۔)

سب سے پہلے اٹھانے والا زیادہ مستحق ہے

قَالَ فَاِنِ الْتَقَطَهُ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهٖ اَنْ يَّاْخُذَهُ مِنْهُ لِاَنَّهُ ثَبَتَ حَقُّ الْحِفْظِ لَهُ لِسَبَقِ يَدِهٖ

ترجمہ...... پھر اگر اس بچہ کو کوئی اٹھا کر لے آیا تو کسی دوسرے کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اس ملتقط سے چھین لے یا مانگ لے کیونکہ پہلے لینے والے کو حفاظت کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس کا ہاتھ اس پر پہلے پہنچا ہے۔

کسی نے لقیط کے نسب کا دعویٰ کیا تو کب معتبر ہوگا؟

فَاِنِ ادَّعٰى مُدَّعٍ اَنَّهُ ابْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ يَدَّعِ الْمُلْتَقِطُ نَسَبَهُ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ اَنْ لَّا يُقْبَلَ قَوْلُهُ لِاَنَّهُ يَتَضَمَّنُ اِبْطَالَ حَقِّ الْمُلْتَقِطِ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّهُ اِقْرَارٌ لِلصَّبِيِّ بِمَا يَنْفَعُهُ لِاَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِالنَّسَبِ وَ يُعَيَّرُ بِعَدَمِهٖ ثُمَّ قِيْلَ يَصِحُّ فِيْ حَقِّهٖ دُوْنَ اِبْطَالِ يَدِ الْمُلْتَقِطِ وَقِيْلَ يَبْتَنِيْ عَلَيْهِ بُطْلَانُ يَدِهٖ وَلَوِادَّعَاهُ الْمُلْتَقِطُ قِيْلَ يَصِحُّ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا وَالْاَصَحُّ اَنَّهُ عَلَى الْقِيَاسِ وَ الْاِسْتِحْسَانِ وَقَدْ عُرِفَ فِي الْاَصْلِ.

ترجمہ...... اس کے بعد اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اسی کی بات مقبول ہوگی۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ پانے والے نے اس بچہ پر اپنے نسب کا دعویٰ کبھی نہیں کیا) بلکہ صرف پانے کا دعویٰ کیا ہے اور اس دوسرے نے تو اس پر اپنے نسب کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ایسا نسب صرف دعویٰ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔) یہ حکم استحسان کے ساتھ ہے۔ کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا صرف دعویٰ نسب مقبول نہ ہو۔ کیونکہ وہ یہ دعویٰ کر کے اس پانے والے کی حفاظت کے حق کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس مدعی نسب کا قول اس بچہ کے حق میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات سے بچہ کو فائدہ حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اس بچہ کا نسب ثابت ہونے سے اس کی بڑائی اور بزرگی بڑھتی ہے اور یہ نہ ہونے سے وہ ہمیشہ کے لئے ثبوت نسب سے محروم ہونے کے احساس سے شرمندہ ہوتا رہے گا۔ پھر ایک قول یہ ہے کہ مدعی کا دعویٰ صرف اس سے نسب ہونے میں صحیح ہوگا۔ لیکن اس سے اٹھا کر لانے والے کا قبضہ ختم نہیں ہوگا (کیونکہ وہ اسی کے پاس رہے گا۔) اور دوسرا قول یہ ہے کہ نسب ثابت ہو جانے کی وجہ سے اس پانے والے کا قبضہ بھی اس سے باطل ہو جائے گا (بچہ اس کے پاس سے چلا جائے گا) اور اگر پانے والے نے خود بھی اس بچہ پر نسب کا دعویٰ کر دیا تو کہا گیا ہے کہ قیاس اور استحسان دونوں اعتبار سے اس کا کہنا صحیح ہوگا۔ لیکن اصح قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قیاس میں صحیح نہ ہوگا۔ اگرچہ استحسان سے صحیح ہوگا چنانچہ مبسوط میں اس کی تصریح موجود ہے۔

دو مدعیوں نے نسب کا دعویٰ کیا اور ایک نے اس کے جسم پر علامت بتائی وہ زیادہ حقدار ہے

وَاِنِ ادَّعَاهُ اِثْنَانِ وَوَصَفَ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِيْ جَسَدِهٖ فَهُوَ اَوْلٰى بِهٖ لِاَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِمُوَافَقَةِ الْعَلَامَةِ كَلَامَهُ وَاِنْ لَمْ يَصِفْ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً فَهُوَ اِبْنُهُمَا لِاِسْتِوَائِهِمَا فِي السَّبَبِ وَلَوْ سَبَقَتْ دَعْوَةُ اَحَدِهِمَا فَهُوَ اِبْنُهُ لِاَنَّهُ ثَبَتَ حَقُّهُ فِيْ زَمَانٍ لَا مُنَازِعَ لَهُ فِيْهِ اِلَّا اِذَا اَقَامَ الْاٰخَرُ الْبَيِّنَةَ لِاَنَّ الْبَيِّنَةَ اَقْوٰى

ترجمہ...... اور اگر اس پانے والے کے سوا دو آدمیوں نے اس پر نسب کا دعویٰ کر دیا لیکن ان میں سے ایک نے اس پائے ہوئے بچہ کے بدن میں کوئی خاص علامت بتائی تو وہی زیادہ حقدار اور اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ بظاہر گواہ اسی کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہ علامت اس کے دعویٰ کے مطابق ہے۔ اور اگر کسی نے اس کی کوئی خاص علامت نہیں بتائی تو یہ بچہ ان دونوں کا لڑکا کہلائے گا کیونکہ دعویٰ کرنے میں دونوں برابر کے ہیں۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک نے پہلے دعویٰ کر دیا تب بچہ اسی کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ اس کا حق ایسے وقت میں ثابت ہوا جبکہ اس کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔ لیکن اگر دوسرے نے اس کے ساتھ اپنا مستقل گواہ بھی پیش کر دیا تو یہی مقدم اور زیادہ حقدار ہو جائے گا۔ کیونکہ علامات کے مقابلہ میں گواہی زیادہ قوی دلیل ہوتی ہے۔

بچہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر یا بستیوں میں سے کسی بستی میں پایا گیا اور ذمی نے نسب کا دعویٰ کیا نسب ذمی سے ثابت ہوگا اور بچہ مسلمان ہوگا

وَ اِذَا وُجِدَ فِیْ مِصْرٍ مِّنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِیْنَ اَوْفِیْ قَرْیَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادَّعٰی ذِمِّیٌّ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا وَ هٰذَا اِسْتِحْسَانٌ لِاَنَّ دَعْوَاهُ تَضَمَّنَ النَّسَبَ وَهُوَنَا فِعٌ لِلصَّغِیْرِ وَاِبْطَالُ الْاِسْلَامِ الثَّابِتِ بِالدَّارِ وَهُوَیَضُرُّهٗ فَصَحَّتْ دَعْوَتُهٗ فِیْمَا یَنْفَعُهٗ دُوْنَ مَایَضُرُّهٗ.

ترجمہ...... اور اگر پڑا ہوا بچہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا دیہاتوں میں سے کسی دیہات میں ملا۔ اور کسی ذمی نے اس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔ البتہ اس بچہ کو مسلمان مانا جائے گا۔ اور یہ حکم استحسان کی بناء پر ہے کیونکہ اس ذمی کے دعویٰ میں دو باتیں ہیں ایک نسب کا ثبوت تو یہ بات اس بچہ کے حق میں مفید ہے۔ دوسری بات اس بچہ کے اسلام کو ختم کر کے ذمی ثابت کرنا۔ حالانکہ دارالاسلام میں اس بچہ کے پائے جانے سے اس کا حق اسلام ثابت ہے جس کو ختم کرنا اس بچہ کے حق میں نقصان دہ ہے۔ لہٰذا پہلا دعویٰ یعنی ثبوت نسب کا تو وہ صحیح مانا جائے گا۔ کیونکہ اسی میں بچہ کا فائدہ ہے اور اسلام مٹانے کے بارے میں صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ بچہ کے حق میں نقصان دہ ہے۔

بچہ اہل ذمہ کی بستیوں میں سے کسی بستی میں یا بیعہ یا کنیسہ میں پایا گیا تو ذمی ہوگا

وَاِنْ وُجِدَفِیْ قَرْیَةٍ مِنْ قُرٰی اَهْلِ الذِّمَّةِ اَوْفِیْ بِیْعَةٍ اَوْكَنِیْسَةٍ كَانَ ذِمِّیًّا وَهٰذَا الْجَوَابُ فِیْمَا اِذَاكَانَ الْوَاجِدُذِمِّیًّارِوَایَةً وَّاحِدَةً وَاِنْ كَانَ الْوَاجِدُ مُسْلِمًا فِیْ هٰذَا الْمَكَانِ اَوْذِمِّیًّافِیْ مَكَانِ الْمُسْلِمِیْنَ اِخْتَلَفَتِ الرِّوَایَةُ فِیْهِ فَفِیْ رِوَایَةِ كِتَابِ اللَّقِیْطِ اُعْتُبِرَالْمَكَانُ لِسَبْقِهٖ وَفِیْ كِتَابِ الدَّعْوٰی فِیْ بَعْضِ النُّسَخِ اُعْتُبِرَالْوَاجِدُ وَهُوَرِوَایَةُ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ لِقُوَّةِالْیَدِالَاتَرٰی اِنَّ تَبْعِیَّةَ الْاَبَوَیْنِ فَوْقَ تَبْعِیَّةِ الدَّارِحَتّٰی اِذَاسُبِیَ مَعَ الصَّغِیْرِ اَحَدُهُمَا یُعْتَبَرُ كَافِرًااَوفِیْ بَعْضِ نُسْخَةٍ اُعْتُبِرَالْاِسْلَامُ نَظَرًالِلصَّغِیْرِ

ترجمہ...... اور اگر وہ لقیط ذمیوں کے کسی گاؤں یا بیعہ یا کنیسہ میں پایا گیا تو بچہ ذمی مانا جائے گا۔ پھر اگر اس بچہ کو پانے والا کوئی ذمی شخص ہو تو بلاخوف یہی ایک روایت ہے کہ لقیط ذمی ہی ہوگا۔ اور اگر اس کا پانے والا کوئی مسلمان ہو جس نے ذمیوں کی ان جگہوں میں سے کسی جگہ میں پایا یا ذمی نے اسے مسلمانوں کی کسی جگہ پر پایا تو ان دونوں صورتوں میں مختلف روایتیں ہیں۔ چنانچہ کتاب اللقیط کی روایت میں پائے جانے کی جگہ کا اعتبار کیا گیا ہے۔ (یعنی اگر ذمیوں کی جگہ پر پایا گیا ہے تو ذمی ہے اگرچہ مسلمان نے پایا ہو۔ اور اگر مسلمانوں کی جگہ پر پایا گیا ہو تو وہ مسلمان ہے اگرچہ ذمی نے پایا ہے) اور کتاب الدعویٰ کی روایت میں بعض نسخوں میں پانے والے کا اعتبار ہے۔

(یعنی اگر پانے والا ذمی ہو تو وہ بچہ ذمی ہے اگر چہ اسے مسلمانوں کی جگہ پر پایا گیا ہو۔ اور اگر پانے والا مسلمان ہے تو وہ بچہ بھی مسلمان ہے۔ اگر چہ اسے ذمیوں کی جگہ پر پایا گیا ہو) اور ابن سماعہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کی ہے۔ کیونکہ قابض کے قبضہ کو قوت ہوتی ہے اور اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ دیکھا جاتا ہے کہ والدین کے تابع جو بچہ ہوتا ہے اسے ملک کے تابع ہونے پر قوت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بچہ کے ساتھ والدین میں سے کوئی ایک قید ہوا ہو تو بچہ کو کافر ہی مانا جاتا ہے۔ اور کتاب الدعوٰی کے بعض نسخوں میں بچہ کی بھلائی کا خیال کرتے ہوئے اسے مسلمان کہا جاتا ہے۔ (یعنی بچہ کو کوئی بھی پائے وہ خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو بچہ بہر صورت مسلمان ہی فرض کیا جائے گا۔ کیونکہ بچہ کے حق میں اسی میں بھلائی ہے)۔

کسی نے لقیط کے بارے میں غلام ہونے کا دعویٰ کیا اس کا قول قبول نہیں ہوگا

وَمَنِ ادَّعٰی اَنَّ اللَّقِیْطَ عَبْدُهٗ لَمْ یُقْبَلْ مِنْهُ لِاَنَّهٗ حُرٌّ ظَاهِرًا اِلَّا اَنْ یُّقِیْمَ الْبَیِّنَةَ اَنَّهٗ عَبْدُهٗ

ترجمہ ...... اور اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ لقیط میرا غلام ہے تو یہ بات قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ظاہر حال وہ آزاد ہے۔ البتہ اگر وہ دعویٰ کے ساتھ گواہ بھی پیش کر دے کہ یہ اس کا غلام ہے۔ تو گواہ قبول کر لئے جائیں گے۔

غلام نے لقیط کے نسب کا دعویٰ کیا تو قبول ہوگا

فَاِنِ ادَّعٰی عَبْدٌ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ لِاَنَّهٗ یَنْفَعُهٗ وَکَانَ حُرًّا لِاَنَّ الْمَمْلُوْکَ قَدْ تَلِدُ لَهُ الْحُرَّةُ فَلَا تَبْطُلُ الْحُرِّیَّةُ الظَّاهِرِیَّةُ بِالشَّکِّ

ترجمہ ...... اور اگر کسی غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اس کی بات قبول کر لی جائے گی چنانچہ اس لڑکے کا نسب اس غلام سے ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ اس دعویٰ کے قبول کر لینے سے اس بچہ کا فائدہ ہے (۔ کہ اس کا نسب ثابت ہو گیا۔ البتہ) یہ بچہ آزاد ہوگا۔ کیونکہ کبھی کسی آزاد عورت سے بھی ایک غلام شوہر کو بچہ پیدا ہوتا ہے (جو آزاد ہوتا ہے) اس لئے شک کی وجہ سے بچہ کی آزادی باطل نہ ہوگی۔

آزاد کے دعویٰ کو غلام کے مقابلے میں اور مسلمان کے دعویٰ کو ذمی کے مقابلے میں ترجیح ہوگی

وَالْحُرُّ فِیْ دَعْوَتِهِ اللَّقِیْطِ اَوْلٰی مِنَ الْعَبْدِ وَالْمُسْلِمُ اَوْلٰی مِنَ الذِّمِّیِّ تَرْجِیْحًا لِمَا هُوَ الْاَنْظَرُ فِیْ حَقِّهٖ

ترجمہ ...... اور لقیط (بچہ کے نسب) کے بارے میں دعویٰ کرنے میں اگر غلام و آزاد جمع ہو جائیں تو بہر صورت غلام کے مقابلہ میں آزاد بہتر ہوگا (یعنی آزاد شخص سے بچہ کا نسب ثابت کیا جائے گا اور غلام کا دعویٰ رد کر دیا جائے گا)۔ اسی طرح ذمی کے مقابلہ میں مسلم اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ اس بچہ کے حق میں جو بہتر ہوتا ہے اسی کو ترجیح ہوتی ہے (لہٰذا یہاں بھی آزاد اور مسلم کو بہ نسبت غلام اور ذمی کے ترجیح دی جائے گی)۔

لقیط کے ساتھ بندھا ہوا مال ہو تو وہ بچہ کا ہوگا

وَاِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِیْطِ مَالٌ مَشْدُوْدٌ عَلَیْهِ فَهُوَ لَهٗ اِعْتِبَارًا لِلظَّاهِرِ وَکَذَا اِذَا کَانَ مَشْدُوْدًا عَلٰی دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَیْهَا لِمَا ذَکَرْنَا ثُمَّ یَصْرِفُهُ الْوَاجِدُ اِلَیْهِ بِاَمْرِ الْقَاضِیْ لِاَنَّهٗ مَالٌ ضَائِعٌ وَلِلْقَاضِیْ وَلَایَةُ صَرْفِ مِثْلِهٖ اِلَیْهِ وَقِیْلَ یَصْرِفُهُ بِغَیْرِ اَمْرِ الْقَاضِیْ لِاَنَّهُ لِلَّقِیْطِ ظَاهِرًا

ترجمہ......اور لقیط کے ساتھ اس سے بندھا ہوا کچھ مال بھی موجود ہو تو وہ مال بھی اسی بچہ کا ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ مال ایسے جانور پر بندھا ہوا ہو جس پر وہ بچہ (لقیط) پایا گیا ہے تو وہ مال بھی اسی بچہ کا ہوگا۔ کیونکہ ظاہری حالت اس کی شاہد ہے۔ پھر جس شخص نے بچہ اور اس کے ساتھ مال کو پایا ہے وہی قاضی کی اجازت سے اس مال کو اسی بچہ پر خرچ کرے۔ کیونکہ اس مال کا دوسرا کوئی مالک و حافظ نہیں ہے اور ایسے مال کو لقیط پر خرچ کرنے کا اختیار صرف قاضی کو ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ قاضی کے حکم کے بغیر بھی یہ خرچ کر سکتا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ مال اسی لقیط کا ہے۔

لقیط پر مال خرچ کرنے کا اختیار قاضی کو ہے

وَ لَهُ وَلَايَةُ الْإِنْفَاقِ وَ شِرَاءُ مَالَا بُدَّلَهُ مِنْهُ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ لِأَنَّهُ مِنَ الْإِنْفَاقِ لَهُ

ترجمہ......اور ملتقط (پانے والے) کو یہ حق حاصل ہے کہ نفقہ کے طور پر مال خرچ کرے۔ (یعنی اس لقیط کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہو (مثلاً کھانا، کپڑا کہ یہ چیزیں اس لقیط کے لئے انفاق اور ضروری اخراجات ہیں۔

بچہ کا اس مال سے نکاح جائز نہیں

وَ لَا يَجُوزُ تَزْوِيجُ الْمُلْتَقَطِ لِإِنْعِدَامِ سَبَبِ الْوَلَايَةِ مِنَ الْقَرَابَةِ وَالْمِلْكِ وَالسَّلْطَنَةِ

ترجمہ......لیکن اس بچہ کا اس مال سے نکاح کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ نکاح کرانے کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ اور ولی بننے کے لئے سبب ہوتا ہے قریبی رشتہ داری کا ہونا اور مالک ہونا۔ اور حکومت کا ہونا اور اس کے حق میں ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہے۔ (اس لئے اگر اس پانے والے نے خود ولی نہ ہونے کے باوجود اس بچہ کا نکاح کر دیا تو جائز نہ ہوگا)۔

ملتقط لقیط کے مال کو کاروبار میں لگا سکتا ہے یا نہیں

قَالَ وَلَاتَصَرُّفُهُ فِيْ مَالِ الْمَلْتَقَطِ اِعْتِبَارًا بِالْأُمِّ وَهٰذَا لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِتَثْمِيرِ الْمَالِ وَذَالِكَ يَتَحَقَّقُ بِالرَّأْيِ الْكَامِلِ وَالشَّفْقَةِ الْوَافِرَةِ وَالْمَوْجُوْدُ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَحَدُهُمَا

ترجمہ......کہا اور لقیط (بچہ) کو پانے والا (ملتقط) اس بچہ کے مال میں (ضروریات زندگی کے سوا) خرچ نہیں کر سکتا ہے۔ اس کی ماں پر قیاس کرتے ہوئے۔ یہ اس وجہ سے کہ تصرف کرنے کا حق کسی کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ موجود مال کو وہ کسی طرح بڑھائے اور مال کو بڑھانا دو باتوں سے ہوتا ہے۔ (۱) رائے اور مشورے میں وہ کامل درجہ کا ہو (۲) اس کی شفقت بھی بھرپور پائی جارہی ہو حالانکہ اس ملتقط میں ان دو باتوں میں سے صرف ایک بات پائی جاتی ہے (جیسا کہ ماں کے اندر بھی ایک ہی بات پائی جاتی ہے۔ (یعنی چھوٹے بچہ کی ماں میں بچہ پر شفقت تو ہوتی ہے مگر رائے میں وہ ناقص ہوتی ہے۔ اسی طرح لقیط کے ماں میں اس کے پانے والے کے اندر اگرچہ رائے کامل ہوتی ہے لیکن اس کی شفقت بچہ پر مکمل نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اس لقیط کے مال میں خرید و فروخت کرنے کے بارے میں تجارتی اور بڑے پیمانہ پر تصرف نہیں کر سکتا ہے۔

ملتقط لقیط کیلئے ہبہ پر قبضہ کر سکتا ہے

قَالَ وَيَجُوْزُأَنْ يَّقْبِضَ لَهُ الْهِبَةَ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ وَلِهٰذَا يَمْلِكُهُ الصَّغِيْرُ بِنَفْسِهِ إِذَا كَانَ عَاقِلًا وَتَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَوَصِيُّهَا

ترجمہ......اس ملتقط کے لئے یہ بات جائز ہوتی ہے کہ لقیط کے نام پر آئے ہوئے ہبہ کے مال پر قبضہ کر لے اور وصول کر لے۔ کیونکہ ایسا کرنے

میں بچہ کا سراسر نفع ہے۔ اسی لئے خود بچہ بھی بشرطیکہ عقل وہوش کا مالک ہو ایسے مال پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح بچہ کی ماں اور (وصی) ماں نے جسے وصیت کر دی ہو سب کو یہ اختیار ہوتا ہے۔

ملتقط کیلئے لقیط کو پیشہ اور ہنر سکھانے کا حکم

قَالَ وَيُسَلِّمُهُ فِي صَنَاعَةٍ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ تَثْقِيفِهِ وَحِفْظِ حَالِهِ

ترجمہ......اور ملتقط کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ اس لقیط کو کوئی پیشہ اور ہنر سیکھنے میں لگا دے۔ کیونکہ یہ بات تو اس بچہ کی بہتری اور مستقبل میں حفاظت کی قسموں میں سے ہے (۔ جو اس کے لئے سراسر مفید ہے)

ملتقط کیلئے لقیط کو کرایہ اور مزدوری پر لگانے کا حکم

قَالَ وَيُوَاجِرُهُ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ وَهٰذَا رِوَايَةُ الْقُدُوْرِيْ فِي مُخْتَصَرِهٖ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ لَايَجُوْزُأَنْ يُوَاجِرَهُ ذَكَرَهُ فِي الْكَرَاهِيَّةِ وَهُوَالْأَصَحُّ وَجْهُ الْاَوَّلِ أَنَّهُ يَرْجِعُ اِلٰى تَثْقِيْفِهٖ وَوَجْهُ الثَّانِيْ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ اِتْلَافَ مَنَافِعِهٖ فَاَشْبَهَ الْعَمَّ بِخِلَافِ الْأُمِّ لِأَنَّهَا تَمْلِكُهُ عَلٰى مَانَذْكُرُهُ فِي الْكَرَاهِيَّةِ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ......اور (قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ) اس ملتقط کو اس بات کا بھی اختیار ہوتا ہے کہ اس بچہ (لقیط) کو کرایہ اور مزدوری وملازمت پر لگا دے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مختصر میں اس کی روایت کی ہے اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ ملتقط کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ اس بچہ کو اجارہ اور اجرت پر لگا دے۔ یہ مسئلہ کتاب الکراھیۃ میں مذکور ہے اور یہی قول اصح ہے۔

اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ ملتقط کو اس بات کا اختیار نہیں ہوتا ہے کہ اس لقیط کے منافع کو تلف کر دے لہٰذا یہ ملتقط بچہ کے چچا کے مشابہ ہو گیا۔ یعنی جس طرح اس کے چچا کو یہ اختیار نہیں ہوتا ہے کہ اپنے چھوٹے بھتیجے کو مزدوری اور کرایہ پر لگا دے اسی طرح ملتقط کو اس لقیط کے بارے میں اختیار نہیں ہے۔ برخلاف اس کی ماں کے کہ اسے اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ اپنے چھوٹے بچہ کو اجارہ پر لگا دے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کو ہم کتاب الکراہیت میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

❁❁❁❁❁❁

كِتَابُ اللُّقَطَةِ

ترجمہ..... کتاب، لقطہ (بروزن لقمہ) کے بیان میں

لقطہ کی حیثیت

قَالَ اَللُّقَطَةُ اَمَانَةٌ اِذَااَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ اَنَّهٗ يَاْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدُّهَا عَلٰى صَاحِبِهَا لِاَنَّ الْاَخْذَ عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ مَاْذُوْنٌ فِيْهِ شَرْعًا بَلْ هُوَالْاَ فْضَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَهُوَالْوَاجِبُ اِذَاخَافَ الضَيَاعَ عَلٰى مَاقَالُوْا وَاِذَاكَانَ كَذَالِكَ لَاتَكُوْنُ مَضْمُوْنَةً عَلَيْهِ وَكَذَالِكَ اِذَا تَصَادَقَااَنَّهٗ اَخَذَهَا لِلْمَالِكِ لِاَنَّ تَصَادُقَهُمَا حُجَّةٌ حَقِّهِمَا فَصَارَ كَالْبَيِّنَةِ وَلَوْاَقَرَّاَنَّهٗ اَخَذَهٗ لِنَفْسِهٖ يَضْمَنُ بِالْاِ جْمَاعِ لِاَنَّهٗ اَخَذَ مَالَ غَيْرِهٖ بِغَيْرِاِذْنِهٖ وَبِغَيْرِ اِذْنِ الشَّرْعِ وَاِنْ لَمْ يُشْهِدِ الشُّهُوْدَ عَلَيْهِ وَقَالَ الْاٰخِذُ اَخَذْتُهٗ لِلْمَالِكِ وَكَذَّبَهُ الْمَالِكُ يَضْمَنُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ لَايَضْمَنُ وَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ لِاَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌلَهٗ لِاِخْتِيَارِهِ الْحِسْبَةَ دُوْنَ الْمَعْصِيَةِ وَلَهُمَا اَنَّهٗ اَقَرَّبِسَبَبِ الضَّمَانِ وَهُوَ اَخْذُمَالِ الْغَيْرِوَادَّعٰى مَايُبْرِئُهٗ وَهُوَالْاَخْذُلِمَالِكِهٖ وَفِيْهِ وَقَعَ الشَّكُّ فَلَايَبْرَأُ وَمَاذَكَرَ مِنَ الظَّاهِرِ يُعَارِضُهٗ مِثْلُهٗ لِاَنَّ الظَّاهِرَاَنْ يَّكُوْنَ الْمُتَصَرِّفُ عَامِلًالِنَفْسِهٖ وَيَكْفِيْهِ فِي الْاِشْهَادِ اَنْ يَّقُوْلَ مَنْ سَمِعْتُمُوْهُ يَنْشُدُ لُقْطَةً فَدُلُّوْهُ عَلَيَّ وَاحِدَةً كَانَتِ اللُّقْطَةُ اَوْاَكْثَرَلِاَنَّهٗ اِسْمُ جِنْسٍ

ترجمہ..... (لقطہ راستہ وغیرہ کا ایسا پڑا ہوا مال جو اٹھالیا جائے۔) کہا قدوری نے کہ لقطہ اس شخص کے پاس امانت ہے جو اسے اٹھائے بشرطیکہ اس اٹھانے والے (ملتقط) نے اٹھاتے وقت اس پر کوئی گواہ بھی مقرر کرلیا ہو۔ اس بات پر کہ میں اسے اس لئے اٹھاتا ہوں کہ اس کی حفاظت کروں گا اور مالک سے ملاقات ہوجانے کی صورت میں اسے واپس کردوں گا۔ کیونکہ اس غرض سے ایسے مال کو اپنی حفاظت میں لے لینے کی شرعاً اجازت ہے (۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص لقطہ پائے وہ دو عادل گواہ مقرر کرلے۔ رواہ اسحق)۔ بلکہ عموماً علماء کے نزدیک ایسے مال کو اسی طرح پڑا رکھنے سے اسے اٹھالینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ بلکہ ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ جب اس مال کے ضائع ہوجانے کا خوف ہو تو اسے اٹھالینا یا لے لینا ہی واجب ہے (۔ جیسے ایسی بکری کی جس کے متعلق یہ خطرہ ہو کہ اسے کوئی کتا یا بھیڑیا وغیرہ پکڑ کر کھا جائے گا)۔ ایسی صورت میں وہ مال اٹھانے والے کے ذمہ ضمانت کے طور پر نہیں بلکہ امانت کے طور پر ہوگا (۔ اس لئے اگر وہ مال ضائع ہوجائے تو اٹھانے والا شخص اس کا ضامن نہیں ہوگا۔) اسی طرح اگر خود مالک نے اس ملتقط کے بارے میں تصدیق کرتے ہوئے یہ کہا ہو (تجربہ کی بناء پر) کہ اس نے مالک کو پہنچانے کے لئے ہی اسے لیا تھا۔ تو وہ بھی امانت ہی ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں (اصل مالک اور اس کے اٹھالینے والے) کا آپس میں متفق ہوجانا دونوں کے حق میں دلیل ہے۔ تو گویا ایسی صورت میں گواہی کے مانند ہوگیا۔ اور اگر اس اٹھالینے والے نے اس طرح کا اقرار کیا کہ میں نے تو اسے اپنے لئے لیا تھا۔ تو (اس کے ضائع ہوجانے کی صورت میں) بالاجماع وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے غیر کا مال اس کی اجازت کے بغیر اور شرعی اجازت کے بغیر ہی لیا تھا اور اگر لینے والے نے اس کے لیتے وقت اس پر گواہ مقرر نہیں کیا تھا پھر بھی اس نے کہا کہ میں نے تو اسے اس کے مالک کو دینے کے لئے ہی اٹھایا تھا لیکن مالک نے اس ملتقط کو جھٹلایا تو امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک ملتقط ضامن ہوگا۔ مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا اور

اٹھانے والے کی ہی بات قبول کی جائے گی کیونکہ ظاہر حال اسی کے لئے گواہ ہے کیونکہ اس نے تو ایک نیک کام کیا تھا۔ برا کام نہیں کیا تھا (۔امام مالک وشافعی اور احمد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔)

امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اس ملتقط نے خود ضمان لازم آنے کے سبب یعنی غیر کا مال لینے کا اقرار کیا ساتھ ہی ایسی بات کا بھی دعوٰی کیا جس سے وہ اس ضمان سے بری ہو جائے۔ یعنی یہ کہ میں نے یہ مال اس کے مالک کو دینے کے لئے لیا تھا۔ اور ان دونوں باتوں کی وجہ سے اصل بات میں شک پیدا ہو گیا اس لئے اس کے اقرار کر لینے سے جو ضمان اس پر یقینی لازم ہو چکی تھی وہ اس شک کی وجہ سے ختم نہ ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جو ظاہر حال کا ذکر کیا تو ویسی ہی ظاہر حالت اس کے مخالف بھی موجود ہے (یعنی بظاہر ہر شخص جو کام بھی کرتا ہے وہ اپنی ہی ذات کے لئے کرتا ہے)۔ واضح ہو کہ گواہ بنانے کے لئے اس ملتقط کا دوسرے سے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر تم لوگ کسی سے یا کہیں سے یہ سنو کہ وہ اپنی کسی گمشدہ چیز کے لئے اعلان کر رہا ہو تو تم اسے میرا نام اور پتہ بتا دو (یعنی اس چیز کی تعیین ضروری نہیں ہے۔) اور یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ یہ حکم عام ہے کہ خواہ لقطہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ ہو کیونکہ لقطہ اسم جنس ہے۔ (لیکن ملتقط کو چاہئے کہ اس چیز کی شناخت کرادے)۔

لقطہ کا اعلان کتنے دن تک کیا جائے گا

قَالَ فَاِنْ كَانَتْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا اَيَّامًا وَاِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ وَهٰذِهٖ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَوْلُهٗ اَيَّامًا مَعْنَاهُ عَلٰى حَسْبِ مَايَرَى الْاِمَامُ وَقَدَّرَهٗ مُحَمَّدٌ فِي الْاَصْلِ بِالْحَوْلِ عَنْ غَيْرِ تَفْصِيْلٍ بَيْنَ الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَام مَنِ الْتَقَطَ شَيْئًا فَلْيُعَرِّفْهُ سَنَةً مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَجْهُ الْاَوَّلِ اَنَّ التَّقْدِيْرَ بِالْحَوْلِ وَرَدَ فِيْ لُقْطَةٍ كَانَتْ مِائَةَ دِيْنَارٍ تُسَاوِيْ اَلْفَ دِرْهَمٍ وَالْعَشَرَةُ وَمَا فَوْقَهَا فِيْ مَعْنَى الْاَلْفِ فِيْ تَعَلُّقِ الْقَطْعِ بِهٖ فِي السَّرِقَةِ وَتَعَلُّقِ اِسْتِحْلَالِ الْفَرْجِ بِهٖ وَلَيْسَتْ فِيْ مَعْنَاهَا فِيْ حَقِّ تَعَلُّقِ الزَّكٰوةِ فَاَوْجَبْنَا التَّعْرِيْفَ بِالْحَوْلِ اِحْتِيَاطًا وَمَادُوْنَ الْعَشَرَةِ لَيْسَ فِيْ مَعْنَى الْاَلْفِ بِوَجْهٍ مَّافَفَوَّضْنَا اِلٰى رَأْيِ الْمُبْتَلٰى بِهٖ وَقِيْلَ الصَّحِيْحُ اَنَّ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْمَقَادِيْرِ لَيْسَ بِلَازِمٍ وَيُفَوَّضُ اِلٰى رَأْيِ الْمُلْتَقِطِ يُعَرِّفُهَا اِلٰى اَنْ يَّغْلِبَ عَلٰى ظَنِّهٖ اَنَّ صَاحِبَهَا لَايَطْلُبُهَا بَعْدَ ذَالِكَ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهٖ

ترجمہ......قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر وہ لقطہ دس درہم سے کم کا ہو تو چند دنوں تک اس کی شناخت اور تشہیر کراتا رہے اور اگر وہ دس درہم یا اس سے زیادہ کا ہو تو ایک سال تک اس کی شناخت کرادے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ایک روایت ہے (اور ظاہر الروایۃ میں دس درہم سے کم کا ہو یا زیادہ کا ہر حال میں ایک سال تک شناخت اور اعلان کراتا رہے۔) اس جگہ یہ بات جو کہی ہے کہ چند دن اس کی شناخت کرادے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی رائے پر عمل کیا جائے کہ جتنا وہ کہے اتنے دن شناخت کراتا رہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں ایک سال کی تعیین کی ہے۔ اور اس میں کم قیمت یا زیادہ قیمت کے بارے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔ امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص لقطہ اٹھائے وہ ایک سال تک اس کا اعلان کرے۔ رواہ اسحٰق۔ اس میں بھی تھوڑے اور زیادہ کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ ایک سال کی تعیین ایسے لقطہ کے بارے میں ہے جو سو دینار (قیمتی) ہزار درہم کے مساوی ہو اور ہم نے دس درہم اور اس سے زیادہ کو بھی ہزار کے معنی میں اس بناء پر لیا ہے کہ دس درہم کی قیمت کے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور دس درہم مہر مقرر ہونے سے عورت حلال ہو جاتی ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے مسئلہ میں دس درہم ہزار درہم کے معنی میں نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے دس درہم میں بھی ہم نے احتیاطاً ایک سال اعلان کی شرط لازم کی۔ اور جو مقدار دس درہم سے کم ہو وہ کسی طرح سے بھی ہزار کے معنی میں نہیں ہے اسی

لئے ہم نے اس کے اعلان کے بارے میں اس ملتقط (مال اٹھانے والے) کے اپنے ذاتی فیصلہ پر چھوڑ دیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ ان مدتوں میں کوئی مدت بھی لازمی نہیں ہے۔ بلکہ اس ملتقط کی اپنی رائے پر موقوف ہے۔ وہ برابر اعلان کراتا رہے یہاں تک کہ اس کے غالب گمان میں یہ بات آجائے کہ اب اس کا مالک اسے تلاش نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اسے صدقہ کر دے۔

لقطہ ایسی شئی ہو جو زیادہ دیر نہ رہ سکتی ہو اس کیلئے کتنی تعریف ضروری ہے

وَاِنْ كَانَتِ اللُّقْطَةُ شَيْئًا لَايَبْقٰى عَرَّفَهُ حَتّٰى اِذَا خَافَ اَنْ يَّفْسُدَ تَصَدَّقَ بِهٖ وَيَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَرِّفَهَا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ اَصَابَهَا وَفِي الْجَامِعِ فَاِنَّ ذَالِكَ اَقْرَبُ اِلَى الْوُصُوْلِ اِلٰى صَاحِبِهَا

ترجمہ..... اور اگر لقطہ ایسی چیز ہو جو رکھی نہیں جا سکتی ہو تو وہ جتنی دیر بھی اچھی حالت میں رہ سکے اس کی شناخت کرادی جائے۔ پھر جب اس کے خراب ہو جانے کا خوف ہونے لگے اسے صدقہ کر دے۔ مناسب یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا اعلان اس جگہ سے کیا جائے جہاں پر وہ چیز پائی گئی ہو اور ایسی جگہوں میں بھی جہاں لوگوں کا مجمع ہوتا ہو (جیسے بازار میں اور مسجدوں کے دروازے وغیرہ) کیونکہ (ان جگہوں میں اعلان کرنے سے آسانی سے زیادہ شہرت ہو جاتی ہے) اس طرح اصل مالک کو خبر ہو جانے کی امید غالب ہو جاتی ہے۔

اگر لقطہ معمولی شئی ہو جس کو مالک تلاش نہیں کرے گا، ملتقط بغیر اعلان کے نفع اٹھا سکتا ہے

وَاِنْ كَانَتْ شَيْئًا يَعْلَمُ اَنَّ صَاحِبَهَا لَايَطْلُبُهَا كَالنَّوَاةِ وَقُشُوْرِ الرُّمَّانِ يَكُوْنُ اِلْقَاؤُهٗ اِبَاحَةً حَتّٰى جَازَ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ مِنْ غَيْرِ تَعْرِيْفٍ وَلٰكِنَّهٗ مُبْقٰى عَلٰى مِلْكِ مَالِكِهٖ لِاَنَّ التَّمْلِيْكَ مِنَ الْمَجْهُوْلِ لَايَصِحُّ

ترجمہ..... اور اگر لقطہ کچھ ایسی چیز ہو جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کا مالک اسے تلاش نہیں کرے گا۔ جیسے چھوارے کی گٹھلیاں اور انار کے چھلکے تو ان کے پھینک دینے کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ جو اسے اٹھا لے اس کا ہے۔ یہاں تک کہ اسے اٹھا کر کسی اعلان کئے بغیر اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ پھر بھی وہ چیز اپنے مالک ہی کی ملکیت میں سمجھی جائے گی۔ کیونکہ غیر معلوم شخص کو مالک بنا دینا صحیح نہیں ہوتا ہے۔

اعلان کے بعد مالک لقطہ نہ آئے تو لقطہ کو صدقہ کر دیا جائے

قَالَ فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا اِيْصَالًا لِلْحَقِّ اِلَى الْمُسْتَحِقِّ وَهُوَ وَاجِبٌ بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ وَذَالِكَ بِاِيْصَالِ عَيْنِهَا عِنْدَ الظَّفْرِ بِصَاحِبِهَا وَاِيْصَالِ الْعِوَضِ وَهُوَ الثَّوَابُ عَلٰى اعْتِبَارِ اِجَازَتِهِ التَّصَدُّقَ بِهَا وَاِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا رَجَاءَ الظَّفْرِ بِصَاحِبِهَا

ترجمہ..... کہا قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ اگر اعلان کے بعد لقطہ کا مالک آجائے تو وہ چیز اسی کو دے دی جائے۔ اور اگر بھرپور اعلان کے باوجود مالک نہ آئے تو اس چیز کو صدقہ کر دے تاکہ مستحق کو اس کا حق پہنچ جائے۔ یعنی جہاں تک ممکن ہو سکے حقدار کو اس کا حق پہنچانا واجب ہے اس طرح سے کہ اگر ممکن ہو تو بعینہ اصل لقطہ واپس کر دے اگر اس کا مالک مل جائے یا اگر اصل مالک نہ ملے تو اس شئی کا عوض یعنی ثواب پہنچا دے۔ بشرطیکہ یہ امید ہو کہ مالک کی طرف سے اس کی اجازت ہو جائے گی۔ اور اگر چاہے تو اسے اپنے پاس ہی اس امید کے ساتھ رہنے دے کہ شاید اس کا مالک آجائے (تب اسے واپس کر دوں گا)۔

لقطہ صدقہ کرنے کے بعد مالک آجائے تو کس کو ضامن ٹھہرائے گا

قَالَ فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا يَعْنِىْ بَعْدَ مَاتَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الصَّدَقَةَ وَلَهُ ثَوَابُهَا لِاَنَّ التَّصَدُّقَ وَاِنْ حَصَلَ بِاِذْنِ الشَّرْعِ لَمْ يَحْصُلْ بِاِذْنِهِ فَيَتَوَقَّفُ عَلٰى اِجَازَتِهِ وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْفَقِيْرِ قَبْلَ الْاِجَازَةِ فَلَايَتَوَقَّفُ عَلٰى قِيَامِ الْمَحَلِّ بِخِلَافِ بَيْعِ الْفُضُوْلِى لِثُبُوْتِهِ بَعْدَ الْاِجَازَةِ فِيْهِ

ترجمہ...... پھر اس چیز کو صدقہ کردینے کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اس کے مالک کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو اس کے صدقہ کرنے کو جائز رکھے اور اسے مان لے۔ اس طرح اس مالک کو اس کا ثواب مل جائے گا۔ کیونکہ شریعت کی طرف سے اس صدقہ کی اجازت پائی گئی مگر اصل مالک کی اجازت نہیں پائی گئی تھی۔ اور اس کی اجازت ہونے سے پہلے ہی فقیر کا قبضہ اس پر ثابت ہوگیا۔ تو اس کی اجازت محل صدقہ قائم ہونے پر موقوف نہیں رہے گی۔ بخلاف بیع فضولی کے کیونکہ اس میں اجازت کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

ملتقط کو ضامن ٹھہرانے کا بھی اختیار ہے

وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ لِاَنَّهُ سَلَّمَ مَالَهُ اِلٰى غَيْرِهِ بِغَيْرِ اِذْنِهِ اِلَّا اَنَّهُ بِاِبَاحَةٍ مِّنْ جِهَةِ الشَّرْعِ وَهٰذَالَايُنَافِى الضَّمَانَ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا فِى تَنَاوُلِ مَالِ الْغَيْرِ حَالَةَ الْمَخْمَصَةِ

ترجمہ...... اور اگر مالک چاہے تو اس ملتقط سے اپنے مال کا تاوان وصول کرلے کیونکہ اس ملتقط نے اصل مالک کی اجازت حاصل کئے بغیر ہی اس کا مال فقیر کو دے دیا ہے۔ مگر شریعت کی طرف سے اس نے اجازت پا کر ایسا کیا ہے۔ پھر شریعت کی طرف سے اجازت کا ہونا بندہ کے حق میں اس کا تاوان لازم ہونے کے مخالف نہیں ہوگا۔ جیسے انتہائی مجبوری اور مخمصہ کی حالت میں دوسرے کا مال کھالینا (کہ اگرچہ شرعاً مباح ہے مگر وہ اس شرط کے ساتھ کہ کھانے والا بعد میں اس کا تاوان اس کے مالک کو دے گا)۔

مسکین کو کب ضامن ٹھہرا سکتا ہے

وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمِسْكِيْنَ اِذَاهَلَكَ فِى يَدِهٖ لِاَنَّهُ قَبَضَ مَالَهُ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ وَاِنْ كَانَ قَائِمًا اَخَذَهُ لِاَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهٖ

ترجمہ...... اور اگر وہ مال فقیر کے پاس ضائع ہوگیا ہو تو اس کا تاوان اس سے وصول کرلے کیونکہ فقیر نے اسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر لیا ہے اور (لقطہ کے اصل مالک کو یہ بھی اختیار ہے کہ) چاہے تو فقیر سے اپنا مال واپس لے لے اگر وہ سامان اس کے پاس محفوظ ہو کیونکہ اس نے اپنا اصل مال پالیا ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر لقطہ بوجہ صدقہ کسی فقیر کے پاس پایا گیا تو لقطہ کے اصل مالک کو یہ استحقاق حاصل ہے۔ کہ وہ لقطہ ضائع ہونے کی صورت میں تاوان وصول کرے۔ کیونکہ فقیر نے لقطہ کے اصل مالک کی اجازت کے بغیر اس (لقطہ) پر قبضہ کیا ہے۔ اگر وہ (لقطہ) موجود ہے تو پھر بھی واپس لینے کا مجاز ہے۔ کیونکہ یہ (لقطہ) اصل مالک کا عین مال ہے۔

جاننا چاہئے کہ مذکورہ زیر بحث صورت میں دو امور بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ فقیر سے صدقہ کے تاوان کی بحث۔ ۲۔ عین مال کی بحث۔

وباللہ التوفیق دونوں امور کی مفصل بحث ملاحظہ ہو:

ا۔ فقیر سے صدقہ کے تاوان کی بحث...... لقطہ پانے والے شخص نے مدت پوری ہونے کے بعد اسے (لقطہ کو) صدقہ کر دیا اور وہ فقیر سے ضائع ہو گیا تو اس صورت میں مالک فقیر سے تاوان لینے کا مجاز ہے۔ کیونکہ فقیر نے لقطہ کے اصل مالک کی اجازت کے بغیر لقطہ پر قبضہ کیا ہے۔ گو کہ یہ قبضہ بطور صدقہ ملتقط کے ذریعے ہوا ہے۔ چونکہ لقطہ (گری پڑی چیز) پر خود ملتقط (لقطہ پانے والا) کا حق ملکیت کا تحقق نہیں ہوتا اس لئے بعد از صدقہ اس (لقطہ) پر فقیر کا حق ملکیت بھی ثابت نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ لقطہ (گری پڑی چیز) پانے کے بعد ملتقط کو ایک سال یا جب تک قاضی و بادشاہ یا خود ملتقط کے مناسب سمجھنے تک لقطہ کی تعریف وتشہیر کی صورت میں اصل مالک کو تلاش کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔ جب ملتقط کا غالب گمان یہ ہوا کہ اب لقطہ کا اصل مالک نہیں ملے گا۔ تب لقطہ (گری پڑی چیز) کو صدقہ کرنے کی شرعی اجازت ہے۔ لیکن پھر بھی مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ صدقہ ہونے کے باوجود فقیر سے لقطہ ضائع ہونے کی صورت میں اپنا مال بطور تاوان اخذ کر لے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۔ عین مال کی بحث...... جاننا چاہئے کہ ''عین مال'' کا اطلاق ایسے مال پر ہوتا ہے جو فی الحقیقت ''اصل'' ہو اور گم ہونے یا تلف ہونے کی صورت میں اپنی اصل کا متبادل نہ ہو۔ کیونکہ اصل مال پر عوض کا اطلاق نہیں ہوتا۔ قطع نظر اس سے وہ (متبادل مال) بعینہٖ مال کے مانند ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً سونے یا چاندی کی کوئی چیز (انگوٹھی وغیرہ) اگر بعد از صدقہ فقیر کے ہاں سے کسی بھی صورت میں تلف ہوگئی اور مالک کو بطور تاوان واپس کرتے وقت سونے یا چاندی کی اسی طرح (تلف شدہ) چیز کے موافق ہے تو وہ ''عین مال'' متصور نہ ہوگا۔ اگرچہ متبادل مال سے تاوان ادا ہو جائے گا۔ اگر بعد از صدقہ فقیر کے پاس اصل مال موجود ہے تو وہ تاوان کی صورت میں واپس کرتے وقت ''عین مال'' ہوگا اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ''مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهٖ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ (جس شخص نے اپنا عین مال پایا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے) اس حدیث میں مطلقاً عین مال کے زیادہ استحقاق کا تحقق اصل مالک کے حق ملکیت پر متحقق کیا گیا ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ اصل مالک اپنا عین مال ثابت کرنے کے لئے گواہ یا مکمل علامت بیان کرے۔ کیونکہ گواہ کا تحقق پختہ دلیل پر مبنی ہے اور علامت بیان کرنا گواہ کے قائم مقام ہے۔ چنانچہ ان (گواہ یا مکمل علامت) کی موجودگی سے ''عین مال'' پالینے کو متحقق کرتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بکری، گائے، اونٹ کے لقطہ کا حکم

قَالَ وَيَجُوزُ الْاِلْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ اِذَا وَجَدَ الْبَعِيرَ وَالْبَقَرَ فِي الصَّحْرَاءِ فَالتَّرْكُ اَفْضَلُ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الْفَرَسُ لَهُمَا اَنَّ الْاَصْلَ فِي اَخْذِ مَالِ الْغَيْرِ الْحُرْمَةُ وَالْاِبَاحَةُ مَخَافَةَ الضِّيَاعِ وَاِذَا كَانَ مَعَهَا مَا يَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا يُقِلُّ الضِّيَاعُ وَلٰكِنَّهُ يُتَوَهَّمُ فَيُقْضٰى بِالْكَرَاهَةِ وَالنَّدْبِ اِلَى التَّرْكِ وَلَنَا اَنَّهَا لُقَطَةٌ يُتَوَهَّمُ ضِيَاعُهَا فَيُسْتَحَبُّ اَخْذُهَا وَتَعْرِيفُهَا صِيَانَةً لِاَمْوَالِ النَّاسِ كَمَا فِي الشَّاةِ

ترجمہ...... اور لقطہ کے طور پر بکری وگائے اور اونٹ کو بھی پکڑ کر رکھ لینا جائز ہے۔ مگر امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر اونٹ وگائے کو جنگل میں کوئی پائے تو اسے چھوڑ دینا افضل ہے۔ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔) اور یہ اختلاف گھوڑی کے بارے میں بھی ہے۔ امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ غیر کا مال لینے میں اصل حکم اس کا حرام ہونا ہے۔ البتہ اس کے مال کے ضائع ہونے کو پالینے کے خیال سے لے لینا بھی جائز ہے۔ اس لئے جب لقطہ ایسا مال یا جانور ہے جو خود کو غیر سے محفوظ کر سکتا ہو (جیسے گائے اور اونٹ میں ہے) تو اس کے ضائع ہونے کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا امکان اور اس کا وہم بھی باقی رہتا ہے۔ تو یہ حکم دیا جائے گا کہ اس کا پکڑنا فی الحال مکروہ ہے۔ اور نہ پکڑنا اچھا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اونٹ اور گائے بھی ایک لقطہ ہی ہے جس کے ضائع ہونے کا خوف پورا رہتا ہے۔ اس لئے اسے پکڑ کر اعلان

کرادینا مستحب ہوگا۔ تاکہ لوگوں کے جانور محفوظ رہ سکیں۔ جیسا کہ بکری کے بارے میں حکم ہے۔

تشریح..... قَالَ وَيَجُوْزُ الخ جانوروں کے لقطہ ہونے کی صورت میں گائے اور اونٹ جیسے بڑے جانور چونکہ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔ اس لئے اسے پکڑ کر حفاظت کرنے کی خاص ضرورت نہیں رہتی ہے۔ البتہ اگر بکری ہو تو اس کے ضائع ہونے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے بطور لقطہ اسے پکڑ کر اس کی حفاظت قاضی کی اجازت کے ساتھ کرنی چاہئے۔ حضرت زید بن خالدؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے لقطہ کے بارے میں دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ ایک سال تک اس کا اعلان کیا جائے۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ بھٹکی ہوئی بکری کا کیا حکم ہے۔ تو فرمایا کہ تم اسے پکڑ لو کہ وہ تمہارے کسی بھائی کی ہے یعنی اصل مالک کی ہے یا تمہاری ہے یا بھیڑیئے کی ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ پھر بھٹکے ہوئے اونٹ کا کیا حکم ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ غصہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے اور فرمایا کہ تم کو اس سے کیا تعلق ہے کہ اس کے ساتھ ہی اس کے کھانے اور پینے کا انتظام موجود ہے یہاں تک کہ اس کا مالک خود اسے پالے۔ (رواہ البخاری)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم آپ ﷺ نے ایسی صورت میں فرمایا ہے کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خوف نہ تھا۔ اس لئے اگر کسی وقت اس کے بارے میں خوف ہو تو اسے پکڑ لینا ہی اولیٰ ہوگا۔

ملتقط نے بغیر اجازت حاکم کے لقطہ پر خرچ کیا متبرع شمار ہوگا

فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ لِقُصُوْرِ وِلَايَتِهٖ عَنْ ذِمَّةِ الْمَالِكِ وَاِنْ اَنْفَقَ بِاَمْرِهٖ كَانَ ذَالِكَ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا لِاَنَّ لِلْقَاضِىْ وِلَايَةً فِىْ مَالِ الْغَائِبِ نَظَرًا لَهٗ وَقَدْ يَكُوْنُ النَّظَرُ فِى الْاِنْفَاقِ عَلٰى مَانُبَيِّنُ

ترجمہ..... فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ پھر اگر جانور کو پکڑ لینے والے (ملتقط) نے اس جانور کو قاضی کی اجازت اور حکم کے بغیر از خود دانہ اور چارہ دیا تو اسے احسان کرنے والا کہا جائے گا۔ اور مالک پر اس کی ذمہ داری نہیں آئے گی کیونکہ اس ملتقط کی ذمہ داری محدود ہے دوسرے پر یہ شخص کچھ بھی لازم نہیں کر سکتا ہے۔ البتہ اگر قاضی کے حکم سے جانور کو کھانا پینا دیا تو یہ خرچ جانور کے مالک پر قرض ہوتا جائے گا۔ کیونکہ قاضی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ غائب شخص کے مال میں اس کی بہتری کے لئے انتظام کرتے کبھی غائب شخص پر بھلائی کرتے ہوئے اس کے جانور کو نفقہ یعنی چارہ دانہ دینا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس مسئلہ کو ہم آئندہ پھر بیان کریں گے۔

قاضی کے پاس لقطہ کو لے جایا گیا قاضی کیا فیصلہ کرے گا

وَاِذَا رُفِعَ ذَالِكَ اِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيْهِ فَاِنْ كَانَ لِلْبَهِيْمَةِ مَنْفَعَةٌ اَجَرَهَا وَاَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ اُجْرَتِهَا لِاَنَّ فِيْهِ اِبْقَاءُ الْعَيْنِ عَلٰى مِلْكِهٖ مِنْ غَيْرِ اِلْزَامِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَكَذَالِكَ يَفْعَلُ بِالْعَبْدِ الْاٰبِقِ

ترجمہ..... وَاِذَا رُفِعَ الخ اور جب لقطہ کے جانور کا معاملہ قاضی کے پاس پیش کیا جائے تو وہ اسے دیکھے۔ کہ اگر اس جانور سے کچھ آمدنی ہو سکتی ہو تو اسے وہ آمدنی حاصل کرنے پر لگا دے تاکہ اس آمدنی سے اس کا چارہ وغیرہ کا خرچ نکل سکے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے مالک کا مال مکمل طور پر اسی کی ملکیت میں رہے گا اور مالک پر کوئی قرض بھی لازم نہیں آئے گا۔ اسی طرح کسی کا غلام بھاگ گیا (اور دوسرے شہر میں کسی نے اسے پکڑ لیا) تو اگر قاضی کی اجازت کے بغیر اس غلام کی دیکھ بھال اور کھانے پینے کے سلسلہ میں کچھ خرچ کیا تو اس کے مالک پر نیکی اور احسان کا کام تو ہوگا مگر اس کے مالک پر اس کا کچھ قرض اور باقی لازم نہیں آئے گا کہ اس سے کچھ وصول کر سکے۔ البتہ اگر قاضی نے اسے دیکھ بھال کر اس کے لئے اسی قسم کا انتظام کر دیا یعنی اگر غلام سے کوئی آمدنی حاصل ہو سکتی ہو تو وہ آمدنی کی جائے اور اسی کی آمدنی سے اس پر خرچ کیا جائے تاکہ مالک کا غلام کسی قرض کے

بغیر محفوظ رہ جائے جیسا کہ ابھی جانور کے بارے میں بیان ہوا)۔

اگر لقطہ ایسی شی ہو کہ جس میں منافع نہ ہوں اور خرچ اس کی قیمت کو ختم کر سکتا ہے، حکم

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ اَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا اِبْقَاءً لَهُ مَعْنًى عِنْدَ تَعَذُّرِ اِبْقَائِهِ صُوْرَةً

ترجمہ......اور اگر اس جانور سے فی الحال کوئی آمدنی نہ ہو سکتی ہو مثلاً بغیر دودھ کی بکری ہو اور قاضی کو خوف ہو کہ اس کے چارہ وغیرہ میں کچھ خرچ کرتے ہوئے اس بکری کی پوری قیمت ہی ختم ہو جائے گی تو وہ اسے بیچ دینے کا حکم دے گا اور اس قیمت کو کہیں محفوظ کر دے گا۔ تاکہ مالک کا مال اگر صورۃً محفوظ نہ رہ سکے تو کم از کم معنًی یعنی اس کی قیمت محفوظ رہ جائے۔ (اور یہ بات اسے فروخت کئے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ اس صورت میں کہ اگر اس کے فروخت کرنے ہی میں بہتری کی امید ہو)۔

اگر لقطہ پر خرچ کرنے میں مصلحت ہو تو خرچ کی اجازت دیدے اور نفقہ کو مالک پر دین کر دے

وَ إِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ الْاِنْفَاقَ عَلَيْهَا اَذِنَ فِيْ ذَالِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلٰى مَالِكِهَا لِاَنَّهُ نُصِبَ نَاظِرًا وَفِيْ هٰذَا نَظَرٌ مِنَ الْجَانِبَيْنِ قَالُوْا اِنَّمَا يَامُرُ بِالْاِنْفَاقِ يَوْمَيْنِ اَوْثَلٰثَةَ اَيَّامٍ عَلٰى قَدْرِ مَايَرٰى رَجَاءَ اَنْ يَّظْهَرَ مَالِكُهَا فَاِذَالَمْ يَظْهَرْ يَأْمُرُ بِبَيْعِهَا لِاَنَّ دَارَةَ النَّفَقَةِ مُسْتَأْصِلَةٌ فَلَانَظَرَ فِي الْاِنْفَاقِ مُدَّةً مَدِيْدَةً قَالَ وَفِي الْاَصْلِ شَرَطَ اِقَامَةَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ غَصْبًا فِيْ يَدِهِ وَلَا يَأْمُرُ فِيْهِ بِالْاِنْفَاقِ وَاِنَّمَا يَأْمُرُ بِهِ فِي الْوَدِيْعَةِ فَلَابُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ لِكَشْفِ الْحَالِ وَلَيْسَتِ الْبَيِّنَةُ تُقَامُ لِلْقَضَاءِ وَاِنْ قَالَ لَابَيِّنَةَ لِي يَقُوْلُ الْقَاضِيْ لَهُ اَنْفِقْ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فِيْمَا قُلْتَ حَتّٰى تَرْجِعَ عَلَى الْمَالِكِ اِنْ كَانَ صَادِقًا وَلَا يَرْجِعُ اِنْ كَانَ غَاصِبًا وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهُ اِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمَالِكِ بَعْدَ مَاحَضَرَ وَلَمْ يَتَّبِعِ اللُّقْطَةَ اِذَاشَرَطَ الْقَاضِيُ الرُّجُوْعَ عَلَى الْمَالِكِ وَهٰذِهٖ رِوَايَةٌ وَهُوَ الْاَصَحُّ

ترجمہ......اور اگر حاکم کے نزدیک یہی بات بہتر ہو کہ اس جانور کو نفقہ (دانہ یا چارہ) دیا جائے تو اس ملتقط کو اس بات کی اجازت دے دے اور اس کے خرچ کو اس کے مالک کے ذمہ قرض قرار دے دے (یعنی بطور قرض اس پر خرچ کرتا رہے) کیونکہ حاکم کو ہر ایک پر نظر رکھنے کا حکم ہے۔ اور مذکورہ انتظام ہی میں اصل مالک اور اس ملتقط پر بہتری کی نظر ہوگی۔ اس موقع میں مشائخ رحمہم اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ حاکم ملتقط کو صرف دو یا تین دن جو مناسب سمجھے دانہ اور چارہ دینے کا حکم دے۔ اس امید پر کہ شاید ان دو تین دنوں میں مالک آ جائے۔ اب اگر اس وقت تک مالک نہ آئے تو اس جانور کو فروخت کرنے کا اسے حکم دے دے کیونکہ اسی طرح اسے چارہ مستقلاً یا بہت زیادہ دنوں تک کھلاتے رہنے سے جانور کی اصل قیمت سے اس وقت کا خرچ بہت زیادہ ہو جائے گا۔ اس طرح وہ جانور فروخت ہو کر ہاتھ سے بالکل نکل جائے گا۔ اور ایسا کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہوگی مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں شرط لگائی ہے کہ نفقہ کا حکم اس وقت دے گا جبکہ اس بات پر گواہ پیش کر دے اور یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ یہاں یہ احتمال رہتا ہے کہ شاید اس شخص نے اس جانور پر غصب کے طور پر قبضہ کر رکھا ہو۔ حالانکہ ایسی صورت میں تو قاضی کبھی بھی اسے نفقہ دینے کا حکم نہیں دے گا۔ بلکہ صرف امانت کی صورت میں حکم دے سکتا ہے۔ اس لئے امانۃً رکھنے پر گواہی کا ہونا ضروری ہوگا

تا کہ حقیقت حال کچھ معلوم ہو۔ یہ گواہی اس لئے نہیں ہوگی کہ قاضی کا حکم ثابت ہو (۔جس میں مدعا علیہ کو فکر کی ضرورت ہوتی ہے) اور اگر ملتقط نے گواہ پیش کرنے سے انکار کر دیا تب قاضی اُسے یہ کہے گا کہ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو (جس کی حقیقت بعد میں ظاہر ہوگی) تو اس کو دانہ چارہ دیا کرو۔ اگر دفعتہً وہ سچا ثابت ہو جائے تو مالک سے یہ خرچ واپس لے گا۔ اور اگر اس کا غاصب ہونا ثابت ہو جائے تو خرچ واپس نہیں ملے گا۔ اور کتاب میں جو یہ فرمایا ہے کہ قاضی یہ نفقہ اس کے مالک پر قرض ہونے کا حکم دے گا۔ تو اس کہنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس جانور کے مالک کے آ جانے کے بعد اگر جانور فروخت نہیں کیا گیا۔ اور قاضی پہلے ہی جانور کے نفقہ کو مالک پر قرض ہونے کے بارے میں کہہ چکا ہو تو یہ ملتقط اپنا پورا خرچ جانور کے مالک سے اسی صورت میں واپس لے سکتا ہے کہ قاضی نے قرض کے طور پر مالک سے واپس لینے کی شرط کر دی ہو اور یہی روایت اصح ہے (۔اور اگر صرف خرچ کرنے کے لئے تو کہا مگر مالک پر اسے قرض ہونے کی شرط نہیں کی ہو تو اس سے واپس نہیں مانگ سکتا ہے)۔

تشریح...... ملتقط شخص جانور کو قاضی کے سامنے پیش کرے گا قاضی دو تین دن تک جانور پر خرچ کرنے کا حکم دے گا کہ مالک کے آنے کا احتمال ہے اور یہ کم مدت مالک کے حق میں بہتر ہے اور زیادہ مدت میں بہتری کا پہلو نہیں اور ملتقط کا قیام شہادت ضروری ہے تا کہ غصب کا احتمال دور ہو جائے اور ملتقط اس خرچ کو مالک سے لے لینے کا اختیار رکھتا ہے جبکہ قاضی نے نفقہ کیلئے قرض کی شرط لگائی ہے۔

۱۔ قاضی کے ہاں بہتر صورت...... جب کوئی لقطہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو اس وقت قاضی کو چاہئے کہ اپنی رائے کے پیش نظر ایسا فیصلہ کرے جو ملتقط اور لقطہ جانور کے اصل کے حق میں مناسب ترین ہو۔ کیونکہ قاضی بحیثیت نگہبان کے ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر قاضی کے نزدیک بہتر صورت یہ ہو کہ لقطہ جانور کو نفقہ دیا جائے تو پھر قاضی ملتقط کو لقطہ جانور کے لئے نفقہ کی اجازت دیتے ہوئے یہ شرط عائد کرے کہ یہ نفقہ اصل مالک پر قرض ہے۔ تاوقتیکہ اصل مالک ظاہر ہو۔ اگر اصل مالک مقررہ مدت تک ظاہر نہیں ہوتا اور لقطہ کے جانور کو نفقہ دینا بھی دشوار ہے تو اس صورت میں قاضی کو چاہیے کہ وہ لقطہ کے جانور کو فروخت کرنے کا فرمان جاری کرے۔ کیونکہ نفقہ نہ ملنے کے باعث لقطہ کے ضیاع کا اندیشہ ہے جب کہ جانور کو بھوکا رکھ کر موت کی وادی میں دھکیلنا بجائے خود گناہ ہے۔ اس لئے لقطہ کے جانور کو فروخت کرنا ہی بہتر صورت ہے۔

الغرض کہ نفقہ کا بندوبست ہونے کی صورت میں لقطہ کے جانور کے اصل مالک پر قرض کو برقرار رکھنے کی شرط پر ملتقط کو نفقہ کا حکم دینا بہتر ہے ورنہ فروخت کرنا بہتر ہوگا۔

۲۔ کم مدت میں بہتری کی بحث...... لقطہ کے جانور کو نفقہ دینے کے حوالے سے کم مدت کی مقدار زیادہ بہتر ہے۔ مشائخ فقہاء نے صرف دو یا تین دن یا جس قدر قاضی کی رائے ہو۔ اسے (ملتقط کو) ظہورِ مالک کی امید پر نفقہ دینے پر مبنی حکم کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ کم مدت میں بہتری ہے۔ بایں وجہ کہ کم مدت کی مقدار مقرر کرنے سے لقطہ جانور کو کھونے میں تحفظ میسر ہوتا ہے۔ بخلاف دراز مدت کے کہ اس میں مسلسل نفقہ جاری رکھنے کی اذیت پائی جاتی ہے۔ جو ملتقط کی لاپرواہی کی نظر ہو سکتی ہے۔ جس سے لقطہ جانور کے کھو دینے کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ اور پھر کم مدت پر مبنی مقدار مشائخ فقہاء کی ترجیح پر مبنی ہے۔ یہ فقہی اصول ہے کہ اگر کسی روایت کو مشائخ نے ترجیح دی تو مطلقاً اس کی پیروی کی جائے گی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر وہ مشائخ (امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ) زندہ ہوتے تو ان کے فتویٰ پر عمل کرنا ضروری ہوتا۔ اسی طرح ان (مشائخ) کی ترجیحات پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ مذکورہ زیر بحث صورت میں لقطہ جانور کو نفقہ دینے کی مدت مقرر کرنے کے حوالے سے مشائخ کی ترجیح یہی ہے کہ لقطہ جانور کو دو یا تین دن تک نفقہ دینے کا حکم دیا جائے۔ اور وہ (کم از کم مدت) دو یا تین دن پر منحصر ہے۔ چونکہ ہر قول میں ترجیح کا دارومدار دلیل پر ہوتا ہے اور مذکورہ زیر بحث مسئلہ میں نفقہ کی مدت کے حوالے سے ترجیح پر مبنی دلیل یہ ہے کہ برابر نفقہ جاری رکھنا لقطہ جانور کو ضائع کر دے گا۔ چنانچہ عرصہ دراز تک نفقہ دینے میں کوئی بہتری نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۔ الاصل کی شرط پر مبنی بحث...... متن ہدایہ میں ہدایہ کے مصنف علیہ الرحمۃ نے امام محمدؒ کی مبسوط کے حوالے سے شرط کا تذکرہ کیا ہے کہ امام

محمدؒ نے الاصل (مبسوط) میں صحیح قول پر مبنی یہ شرط عائد کی ہے کہ لقطہ جانور کو نفقہ دینے کے لئے قاضی اس وقت حکم دینے کا مجاز ہوگا۔ کہ جب ملتقط (لقطہ پانے والا) گواہ قائم کرے۔ کیونکہ لقطہ امانت ہوتا ہے اور امانت کی صورت میں گواہی لازمی امر ہے۔ اور یہ گواہی حکم قاضی کے تحقق کے لئے لازمی نہیں۔ بلکہ لقطہ کو امانت ثابت کرنے کی غرض سے مستلزم ہے۔ کیونکہ جس امر میں گواہ قائم کئے جاتے ہیں۔ اس میں مدعا علیہ منکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ حکم قاضی کی حیثیت مدعا علیہ منکر کی سی نہیں ہوتی۔ لہٰذا صحیح قول کے بموجب ''الاصل'' (امام محمدؒ کی مبسوط) کی شرط کی رُو سے لقطہ کو نفقہ دینے کے حوالے سے قاضی کے حکم کیلئے ملتقط پر گواہ قائم کرنا مشروط ہوگا۔ تاکہ لقطہ جانور کی امانت کا تحقق ہو سکے۔ چنانچہ اگر ملتقط نے گواہ قائم کردیئے تو بحکم قاضی وہ (ملتقط) لقطہ جانور کو نفقہ دے گا اور مالک سے خرچہ واپس لے گا۔

۴۔ احتمال غصب کی بحث...... اگر ملتقط (لقطہ پانے والا) نے گواہ قائم نہ کئے تو اس میں غصب کا احتمال پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی لقطہ حاصل ہوتا ہے تو نہ صرف اس کی تعریف وتشہیر کی جاتی ہے بلکہ لوگوں کو مخاطب کر کے یہ اعلان بھی کیا جاتا ہے کہ جس کا یہ لقطہ ہو وہ مجھ سے لے جائے۔ چنانچہ مالک کو لقطہ واپس کرنے پر لوگوں کو گواہ کرنے کیلئے صرف تعریف وتشہیر کا عمل کافی ہے۔ اگر ملتقط نے اپنی ذات کے لئے لقطہ اخذ کیا اور تعریف وتشہیر کا اہتمام نہیں کیا تو اس کا یہ عمل نہ صرف حرام ہے بلکہ لقطہ غصب کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لقطہ کو امانت ثابت کرنے اور احتمال غصب کو دور کرنے کے لئے گواہ ضروری ہیں۔ اگر ملتقط نے گواہ پیش نہیں کئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس (ملتقط) نے لقطہ کو اپنی ذات کے لئے اٹھایا تھا جو کہ تحقق غصب کو متحقق (ثابت) کرتا ہے۔ چنانچہ کشف محال کے لئے ضروری ہے کہ لقطہ کو امانت ثابت کیا جائے تا کہ قاضی صحیح صورت حال سامنے آنے پر درست فیصلہ کر سکے۔ اس لئے قاضی ملتقط کو یہ کہے گا کہ اگر تو (ملتقط) اپنے قول میں سچا ہے تو (لقطہ جانور) کو نفقہ دے ورنہ وہ (ملتقط) غاصب متصور ہوگا۔ بشرطیکہ ملتقط گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو۔

۵۔ عبارت قدوریؒ کی بحث...... مذکورہ زیر بحث صورت کے حوالے سے ہدایہ کے متن میں لفظ ''کتاب'' سے ایک عبارت کا تذکرہ ہے جس پر احتمال کا تحقق ہوتا ہے۔ چنانچہ ''کتاب'' سے مراد ''قدوری'' ہے اور اس میں احتمالی عبارت یہ ہے۔ قَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَ جَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا (کتاب میں جو یہ فرمایا کہ قاضی یہ نفقہ اس کے مالک پر قرض قرار دے) اس قول میں یہ اشارہ ہے کہ جب ملتقط حاضر ہو۔ لقطہ کا جانور فروخت نہ کیا گیا ہو اور قاضی نے نفقہ کا حکم دے دیا تو ملتقط (لقطہ پانے والا) جانور کے مالک سے اپنا خرچ واپس لینے کا مجاز ہے۔ بشرطیکہ قاضی نے بطور قرضہ مالک سے رجوع کو مشروط کیا ہو۔ یعنی قاضی نے صرف نفقہ دینے کا حکم دیا اور اسے قرض قرار نہیں دیا تو ملتقط نفقہ کا خرچ واپس لینے کا مجاز نہیں ہے۔ اگر قاضی نے لقطہ جانور کے لئے ملتقط کو نفقہ کا حکم دیتے وقت اسے (نفقہ کو) قرض قرار دیا تو وہ (ملتقط) مالک سے واپس لینے کا استحقاق رکھتا ہے اور یہی قول اصح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایہ کے مصنفؒ نے قولہ فی الکتاب سے اصح قول نقل کیا ہے۔

۶۔ صحیح واُصح کی بحث...... مذکورہ زیر بحث صورت پر مبنی ہدایہ کے متن میں مذکور عبارت کے اندر امام محمدؒ کی مبسوط (الاصل) کے حوالے سے صحیح قول (برائے مسئلہ قیام شہادت) پیش کیا ہے۔ اور اسی (زیر بحث) صورت کے آخر میں قولہ فی الکتاب (قدوری) کے حوالے سے اصح قول (درمسئلہ نفقہ برائے قرض) ذکر کیا ہے۔ (جن کی تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے) چنانچہ صحیح قول سے بہ یفتی، الفتوی علیہ سے زیادہ مؤکد قول مراد ہے۔ یا کسی قول کا صحیح ہونا اغلب واکثر کے اعتبار سے ہے چنانچہ امام محمدؒ نے الاُصل (مبسوط) میں قیام شہادت کے قول کو صحیح قرار دے کر زیادہ غالب واکثر رائے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اور قدوری میں نفقہ کو مالک پر قرض قرار دینے کے قول کو ''اصح'' کہا گیا ہے جو صحیح کے مقابلے میں زیادہ مؤکد متصور ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بہ یفتی، الفتویٰ علیہ سے زیادہ موزوں ہوا صحیح پر مبنی قول ہوتا ہے اور صحیح کے مدّ مقابل ''اصح'' پر مبنی قول زیادہ وزن رکھتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

مالک حاضر ہو جائے تو ملتقط مالک کے نفقہ حاضر کرنے تک لقطہ کو روک سکتا ہے

قَالَ فَإِذَا حَضَرَ يَعْنِي الْمَالِكَ فَلِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَّمْنَعَهَا مِنْهُ حَتّٰى يُحْضِرَ النَّفَقَةَ لِاَنَّهُ يُحْيِي بِنَفَقَتِهٖ فَصَارَ كَأَنَّهُ اسْتَفَادَ الْمِلْكَ مِنْ جِهَتِهٖ فَاَشْبَهَ الْمَبِيْعَ وَاَقْرَبُ مِنْ ذَالِكَ رَادُّالْاٰبِقِ فَاِنَّهُ لَهُ الْحَبْسُ لِاِسْتِيْفَاءِ الْجُعْلِ لِمَا ذَكَرْنَا ثُمَّ لَايَسْقُطُ دَيْنُ النَّفَقَةِ بِهَلَاكِهٖ فِي يَدِالْمُلْتَقِطِ قَبْلَ الْحَبْسِ وَيَسْقُطُ اِذَا هَلَكَ بَعْدَ الْحَبْسِ لِاَنَّهُ يَصِيْرُ بِالْحَبْسِ شَبِيْهُ الرَّهْنِ

ترجمہ...... پھر اگر قاضی کے حکم کے بعد مالک آ گیا تو اس ملتقط کو یہ اختیار ہوگا کہ جانور اس کے حوالہ کرنے سے انکار کر دے یہاں تک کہ وہ پچھلا تمام خرچ لا کر اسی ملتقط کو دے دے۔ کیونکہ اسی کے خرچ کرنے سے جانور زندہ رہا ہے۔ تو (دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے گا کہ) گویا یہ ملتقط کی اجازت سے اس جانور کا مالک ہو گیا ہے۔ اور اب وہ جانور گویا اس کے ہاتھوں فروخت ہو گیا ہے (۔یعنی جتنا اس نے خرچ کیا ہے اسی انداز سے یہ جانور اس ملتقط کے پاس بک گیا ہے۔) اور اسی صورت کے قریب تر وہ شخص بھی ہے جو کسی کے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر لے آیا۔ کیونکہ اسے بھی اختیار ہے اپنا وہ خرچ اس مالک سے پہلے وصول کر لے جو اس نے اس کی حفاظت میں کیا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ غلام اس کے حوالہ کرے اس کی وجہ بھی وہی ہے جو ابھی بیان کی گئی ہے۔ پھر اگر جانور کو روک لینے اور مالک کے حوالہ کرنے سے انکار سے پہلے اسی ملتقط کے قبضہ میں جانور ہلاک ہو گیا تو اس کے خرچ کے سلسلہ کا قرض ختم نہیں ہوگا۔ البتہ اگر روکنے کے بعد جانور ہلاک ہوا تو وہ قرض بھی ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ جانور کے روکنے کی وجہ سے اب یہ مسئلہ رہن کے مشابہ ہو گیا اور رہن رکھا ہوا مال جس کے پاس رکھا ہوا ہوتا ہے اگر اس کے پاس ہلاک ہو جاتا ہے تو وہ قرضہ کے بدلہ ختم ہو جاتا ہے)۔

حل اور حرم کے لقطہ کا حکم

قَالَ وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجِبُ التَّعْرِيْفُ فِي لُقَطَةِ الْحَرَمِ اِلٰى اَنْ يَجِيْئَ صَاحِبُهَا لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامِ فِي الْحَرَمِ وَلَا يَحِلُّ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدِهَا وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَلِاَنَّهَا لُقَطَةٌ وَفِي التَّصَدُّقِ بَعْدَ مُدَّةِ التَّعْرِيْفِ اِبْقَاءُ مِلْكِ الْمَالِكِ مِنْ وَجْهٍ فَيَمْلِكُهُ كَمَافِيْ سَائِرِهَا وَتَأْوِيْلُ مَارَوٰى اَنَّهُ لَايَحِلُّ الْاِلْتِقَاطُ اِلَّالِلتَّعْرِيْفِ وَالتَّخْصِيْصُ بِالْحَرَمِ لِبَيَانِ اَنَّهُ لَايَسْقُطُ التَّعْرِيْفُ فِيْهِ لِمَكَانِ اَنَّهُ لِلْغُرَبَاءِ ظَاهِرًا

ترجمہ...... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حرم مکہ اور اس کے باہر حل دونوں جگہوں کا لقطہ برابر ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حرم کے لقطہ کا اعلان کرانا یہاں تک واجب ہے کہ اس کا مالک آ جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حرم کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا لقطہ صرف اس شخص کے لئے حلال ہے جو اس کا اعلان کرائے۔ (بخاری اور مسلم دونوں نے اس کی روایت کی ہے)۔

ہماری دلیل...... یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لقطہ پانے والے کو فرمایا ہے کہ تم اس کے ظرف اور اس کی بندھن کو محفوظ کر لو اور ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ (صحاح ستہ نے اس کی روایت کی ہے)۔ حالانکہ اس حکم میں حل ہونے یا حرم ہونے کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی ہے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ حرم کا لقطہ بھی ایک لقطہ ہی ہوتا ہے اور اعلان کی مدت کے بعد صدقہ کرنے میں ایک طرح کی ملکیت اس کے مالک کے لئے باقی رکھنی

ہوتی ہے۔اس لئے دوسرے لفظوں کی طرح اس میں بھی مالک ہو جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا لقطہ اٹھالینا صرف اسی کے لئے حلال ہے جو اس کے بارے میں اعلان کرادے۔ پھر حرم کو خاص کر اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ حرم کے لقطہ میں بھی اعلان کرانا معاف نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا اعلان بھی ضروری ہے۔ (اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ یہ تو (بے شمار) مسافروں کی جگہ ہے۔ (یعنی یہاں حج کرنے کے لئے دور دور سے بہت زیادہ تعداد میں لوگ آتے ہیں تو ظاہراً وہ مال کسی مسافر ہی کا ہوگا ایسی صورت میں اس طرح پکارنے اور اعلان کرانے میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا مالک اب لوٹ کر آنے والا نہیں ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کا عام حکم فرما کر اس وہم کو دور کر دیا اور اس کا اعلان واجب رکھا۔ اور ظاہر حدیث کا پس منظر یا پہلے سے تعلق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن بلند آواز سے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ جس میں یہ فرمایا ہے کہ یہ شہر وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دن ہی سے محترم کر دیا ہے۔ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کے محترم کر دینے سے قیامت تک کے لئے محترم ہے۔ اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں اور اس کا شکار بھڑکایا نہ جائے اور اس کا لقطہ صرف وہی اٹھائے جو اس کی تشہیر کرائے)۔ (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح...... قَالَ وَلُقَطَةُ الْحِلِّ الخ۔ ترجمہ سے مطلب واضح ہے (اعرف، عرف، ض، عرفانا، معرفت، پہچاننا، جاننا، عفاص بروزن کتاب، چمڑے یا کپڑے کا وہ تھیلا جس میں سامان رکھا جائے۔ الوکاء وہ رسی وغیرہ جس سے کوئی چیز باندھی جائے۔

کوئی آدمی لقطہ کا دعویٰ کرے اسے کب لقطہ حوالہ کیا جائے

وَ اِذَا حَضَرَ رَجُلٌ فَادَّعَى اللُّقَطَةَ لَمْ تُدْفَعْ اِلَيْهِ حَتّٰى يُقِيْمَ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ اَعْطٰى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَّدْفَعَهَا اِلَيْهِ وَ لَا يُجْبَرُ عَلٰى ذَالِكَ فِي الْقَضَاءِ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيّ يُجْبَرُ وَالْعَلَامَةُ مِثْلُ اَنْ يُّسَمّٰى وَزْنَ الدَّرَاهِمِ وَعَدَدِهَا وَوِكَائِهَا وَوِعَائِهَا لَهُمَا اَنَّ صَاحِبَ الْيَدِ يُنَازِعُهُ فِي الْيَدِ وَلَا يُنَازِعُهُ فِي الْمِلْكِ فَيُشْتَرَطُ الْوَصْفُ لِوُجُوْدِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ وَلَا تُشْتَرَطُ اِقَامَةُ الْبَيِّنَةِ لِعَدَمِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ وَلَنَا اَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُوْدٌ كَالْمِلْكِ فَلَا يَسْتَحِقُّ اِلَّا بِحُجَّةٍ وَهُوَ الْبَيِّنَةُ اِعْتِبَارًا بِالْمِلْكِ اِلَّا اَنَّهُ تَحِلُّ لَهُ الدَّفْعُ عِنْدَ اِصَابَةِ الْعَلَامَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ وَهٰذَا لِلْاِبَاحَةِ عَمَلًا بِالْمَشْهُوْرِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ اَلْحَدِيْثُ

ترجمہ......اور جب کسی شخص نے (حاکم کے پاس) حاضر ہو کر لقطہ کا دعویٰ کیا (کہ وہ مال لقطہ میرا ہی ہے) تو جب تک اس پر وہ گواہ پیش نہ کر دے اسے وہ نہیں دیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر اس نے کوئی علامت بیان کی تو ملتقط کو یہ جائز ہو جائے گا کہ لقطہ اس کے حوالہ کر دے۔ پھر بھی قاضی اسے دینے پر مجبور نہیں کرے گا۔ اور امام مالک وشافعی رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ دینے پر مجبور کرے گا۔ علامت بتانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر وہ درہم ہوں تو ان کا وزن، تعداد، کس بیگ یا تھیلی میں تھے۔ اس پر کیسی گرہ لگی ہوئی تھی۔ وغیرہ باتیں بتلا دے اور امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ملتقط (سامان کو پانے والا) اس مالک سے قبضہ کے بارے میں اختلاف کر رہا ہے ملکیت کے بارے میں اختلاف نہیں کرتا ہے۔ اس لئے اس لقطہ کا وصف بیان کرنا ہی شرط ہے۔ کیونکہ ایک اعتبار سے جھگڑا ہے۔ گواہ قائم کرنا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ ایک اعتبار سے جھگڑا نہیں ہے (یعنی جب پانے والے کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ میں اس کا مالک ہوں بلکہ صرف قبضہ کا دعویٰ ہے ایسی صورت میں گواہوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مالک اپنے مال (لقطہ) کی پہچان بتادے۔ اس لئے اسے دینے پر مجبور کرے گا) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جس طرح مالک ہونا ایک حق مقصود ہے اسی طرح قبضہ کا ہونا بھی ایک حق مقصود ہے۔ اس لئے مطالبہ کرنے والا بغیر دلیل کے اس کا مستحق نہ ہوگا اور یہاں پر دلیل گواہی کو پیش کرنا ہے۔ ملکیت پر قیاس کرتے

ہوئے (اسی لئے بغیر گواہ پیش کئے ہوئے دینے پر پانے والے کو مجبور نہیں کیا جائے گا)۔ ہاں اس صورت میں مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس سامان کی علامتیں بالکل صحیح بیان کردے تو اس وقت اس ملتقط کو مال مالک کے حوالہ کر دینا جائز ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کا مالک آجائے اور اس مال کے بارے میں یہ بتادے کہ وہ کیسی چیز یا کیسے تھیلہ میں تھا اور اس کی تعداد کتنی تھی تو وہ مال اس کے حوالہ کردے۔ (مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے)۔ مالک کو دینے کا یہ حکم اباحت کے طور پر ہے۔ (یعنی اسے دینا مباح ہے اور لازم نہیں ہے)۔ تاکہ حدیث مشہور پر عمل باقی رہے اور حدیث مشہور سے وہ حدیث مراد ہے جس میں فرمایا ہے کہ مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے۔ اور منکر پر قسم کھانا ہے (۔ (حاصل کلام یہ ہوا کہ اگر مالک نے گواہ پیش کئے تو قاضی بھی اسے دینے کا حکم کرے گا۔ اور اگر صرف اس کی صحیح علامتیں بتادے تو اسے اختیار ہے کہ چاہے دے یا نہ دے)۔

تشریح..... اگر کسی نے لقطہ کا دعویٰ کیا کہ یہ میری ملکیت ہے تو ملتقط اس کے حوالے نہ کرے یہاں تک کہ گواہ قائم کرے یا اگر مدعی نے صحیح طور پر علامات بتادیں تو لقطہ مدعی کے حوالے کرنا جائز ہے۔ لیکن قاضی ملتقط کو مجبور نہیں کرسکتا کہ لقطہ حوالے کردے۔ اسلئے کہ قبضہ بھی ملکیت کی طرح مقصود ہے اور مدعی بغیر دلیل کے ملتقط کا حقدار نہیں جبکہ حضور ﷺ کی حدیث ہے جو شخص عین مال پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے لہٰذا دوسرے شخص کو دلیل و حجت کے بعد لقطہ حوالے کیا جائے گا اور وہ گواہ قائم کرنا ہے اور یہ وہی دلیل ہے اور اگر گواہ نہ ہوں تو کم از کم علامات بتادے جیسے حدیث میں آیا ہے،

فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ

اور علامات بیان کرنے کے بعد یہ بھی ملتقط کو اختیار ہے کہ لقطہ مدعی کے حوالے نہ کرے۔ اسلئے کہ علامات کا بیان کرنا شہادت سے کم درجہ ہے۔

امام مالکؒ و شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تنازع قبضہ میں ہے نہ کہ لقطہ کی ملکیت میں اس لئے علامات بیان کرنے سے لقطہ مدعی کے حوالے کرنا پڑے گا گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں حتیٰ کہ قاضی ملتقط کو مجبور بھی کرسکتا ہے کہ وہ لقطہ مدعی کے حوالے کرے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا قبضہ ملکیت کی طرح حق مقصود ہے اور بلا دلیل مدعی حقدار نہیں اور دلیل گواہ ہیں حدیث میں ہے اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِىْ..... الخ اور امام شافعیؒ کی مستدل حدیث فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَفَ..... الخ بیان جواز پر محمول ہے یعنی حوالے کرنا جائز ہے لازم نہیں۔

ملتقط لقطہ کے مالک کو سپرد کرتے وقت کفیل بنالے

وَيَأْخُذُ مِنْهُ كَفِيْلًا اِذَا كَانَ يَدْفَعُهَا اِلَيْهِ اِسْتِيْثَاقًا وَهٰذَا بِلَاخِلَافٍ لِاَنَّهُ يَأْخُذُ الْكَفِيْلَ لِنَفْسِهِ بِخِلَافِ التَّكْفِيْلِ لِوَارِثٍ غَائِبٍ عِنْدَهُ وَاِذَا صَدَّقَهُ قِيْلَ لَا يُجْبَرُ عَلَى الدَّفْعِ كَالْوَكِيْلِ بِقَبْضِ الْوَدِيْعَةِ اِذَا صَدَّقَهُ وَقِيْلَ يُجْبَرُ لِاَنَّ الْمَالِكَ هٰهُنَا غَيْرُ ظَاهِرٍ وَالْمُوْدَعُ مَالِكٌ ظَاهِرًا

ترجمہ..... ویاخذ منہ الخ اور وہ ملتقط لقطہ کے مالک سے کسی کو ضامن مقرر کروالے (یعنی جب اسے مال لقطہ دینے لگے تو آئندہ کے کسی بھی (الزام سے بچنے کے لئے) سامان اور مال کے مالک سے کہہ کر کسی کو ضامن مقرر کروالے۔ اور اس مسئلہ میں کسی کا کچھ بھی اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنی ذات کے لئے ضامن مانگ رہا ہے۔ بخلاف وارث غائب کے لئے کفیل لینے کے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے (یعنی اگر مثلاً زید مر گیا اور اس کی میراث اس کے قرض خواہوں اور وارثوں میں تقسیم کی گئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرض خواہ یا وارث میں سے کوئی کفیل نہیں لیا جائے گا۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک لیا جائے گا۔ اس مقصد سے کہ شاید کوئی دوسرا قرضخواہ یا وارث اور بھی ظاہر ہو جائے) اور اگر ملتقط نے مالک مدعی کی تصدیق کی کہ تم ہی مدعی ہو تو کہا گیا ہے کہ اس صورت میں بھی لقطہ واپس کرنے پر یہ مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جیسے امانت وصول کرنے کے وکیل میں جبکہ امانت دار خود اس کی تصدیق کرے (۔یعنی مثلاً امانت دار کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں مالک امانت کے پاس سے تم سے اس کی امانت واپس لینے آیا ہوں۔ اور اس کام کے لئے اس کا وکیل ہوں۔ جواب میں اس امین نے کہا کہ بے شک تم اس کے وکیل

ہوتو اتنا کہنے کے باوجود وہ اس امانت کے واپس کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس ملتقط پر اس مال کے واپس کرنے کے لئے جبر کیا جائے گا۔ کیونکہ موجودہ صورت میں مالک ظاہر نہیں ہے۔ مگر امانت کا مالک ظاہر ہے۔ یعنی امانت کی صورت میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مالک فلاں شخص ہے۔ اور آنے والا شخص اس کا وکیل ہے۔ اس لئے اس امین کو یہ اختیار ہوگا کہ اس وکیل کو نہ دے کر اصل مالک کو بلوالے۔ لیکن لقطہ کی صورت میں مالک کا پتہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ یہ مدعی خود ہی مالک ہو۔ اور جب مال پانے والے ملتقط نے خود اس کے مالک ہونے کا اقرار بھی کرلیا تو اس پر اقرار مکمل ہوگیا اور یہی اقرار دلیل بن گیا)۔

غنی پر لقطہ کو صدقہ کرنا درست نہیں

وَ لَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقْطَةِ عَلٰى غَنِيٍّ لِأَنَّ الْمَأْمُوْرَ بِهٖ هُوَ التَّصَدُّقُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنْ لَّمْ يَأْتِ يَعْنِي صَاحِبُهَا فَلْيَتَصَدَّقْ بِهٖ وَالصَّدَقَةُ لَايَكُوْنُ عَلٰى غَنِيٍّ فَاَشْبَهَ الصَّدَقَةَ الْمَفْرُوْضَةَ

ترجمہ......اور (اگر بھرپور اعلان کے باوجود مالک لقطہ نہ ملے مجبوراً اسے صدقہ کرنا چاہے تو) کسی مالدار کو وہ بطور صدقہ ہاتھ میں نہ دے کیونکہ اس موقع پر اسے صدقہ کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر مالک نہ آئے تو اس کو صدقہ کردو۔ (دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے)۔ اور صدقہ کا مال کسی مالدار کو نہیں دیا جاتا ہے لہٰذا اس لقطہ کا حکم بھی صدقہ مفروضہ یعنی زکوٰۃ کے مشابہ ہوگیا۔

تشریح......وَلَايَتَصَدَّقُ بِاللُّقْطَةِ عَلٰى غَنِيٍّ......الخ ترجمہ سے مطلب ظاہر ہے۔ کہ کسی مالدار کو وہ لقطہ نفع حاصل کرنے کے لئے دینا جائز نہیں ہے بلکہ کسی فقیر کو ہی دینا چاہئے یہاں تک کہ اگر خود ہی فقیر ہو یا اس کے خود مالدار ہونے کی صورت میں اپنے اقارب میں سے کوئی فقیر ہو تو اسے بھی دینا جائز ہے۔ البتہ حضرت ابی بن کعبؓ جو مالدار صحابہ کرام میں سے تھے ان کو رسول اللہ ﷺ نے خود اجازت فرمادی تھی یہ کہہ کر کہ اگر مالک مل جائے تو لقطہ اسے واپس دے دو ورنہ تم خود ہی فائدہ اٹھالو۔ اس لئے آپ کے علاوہ دوسرے مالدار کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا کہ یہ لقطہ بھی صدقہ اور زکوٰۃ کے مال کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ جواب اس بناء پر ہے کہ ابی بن کعب ؓ مالدار تھے۔ اور اس بناء پر ہے کہ حدیث میں یہ خطاب ابی بن کعب ؓ نے فرمایا تھا۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں کلام ہے اس طرح سے حضرت ابوطلحہ ؓ کی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (الِ عمران: ۹۲) یعنی تم ابرار کے درجہ کو نہیں پہنچوگے یہاں تک کہ جس چیز کو محبوب رکھتے ہو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ تو ابوطلحہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ جبکہ مجھے اپنے تمام مالوں میں سے یہ باغ بیرحاء بہت محبوب ہے۔ اس لئے میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ ہے۔ اور چونکہ میں اس کام کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا ہوں اسی لئے آپ ﷺ کے سامنے ظاہر کیا۔ اب آپ ﷺ کی جو خواہش ہو وہ کیجئے۔ اس پر آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ یہ بہت ہی نفع بخش مال ہے۔ پھر فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے محتاج رشتہ داروں میں صدقہ کردو۔ تب ابوطلحہ ؓ نے اسے ابی بن کعب ؓ اور حسان ابن ثابت ؓ میں تقسیم کردیا۔ یہ صحیح حدیث میں مروی ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ابی بن کعب ؓ مالدار نہیں بلکہ محتاج تھے۔ البتہ ایک احتمال رہتا ہے کہ لقطہ کا قصہ شاید ابی بن کعب کے مالدار ہو جانے کے بعد ہوا ہو۔ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شک اور احتمال کے باوجود اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ تونگر کبھی ایسے شخص کو بھی کہہ دیا جاتا ہے جو اپنے روزانہ کی آمدو خرچ میں محتاج نہ ہو۔ اپنی گزر اوقات کرلیتا ہو۔ اگرچہ اس کے پاس جمع مال بقدر نصاب نہ ہو جس سے زکوٰۃ کے مسئلہ میں مالدار کہا جاسکے۔ حالانکہ لقطہ کے مسئلہ میں ایسا ہی مالدار مراد ہے جس پر زکوٰۃ لازم آتی ہو۔ پس ابی بن کعب ؓ ایسے مالدار نہ تھے بلکہ پہلے معنی کے مطابق خوش حال تھے اس کے علاوہ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ خطاب ابی بن کعب ؓ کو نہیں تھا بلکہ کسی نے لقطہ کا حکم پوچھا تھا اسے جواب دیا گیا تھا۔ مگر ابی بن کعب

ؓ نے اس واقعہ کی روایت کی تھی اور اب میں مترجم کہتا ہوں کہ یہ احتمال صحیح نہیں ہے کیونکہ ابی بن کعبؓ کا لقطہ لینا صراحت کے ساتھ ترمذی میں مذکور ہے۔ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک دن حضرت سیدۃ النساء کے پاس آئے تو دیکھا کہ حضرت حسن و حسینؓ رو رہے ہیں۔ پوچھا کہ کیوں رو رہے ہیں۔ جواب دیا کہ بھوک سے رو رہے ہیں۔ اس وقت حضرت علیؓ بازار گئے وہاں آپ نے ایک دینار پایا۔ وہ اسے اٹھا کر حضرت فاطمہؓ کے پاس لائے اور واقعہ بتلایا۔ تو آپؓ نے کہا کہ فلاں یہودی کے پاس سے اس سے آٹا خرید کر لے آئیں۔ جب آپ اس کے پاس گئے تو اس یہودی نے پوچھا کہ کیا آپ ان صاحب کے داماد ہیں جو خود کو نبی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں تب اس نے کہا کہ تم اتنا آٹا بھی لے جاؤ اور اپنا دینار بھی واپس لے جاؤ۔ جب وہاں سے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ فلاں قصاب کے پاس سے اس کا گوشت خرید کر لے آئیں۔ حضرت علیؓ وہاں اپنا دینار رہن رکھ کر گوشت لے آئے۔ اس سے حضرت فاطمہؓ نے کھانا تیار کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آدمی بھیج کر آپ کو بلوایا۔ پھر سارا قصہ بیان کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر یہ ہمارے لئے حلال ہو تو ہم اسے کھائیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کا نام لے کر کھالو۔ وہ کھانے لگے۔ اتنے میں ایک غلام اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پکارتا ہوا آیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے آدمی بھیج کر اسے بلوایا تو اس نے کہا کہ بازار میں مجھ سے دینار گر گیا تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تم قصاب کے پاس جا کر یہ کہو رسول اللہ ﷺ تم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تم وہ دینار واپس کر دو اور تمہارا دینار میرے ذمہ ہے۔ یہ سن کر قصاب نے وہ دینار واپس کر دیا۔ اور آپ ﷺ نے وہ دینار اسی غلام کو دے دیا۔ اور بھی اس کی روایت عبدالرزاق و اسحٰق و بزار اور ابویعلی نے بھی کی ہے۔ بظاہر حضرت علیؓ نے اس دینار کا بروقت اعلان کر کے اسے خرچ کیا ہوگا۔ صحاح کی بعض روایتوں میں بجائے دینار کے درہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غنی ملتقط لقطہ سے انتفاع نہ کرے

وَاِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْلَهُ اَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجُوْزُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ اُبَيٍّؓ فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ وَاِلَّا فَانْتَفِعْ بِهَا وَكَانَ مِنَ الْمَيَاسِيْرِ وَلِاَنَّهٗ اِنَّمَا يُبَاحُ لِلْفَقِيْرِ حَمْلًا لَهٗ عَلٰى رَفْعِهَا صِيَانَةً لَهَا وَالْغَنِيُّ يُشَارِكُهٗ فِيْهِ وَلَنَا اَنَّهٗ مَالُ الْغَيْرِ فَلَا يُبَاحُ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ اِلَّا بِرِضَاهُ لِاِطْلَاقِ النُّصُوْصِ وَالْاِبَاحَةُ لِلْفَقِيْرِ لِمَارَوَيْنَاهُ اَوْبِالْاِجْمَاعِ فَيَبْقٰى مَارَوَاهُ عَلَى الْاَصْلِ وَالْغَنِيُّ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْاَخْذِ لِاِحْتِمَالِ افْتِقَارِهٖ فِيْ مُدَّةِ التَّعْرِيْفِ وَالْفَقِيْرُ قَدْيَتَوَانٰى لِاِحْتِمَالِ اسْتِغْنَائِهٖ فِيْهَا وَانْتِفَاعُ اُبَيٍّؓ كَانَ بِاِذْنِ الْاِمَامِ وَهُوَ جَائِزٌ بِاِذْنِهٖ

ترجمہ ...... اور اگر یہ ملتقط خود مالدار ہو تو اس کو اس لقطہ سے نفع اٹھانا جائز نہ ہوگا۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اسے بھی نفع اٹھانا جائز ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر اس لقطہ کا مالک آجائے تو اسے اس کا مال دے دو۔ ورنہ خود ہی اس سے نفع حاصل کرلو۔ (اس کی روایت بخاری اور مسلم کے علاوہ اور دوسروں نے بھی کی ہے۔ حالانکہ راوی ابی بن کعبؓ نے خود بھی چند مالدار صحابہ کرامؓ میں سے تھے) اور دوسری دلیل یہ ہے کہ کسی فقیر کو لقطہ اس بناء پر مباح ہوتا ہے تاکہ خود اسے بھی اس لقطہ کی حفاظت کر کے اس سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ کیا جا سکے اور اس مقصد میں امیر و غریب سب برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ (یعنی جب کسی مالدار کو اس کے ملنے کی امید ہو جائے گی تو وہ بھی اسے اپنے پاس رکھ کر اس سے فائدہ اٹھائے گا تاکہ وہ چیز یونہی ضائع نہ ہو جائے) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ لقطہ دوسرے اجنبی کا مال ہے اس لئے اس سے کسی طرح مالک کی رضامندی کے بغیر فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تمام آیتوں اور حدیثوں سے یہی حکم ثابت ہوتا ہے اور فقیر کے لئے اس لئے جائز ہو جاتا ہے کہ صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور خود ملتقط بھی صدقہ کا محل ہے اور بالاجماع اس فقیر کے لئے بھی حلال ہوا۔ تو صرف فقیر کے لئے حلال ہونا ثابت ہوا اور بقیہ انسانوں کے لئے وہ اصلی حکم (حلال نہ ہونے پر) باقی رہا۔ (یعنی غیر کا مال لینا

اسے حلال نہیں ہوا) اور مالدار شخص بھی اس کی حفاظت اس امید پر کر سکتا ہے اور آمادہ رہ سکتا ہے کہ سال بھر کی مدت میں یا جب تک کہ اس کا اعلان ہوتا رہے شاید اس عرصہ میں محتاج ہو جائے اور اس مال کا ضرورت مند ہو جائے۔ اس کے علاوہ کبھی فقیر بھی حفاظت کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے حفاظت کرنا نہیں چاہتا ہے۔ اس امید پر کہ شاید اس کے اعلان کی مدت کے اندر وہ خود بھی مالدار ہو جائے اور اسے اس مال مخصوص کی ضرورت نہ رہے۔ (الحاصل مالدار اور فقیر دونوں میں اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ اس لقطہ کو اٹھا کر رکھ لینے سے شاید اس کو یہ مل جائے۔ یا اس سے کسی طرح کا فائدہ حاصل ہو جائے) اور حضرت ابی بن کعب ؓ کو امام کی طرف سے فائدہ اٹھانے کی اجازت حاصل تھی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے خود اجازت دے دی تھی۔ اور امام کی اجازت سے دولتمند کو بھی نفع اٹھانا جائز ہوتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے لقطہ پایا اور اس (لقطہ) کا مالک مدتِ تشہیر (ایک سال) تک ظاہر نہیں ہوا تو لقطہ صدقہ کیا جائے گا۔ اگر ملتقط مالدار ہے تو وہ صدقہ پر مبنی لقطہ سے نفع حاصل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ لقطہ غیر کا مال ہوتا ہے اور وہ مالک کی رضامندی کے بغیر استفادہ کا مقتضی نہیں ہے۔ اگر ملتقط فقیر ہے تو بالاجماع اس (لقطہ) سے افادہ حاصل کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ لیکن اگر ملتقط مالدار ہے تو وہ لقطہ سے فائدہ اٹھانے کا مجاز نہیں ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک سال تشہیر کے بعد مالدار بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے دلیل حضرت ابی ؓ کی حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے انہیں فائدہ اٹھانے کی اجازت دی تھی۔ حالانکہ وہ مالدار تھے دوسری بات یہ کہ فقیر کو لقطہ سے فائدہ اٹھانا اس لئے مباح ہے کہ اس نے لقطہ کی حفاظت کی اور یہ معنی مالدار میں بھی پائے جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مالدار لقطہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس لئے کہ حدیث میں لقطہ کے حلال ہونے کی مطلق نفی ہے اور حلت مطلق کے لئے اجماع سے ثابت ہے اور حضرت ابی ؓ مالدار تھے یا یہ کہ کسی نے لقطہ کے بارے میں حضرت ابی ؓ سے پوچھا آپ نے یوں فرما دیا ان اقوال کی تطبیق یوں دی جا سکتی ہے کہ امام شافعیؒ کی بات قاضی کی اجازت پر ہے جو کہ احناف کے ہاں بھی ہے۔ ورنہ نفع اٹھانا درست نہیں۔

ملتقط فقیر لقطہ سے انتفاع کر سکتا ہے

وَاِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ فَقِيْرًا فَلَا بَأْسَ بِاَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا لِمَافِيْهِ مِنْ تَحْقِيْقِ النَّظْرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَلِهٰذَا اَجَازَ الدَّفْعُ اِلٰى فَقِيْرٍ غَيْرِهٖ

ترجمہ..... وَاِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ فَقِيْرًا الخ اور اگر ملتقط فقیر ہو تو اس کے لئے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہوگا کہ خود ہی اس چیز سے فائدہ اٹھا لے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اصل مالک اور اس پانے والے دونوں کے حق میں بھلائی اور مصلحت کا لحاظ ہے۔ اسی لئے اسے یہ بھی جائز ہے کہ اپنے علاوہ کسی اور فقیر کو دے۔

ملتقط کا فقیر باپ، بیٹا، زوجہ انتفاع کر سکتے ہیں

وَكَذَا اِذَا كَانَ الْفَقِيْرُ اَبَاهُ اَوِ ابْنَهٗ اَوْ زَوْجَتَهٗ وَاِنْ كَانَ هُوَ غَنِيًّا لِمَا ذَكَرْنَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ..... اسی طرح اگر اس ملتقط کا باپ یا بیٹا یا بیوی فقیر ہو تو اسے بھی دینا جائز ہے۔ اگرچہ وہ خود مالدار ہو۔ کیونکہ اس صورت میں بھی دونوں کی بھلائی ہے۔ واللہ اعلم۔ (اعلان کی تکلیف کے بدلہ میں اس مال سے نفع اٹھانے کا بھی موقع مل گیا۔ اور فقیر کو مال ملنے سے اس کا ثواب اس کے مالک کو ملے گا اور یہی اس کا نفع ہوگا)۔

كِتَابُ الْإِبَاقِ

ترجمہ...... کتاب، غلام کے بھاگ جانے کے بیان میں

تشریح...... اباق...... غلام کا اپنے مالک کے پاس سے بھاگ جانا ابق۔ بھاگنے والا غلام۔

جعل وہ خرچ یا حق جو غلام کو پکڑ کر اس کے مولیٰ کے پاس واپس لانے کے لئے اس کے مولیٰ پر شرعاً مقرر ہے۔ رضخ۔ وہ خرچ جو مسافت سفر سے کم کی دوری سے واپس لانے والے کو دینا چاہئے۔ جس کی مقدار مذکورہ جعل سے کم ہوتی ہے۔ اور اس کی مقدار کوئی متعین نہیں ہے۔ بھگوڑے غلام کو واپس لا دینے میں ثواب بھی ہے۔ مناسب ہے کہ غلام کو پکڑتے وقت (یا فوراً ہی) کسی کو گواہ مقرر کر کے یہ کہہ دے کہ میں اسے اس کے مولیٰ کے پاس پہنچانے کے لئے پکڑ رہا ہوں یا پکڑا ہے۔

بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنے کا حکم

اَلْاٰبِقُ اَخْذُهٗ اَفْضَلُ فِيْ حَقِّ مَنْ يَقْوٰى عَلَيْهِ لِمَافِيْهِ مِنْ اِحْيَائِهٖ وَاَمَّا الضَّالُّ فَقَدْ قِيْلَ كَذَالِكَ وَقَدْ قِيْلَ تَرْكُهٗ اَفْضَلُ لِاَنَّهٗ لَايَبْرَحُ مَكَانَهٗ فَيَجِدُهُ الْمَالِكُ وَلَا كَذَالِكَ الْاٰبِقُ ثُمَّ اٰخِذُ الْاٰبِقِ يَاْتِيْ بِهٖ اِلَى السُّلْطَانِ لِاَنَّهٗ لَايَقْدِرُ عَلٰى حِفْظِهٖ بِنَفْسِهٖ بِخِلَافِ اللُّقْطَةِ ثُمَّ اِذَا رُفِعَ الْاٰبِقُ اِلَيْهِ يَحْبِسُهٗ وَلَوْ رُفِعَ الضَّالُّ لَايَحْبِسُهٗ لِاَنَّهٗ لَايُؤْمَنُ عَلَى الْاٰبِقِ الْاِبَاقُ ثَانِيًا بِخِلَافِ الضَّالِّ

ترجمہ...... بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر رکھ لینا ایسے شخص کے حق میں جو اس کو پکڑ کر حفاظت کے ساتھ رکھ سکتا ہو افضل ہے کیونکہ اس سے غلام کے مولیٰ کے حق کو زندہ اور محفوظ رکھنا ہوتا ہے (۔ کیونکہ مولیٰ ایک حد تک اس غلام سے محروم ہو چکا ہے گویا اس کے لئے غلام مر چکا ہے)۔ لیکن غلام ضال یعنی راستہ بھٹک کر ادھر ادھر ہو جانے والے کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے یعنی اسے بھی پکڑ کر رکھ لینا افضل ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے چھوڑ دینا افضل ہے کیونکہ وہ اس جگہ سے ادھر ادھر زیادہ دور نہیں جائے گا اور آسانی سے اس کا مالک اسے پکڑ لے گا۔ لیکن بھاگے ہوئے کا یہ حال نہیں ہوتا ہے۔ پھر بھگوڑے غلام کو جب کوئی پکڑ لے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے بادشاہ یا حاکم کے پاس لے جائے تا کہ وہ خود اپنے طور پر اس کی حفاظت اس طرح کرے کہ قید خانہ میں ڈال دے اور اگر بھٹکے ہوئے کو پکڑ کر وہ حاکم کے پاس لے جائے تو اسے قید خانہ میں ڈالنے کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ بھگوڑے سے تو ہر وقت بھاگنے کا ڈر لگا رہتا ہے لیکن بھٹکے ہوئے سے اطمینان رہتا ہے۔ دوبارہ نکل جانے کا خوف نہیں رہتا ہے۔

بھاگے ہوئے غلام کو مولیٰ پر واپس کرنے والے کو کچھ ملے گا یا نہیں

قَالَ وَمَنْ رَدَّ اٰبِقًا عَلٰى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهٗ عَلَيْهِ جُعْلُهٗ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا وَ اِنْ رَدَّهٗ لِاَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ فَبِحِسَابِهٖ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ اَنْ لَّايَكُوْنَ لَهٗ شَيْءٌ اِلَّا بِالشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّهٗ مُتَبَرِّعٌ بِمَنَافِعِهٖ فَاَشْبَهَ الْعَبْدَ الضَّالَّ وَلَنَا اَنَّ الصَّحَابَةَ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ اِتَّفَقُوْا عَلٰى وُجُوْبِ اَصْلِ الْجُعْلِ اِلَّا اَنَّ مِنْهُمْ مَنْ اَوْجَبَ اَرْبَعِيْنَ وَمِنْهُمْ مَنْ اَوْجَبَ مَادُوْنَهَا فَاَوْجَبْنَا الْاَرْبَعِيْنَ فِيْ مَسِيْرَةِ السَّفَرِ وَمَادُوْنَهَا فِيْمَادُوْنَهٗ

تَوْفِيْقًا وَتَلْفِيْقًا بَيْنَهُمَا وَلِاَنَّ اِيْجَابَ الْجُعْلِ اَصْلُهُ حَامِلٌ عَلَى الرَّدِّ اِذِالْحِسْبَةُ نَادِرَةٌ فَتَحْصِلُ صِيَانَةُ اَمْوَالِ النَّاسِ وَالتَّقْدِيْرُ بِالسَّمْعِ وَلَا سَمْعَ فِي الضَّالِ فَامْتَنَعَ وَلِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى صِيَانَةِ الضَّالِ دُوْنَهَا اِلَى صِيَانَةِ الْاٰبِقِ لِاَنَّهُ لَايَتَوَارىٰ وَالْاٰبِقُ يَخْتَفِيْ وَيُقَدَّرُالرَّضْخُ فِي الرَّدِّ عَمَّادُوْنَ السَّفَرِ بِاِصْطِلَاحِهِمَا اَوْ يُفَوَّضُ اِلَى رَأْيِ الْقَاضِيْ وَقِيْلَ يَقْسِمُ الْاَرْبَعُوْنَ عَلَى الْاَيَّامِ الثَّلَاثَةِ اِذْهِيَ اَقَلُّ مُدَّةِ السَّفَرِ

ترجمہ...... قَالَ وَ مَنْ رَدَّ اٰبِقًا الخ (قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ) جو شخص بھگوڑے غلام کو تین دن کی مسافت یا اس سے زیادہ دوری سے اس کے مولیٰ کے پاس پہنچادے تو اس مولیٰ پر لانے والے کا یہ حق ہوگا کہ اس کے لانے کے خرچ کی بابت چالیس درہم ادا کردے اور اگر اس سے کم فاصلہ ہو تو اسی کے حساب سے ادا کرے۔ (مثلاً ایک دن کی مسافت ہو تو چالیس کی ایک تہائی ۳/ ۱۳ کا وہ مستحق ہوگا۔) یہ حکم استحسان کے طور پر ہے۔ ویسے قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ واپس لانے والے کو کچھ نہیں دیا جائے۔ البتہ اگر شرط کردی ہو۔ (مثلاً یہ اعلان کردیا ہو کہ جو شخص میرا غلام لے آئے گا اسے اتنا مال ملے گا)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ واپس لانے والے نے اپنے کام میں یہ احسان کیا ہے الہذا یہ بھی بھولے ہوئے غلام کے مشابہ ہوگیا۔ یعنی اگر راستہ بھٹکے ہوئے غلام کو واپس لے آئے تو وہ کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اصل خرچ واپس کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بعضوں نے چالیس درہم واجب کئے ہیں اور بعضوں نے اس سے کم واجب کئے ہیں اور ہم نے دونوں اقوال میں توفیق دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اگر اتنی دور سے لایا ہو جو مسافر ہونے کے لئے لازم ہے تب چالیس درہم اور اس سے کم فاصلہ ہونے سے کم واجب ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے کہا ہے کہ اگر شہر کے اندر سے ہی لایا ہو تو دس درہم اور اگر باہر سے لایا ہو تو چالیس درہم ادا کرنے ہوں گے اور چالیس درہم ہونے سے متعلق روایات کو عبد الرزاق وطبرانی اور ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ نے کئی صحابہ کرامؓ سے روایت کیا ہے

دوسری دلیل...... یہ ہے کہ واپسی کا خرچ (جعل) واجب کرنے کا مقصد دراصل اسے واپس لانے پر آمادہ کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف ثواب پانے کی امید سے ایسا کام بہت ہی نادر ہوتا ہے۔ اس لئے خرچ واجب کرنے کی صورت میں لوگوں کے مال محفوظ رہیں گے۔ لیکن اس کی مقدار کتنی ہو یہ تعین صرف روایت کے سننے پر موقوف ہے۔ جو بھاگے ہوئے غلام میں معلوم ہوئی۔ لیکن راہ بھٹکے ہوئے غلام کے بارے میں کچھ منقول نہیں ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں کوئی مقدار متعین کرلینا ممکن نہیں ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ بھٹکے ہوئے غلام کی حفاظت آسان اور اس میں کم خرچ آتا ہے کیونکہ یہ از خود چھپنے اور بھاگنے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ اس کے برخلاف بھاگے ہوئے غلام کی حفاظت مشکل اور اس میں خرچ زیادہ آتا ہے کیونکہ وہ تو موقع پاتے ہی چھپنے اور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب سے دور سے لایا ہو جہاں سے سفر کی مسافت نہیں ہوتی ہو (یعنی اسے شرعی مسافت نہیں کہا جاسکتا ہو) تو اس کا خرچ ان دونوں کی رضامندی سے یا پھر قاضی کی اپنی صوابدید پر متعین ہوگا (۔اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ قاضی کی رائے پر ہونا ہی زیادہ مناسب ہے۔ مف) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس درہم کو تین دنوں پر تقسیم کرکے دیا جائے کیونکہ کم سے کم مدت سفر تین دن ہیں (۔اس لئے جتنی مسافت ہو اس حساب سے دیا جائے)۔

تشریح...... بھاگے ہوئے غلام کو تین دن یا تین دن سے زائد مسافت سے آقا کے پاس لانے والے کا عوض چالیس درہم ہیں۔ اور اگر کم مدت (یعنی تین دن مسافت سے کم مدت) سے غلام کو لایا گیا تو اس حساب سے معاوضہ دیا جائے گا۔ وجوب معاوضہ پر تو سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے لیکن مقدار میں فرق ہے بعض کے ہاں چالیس درہم بعض کے ہاں اس سے کم۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بھاگے ہوئے غلام کو لایا تو بھٹکے ہوئے غلام کی طرح اس کو کوئی معاوضہ نہ دیا جائے گا۔ یہ تبرع اور احسان ہے ہاں اگر آقا شرط لگادے تو عوض دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں چونکہ احادیث میں معاوضہ کا تذکرہ ہے اور بھٹکے ہوئے غلام کے بارے میں عوض کا کوئی تذکرہ نہیں اب جب تین دن سے کم مدت مسافت سے غلام کو لایا گیا تو معاوضہ ان تین ایام پر تقسیم ہوگا۔

اگر چہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ غلام کو لانے والے کو معاوضہ نہ دیا جائے لیکن از روئے استحسان کے غلام کو لانے والے کو معاوضہ کا مستحق قرار دیا گیا۔

غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو واپس لانے والے کو کتنے دیئے جائیں گے

قَالَ وَ اِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهٗ اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعِيْنَ يُقْضٰى لَهٗ بِقِيْمَتِهٖ اِلَّا دِرْهَمًا قَالَؒ وَ هٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍؒ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَؒ لَهٗ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا لِاَنَّ التَّقْدِيْرَ بِهَا ثَبَتَ بِالنَّصِّ فَلَا يُنْقَصُ عَنْهَا وَ لِهٰذَا لَا يَجُوْزُ الصُّلْحُ عَلَى الزِّيَادَةِ بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَلَى الْاَقَلِّ لِاَنَّهٗ حَطٌّ مِنْهُ وَلِمُحَمَّدٍ اَنَّ الْمَقْصُوْدَ حَمْلُ الْغَيْرِ عَلَى الرَّدِّ لِيُحْيِيَ مَالَ الْمَالِكِ فَيَنْقُصُ دِرْهَمٌ لِيُسَلِّمَ لَهٗ شَيْءٌ تَحْقِيْقًا لِلْفَائِدَةِ

ترجمہ......اور اگر اس غلام کی قیمت چالیس درہم سے بھی کم ہو تو غلام واپس کرتے وقت چالیس سے ایک درہم کم دے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لانے والے کو چالیس درہم ہی ملیں گے کیونکہ یہ مقررہ مقدار نص حدیث سے ثابت ہے لہٰذا اس سے کم نہیں کیا جائے گا۔ اسی بناء پر اگر باہم دونوں متفق ہو کر چالیس درہم سے بھی زیادہ خرچ کے لین دین پر متفق ہو جائیں تو بھی جائز نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اس سے کم پر جائز ہوگا اس وجہ سے کہ لانے والے نے اپنے حق سے کچھ معاف کر دیا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جعل کا مقصود یہ ہے کہ لانے والے کو ایک غیر شخص کا غلام واپس پہنچانے پر آمادہ کرنا ہے تاکہ مالک کا اصل مال تباہ و برباد نہ ہو لہٰذا مال کی اصل قیمت سے ایک درہم کم دیا جائے۔ تاکہ اس کو بھی کچھ فائدہ حاصل ہو۔ اور اگر ام ولد یا مدبر بھاگے تو جعل اور لانے کے خرچ کے بارے میں وہ بھی ایک غلام کے برابر ہی ہوگا بشرطیکہ مولیٰ کی زندگی میں اسے واپس لے آئے۔ کیونکہ اس میں مولیٰ کی ملکیت زندہ ہوتی ہے

ام ولد و مدبر رقیق کے حکم میں

وَ اَمَّا اُمُّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرُ فِيْ هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْقِنِّ اِذَا كَانَ الرَّدُّ فِيْ حَيٰوةِ الْمَوْلٰى لِمَا فِيْهِ مِنْ اِحْيَاءِ مِلْكِهٖ وَلَوْ رُدَّ بَعْدَ مَمَاتِهٖ لَا جُعْلَ فِيْهِمَا لِاَنَّهُمَا يُعْتَقَانِ بِالْمَوْتِ بِخِلَافِ الْقِنِّ

ترجمہ......اور اگر مولیٰ کی وفات کے بعد واپس لایا تو ام ولد یا مدبر ہونے کی صورت میں اسے کچھ بھی جعل (خرچ) نہیں ملے گا کیونکہ یہ دونوں ہی مولیٰ کی موت کے بعد آزاد ہو جاتے ہیں۔ بخلاف خالص غلام کہ وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد نہیں ہوتا ہے۔

غلام کو لوٹانے والا مالک کا بیٹا یا اسکے عیال میں ہو یا زوجین میں ایک دوسرے پر لوٹائے اس کیلئے جعل نہیں

وَلَوْ كَانَ الرَّادُّ اَبًا لِلْمَوْلٰى اَوِ ابْنَهٗ وَهُوَ فِيْ عِيَالِهٖ اَوْ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْاٰخَرِ فَلَا جُعْلَ لِاَنَّ هٰؤُلَاءِ يَتَبَرَّعُوْنَ بِالرَّدِّ عَادَةً وَلَا يَتَنَاوَلُهُمْ اِطْلَاقُ الْكِتَابِ

ترجمہ......اور اگر پکڑ کر لانے والا شخص غلام کے مالک کا باپ یا بیٹا ہو جو اس کی ذمہ داری اور عیالداری میں ہو یا شوہر اور اس کی بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا غلام پکڑ لائے تو کچھ بھی اس کا خرچ اور جعل نہیں ملے گا۔ کیونکہ لوگوں میں یہ معاملہ جاری ہے اور یہی عادت ہے کہ اس

موقع پر لانے والا بطور احسان کے لاتا ہے کسی مالی لالچ کی بناء پر نہیں لاتا ہے۔اس لئے کتاب کا حکم جو مطلق ہے ان لوگوں کو شامل نہ ہوگا۔

مالک کے پاس لانے والے سے غلام بھاگ جائے تو اس کو کچھ لازم نہیں

قَالَ وَاِنْ اَبِقَ مِنَ الَّذِیْ رَدَّہٗ فَلَاشَیْءَ عَلَیْہِ لِاَنَّہٗ اَمَانَۃٌ فِیْ یَدِہٖ لٰکِنْ ھٰذَا اِذَا شَھِدَ وَقَدْ ذَکَرْنَاہُ فِی اللُّقْطَۃِ قَالَ وَذُکِرَ فِیْ بَعْضِ النُّسَخِ اَنَّہٗ لَاشَیْءَ لَہٗ وَھُوَ صَحِیْحٌ اَیْضًا لِاَنَّہٗ فِیْ مَعْنَی الْبَائِعِ مِنَ الْمَالِکِ وَلِھٰذَا کَانَ لَہٗ اَنْ یَّحْبِسَ الْاٰبِقَ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ الْجُعْلَ بِمَنْزِلَۃِ الْبَائِعِ یَحْبِسُ الْمَبِیْعَ لِاِسْتِیْفَاءِ الثَّمَنِ وَکَذٰلِکَ اِذَا مَاتَ فِیْ یَدِہٖ لَاشَیْءَ عَلَیْہِ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ...... کہا اور اگر غلام اس شخص کے ہاتھ سے بھاگ گیا جو اسی بھاگے ہوئے کو اس کے مالک کے پاس پہنچانے کے لئے لارہا تھا تو اس لانے والے پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ غلام اس وقت اس کے قبضہ میں امانت کے طور پر تھا۔البتہ شرط یہ ہوگی کہ اس وقت جبکہ اس غلام کو پکڑنا چاہ رہا تھا کسی کو اس بات پر گواہ بنادیا ہو کہ میں اس کے مالک کے پاس واپس پہنچانے کے لئے پکڑ رہا ہوں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو لقطہ کے مسائل میں بیان کردیا ہے۔پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض نسخوں میں یہی مذکور ہے کہ واپس لانے والے کے لئے کچھ نہیں ہے اور یہ نسخہ بھی صحیح ہے (یعنی جب اس کے پاس سے غلام بھاگ گیا تو اس کو کچھ جعل (خرچ) نہیں ملے گا) کیونکہ وہ مالک کے ہاتھ میں بیچنے والے کے معنی میں ہے۔(یعنی وہ جب تک مالک کے حوالہ اس غلام کو نہ کردے اس وقت تک وہ کسی خرچ کے پانے کا مستحق نہیں ہوگا)۔اسی لئے واپس لانے والے کو یہ اختیار ہے کہ اپنا جعل (مطالبہ حق) وصول کرلینے تک بھگوڑے غلام کو اپنے پاس ہی رہنے دے۔جیسے کہ بیچنے والے کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنی قیمت نقد وصول کرلینے تک وہ مال یا سامان خریدار کو دینے سے روک دے۔اسی طرح اگر واپس لانے والے کے قبضہ میں وہ غلام مرجائے تو بھی اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔(یعنی وہ غلام یا اس کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ اس وقت تک امین ہے یا اس نے اپنا حق وصول کرلینے کے لئے روکا ہے۔پھر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ واپس لانے والے نے جب غلام کو اس کے مالک کے حوالہ کردیا اس طرح سے کہ اپنا قبضہ اس سے ختم کرلیا اور مولیٰ کو اس پر قبضہ کا اختیار دے دیا تو وہ قابض ہوگیا)۔

مولیٰ نے غلام کو دیکھتے ہی آزاد کردیا، آزاد کرنے کی وجہ سے حکماً قابض ہوگا لہٰذا لانے والے کا جعل لازم ہوگا

قَالَ وَلَوْ اَعْتَقَہُ الْمَوْلٰی کَمَا لَقِیَہٗ صَارَ قَابِضًا بِالْاِعْتَاقِ کَمَا فِیْ عَبْدِ الْمُشْتَرِیْ وَکَذَا اِذَا بَاعَہٗ مِنَ الرَّادِّ لِسَلَامَۃِ الْبَدَلِ لَہٗ وَالرَّدُّ وَاِنْ کَانَ لَہٗ حُکْمُ الْبَیْعِ لٰکِنَّہٗ بَیْعٌ مِنْ وَّجْہٍ فَلَایَدْخُلُ تَحْتَ النَّھْیِ الْوَارِدِ عَنْ بَیْعِ مَالَمْ یَقْبِضْ فَجَازَ قَالَ وَیَنْبَغِیْ اِذَا اَخَذَہٗ اَنْ یُّشْھِدَ اَنَّہٗ یَاْخُذُہٗ لِیَرُدَّہٗ فَالْاِشْھَادُ حَتْمٌ فِیْہِ عَلَیْہِ عَلٰی قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ حَتّٰی لَوْرَدَّہٗ مَنْ لَمْ یُشْھِدْ وَقْتَ الْاَخْذِ لَاجُعْلَ لَہٗ عِنْدَھُمَا لِاَنَّ تَرْکَ الْاِشْھَادِ اَمَارَۃٌ اَنَّہٗ اَخَذَہٗ لِنَفْسِہٖ وَصَارَ کَمَا اِذَا اشْتَرَاہُ مِنَ الْاٰخِذِ اَوِ اتَّھَبَہٗ اَوْوَرِثَہٗ فَرَدَّہٗ عَلٰی مَوْلَاہُ لَاجُعْلَ لَہٗ لِاَنَّہٗ رَدَّہٗ لِنَفْسِہٖ اِلَّا اِذَا شَھِدَ اَنَّہٗ اشْتَرَاہُ لِیَرُدَّہٗ فَیَکُوْنُ لَہُ الْجُعْلُ وَھُوَ مُتَبَرِّعٌ فِیْ اَدَاءِ الثَّمَنِ

ترجمہ......اور اگر مولیٰ نے اس غلام کو دیکھتے ہی آزاد کردیا تو آزاد کرنے کی وجہ سے وہ حکماً قابض ہوجائے گا۔لہٰذا لانے والے کا خرچ (جعل)

واجب ہو جائے گا)۔ جیسے کہ خریدے ہوئے غلام میں ہوتا ہے (۔یعنی اگر خریدتے ہی خریدار نے غلام کو آزاد کر دیا تو اسے بھی قابض سمجھا جائے گا اس لئے اس کی قیمت بیچنے والے کو دینی ہوگی)۔ اسی طرح اگر مالک نے واپس لانے والے کے ہاتھ ہی اسے فروخت کر دیا تو بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ لانے کا خرچ (جعل) اسے دے دیا گیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح واپس کر دینا اگرچہ بیع کے حکم میں ہے۔ لیکن معاملہ مکمل طور پر بیع نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک اعتبار سے بیع ہے۔ اس لئے کسی چیز پر قبضہ کئے بغیر اسے فروخت کرنے کی شریعت میں جو ممانعت ہے وہ اس صورت میں صادق نہیں ہوگی۔

قَالَ وَيَنْبَغِيْ الخ اور واپس کرنے کے لئے بھگوڑے غلام کو پکڑنے سے پہلے کسی کو گواہ بھی بنا لینا چاہئے یہ کہتے ہوئے کہ میں اس کو اس کے اصل مالک کے پاس پہنچانے کے لئے پکڑ رہا ہوں۔ اس میں امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کے قول کے مطابق بھگوڑے غلام کو پکڑنے میں اس پر گواہ مقرر کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے پکڑتے وقت گواہ مقرر نہیں کیا اور لا کر واپس کر دیا تو وہ جعل پانے کا مستحق بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ بغیر گواہ مقرر کئے ہوئے پکڑنا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اسے اپنے پاس ہی رکھنے کے لئے اسے پکڑا تھا۔ لہٰذا اب اس کی صورت ایسی ہوگئی جیسے اس نے پکڑنے والے سے اسے خرید کر یا ہبہ میں وصول کر کے یا میراث میں اسے پا کر پھر اس کے مالک کو واپس کر دیا۔ تو اس کے لئے جعل نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے خود اپنے لئے لے کر واپس دیا ہے۔ لیکن اگر خریدتے وقت گواہ مقرر کر لئے ہوں کہ میں اس کے مالک کو واپس کرنے کے لئے خریدتا ہوں تو اسے جعل ملے گا۔ مگر اس کی قیمت دیتے وقت وہ احسان کرنے والا ہوگا۔

آبق غلام رہن ہو تو جعل مرتہن پر ہے

فَاِنْ كَانَ الْاٰبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ لِاَنَّهُ اَحْيٰى مَالِيَّتَهُ بِالرَّدِّ وَهِيَ حَقُّهُ اِذِ الْاِسْتِيْفَاءُ مِنْهَا وَالْجُعْلُ بِمُقَابَلَةِ اِحْيَاءِ الْمَالِيَّةِ فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ وَالرَّدُّ فِي حَيٰوةِ الرَّاهِنِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ لِاَنَّ الرَّهْنَ لَايَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَ هٰذَا اِذَا كَانَتْ قِيْمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ اَوْ اَقَلَّ مِنْهُ فَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ فَبِقَدْرِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَالْبَاقِي عَلَى الرَّاهِنِ لِاَنَّ حَقَّهُ بِالْقَدْرِ الْمَضْمُوْنِ فَصَارَ كَثَمَنِ الدَّوَاءِ وَ تَخْلِيْصِهٖ عَنِ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ

ترجمہ..... اگر بھاگ جانے والا غلام کسی کے پاس رہن رکھا ہوا تھا تو اس کے واپس لانے کا جعل (خرچ) اس کے مرتہن (جس کے پاس اسے رہن رکھا گیا ہو) کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ واپس لانے والے نے اس کی ملکیت زندہ کر دی ہے۔ حالانکہ اس کی مالیت مرتہن کا حق ہے کیونکہ اس مرہون غلام کی واپسی سے ہی اس کی دی ہوئی رقم اسے واپس ملے گی۔ اور اس کے بغیر اسے واپس نہیں ملے گی اور اپنی مالیت کے حق کو باقی رکھنے کے لئے اس کا جعل ادا کرنا واجب ہے اس لئے وہ جعل اسی مرتہن کے ذمہ ہوگا اور اس کا راہن خواہ زندہ رہے یا مر جائے دونوں حال میں اس کا حکم یکساں ہے کیونکہ راہن کے مر جانے سے رہن باطل نہیں ہوتا ہے۔ اس مرتہن پر جعل اسی صورت میں واجب ہوگا جبکہ مرہون غلام کی قیمت قرض کی قیمت کے برابر یا اس سے کم ہو۔ اس لئے اگر قرض سے زیادہ ہو تو مرتہن پر اس کے قرض کی مناسبت سے جعل لازم آئے گا اور باقی خود راہن کے ذمہ ہوگا کیونکہ مرتہن کا حق اس میں صرف اس کی ضمانت کے برابر ہے اس لئے اس کا حکم ایسا ہوگا جیسے دوا کی قیمت اور جرم سے چھڑانے کا فدیہ (یعنی اگر مرہون غلام نے خطاءً کسی کو قتل کر دیا یا وہ خود بیمار ہو گیا تو اس قتل کا فدیہ یا بیماری کے سلسلہ کی دوا کی قیمت مرتہن کے قرض کی مناسبت سے اس پر لازم ہوگی اور باقی راہن کے ذمہ ہوگا۔ ایسا ہی یہاں ہوگا)۔

تشریح..... راہن، مرتہن، مرہون اور جعل کی وضاحت: حماد نے خالد کے پاس اپنا غلام زاہد رکھ کر تین ہزار روپے وصول کئے یہ کہہ کر کہ روپے آ جانے سے آپ کو ادا کر کے اپنا غلام واپس لے لوں گا۔ یہی معاملہ رہن کا ہوا تو حامد راہن اور خالد مرتہن اور زاہد مرہون ہوا۔ پھر موقع پا کر غلام

بھاگ گیا۔ اور تیسرے شخص ساجد نے کسی طرح اسے پکڑ لیا جس میں اسے تین سو خرچ ہوئے تو یہی خرچ جعل کہلائے گا۔

غلام آبق مدیون ہو تو قرضہ مولیٰ پر ہے

وَاِنْ كَانَ مَدْيُوْنًا فَعَلَى الْمَوْلٰى اِنِ اخْتَارَ قَضَاءَ الدَّيْنِ وَاِنْ بِيْعَ بُدِئَ بِالْجُعْلِ وَالْبَاقِيْ لِلْغُرَمَاءِ لِاَنَّهٗ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ . وَالْمِلْكُ فِيْهِ كَالْمَوْقُوْفِ فَيَجِبُ عَلٰى مَنْ يَّسْتَقِرُّ لَهٗ

ترجمہ...... اور اگر بھاگا ہوا غلام قرضدار ہو تو (دیکھا جائے کہ) اگر اس کا مولیٰ اس قرض کو خود ادا کرنے پر راضی ہے تو اس غلام کو واپس لانے کا جعل بھی اس کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر (اس نے اس کے قرض کی ادائیگی سے انکار کیا اس بناء پر) وہ غلام قرض کے سلسلہ میں فروخت کیا گیا تو پہلے وہ جعل ادا کر دیا جائے۔ اور باقی قرض خواہوں کا ہوگا۔ کیونکہ جعل تو اس ملکیت پر اس کے واپس لانے کا خرچ ہے اور ملکیت بمنزلہٗ موقوف کے ہے۔ اس لئے اس پر جس کی ملکیت ثابت ہوگی۔ اسی پر وہ جعل یا خرچ لازم آئے گا۔

آبق نے کوئی جنایت کی تو مولیٰ پر جنایت کا تاوان لازم ہوگا یا نہیں

وَ اِنْ كَانَ جَانِيًا فَعَلَى الْمَوْلٰى اِنِ اخْتَارَ الْفِدَاءَ لِعَوْدِ الْمَنْفَعَةِ اِلَيْهِ وَعَلَى الْاَوْلِيَاءِ اِنِ اخْتَارَ الدَّفْعَ لِعَوْدِهَا اِلَيْهِمْ

ترجمہ...... اور اگر غلام سے خطاً کوئی قتل ہو گیا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے مولیٰ نے اس کے قتل کا فدیہ دینا قبول کر لیا ہو تو اس غلام کو واپس لانے کا جعل اسی مولیٰ پر لازم ہوگا۔ کیونکہ اس غلام کی واپسی سے غلام کا نفع اسی مولیٰ کا ہوگا۔ اور اگر مولیٰ نے قتل کے فدیہ میں یہ غلام ہی مقتول کے ورثہ کو دے دینے کا فیصلہ کر لیا ہو تو اب اس کی واپسی کا جعل بھی ان ورثہ پر ہی لازم ہوگا۔ کیونکہ موجودہ صورت میں اس غلام کی واپسی سے ان ورثہ ہی کو فائدہ پہنچے گا۔

آبق موہوب ہے تو جعل موہوب لہ پر ہے

وَ اِنْ كَانَ مَوْهُوْبًا فَعَلَى الْمَوْهُوْبِ لَهٗ وَاِنْ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِيْ هِبَتِهٖ بَعْدَ الرَّدِّ لِاَنَّ الْمَنْفَعَةَ لِلْوَاهِبِ مَا حَصَلَتْ بِالرَّدِّ بَلْ بِتَرْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ التَّصَرُّفَ فِيْهِ بَعْدَ الرَّدِّ

ترجمہ...... اور اگر یہ غلام ہبہ کیا ہوا ہو تو اس کا جعل اسی پر لازم ہوگا جسے وہ غلام ہبہ کے طور پر دے دیا گیا ہو۔ اگرچہ واپسی کے بعد ہبہ کرنے والا اپنا ہبہ واپس لے لے کیونکہ اس کی واپسی سے ہبہ کرنے والے کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ اسی وقت اسے فائدہ ہوگا جبکہ موہوب لہ نے (یعنی جسے ہبہ کیا گیا تھا) اپنا اختیار اس سے ختم کر دیا ہو۔

بچے کے بھاگے ہوئے غلام کو لایا گیا تو جعل بچے کے مال میں ہے

وَ اِنْ كَانَ لِصَبِيٍّ فَالْجُعْلُ فِيْ مَالِهٖ لِاَنَّهٗ مُؤْنَةُ مِلْكِهٖ وَ اِنْ رَدَّهٗ وَصِيُّهٗ فَلَا جُعْلَ لَهٗ لِاَنَّهٗ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَلَّى الرَّدَّ فِيْهِ

ترجمہ...... اور اگر یہ بھگوڑا غلام کسی نابالغ کا ہو تو اس غلام کا جعل اسی بچہ کے مال میں لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ جعل تو اس کے ملک پر خرچ آیا ہوا ہے۔ اور اگر اس نابالغ کا وصی سے واپس لے کر آیا ہو تو اس وصی کو اس کا جعل نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس غلام کو ڈھونڈھ کر لے آنا اس کی ذاتی ذمہ داری ہے۔

كِتَابُ الْمَفْقُوْدِ

ترجمہ..... کتاب، مفقود کے بیان میں

مفقود کی تعریف

اِذَاغَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَايُعْلَمُ اَحَيٌّ هُوَاَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِيْ مَنْ يَّحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِيْ حَقَّهُ لِاَنَّ الْقَاضِيْ نُصِبَ نَاظِرًالِكُلِّ عَاجِزٍعَنِ النَّظْرِلِنَفْسِهِ وَالْمَفْقُوْدُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ وَصَارَ كَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَفِيْ نَصْبِ الْحَافِظِ لِمَالِهِ وَالْقَائِمِ عَلَيْهِ نَظَرٌ لَهُ وَقَوْلُهُ يَسْتَوْ فِيْ حَقَّهُ لَا خِفَاءَ اَنَّهُ يَقْبِضُ غَلَّاتِهٖ وَالدِّيْنَ الَّذِيْ اَقَرَّبِهٖ غَرِيْمٌ مِنْ غُرَمَائِهٖ لِاَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَيُخَاصِمُ فِيْ دِيْنٍ وَجَبَ بِعَقْدِهٖ لِاَنَّهُ اَصِيْلٌ فِيْ حُقُوْقِهٖ وَلَا يُخَاصِمُ فِي الَّذِيْ تَوَلَّاهُ الْمَفْقُوْدُ وَلَا فِيْ نَصِيْبٍ لَهُ فِيْ عَقَارٍاَوْعُرُوْضٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ لِاَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا نَائِبٍ عَنْهُ اِنَّمَا هُوَوَكِيْلٌ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْقَاضِيْ وَاِنَّهُ لَايَمْلِكُ الْخُصُوْمَةَ بِلَاخِلَافٍ اِنَّمَا الْخِلَافُ فِي الْوَكِيْلِ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ فِي الدَّيْنِ وَاِذَاكَانَ كَذَالِكَ يَتَضَمَّنُ الْحُكْمُ بِهٖ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ وَاِنَّهُ لَا يَجُوْزُاِلَّا اِذَارَاٰهُ الْقَاضِيْ وَقَضٰى بِهٖ لِاَ نَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ ثُمَّ مَا كَانَ يُخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادُ يَبِيْعُهُ الْقَاضِيْ لِاَ نَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ حِفْظُ صُوْرَتِهٖ فَيَنْظُرُلَهُ بِحِفْظِ الْمَعْنٰى

ترجمہ..... (مفقود وہ شخص ہے جو اپنے لوگوں سے اس طرح غائب ہوگیا ہو کہ اس کی زندگی یا موت کا کچھ حال معلوم نہ ہو اسی لئے فرمایا ہے۔ و اذا غاب الرجل..... الخ) اگر کوئی شخص اس طرح غائب ہوگیا کہ اس کا ٹھکانا بالکل معلوم نہ ہو سکے یہاں تک کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ بھی ہے یا مرگیا ہے۔ ایسی حالت میں قاضی کسی ایک ایسے شخص کو اس کام کے لئے مقرر کردے جو اس کے مال کی حفاظت اور دیکھ بھال کرے اور اس کے حقوق وصول کرلے۔ اس لئے کہ قاضی کو تو ہر ایسے شخص کے لئے ذمہ دار محافظ بنایا گیا ہے جو اپنی ذاتی ضروریات اور معاملات کی خود دیکھ بھال اور معاملات سے عاجز ہو جائے۔ اور اس مفقود میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ اس لئے وہ بھی چھوٹے بچوں یا دیوانوں کے جیسا ہوگیا اور اس کے مال کی حفاظت اور دیکھ بھال کرنے والا مقرر کرنے میں اس مفقود ہی کی بہتری مدنظر ہوتی ہے۔ اور اب وہ اس مفقود کے حقوق کو وصول کرے تو کس طرح تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ نمائندہ شخص اس کے مال کی آمدنی و پیداوار وصول کرتا رہے گا اور اس کے مقروض افراد میں سے جس جس نے اس سے قرض لینے کا اقرار کیا ہو ان میں سے ہر ایک سے قرض بھی وصول کرے گا۔ کیونکہ اس مفقود کے مال کی حفاظت کا یہ بھی ایک طریقہ ہے اور قاضی کے پاس جا کر ایسے قرض کے بارے میں وہ مقدمہ بھی پیش کر سکتا ہے جو اس وصی کے معاملہ سے واجب ہوا ہو۔ کیونکہ ایسے حقوق کے بارے میں یہ خود ہی اصل ذمہ دار ہے۔ اور جس قرضہ کا ذمہ دار خود وہ مفقود ہوا ہو اس میں یہ مخاصمہ نہیں کر سکتا ہے اور اس مفقود کی غیر منقولہ جائیداد یا مال منقولہ کسی شخص کے قبضہ میں ہو یا حصہ ہو اس کے بارے میں بھی قاضی کے پاس مخاصمہ نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وہ نہ تو خود اصلی مالک ہے اور نہ ہی اس کا نائب ہے بلکہ وہ تو صرف قاضی کی طرف سے وصول اور قبضہ کرنے کے لئے وکیل مقرر کیا گیا ہے اور ایسا وکیل بالاتفاق نالش اور خصومت نہیں کر سکتا ہے۔ البتہ جس وکیل کو مالک نے اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل مقرر کیا ہو تو ایسے وکیل کے بارے میں کچھ اختلاف بھی ہے کہ وہ نالش کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا ہے۔ اب جبکہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ شخص (وکیل) مخاصمہ نہیں کر سکتا ہے تو اس کی خصوصیت پر کوئی حکم ہو وہ غائب پر حکم دینے کو شامل ہے۔

حالانکہ یہ بات جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر قاضی کی رائے میں یہ بات جائز ہو اور اس نے حکم بھی دیا ہو تو اس کا حکم نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے (جس میں اجتہاد کرنے کی گنجائش ہو۔) پھر مفقود کے جس مال کے بارے میں یہ خوف ہو کہ وہ چیز خراب ہو جائے گی اچھی حالت میں دیر تک نہیں رہ سکتی ہے قاضی اس چیز کو فروخت کر دینے کا حکم دے گا۔ کیونکہ جب کوئی چیز بعینہٖ اپنی اصل حالت میں محفوظ نہیں رکھی جا سکتی ہو اور اسے محفوظ رکھنا ممکن نہ ہو تو اسے معناً محفوظ رکھا جائے (یعنی اسے فروخت کر کے اس کی قیمت محفوظ کر لی جائے)۔

جس مال کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو اسے بیچا نہ جائے

وَ لَا يَبِيعُ مَا لَا يُخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادُ فِيْ نَفَقَةٍ وَ لَا غَيْرِهَا لِاَنَّهٗ لَا وِلَايَةَ لَهٗ عَلَى الْغَائِبِ اِلَّا فِيْ حِفْظِ مَالِهٖ فَلَا يَسُوْغُ لَهٗ تَرْكُ حِفْظِ الصُّوْرَةِ وَ هُوَ مُمْكِنٌ

ترجمہ...... اور جس مال کے خراب یا ضائع ہونے کا خوف نہ ہو اسے وہ فروخت نہ کرے۔ (جیسی بھی ضرورت ہو) یعنی خواہ نفقہ کی ضرورت ہو یا دوسری کوئی اور ضرورت ہو۔ کیونکہ خود قاضی کو بھی غائب آدمی کے مال میں اسی قدر تصرف کا حق رہتا ہے کہ اس کی حفاظت ہو سکے۔ جب تک اصل مال کی اسی حالت میں حفاظت ممکن ہو اس کے خلاف کرنا جائز نہ ہوگا۔

مفقود کے مال سے بیوی اور اولاد پر خرچ کیا جائے

قَالَ وَيُنْفِقُ عَلٰى زَوْجَتِهٖ وَاَوْلَادِهٖ مِنْ مَّالِهٖ وَلَيْسَ هٰذَا الْحُكْمُ مَقْصُوْرًا عَلَى الْاَوْلَادِ بَلْ يَعُمُّ جَمِيْعَ قَرَابَةِ الْوِلَادِ وَالْاَصْلُ اَنَّ كُلَّ مَنْ يَّسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ فِيْ مَالِهٖ حَالَ حَضْرَتِهٖ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِيْ يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ عِنْدَ غَيْبَتِهٖ لِاَنَّ الْقَضَاءَ حِيْنَئِذٍ يَّكُوْنُ اِعَانَةً وَكُلُّ مَنْ لَا يَسْتَحِقُّهَا فِيْ حَضْرَتِهٖ اِلَّا بِالْقَضَاءِ لَا يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ فِيْ غَيْبَتِهٖ لِاَنَّ النَّفَقَةَ حِيْنَئِذٍ تَجِبُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ مُمْتَنِعٌ فَمِنَ الْاَوَّلِ الْاَوْلَادُ الصِّغَارُ وَالْاِنَاثُ مِنَ الْكِبَارِ وَالزَّمِنٰى مِنَ الذُّكُوْرِ الْكِبَارِ وَمِنَ الثَّانِيْ اَلْاَخُ وَالْاُخْتُ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ

ترجمہ...... قاضی کی طرف سے مقرر کردہ شخص مفقود کے مال سے اس کی بیوی و بچوں کو خرچ دے اور یہ حکم اس کی اولاد ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ جن لوگوں سے پیدائشی تعلق ہو (یعنی والدین دادا، پوتے وغیرہ سب محتاجوں کو نفقہ دے)۔ اس معاملہ میں اصل یہ ہے کہ جو لوگ اس کی موجودگی میں قاضی کے حکم کے بغیر خود ہی اس کے مال سے نفقہ پانے کے مستحق ہوئے تھے ان سب پر اس کے غائب ہونے کی صورت میں بھی اس کے مال سے نفقہ دے کیونکہ اس صورت میں قاضی کا حکم صرف اصلی حکم کی تائید اور اس پر عمل کرانا ہوتا ہے۔ (یعنی نفقہ پانے کا مستحق ہونا قاضی کے حکم سے پہلے سے ہی ثابت ہوتا ہے)۔ اور جو لوگ اس کی موجودگی میں قاضی کے حکم کے بغیر اس سے نفقہ کا استحقاق نہیں رکھتے تھے ان کا نفقہ نہیں دے گا کیونکہ ایسی صورت میں نفقہ کا وجوب قاضی کے حکم سے ثابت ہوتا ہے اور غائب شخص پر قاضی حکم نہیں لگا سکتا ہے اس لئے پہلی قسم میں سے (یعنی وہ لوگ جو قاضی کے حکم کے بغیر بھی نفقہ کے مستحق ہوتے ہیں) وہ مفقود کے نابالغ بچے اور بالغہ لڑکیاں ہیں اسی طرح بالغ لڑکوں میں سے جو اپاہج ہوں اور قسم دوم (یعنی وہ لوگ جو قاضی کے حکم کے بغیر مستحق نہ ہوں) وہ بھائی، بہن، ماموں اور خالہ ہیں۔

مال کا مصداق

وَ قَوْلُهٗ مِنْ مَّالِهٖ مُرَادُهُ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيْرُ لِاَنَّ حَقَّهُمْ فِي الْمَطْعُوْمِ وَالْمَلْبُوْسِ فَاِذَا لَمْ يَكُنْ ذَالِكَ فِيْ مَالِهٖ

يَحْتَاجُ اِلَى الْقَضَاءِ بِالْقِيْمَةِ وَهِيَ النَّقْدَانِ وَالتِّبْرُ بِمَنْزِلَتِهِمَا فِيْ هٰذَا الْحُكْمِ لِاَنَّهُ يَصْلُحُ قِيْمَةً كَالْمَضْرُوْبِ وَهٰذَا اِذَا كَانَتْ فِيْ يَدِ الْقَاضِيْ

ترجمہ...... اس جگہ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اس کے مال سے نفقہ دے تو مال سے مراد درہم یا دینار ہیں (یعنی نقد روپے اور اشرفی ہے)۔ کیونکہ ان لوگوں کا حق کھانے اور لباس میں ہوتا ہے۔ اور جب اس کے مال میں غلہ اور کپڑا موجود نہ ہو تو اس کی قیمت دینے کا حکم ہوگا۔ اور اس کی قیمت تو یہی روپے اور اشرفی وغیرہ ہیں۔ اور اس معاملہ میں بغیر ڈھلی ہوئی چاندی سونا بھی سکہ دار روپیہ اور اشرفی کے حکم میں ہے۔ کیونکہ ڈھلے ہوئے سکوں کی طرح ان کی ڈلی کا بھی حکم ہے۔ (یعنی ڈلی بھی قیمت بن سکتی ہے۔ یہ باتیں اسی صورت میں ہوں گی کہ مال قاضی کے اختیار میں ہو)۔

ودیعت اور دین سے خرچ کیا جائے گا

فَاِنْ كَانَتْ وَدِيْعَةً اَوْ دَيْنًا يُنْفِقُ عَلَيْهِمْ مِنْهُمَا اِذَا كَانَ الْمُوْدَعُ وَالْمَدْيُوْنُ مُقِرَّيْنِ بِالدَّيْنِ وَالْوَدِيْعَةِ وَالنِّكَاحِ وَالنَّسَبِ وَ هٰذَا اِذَا لَمْ يَكُوْنَا ظَاهِرَيْنِ عِنْدَ الْقَاضِيْ فَاِنْ كَانَا ظَاهِرَيْنِ فَلَا حَاجَةَ اِلَى الْاِقْرَارِ وَ اِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا ظَاهِرًا يُشْتَرَطُ الْاِقْرَارُ بِمَا لَيْسَ بِظَاهِرٍ هٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ

ترجمہ...... اور اگر اس کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت یا قرض کے ہو تو اس امانت یا قرض میں سے ان لوگوں کو اسی صورت میں نفقہ دے گا جبکہ وہ امانت دار یا قرض دار امانت اور قرض کے ہونے اور اس کی بیوی سے اس غائب کے نکاح کے باقی رہنے اور دوسروں کے نسب ہونے کا اقرار کرتے ہوں۔ لیکن اقرار ہونے کی ضرورت اسی صورت میں ہوگی جبکہ خود قاضی کے نزدیک یہ باتیں ظاہر نہ ہوں (یعنی اسے معلوم نہ ہوں)۔ اور اگر دونوں باتوں کا اسے بھی علم ہو تو اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک بات ظاہر ہو تو دوسری بات جو ظاہر نہ ہو اس کا اقرار شرط ہے۔ یہی حکم صحیح ہے۔

مُوْدَعْ اور مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ نے قاضی کے فیصلے کے بغیر خرچ کیا تو مُوْدَعْ ضامن ہوگا اور مدیون دین سے بری نہیں ہوگا

فَاِنْ دَفَعَ الْمُوْدَعُ بِنَفْسِهٖ اَوْمَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِغَيْرِ اَمْرِ الْقَاضِيْ يَضْمَنُ الْمُوْدَعُ وَلَايَبْرَءُ الْمَدْيُوْنُ لِاَنَّهُ مَااَدّٰى اِلٰى صَاحِبِ الْحَقِّ وَلَااِلٰى نَائِبِهٖ بِخِلَافِ مَااِذَادَفَعَ بِاَمْرِ الْقَاضِيْ لِاَنَّ الْقَاضِيْ نَائِبٌ عَنْهُ

ترجمہ...... اور اگر امانت دار یا قرض دار نے قاضی کے حکم کے بغیر خود ہی نفقہ کے مستحقین میں مال تقسیم کر دیا تو امانت دار ضامن ہوگا۔ اور قرض دار بری نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے اصل حقدار یا اس کے نائب کو نہیں دیا ہے۔ اس کے برخلاف اگر قاضی کے حکم سے دیا ہو تو وہ بری ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس مفقود کی طرف سے قاضی اس کا نائب ہے۔

مودع اور مدیون منکر ہوں پھر کیا حکم ہے

وَ اِنْ كَانَ الْمُوْدَعُ وَالْمَدْيُوْنُ جَاحِدَيْنِ أَصْلًا اَوْ كَانَا جَاحِدَيْنِ الزَّوْجِيَّةَ وَالنَّسَبَ لَمْ يَنْتَصِبْ اَحَدٌ مِّنْ مُسْتَحِقِّي النَّفَقَةِ خَصْمًا فِيْ ذَالِكَ لِاَنَّ مَا يَدَّعِيْهِ لِلْغَائِبِ لَمْ يَتَعَيَّنْ سَبَبًا لِثُبُوْتِ حَقِّهٖ وَ هُوَ النَّفَقَةُ لِاَنَّهَا كَمَا

تَجِبُ فِیْ هٰذَا الْمَالِ تَجِبُ فِیْ مَالٍ اٰخَرَ لِلْمَفْقُوْدِ

ترجمہ...... اور اگر امانت دار یا قرض دار اصل امانت کے رکھنے یا قرض لینے کے منکر ہوں یا ان کے درمیان نسب یا میاں بیوی کے رشتہ ہونے کے منکر ہوں تو نفقہ کے مستحقین میں سے کوئی شخص اس بارہ میں منکر کا مقابل خصم نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غائب کے واسطے وہ جس کسی چیز کا بھی مدعی ہو وہ اس کا حق ثابت ہونے کے واسطے متعین سبب نہیں ہے اور اس کا حق نفقہ ہے۔ کیونکہ نفقہ جیسے اس میں واجب ہے ویسے ہی مفقود کے دوسرے مال میں بھی واجب ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ غائب کی طرف سے ایسا کوئی شخص جسے غائب نے اپنا نائب مقرر نہیں کیا ہو اگر مخاصمہ کرے تو وہ مقبول نہیں ہوتا ہے۔ سوائے اس ایک صورت کے کہ اس شخص کا ذاتی حق ثابت ہونا اس بات پر موقوف ہو کہ پہلے یہ شخص غائب کے لئے کوئی بات ثابت کرے۔ پس وہ گواہ پیش کر کے غائب کے لئے پہلے ثابت کرے گا تا کہ اس کے بعد اس کا حق ثابت ہو اور یہاں جو لوگ نفقہ کے مستحق ہیں اگر وہ امانت دار یا قرض دار پر مفقود کی امانت یا قرض ثابت بھی کریں تب بھی ان کا حق ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ نفقہ واجب ہونا مفقود کے قرض یا امانت ہی میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ مفقود کے دوسرے مال میں واجب ہے۔ الحاصل یہ لوگ غائب کی طرف سے مدعی نہ ہوں گے۔

مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان کب تفریق کی جائے گی، اقوالِ فقہاء

قَالَ وَ لَا يُفَرَّقُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ امْرَأَتِهٖ وَقَالَ مَالِكٌؒ اِذَامَضٰى اَرْبَعُ سِنِيْنَ يُفَرِّقُ الْقَاضِىْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ امْرَأَتِهٖ وَتَعْتَدُّ عِدَّةَ الْوَفَاةِ ثُمَّ تَزَوَّجُ مَنْ شَاءَ تْ لِاَنَّ عُمَرَؓ هٰكَذَاقَضٰى فِى الَّذِى اسْتَهْوَاهُ الْجِنُّ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَفٰى بِهٖ اِمَامًا وَلِاَنَّهٗ مَنَعَ حَقَّهَا بِالْغَيْبَةِ فَيُفَرِّقُ الْقَاضِىْ بَيْنَهُمَا بَعْدَ مَامَضٰى مُدَّةٌ اِعْتِبَارًا بِالْاِيْلَاءِ وَالْعُنَّةِ وَبَعْدَ هٰذَا الْاِعْتِبَارِ اُخِذَ الْمِقْدَارُ مِنْهُمَا الْاَرْبَعُ مِنَ الْاِيْلَاءِ وَالسِّنِيْنَ مِنَ الْعُنَّةِ عَمَلًا بِالشِّبْهَيْنِ وَلَنَا قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِى امْرَأَةِ الْمَفْقُوْدِ اَنَّهَا امْرَأَتُهٗ حَتّٰى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ وَقَوْلُ عَلِيٍّؓ فِيْهَاهِىَ امْرَأَةٌ اُبْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتّٰى يَسْتَبِيْنَ مَوْتٌ اَوْطَلَاقٌ خَرَجَ بَيَانًالِلْبَيَانِ الْمَذْكُوْرِفِى الْمَرْفُوْعِ وَلِاَنَّ النِّكَاحَ عُرِفَ ثُبُوْتُهٗ وَالْغَيْبَةُ لَاتُوْجِبُ الْفُرْقَةَ وَالْمَوْتُ فِىْ حَيِّزِ الْاِحْتِمَالِ فَلَايَزَالُ النِّكَاحُ بِالشَّكِّ وَعُمَرُؓ رَجَعَ اِلٰى قَوْلِ عَلِيٍّؓ وَلَامُعْتَبَرَ بِالْاِيْلَاءِ لِاَنَّهٗ كَانَ طَلَاقًا مُعَجَّلًا فَاعْتُبِرَفِى الشَّرْعِ مُؤَجَّلًا فَكَانَ مُوْجِبًا لِلْفُرْقَةِ وَ لَا بِالْعِنَةِ لِاَنَّ الْغَيْبَةَ تَعْقُبُ الْاَوْبَةَ وَالْعِنَةُ وَ قَلَّمَا تَنْحَلُّ بَعْدَ اِسْتِمْرَارِهَا سَنَةً

ترجمہ...... اور مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب چار برس گزر جائیں تو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق کر دے پھر وہ عورت وفات (شوہر) کی عدت گزارے۔ پھر وہ جس مرد سے نکاح کرنا چاہے کر لے کیونکہ حضرت عمرؓ نے مدینہ میں جس شخص کو جن اٹھا کر لے گئے تھے اس کی بیوی کے بارے میں یہی حکم دیا تھا اور حضرت عمرؓ کا امام ہونا بھی کافی ہے (اس اثر کو امام مالک و ابن ابی الدنیا و ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس حکم کے مثل حضرت علی و عثمانؓ سے بھی مروی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔ کیونکہ ان کا مخالف کوئی معلوم نہیں ہوتا)۔ (الزرقانی)

ان کے درمیان تفریق اس لئے کی جائے گی کہ اس مفقود نے غائب ہو کر عورت کا حق روک دیا ہے۔ پھر عدت گزر جانے پر قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا جیسے ایلاء و عنین کی صورت میں ہوتا ہے (پس ایک اعتبار سے اس مسئلہ کو ایلاء سے مشابہت ہے اور دوسرے اعتبار سے عنین سے اسے مشابہت ہے)۔ پھر جب ایلاء و عنین پر قیاس ہوا تو انہیں دونوں سے چار برس کی مدت لی گئی اس طرح سے کہ ایلاء سے چار اور عنین سے سال

لیا تا کہ دونوں مشابہتوں پر عمل ہو جائے۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے مفقود کی بیوی کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ اسی شوہر کی بیوی رہے گی یہاں تک کہ اس کی تحقیق ہو جائے (دار قطنی نے اس کی روایت کی ہے۔مگر یہ ضعیف ہے) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ یہ ایک عورت ہے جو مصیبت میں مبتلا کی گئی ہے۔لہٰذا اس سے صبر کرنا چاہئے۔یہاں تک کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا شوہر مر گیا ہے یا اس نے اسے طلاق دے دی ہے (۔رواہ عبدالرزاق۔) پس حضرت علیؓ کا یہ قول حدیث کے بیان کا بیان ہے اور اس دلیل سے کہ نکاح کا ثبوت یقینی معلوم ہے اور شوہر کا غائب ہو جانا جدائی کو لازم نہیں کرتا ہے اور مفقود کا مر جانا ایک احتمالی صورت ہے تو احتمال آ جانے سے پہلا یقینی نکاح باطل نہیں قرار دیا جائے گا۔اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔اور غائب ہونے کے مسئلہ کو ایلاء پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ زمانہ جاہلیت میں تو ایلاء فوری طلاق کے حکم میں تھا۔جسے شریعت نے اب چار مہینوں کے بعد اسے طلاق ٹھہرایا ہے۔پس ایلاء فرقت کا سبب ہے اور عنین پر قیاس نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ غائب شدہ تو کسی وقت واپس آ جاتا ہے۔اور عنین کا مرض جب متواتر ایک سال رہ گیا تو اس سے افاقہ کی امید بہت ہی کم رہ جاتی ہے۔(ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف تھا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اثر کو عبدالرزاق نے حکم بن عتیبہ سے روایت کیا ہے۔حالانکہ حکم نے حضرت علیؓ کو نہیں پایا ہے اور عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی حضرت علیؓ سے موافقت کی ہے۔اور یہی مذہب تابعین میں سے ابوقلابہ و جابر بن زید و شعبی و نخعی سے ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔پھر واضح ہو کہ ردالمختار میں ابن وہبان وزاہدی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جہاں ضرورت پیش آ جائے وہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے۔جیسے ایک عورت کو ایک حیض آ کر ختم ہو گیا پھر مسلسل طہر رہنے لگا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نو مہینے گزر جانے پر اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے)۔

تشریح......اگر کسی عورت کا خاوند مفقود ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں قاضی مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق کرنے کا مجاز نہیں۔اسلئے کہ حدیث میں فرمایا گیا اِنَّهَا اِمْرَأَتهُ حَتّٰى يَأْتِيهَا اور حضرت علیؓ نے ایسی عورت مصیبت میں مبتلا قرار دیا ہے کہ اسے صبر کرنا چاہئے اور جب مفقود کی زندگی و موت ہر دو کا احتمال ہے تو نکاح شک سے زائل نہ ہوگا۔امام مالکؒ کے ہاں مفقود کے جب چار سال گذر جائیں تو قاضی مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق کر دے گا۔دلیل وہ روایت ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کو جنات لے گئے تو حضرت عمرؓ نے چار سال گزرنے پر تفریق کر دی تھی اور اسلئے بھی کہ مفقود نے اپنی بیوی کا حق روکا ہے لہٰذا عنین اور ایلاء کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت کی بناء پر تفریق کر دی جائے گی۔

احنافؒ نے یہ جواب دیا کہ نکاح یقینی امر ہے اس کو احتمال کی بناء پر زائل نہیں کیا جا سکتا اور ایلاء پر قیاس کرنا درست نہیں اسلئے کہ ایلاء کا ثبوت قسم و تعلیق کے وجود پر مبنی ہے اور مفقود میں قسم و تعلیق کی بناء پر علیحدگی نہیں ہوتی اور عنین پر قیاس بھی درست نہیں اسلئے کہ اس میں مرد عورت پر قابو نہیں پا سکتا اور ایک سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اس میں تندرستی بہت کم ہے۔

مفقود کی موت کا کب حکم دیا جائے گا

قَالَ وَاِذَاتَمَّ لَهٗ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ سَنَةً مِنْ يَوْمٍ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهٖ قَالَؒ وَهٰذِهٖ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَؒ وَفِىْ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ يُقَدَّرُ بِمَوْتِ الْاَقْرَانِ وَفِى الْمَرْوِيِّ عَنْ اَبِىْ يُوْسُفَؒ بِمِائَةِ سَنَةٍ وَقَدَّرَهٗ بَعْضُهُمْ بِتِسْعِيْنَ وَالْاَقْيَسُ اَنْ لَّا يُقَدَّرَ بِشَىْءٍ وَالْاَرْفَقُ اَنْ يُّقَدَّرَ بِتِسْعِيْنَ وَاِذَا حُكِمَ بِمَوْتِهٖ اِعْتَدَّتْ اِمْرَاَتُهٗ عِدَّةَ الْوَفَاةِ مِنْ ذَالِكَ الْوَقْتِ

ترجمہ......اور جب مفقود شوہر کی عمر تاریخ پیدائش سے پورے ایک سو بیس برس ہو جائیں تب ہم اس کی موت ہو جانے کا فیصلہ کر دیں گے۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روایت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کی ہے۔اور ظاہر مذہب کے مطابق اس کے ہم عمر

لوگوں کی موت سے کیا جائے گا۔ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ایک سو برس کا اندازہ ہوگا۔ بعض فقہاء نے نوے برس کا اندازہ کیا ہے۔ لیکن قیاس سے زیادہ مطابق یہ ہے کہ کسی مقدار سے اندازہ نہ کیا جائے۔ اور زیادہ آسان یہ ہے کہ نوے برس کا اندازہ کیا جائے (اسی پر فتویٰ ہے) اور جب مفقود کی موت ہو جانے کا اندازہ اور فیصلہ کر لیا جائے تب اسی وقت سے اس کی بیوی اپنی عدت وفات پوری کرے۔

موجودہ ورثاء میں مال تقسیم کیا جائے گا

وَقُسِّمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ كَأَنَّهُ مَاتَ فِي ذَالِكَ الْوَقْتِ مُعَايَنَةً اِذِالْحُكْمِيُّ مُعْتَبَرٌ بِالْحَقِيْقِيْ

ترجمہ...... وَقُسِّمَ مَالُهُ الخ اور اس کا مال اس کے ان وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے جو اس وقت موجود ہوں۔ گویا وہ شخص اس وقت ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے مرا ہے۔ کیونکہ حکمی موت کا حقیقی موت پر قیاس ہے۔

مفقود کی موت کے حکم سے پہلے کوئی فوت ہو گیا وارث نہ ہوگا

وَ مَنْ مَاتَ قَبْلَ ذَالِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ لِاَنَّهُ لَمْ يُحْكَمْ بِمَوْتِهِ فِيْهَا فَصَارَ كَمَا اِذَا كَانَتْ حَيَاتُهُ مَعْلُوْمَةً وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُوْدُ اَحَدًامَاتَ فِيْ حَالِ فَقْدِهِ لِاَنَّ بَقَاءَهُ حَيًّافِي ذَالِكَ الْوَقْتِ بِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ وَهُوَلَا يَصْلُحُ حُجَّةً فِي الْاِسْتِحْقَاقِ

ترجمہ...... اور اس کے اقارب میں سے جو کوئی اس سے ذرا پہلے مر چکا ہو وہ اس کا وارث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں اس مفقود کی موت کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ تو ایسا ہے کہ جیسے اس کے زندہ ہونے کا اندازہ معلوم ہو۔ اور مفقود خود بھی کسی ایسے کا وارث نہ ہوگا جو اس کے گم ہونے کی حالت میں مر گیا ہو۔ کیونکہ بظاہر حال وہ اس وقت زندہ ہے اور یہ کیفیت استحقاق کے لئے حجت نہیں ہو سکتی ہے۔

مفقود کیلئے کسی نے وصیت کی اور موصی مر گیا وصیت کا حکم

وَكَذَالِكَ لَوْاُوْصِيَ لِلْمَفْقُوْدِوَمَاتَ الْمُوْصِيْ ثُمَّ الْاَصْلُ اَنَّهُ لَوْكَانَ مَعَ الْمَفْقُوْدِ وَارِثٌ لَا يُحْجَبُ بِهِ وَلٰكِنَّهُ يَنْتَقِصُ حَقُّهُ بِهِ يُعْطَى اَقَلَّ النَّصِيْبَيْنِ وَيُوْقَفُ الْبَاقِيْ وَاِنْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ يُحْجَبُ بِهِ لَا يُعْطَى اَصْلًابَيَانُهُ رَجُلٌ مَاتَ عَنِ ابْنَتَيْنِ وَابْنٍ مَفْقُوْدٍوَابْنِ ابْنٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَالْمَالُ فِيْ يَدِالْاَجْنَبِيِّ وَتَصَادَقُوْاعَلٰى فَقْدِ الْاِبْنِ وَطَلَبَتِ الْاِبْنَتَانِ الْمِيْرَاثَ تُعْطَيَانِ النِّصْفَ لِاَنَّهُ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَيُوْقَفُ النِّصْفُ الْاٰخَرُوَلَا يُعْطٰى وَلَدُالْاِبْنِ لِاَنَّهُمْ يُحْجَبُوْنَ بِالْمَفْقُوْدِ وَلَوْكَانَ حَيًّا فَلَايَسْتَحِقُّوْنَ الْمِيْرَاثَ بِالشَّكِّ

ترجمہ...... اسی طرح اگر مفقود کے لئے کچھ وصیت کی گئی، اور وصیت کرنے والا مر گیا ہو تو وصیت صحیح نہ ہوگی (بلکہ موقوف رہے گی) اور مال مفقود کے بارے میں اصل یہ ہے کہ اگر مفقود کے ساتھ ایسا وارث بھی ہو جو مفقود کی وجہ سے محجوب نہ ہو تو وہ وراثت کا حصہ پائے گا لیکن مفقود کے نہ پائے جانے کی وجہ سے وارث کا حق کم ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کو دونوں حصوں میں سے کم حصہ دیا جائے گا۔ اور باقی حصہ رکھ دیا جائے گا۔ اور اگر مفقود کے ساتھ ایسا وارث بھی ہو جو محجوب ہوتا ہو تو اس کو حصہ بالکل نہیں دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر یہ فرض کیا جائے کہ ایک شخص اپنی دو بیٹیاں اور ایک مفقود بیٹا اور ایک پوتا اور ایک پوتی چھوڑ کر مر گیا اور اس کا مال کسی اجنبی کے پاس امانۃً موجود ہو۔ اور اس اجنبی نے بھی اور اس کے وارثوں نے بھی لڑکے کے گم ہو جانے پر اتفاق کیا۔ اس وقت دونوں بیٹیوں نے اپنی میراث طلب کی تو ان کو نصف میراث دی جائے گی کیونکہ اتنا پانا یقینی ہے

اور باقی آدھا روک کر رکھ لیا جائے گا۔ اور پوتوں کو نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مفقود بیٹے کی وجہ سے محجوب ہو جاتے ہیں اس احتمال کی بناء پر کہ شاید وہ بیٹا ابھی بھی کہیں زندہ موجود ہو۔ اسی شک کی وجہ سے وہ میراث کے مستحق نہ ہوں گے۔

تشریح ...... وَكَذَالِكَ لَوْاُوْصِيَ ...... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے (۔مورث، مرنے والا شخص جس کا مال اس کے بعد اس کے رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے گا۔ وارث، مورث کے مال سے حصہ پانے والا شخص محجوب وہ وارث جو کسی وجہ سے یا دوسرے وارث کی موجودگی سے حصہ نہ پا سکے۔ حاجب وہ شخص جس کی موجودگی سے دوسرے کو حصہ نہ مل سکے۔ جیسا کہ اصل مسئلہ میں ہے کہ ساجد مر گیا اور مرتے وقت دس ہزار روپے چھوڑے یہی روپے میراث ہوں گے اس نے کاظمہ اور ناظمہ دو بیٹیاں اور بیٹا حامد جو فی الحال مفقود ہو۔ لیکن اس کا بھی ایک بیٹا عابد اور ایک بیٹی عابدہ موجود ہو جو ساجد کے لئے پوتا اور پوتی ہوئے۔ اس مثال میں کاظمہ اور ناظمہ بیٹیوں کا حصہ شریعت سے مقرر ہے جو نصف میراث ہے یعنی دونوں کو مجموعۃً پانچ ہزار روپے ملنے ہیں حامد بیٹا موجود ہو یا غائب ہو اس سے ان دونوں کے حصہ میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ البتہ اگر حامد بیٹا جو مفقود ہے اگر واقعۃً مر گیا ہے تو باقی نصف عابد اور عابدہ (پوتا پوتی کے ہوں گے) اور اگر وہ زندہ ہو تو یہی لڑکا اس نصف مال کا مستحق ہوگا۔ اس طرح یہ حامد ان دونوں بچوں کے لئے حاجب ثابت ہوگا اور یہ دونوں محجوب ہو جائیں گے۔

بچی ہوئی میراث اجنبی سے کب لی جائے گی

وَ لَا يُنْـزَعُ مِنْ يَدِ الْاَجْنَبِيِّ اِلَّا اِذَا ظَهَرَتْ مِنْهُ خِيَانَةٌ وَ نَظِيْرُ هٰذَا الْحَمْلُ فَاِنَّهٗ يُوْقَفُ لَهٗ مِيْرَاثُ ابْنٍ وَاحِدٍ عَلٰى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوٰى وَلَوْ كَانَ مَعَهٗ وَارِثٌ اٰخَرُ اِنْ كَانَ لَايَسْقُطُ بِحَالٍ وَلَايَتَغَيَّرُ بِالْحَمْلِ يُعْطٰى كُلُّ نَصِيْبِهٖ وَاِنْ كَانَ مِمَّنْ يَسْقُطُ بِالْحَمْلِ لَايُعْطٰى وَاِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَغَيَّرُ بِهٖ يُعْطَى الْاَقَلِّ لِلتَّيَقُّنِ بِهٖ كَمَا فِي الْمَفْقُوْدِ وَقَدْ شَرَحْنَاهُ فِيْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهِىْ بِأَتَمَّ مِنْ هٰذَا

ترجمہ ...... وَ لَا يُنْـزَعُ ...... الخ اور بچی ہوئی نصف میراث جو اجنبی کے قبضہ میں ہے اس کے قبضہ سے نہیں نکالی جائے گی۔ مگر اسی صورت میں واپس لی جائے گی کہ اس کی طرف سے کوئی خیانت ظاہر ہو۔ اس مسئلہ مفقود کی نظیر حمل کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ حمل ہونے کی صورت میں بھی ایک لڑکے کی میراث روکی جائے گی۔ اسی پر فتوی ہے۔ اور اگر حمل کے ساتھ دوسرا وارث بھی ہو اور وہ ایسا وارث ہو جو کسی حال میں ساقط نہ ہوتا ہو اور حمل کی وجہ سے اس کا حصہ کم وبیش نہ ہوتا ہو تو اسے اس کا پورا حصہ دے دیا جائے گا اور اگر ایسا وارث ہو جو حمل کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہو تو اسے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر ایسا وارث ہو کہ اس کا حصہ حمل کی وجہ سے کم وبیش ہو جاتا ہو تو اسے کم سے کم حصہ دیا جائے گا کیونکہ اتنا حصہ یقینی ہوتا ہے۔ جیسے مفقود میں ہوتا ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کو کفایۃ المنتہی میں پورے طور پر واضح کیا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

كِتَابُ الشِّرْكَةِ

ترجمہ...... کتاب، شرکت کے بیان میں

عقد شرکۃ کا حکم، شرکت کی اقسام

الشِّرْكَةُ جَائِزَةٌ لِاَنَّهُ ﷺ بُعِثَ وَالنَّاسُ يَتَعَامَلُوْنَ بِهَا فَقَرَّرَهُمْ عَلَيْهِ قَالَ الشِّرْكَةُ ضَرْبَانِ شِرْكَةُ اَمْلَاكٍ وَشِرْكَةُ عُقُوْدٍ فَشِرْكَةُ الْاَمْلَاكِ الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ وَيَشْتَرِيَانِهَا فَلَا يَجُوْزُ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْ نَصِيْبِ الْاٰخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهِ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِ صَاحِبِهِ كَالْاَجْنَبِيِّ وَهٰذِهِ الشِّرْكَةُ يَتَحَقَّقُ فِيْ غَيْرِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْكِتَابِ كَمَا اِذَا اتُّهِبَ رَجُلَانِ عَيْنًا اَوْ مَلَكَاهَا بِالْاِسْتِيْلَاءِ اَوِ اخْتَلَطَ مَالُهُمَا مِنْ غَيْرِ صُنْعِ اَحَدِهِمَا اَوْ بِخَلْطِهِمَا خَلْطًا يَمْنَعُ التَّمِيْزَ رَأْسًا اَوْ اِلَّا بِحَرَجٍ وَيَجُوْزُ بَيْعُ اَحَدِهِمَا نَصِيْبَهُ مِنْ شَرِيْكِهِ فِيْ جَمِيْعِ الصُّوَرِ وَمِنْ غَيْرِ شَرِيْكِهِ بِغَيْرِ اِذْنِهِ اِلَّا فِيْ صُوْرَةِ الْخَلْطِ وَالْاِخْتِلَاطِ فَاِنَّهُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا بِاِذْنِهِ وَقَدْ بَيَّنَّا الْفَرْقَ فِيْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهِيْ

ترجمہ...... شرکت کا معاملہ جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسے حال میں تشریف لائے کہ لوگوں میں آپس میں شرکت کا معاملہ جاری تھا اور آپ نے لوگوں کو اسی عمل پر باقی رہنے دیا۔ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ شرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک شرکت املاک اور (۲) دوسری شرکت عقود۔ شرکت املاک ایسے متعین مال میں ہوتی ہے جس کے وارث دو شخص ہوں یا دونوں مل کر اسے خریدیں۔ پس ایسی شرکت کی صورت میں دونوں شریکوں میں سے کسی کو بھی دوسرے کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہ شرکت ان چیزوں کے سوا دوسری چیزوں میں بھی ہوتی ہے جو کتاب قدوری میں بھی مذکور ہیں۔ جیسے دو شخصوں کے درمیان ایک متعین چیز بطور ہبہ دی گئی ہو یا دونوں نے مل کر کسی کافر سے کوئی چیز بزور طاقت حاصل کی ہو یا بغیر ارادہ خاص دو آدمیوں کی کوئی چیز مثلاً غلہ وغیرہ ایک ساتھ مل گئی ہو یا دونوں کے ارادہ اور مرضی سے ایسی کوئی دو چیز ملا کر ایک ساتھ رکھ دی گئی ہو۔ اور وہ اس طرح مل گئی ہو کہ اسے علیحدہ کرنا یا تو بالکل ممکن ہی نہ ہو جیسے چینی اور نمک یا علیحدہ کرنا ممکن ہو مگر کافی دقت اور پریشانی کے بعد ہو جیسے مٹر اور چنا تو ان تمام صورتوں میں ایک شریک کا صرف اپنے حصہ کو اپنے دوسرے شریک کے ہاتھ بیچنا جائز ہے۔ اور خلط ملط ہو جانے والی چیز کو اپنے شریک کے علاوہ تیسرے کے پاس بھی بیچنا دوسرے ساتھی کی اجازت سے ہو تو جائز ہے۔ اور بغیر اجازت جائز نہیں ہے اور اگر ایک دوسرے سے بالکل مخلوط نہ ہو تو دوسرے شریک کی اجازت اور بغیر اجازت دونوں طرح بیچنا جائز ہے۔ ہم نے اس کا فرق اور وجہ اپنی کتاب کفایۃ المنتہی میں ذکر کر دیا ہے۔

شرکت عقود کا رکن

وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ شِرْكَةُ الْعُقُوْدِ وَرُكْنُهَا الْاِيْجَابُ وَالْقُبُوْلُ وَهُوَ اَنْ يَّقُوْلَ اَحَدُهُمَا شَارَكْتُكَ فِيْ كَذَا وَكَذَا وَيَقُوْلَ الْاٰخَرُ قَبِلْتُ وَشَرْطُهُ اَنْ يَّكُوْنَ التَّصَرُّفُ الْمَعْقُوْدُ عَلَيْهِ عَقْدُ الشِّرْكَةِ قَابِلًا لِلْوَكَالَةِ لِيَكُوْنَ مَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا فَيَتَحَقَّقُ حُكْمُهُ الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ

ترجمہ...... وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ ...... الخ اور شرکت کی دوسری قسم شرکۃ العقود ہے۔ (یعنی عقد و معاملہ کر کے آپس میں ایک سے زائد آدمیوں کا

شرکت کرنا اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے)۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص یوں کہے کہ میں نے تم سے فلاں فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا یوں کہے کہ میں نے یہ شرکت قبول کی۔ اس کی شرط یہ ہے کہ جس معاملہ اور تصرف میں اس شرکت کے معاملہ کو قبول کیا ہو وہ وکالت کے قابل ہو تا کہ اس میں تصرف اور الٹ پھیر سے جو کچھ حاصل ہو وہ ان دونوں میں مشترک ہو۔ اس طرح عقد شرکت کرنے کا جو مقصد ہوتا ہے وہ متحقق ہو جائے۔

شرکت عقود کی اقسام اربعہ

ثُمَّ هِيَ اَرْبَعَةُ اَوْجُهٍ مُفَاوَضَةٌ وَعُنَانٌ وَشِرْكَةُ الصَّنَائِعِ وَشِرْكَةُ الْوُجُوْهِ فَاَمَّاشِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ اَنْ يَّشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوِيَافِيْ مَالِهِمَاوَ تَصَرُّفِهِمَا وَدِيْنِهِمَا لِاَنَّهَاشِرْكَةٌ عَامَّةٌ فِي جَمِيْعِ التِّجَارَاتِ يُفَوِّضُ كُلُّ وَاحِدٍمِنْهُمَا اَمْرَ الشِّرْكَةِ اِلٰى صَاحِبِهٖ عَلَى الْاِطْلَاقِ اِذْهِيَ مِنَ الْمُسَاوَاتِ قَالَ قَائِلُهُمْ شِعْرلَا يَصْلَحُ النَّاسُ فَوْضًالَاسَرَاةَ لَهُمْ وَلَاسَرَاةَ اِذْجُهَّالُهُمْ سَادُوْا اَىْ مُتَسَاوِيِيْنَ فَلَابُدَّمِنْ تَحْقِيْقِ الْمُسَاوَاةِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَذَالِكَ فِي الْمَالِ وَالْمُرَادُ بِهٖ مَاتَصِحُّ الشِّرْكَةُ فِيْهِ وَلَايُعْتَبَرُالتَّفَاضُلُ فِيْمَا لَا يَصِحُّ الشِّرْكَةُ فِيْهِ وَكَذَافِي التَّصَرُّفِ لِاَنَّهٗ لَوْمَلَكَ اَحَدُهُمَا تَصَرُّفًالَايَمْلِكُهُ الْاٰخَرُلَفَاتَ التَّسَاوِىْ وَكَذَالِكَ فِي الدَّيْنِ لِمَانُبَيِّنُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهٰذِهِ الشِّرْكَةُ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا اِسْتِحْسَانًا وَفِي الْقِيَاسِ لَايَجُوْزُ وَهُوَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَقَالَ مَالِكٌ لَااَعْرِفُ مَاالْمُفَاوَضَةُ وَجْهُ الْقِيَاسِ اَنَّهَا تَضَمَّنَتِ الْوَكَالَةَ بِمَجْهُوْلِ الْجِنْسِ وَالْكَفَالَةَ بِمَجْهُوْلٍ وَكُلُّ ذَالِكَ بِانْفِرَادِهٖ فَاسِدٌوَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ قَوْلُهٗ ﷺ فَاوِضُوْا فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ وَكَذَا النَّاسُ يُعَامِلُوْنَهَا مِنْ غَيْرِنَكِيْرٍوَبِهٖ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ وَالْجَهَالَةُ مُتَحَمَّلَةٌ تَبْعًاكَمَافِي الْمَضَارَبَةِ وَ لَا تَنْعَقِدُ اِلَّا بِلَفْظَةِ الْمُفَاوَضَةِ لِبُعْدِ شَرَائِطِهَا عَنْ عِلْمِ الْعَوَامِّ حَتّٰى لَوْبَيَّنَّا جَمِيْعَ مَا يَقْتَضِيْهِ يَجُوْزُ لِاَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمَعْنٰى

ترجمہ...... پھر اس شرکت عقود کی چار قسمیں ہیں

۱) اول شرکت مفاوضہ ۲) دوم شرکت عنان ۳) سوم شرکت صنائع ۴) چہارم شرکت وجوہ

شرکت مفاوضہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو یا اس سے زائد آدمی آپس میں شرکت کے معاملہ کو قبول کریں اس طرح سے کہ ان میں مال اور معاملہ وتصرف کرنے میں سب برابر ہوں۔ کیونکہ یہ شرکت تجارت کی تمام صورتوں میں عام ہوتی ہے۔ اس طرح سے کہ ان شرکاء میں سے ہر ایک شریک اپنے شریکوں کو پورا پورا اختیار حوالہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ لفظ مفاوضہ، مساوات کے معنی میں ہے۔ چنانچہ کسی عربی شاعر (الاقوہ الاودی) نے کہا ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ جب لوگ بالکل برابر برابر اور ایک مرتبہ کے ہو جائیں اور ان میں کوئی بڑا سردار نہ رہے اور سرداری نہیں رہ سکتی ہے جبکہ اس قوم کے جاہل سردار بنا دیئے جائیں تو ان میں فتنہ وفساد برپا رہے گا۔ پس شرکت مفاوضہ کی ابتداء وانتہاء میں مساوات ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات مال میں ثابت ہوگی۔ مال سے وہ مال مراد ہے جس میں شرکت صحیح ہو۔ اسی لئے جس مال میں شرکت صحیح نہیں ہوتی ہو اس میں ان کے آپس میں کم وبیشی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح معاملات میں تصرف کرنے کے اختیار میں بھی برابری کا حق ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان میں سے اگر کسی ایک کو ایسے تصرف کا اختیار ہو جو دوسرے شریک کو نہ ہو تو اس میں برابری باقی نہیں رہے گی۔ اسی طرح قرض کے لین دین میں بھی مساوات شرط ہے۔ چنانچہ ہم اس کی دلیل انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بیان کریں گے۔

یہ شرکت ہمارے نزدیک بدلیل استحسان جائز ہے۔ اور قیاساً جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا ہے کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ مفاوضہ کیا چیز ہے۔ قیاس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں مجہول جنس کی وکالت اور مجہول کی کفالت دونوں موجود ہے جبکہ ایسی وکالیت اور کفالت میں سے ہر ایک تنہا ہی فاسد ہوتی ہے۔ اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ تم لوگ مفاوضہ کرو۔ کہ اس میں بڑی برکت ہے(لیکن یہ حدیث نہیں ملی ہے بلکہ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزوں میں برکت ہے (۱) ادھار بیچنے میں لیکن وہ جس کی میعاد معلوم ہو اور (۲) مفاوضہ میں اور (۳) گھر کے خرچ کے لئے گیہوں کو جو کے ساتھ ملانے میں۔ مگر بیع کے لئے نہیں اور استحسان کی یہ بھی وجہ ہے کہ مفاوضہ کا معاملہ لوگوں میں بلا روک ٹوک کے جاری تھا۔ اور ایسے معاملات سے جو اتنے زیادہ پیمانہ کے ساتھ ہوئے ہوں قیاس چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور وکالت و کفالت میں جو جہالت ہے وہ تابع کر کے برداشت ہو سکتی ہے۔ جیسے مضاربت میں جائز ہے۔ واضح ہو کہ یہ شرکت سوائے لفظ مفاوضہ کے کسی دوسرے لفظ سے منعقد نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ عوام کے سامنے اس کے صحیح مفہوم اور شرائط کو سمجھانا اور ان کا سمجھنا مشکل ہے پھر بھی اگر اس کی شرطوں اور دوسری ضروری باتوں کو دوسری عبارتوں سے بیان کر دیا جائے تو شرکت معاوضہ صحیح ہو جائے گی۔ کیونکہ اصل اعتبار معنی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا ہے۔

شرکت مفاوضہ کن کے درمیان درست ہے

قَالَ فَيَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْكَبِيْرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ اَوْ ذِمِّيَّيْنِ لِتَحَقُّقِ التَّسَاوِىْ وَ اِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا وَالْاٰخَرُ مَجُوْسِيًّا يَجُوْزُ اَيْضًا لِمَا قُلْنَا

ترجمہ...... (قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ) یہ عقد معاملہ ایسے دو مردوں میں جائز ہوگا کہ دونوں آزاد بالغ مسلمان یا ذمی ہوں کیونکہ دونوں میں برابری ثابت ہے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک کتابی اور دوسرا مجوسی ہو تو بھی جائز ہوگا۔ کیونکہ سارے کفار ایک ہی ملت پر رہنے کی وجہ سے دونوں میں برابری ثابت ہوگی۔

شرکت مفاوضہ کن کے درمیان صحیح نہیں

وَلَا يَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ وَ لَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ لِاِنْعِدَامِ الْمُسَاوَاةِ لِاَنَّ الْحُرَّ الْبَالِغَ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَالْكِفَالَةَ وَالْمَمْلُوْكُ لَايَمْلِكُ وَاحِدًا مِنْهُمَا اِلَّا بِاِذْنِ الْمَوْلٰى وَالصَّبِيُّ لَايَمْلِكُ الْكِفَالَةَ وَلَايَمْلِكُ التَّصَرُّفَ اِلَّا بِاِذْنِ الْوَلِيِّ

ترجمہ...... اور آزاد اور غلام اور بالغ و نابالغ کے درمیان مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں مساوات نہیں ہوگی کیونکہ آزاد بالغ کو تصرف اور کفالت کا اختیار ہوتا ہے۔ اور غلام کو ان دونوں باتوں میں سے ایک کا بھی اختیار نہیں ہوتا ہے جب تک کہ مولی اجازت نہ دے۔ اسی طرح نابالغ کو بھی ان میں سے کسی کا اختیار نہیں ہوتا ہے جب تک اس کا ولی اجازت نہ دے۔

کافر اور مسلمان کے درمیان شرکت مفاوضہ درست نہیں

قَالَ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَهٰذَا قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَؒ وَمُحَمَّدٍؒ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَؒ يَجُوْزُ لِلتَّسَاوِىْ بَيْنَهُمَا فِى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ وَلَامُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ تَصَرُّفٍ يَمْلِكُهٗ اَحَدُهُمَا كَالْمُفَاوَضَةِ بَيْنَ الشَّفْعَوِىِّ وَالْحَنَفِىِّ فَاِنَّهَا جَائِزَةٌ وَيَتَفَاوَتَانِ فِى التَّصَرُّفِ فِىْ مَتْرُوْكِ التَّسْمِيَةِ اِلَّا اَنَّهٗ يُكْرَهُ لِاَنَّ الذِّمِّىَّ لَايَهْتَدِىْ اِلَى الْجَائِزِ مِنَ الْعُقُوْدِ وَلَهُمَا اَنَّهٗ

لَاتَسَاوِیَ فِی التَّصَرُّفِ فَاِنَّ الذِّمِّیَّ لَو اشْتَرٰی بِرَأْسِ الْمَالِ خُمُوْرًا اَوْخَنَازِیرَ صَحَّ وَلَو اشْتَرَاهَا مُسْلِمٌ لَایَصِحُّ

ترجمہ..... ولابین المسلم الخ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان بھی مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ یہ قول امام ابوحنیفہ ومحمد رحمہما اللہ کا ہے اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جائز ہے۔ کیونکہ وکالت اور کفالت میں دونوں برابر ہیں اور جس زیادہ تصرف کا ایک مالک ہے اس کا اعتبار نہیں ہے جیسے شافعی وحنفی کے درمیان مفاوضہ جائز ہے۔ حالانکہ جانور پر ان کے ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ نہیں کہا گیا ہو اس کے حلال ہونے میں ان دونوں کے درمیان اختلاف ہے کہ شافعی کے نزدیک وہ حلال ہے لیکن حنفی کے نزدیک حلال نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمان اور کافر کے درمیان بھی جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ کیونکہ ذمی کو مفاوضہ کے معاملات جائز ہونے کے مسائل اور اس کی راہ پورے طور پر معلوم نہیں ہوتی ہے۔ اور ابوحنیفہ ومحمد رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں میں تصرف کرنے میں برابری کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ذمی نے اصل مال (راس المال) سے سور یا شراب خریدی تو جائز ہے اور اگر مسلمان نے خریدی تو صحیح نہیں ہے۔

دو غلاموں، دو بچوں اور دو مکاتبوں کے درمیان شرکت مفاوضہ درست نہیں

وَ لَا یَجُوزُ بَیْنَ الْعَبْدَیْنِ وَ لَا بَیْنَ الصَّبِیَّیْنِ وَ لَا بَیْنَ الْمُکَاتَبَیْنِ لِانْعِدَامِ صِحَّةِ الْکَفَالَةِ وَ فِی کُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ تَصِحَّ الْمُفَاوَضَةُ لِفَقْدِشَرْطِهَا وَلَایُشْتَرَطُ ذَالِکَ فِی الْعِنَانِ کَانَ عِنَانًا لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ الْعِنَانِ اِذْهُوَقَدْیَکُوْنُ خَاصًّا وَ قَدْ یَکُوْنُ عَامًّا

ترجمہ..... وَ لَا یَجُوْزُ..... الخ اور دو غلاموں میں مفاوضہ جائز نہیں ہے اسی طرح دو نابالغوں میں اور دو مکاتبوں میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی کفالت صحیح نہیں ہوتی ہے اور واضح ہو کہ جس جگہ کی شرط کے نہ ہونے کی وجہ سے مفاوضہ صحیح نہ ہو اور وہ شرط ایسی ہو کہ شرکت عنان میں اس کی شرط نہ ہو تو وہی شرکت مفاوضہ شرکت عنان ہو جائے گی۔ کیونکہ شرکت عنان کی سب شرطیں اس وقت پائی جاتی ہیں۔ کبھی شرکت عنان کبھی خاص ہوتی ہے۔ اور کبھی عام ہوتی ہے۔ جیسے ایک بالغ اور دوسرے نابالغ نے یا ایک آزاد اور دوسرے غلام یا مکاتب نے آپس میں عقد مفاوضہ کیا یا برابر کے دو آزاد آدمیوں نے مفاوضہ کرتے ہوئے یہ شرط لگائی کہ کفالت نہیں ہے تو ہر صورت میں کفالت نہ ہونے سے شرکت عنان ہو جائے گی۔ اور یہ شرکت عنان عام ہو جائے گی۔ جیسے شرکت مفاوضہ ہمیشہ عام ہوتی ہے۔

شرکت مفاوضہ وکالت اور کفالت پر منعقد ہوتی ہے

قَالَ وَتَنْعَقِدُ عَلَی الْوَکَالَةِ وَ الْکَفَالَةِ اَمَّاالْوَکَالَةُ فَلِتَحَقُّقِ الْمَقْصُوْدِ وَ هُوَالشَّرْکَةُ فِی الْمَالِ علی مابيناه وَ اما الْکَفَالَةُ فَلِتَحَقُّقِ الْمُسَاوَاةِ فِیْمَا هُوَ مِنْ مَوَاجِبِ التِّجَارَاتِ وَ هُوَ تَوَجُّهُ الْمُطَالَبَةِ نَحْوَهُمَا جَمِیْعًا

ترجمہ..... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ عقد مفاوضہ وکالت اور کفالت پر منعقد ہوتی ہے۔ یعنی دو ساتھیوں میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کا وکیل اور کفیل ہونا لازم ہوتا ہے۔ وکیل ہونا تو اس لئے لازم ہوتا ہے کہ اس عقد کا جو اصل مقصد ہے یعنی مال میں شرکت کا ہونا وہ پایا جاتا ہے تا کہ اس معاملہ سے جو کچھ بھی مالی فائدہ حاصل ہو اس میں دونوں کا حصہ ہو۔ اور کفیل ہونا اس لئے لازم ہوتا ہے کہ اس اجرت کے لئے جتنی چیزیں لوازمات میں سے ہیں ان سب میں دونوں کی برابری پائی جائے یعنی اس کی وجہ سے جو مطالبات سامنے آئیں ان کا تعلق ان دونوں سے ہو سب ان کے ذمہ دار ہوں۔

کون سی چیزیں مفاوضین خریدیں تو شرکت سے مستثنیٰ ہوں گی

قَالَ وَمَايَشْتَرِيهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا تَكُوْنُ عَلَى الشِّرْكَةِ اِلَّاطَعَامَ اَهْلِهٖ وَكِسْوَتَهُمْ وَكَذَا الْاِدَامُ لِاَنَّ مُقْتَضَى الْعَقْدِ الْمُسَاوَاةُ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا قَائِمٌ مَقَامَ صَاحِبِهٖ فِي التَّصَرُّفِ وَكَانَ شِرَاءُ اَحَدِهِمَا كَشِرَائِهِمَا اِلَّامَااسْتَثْنَاهُ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ لِاَنَّهٗ مُسْتَثْنًى عَنِ الْمُفَاوَضَةِ لِلضَّرُوْرَةِ فَاِنَّ الْحَاجَةَ الرَّاتِبَةَ مَعْلُوْمَةُ الْوُقُوْعِ وَلَا يُمْكِنُ اِيْجَابُهٗ عَلٰى صَاحِبِهٖ وَلَا الصَّرْفُ مِنْ مَّالِهٖ وَلَا بُدَّمِنَ الشِّرَاءِ فَيَخْتَصُّ بِهٖ ضَرُوْرَةً وَالْقِيَاسُ اَنْ يَّكُوْنَ عَلَى الشِّرْكَةِ لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ......اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس عقد معاوضہ کے دونوں شرکاء میں سے جو کوئی جو کچھ بھی خریدے اس میں دونوں شریک ہوں گے سوائے اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے پینے سالن اور پہننے کے سامان کے کہ یہ چیزیں اس شرکت سے مستثنیٰ ہوں گی ان کے اخراجات اور منافع سب ذاتی اور علیحدہ علیحدہ ہوں گے۔ کیونکہ عقد مفاوضہ کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں میں مساوات ہو اور اس کے تصرف کرنے میں ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو کسی ایک کا کچھ خریدنا دونوں کے خریدنے کے حکم میں ہو سوائے ان چیزوں کے جن کو کتاب میں ابھی مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ ضرورۃً یہ چیزیں مفاوضہ سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ چیزیں روزمرہ کی ضرورت کی ہیں (جو ہر ایک کی مختلف ہوتی ہیں) اس لئے ایک کی ضرورت کو دوسرے پر لازم نہیں کیا جا سکتا ہے اور ممکن بھی نہیں ہے۔ اور ان کا خریدنا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی شرکت میں داخل ہو کیونکہ عقد شرکت کا مقتضی ہے یعنی قیاس کو چھوڑ کر استحساناً ہم نے ضرورت کی بناء پر ان چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔

بائع مفاوضین میں سے جس سے چاہے ثمن کا مطالبہ کرے

وَلِلْبَائِعِ اَنْ يَّاْخُذَبِالثَّمَنِ اَيُّهُمَا شَاءَ الْمُشْتَرِيَ بِالْاِصَالَةِ وَصَاحِبَهٗ بِالْكَفَالَةِ وَيَرْجِعُ الْكَفِيْلُ عَلَى الْمُشْتَرِيْ بِحِصَّتِهٖ بِمَااَدّٰى لِاَنَّهٗ قَضٰى دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَّالٍ مُّشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا

ترجمہ......اور مفاوضہ کے شرکاء میں سے اگر کسی نے کوئی چیز خریدی تو اس کے فروخت کرنے والے کو یہ حق ہوگا کہ صرف خریدنے والے سے نہیں بلکہ شرکاء میں سے جس سے جی چاہے اس کی قیمت وصول کر لے خریدار سے اس لئے کہ وہی اصل معاملہ کرنے والا ہے۔ اور شرکاء سے مطالبہ کا اس لئے حق ہوگا کہ وہ اس کے کفیل ہوتے ہیں۔ اور کفیل اس کی قیمت ادا کر دینے کے بعد اپنے دوسرے ساتھی سے اس کے حصہ کے مطابق اس کی بقیہ قیمت وصول کر لے۔ کیونکہ ساتھی پر جو قرض تھا وہ دوسرے نے اپنے آپس کے مشترک مال سے ادا کیا ہے۔

مفاوضین کون سے دین میں مشترک ہوں گے

قَالَ وَمَايَلْزَمُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِنَ الدُّيُوْنِ بَدَلًاعَمَّا يَصِحُّ فِيْهِ الْاِشْتِرَاكُ فَالْاٰخَرُ ضَامِنٌ لَهٗ تَحْقِيْقًا لِلْمُسَاوَاةِ فَمَا يَصِحُّ فِيْهِ الْاِشْتِرَاكُ اَلشِّرَاءُ وَالْبَيْعُ وَالْاِسْتِجَارُوَمِنَ الْقِسْمِ الْاٰخَرِ الْجِنَايَةُ وَالنِّكَاحُ وَالْخُلْعُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ وَعَنِ النَّفَقَةِ

ترجمہ......اور جس چیز میں شرکت صحیح ہو اس کے عوض ان مفاوضہ کرنے والوں کے درمیان جو بھی قرض کسی ایک پر لازم ہوگا اس کا دوسرا ساتھی بھی لازمی طور سے ضامن اور ذمہ دار ہوگا۔ تاکہ دونوں میں مساوات باقی رہے۔ پس وہ معاملات جن میں شرکت کرنا صحیح ہے وہ یہ ہیں خرید و فروخت کرنا

کرائے پر لینا دینا اور دوسری قسم کی وہ چیزیں جن میں شرکت صحیح نہ ہو وہ یہ ہیں جنایت قتل وغیرہ اور نکاح، خلع قتل عمد کے بعد صلح اور نفقہ صلح وغیرہ۔ (ان میں سے خرید وفروخت کی صورت تو ظاہر ہے۔لیکن بیع صحیح میں قیمت متعینہ کا ضامن ہوگا۔یعنی جو قیمت ان کے درمیان طے ہوچکی ہو اور بیع فاسد میں اس کی بازاری قیمت کا ضامن ہوگا یعنی بازار میں جو اس کی قیمت ہو اور اجارہ لینے کی صورت یہ ہے کہ مفاوضہ کے دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے اس تجارت کے کام میں کوئی مزدور یا جانور یا دوسری کوئی سواری یا چیز کرایہ پر لی تو کرایہ پر دینے والے کو اختیار ہوگا کہ اپنا کرایہ دونوں ساتھیوں میں سے جس کسی سے بھی چاہے اس سے وصول کرلے۔کیونکہ تجارت کے کام میں ہر ایک دوسرے کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور کاروباری معاملہ اور مقصد کے سوا اگر کسی دوسرے کا ان میں سے کسی پر کچھ بھی لازم آجائے تو وہ اسی کے ساتھ مخصوص رہے گا۔مثلاً مفاوضہ کرنے والوں میں سے ایک پر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے غلطی سے فلاں کو زخمی کردیا ہے جس کا کچھ جرمانہ متعین ہے۔مگر دوسرے شخص نے اس کا انکار کردیا۔اس بناء پر اس زخمی شخص نے یہ چاہا کہ اس دوسرے شخص سے قسم لے تو اس کو اس بات کا اختیار نہ ہوگا۔اور دوسرے شخص کے خلاف وہ کوئی معاملہ نہ کرسکے گا اور نہ دوسرا اس کا مدمقابل ہوگا۔اور اگر مفاوضہ کرنے والے ایک مرد اور ایک عورت ہوں۔پھر اس عورت نے اپنے شوہر سے خلع لے لیا تو خلع کا عوض اس عورت پر جو کچھ لازم آئے گا اس کا دوسرا شریک اس عوض کا ضامن نہ ہوگا۔اسی طرح اگر دوسرے مرد ساتھی پر اس کی بیوی کا مہر لازم آیا یا اس نے کسی کو عمداً قتل کرکے اس کے ورثہ سے مال پر صلح کرلی یا اپنی بیوی کے نفقہ سے کچھ معین مال پر صلح کرلی تو اس کا شریک اس مال کا ضامن نہ ہوگا)۔

ایک شریک اجنبی سے مال کا کفیل بن جائے تو دوسرے کو بھی وہ کفالت لازم ہوجائے گی

قَالَ وَلَوْ كَفَلَ اَحَدُهُمَا بِمَالٍ عَنْ اَجْنَبِيٍّ لَزِمَ صَاحِبَهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يَلْزَمُهُ لِاَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَلِهٰذَا لَا يَصِحُّ مِنَ الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ وَالْمُكَاتَبِ وَلَوْ صَدَرَ مِنَ الْمَرِيْضِ يَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ وَصَارَ كَالْاِقْرَاضِ وَالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ تَبَرُّعٌ اِبْتِدَاءً وَمُعَاوَضَةٌ بَقَاءً لِاَنَّهُ يَسْتَوْجِبُ الضَّمَانَ بِمَا يُؤَدِّيْ عَلَى الْمَكْفُوْلِ عَنْهُ اِذَا كَانَتِ الْكَفَالَةُ بِاَمْرِهٖ فَبِالنَّظَرِ اِلَى الْبَقَاءِ يَتَضَمَّنُهُ الْمُفَاوَضَةُ وَبِالنَّظَرِ اِلَى الْاِبْتِدَاءِ لَمْ تَصِحَّ مِمَّنْ ذَكَرَهُ وَيَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ مِنَ الْمَرِيْضِ بِخِلَافِ الْكِفَالَةِ بِالنَّفْسِ لِاَنَّهُ تَبَرُّعٌ اِبْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَ اَمَّا الْاِقْرَاضُ فَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ يَلْزَمُ صَاحِبَهُ وَ لَوْ سُلِّمَ فَهُوَ اِعَارَةٌ فَيَكُوْنُ لِمِثْلِهَا حُكْمُ عَيْنِهَا لَا حُكْمَ الْبَدَلِ حَتّٰى لَا يَصِحُّ فِيْهِ الْاَجَلُ فَلَا يَتَحَقَّقُ مُعَاوَضَةً وَلَوْ كَانَتْ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ لَمْ تَلْزَمْ صَاحِبَهُ فِي الصَّحِيْحِ لِانْعِدَامِ مَعْنَى الْمُفَاوَضَةِ وَمُطْلَقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْمُقَيَّدِ وَضِمَانُ الْغَصْبِ وَالْاِسْتِهْلَاكِ بِمَنْزِلَةِ الْكَفَالَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ لِاَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ اِنْتِهَاءً

ترجمہ.....قال ولو کفل الخ اور اگر مفاوضہ کرنے والوں میں سے ایک شخص نے ایک اجنبی کی طرف سے جو کاروبار میں ان کا شریک نہیں ہے کچھ مال کی ذمہ داری اپنے اوپر لازم کرلی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرے ساتھی پر بھی وہ لازم ہوجائے گی (جبکہ اجنبی کی اجازت سے کفالت کی ہو) اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ دوسرے شریک پر لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ کفالت سراسر احسان ہے۔اس لئے نابالغ اور ایسا غلام جسے کاروبار کی اجازت ہو اور مکاتب کی طرف سے صحیح نہیں ہوتی ہے اور اگر مرض الموت کے مریض نے ایسی کفالت کی تو صرف تہائی سے صحیح ہوتی ہے۔اور یہ کفالت ایسی ہوگئی جیسے کسی کو قرض دینا یا اس کے نفس کی کفالت کرنا۔(یعنی بالاتفاق اس کا دوسرا ساتھی ضامن نہیں ہوگا۔) اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایسی کفالت شروع میں احسان ہے مگر بعد میں یہ معاوضہ ہے کیونکہ جب اس نے مکفول عنہ کی طرف سے مال کفالت ادا کیا تو مکفول عنہ (جس شخص کی ذمہ داری قبول کی گئی ہو) پر اس کی ضمانت واجب ہوئی۔بشرطیکہ اسی کے کہنے سے کفالت ہوئی ہو۔تو

آئندہ زمانہ کے لحاظ سے عقد معاوضہ اس میں متضمن ہوتا ہے اور ابتداء کا خیال کرنے سے نابالغ اور ماذون غلام اور مکاتب سے صحیح نہیں۔ اور مریض کی طرف سے صرف تہائی مال سے صحیح ہے۔ بلا کسی نفس کی کفالت کے۔ کیونکہ یہ ابتداء وانتہاء دونوں صورتوں میں احسان ہے۔ اور قرض کی ادائیگی کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یہ بھی دوسرے شریک پر لازم ہوگا۔ اور اگر بالفرض لازم نہ بھی ہو پھر بھی صرف عاریت دینا ہوتا ہے۔ اس لئے مقروض اس کے مثل جو کچھ ادا کرے گا وہ مال عین کے حکم میں ہے۔ عوض کے حکم میں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس میں میعاد مقرر کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اسی لئے اسے معاوضہ کہنا بھی ثابت نہیں ہوا۔ اور اگر کسی اجنبی کے حکم کے بغیر یہ کفالت کی ہو تو صحیح قول میں دوسرے شریک پر لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں مفاوضہ کے معنی نہیں پائے جا رہے ہیں اور کتاب قدوری میں جو حکم مطلق ذکر کیا گیا ہے وہ مقید پر محمول ہے (جیسا کہ او پر قوسین میں ذکر کر دیا گیا ہے۔) یعنی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مکفول عنہ (جس کی طرف سے ضمانت لی گئی ہے) کے حکم اور کہنے پر اگر کفالت کی ہو تو دوسرے پر لازم ہوگی۔ اور اگر کسی نے دوسرے کا مال غصب کیا یا ہلاک کر دیا تھا اور اس کی ضمانت کی تھی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ضمانت کفالت کے منزلہ میں ہے یعنی دوسرے شرک پر وہ ضمانت لازم ہوگی۔ کیونکہ یہی بات آخر میں مفاوضہ ہے۔ یعنی جب اس کے حکم سے ضمانت کی ہے تو ادائیگی کے بعد اس پر لازم ہوگی۔

تشریح ..... امام ابوحنیفہؒ کے ہاں جب کسی ایک شریک معاوضہ نے اجنبی سے کفالت کر لی تو یہ دوسرے شریک پر بھی لازم ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کفالت مال کی ہو کفالت نفس سب کے ہاں لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح حالت مرض میں کفالت تہائی مال سے معتبر ہوگی اسلئے کہ ابتداء کفالت تبرع ہے لیکن انتہاء کے اعتبار سے ملکیت کے موجود کی وجہ سے معاوضہ کو لازم کرتی ہے اسی لئے اگر کفالت مکفول عنہ کے حکم سے ہو تو کفیل مکفول عنہ پر مکفول بہ کیلئے رجوع کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک یہ کفالت دوسرے شریک پر لازم نہ ہوگی اس لئے کے کفالت تبرع ہے اس لئے کفالت بالنفس کی طرح کفالت بالمال بھی جائز نہیں امام صاحبؒ نے فرمایا کہ انتہا کے اعتبار سے تملیک کے وجود سے معاوضہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا دوسرے شریک پر لازم ہوگی۔

ایک شریک ایسے مال کا وارث ہوا جس میں شرکت ہو سکتی ہے تو شرکت مفاوضہ باطل ہے

قَالَ فَاِنْ وَرِثَ اَحَدُهُمَا مَا لَا يَصِحُّ فِيْهِ الشِّرْكَةُ اَوْ وُهِبَ لَهٗ وَوَصَلَ اِلٰى يَدِهٖ بَطَلَتِ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتْ عَنَانًا لِفَوَاتِ الْمُسَاوَاةِ فِيْمَا يَصْلَحُ رَأْسَ الْمَالِ اِذْهِيَ شَرْطٌ فِيْهِ اِبْتِدَاءً وَبَقَاءً وَهٰذَا لِاَنَّ الْاٰخَرَ لَا يُشَارِكُهٗ فِيْمَا اَصَابَهٗ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ فِيْ حَقِّهٖ اِلَّا اَنَّهَا تَنْقَلِبُ عَنَانًا لِلْاِمْكَانِ فَاِنَّ الْمُسَاوَاةَ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِيْهِ وَلِدَوَامِهٖ حُكْمُ الْاِبْتِدَاءِ لِكَوْنِهٖ غَيْرَ لَازِمٍ

ترجمہ ..... اور اگر شرکت مفاوضہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کو ایسا مال وراثت میں مل گیا جس میں شرکت صحیح ہوتی ہے یا اسے ہبہ کیا گیا ہو اور وہ مال اس کے قبضہ میں بھی آچکا ہو تب ان دونوں کے درمیان وہ شرکت مفاوضہ ختم ہو کر شرکت عنان ہو جائے گی۔ کیونکہ ایسی صورت میں ایسے مال میں مساوات نہ رہی جو رأس المال ہونے کے قابل ہے۔ حالانکہ اس شرکت مفاوضہ کے ہونے میں ایک شرط یہ ہوتی ہے کہ ابتداء اور انتہاء ہر وقت ان کے درمیان مساوات باقی رہے اور اس شرکت کے ختم ہو جانے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان میں سے جسے نیا مال ابھی ملا ہے دوسرا ساتھی اس میں اس کا شریک نہیں ہو سکتا ہے اس لئے وہ شرکت مفاوضہ باقی نہ رہی اور اب مفاوضہ سے بدل کر شرکت عنان ہو گئی۔ کیونکہ اس شرکت عنان میں دونوں شرکاء کے درمیان مساوات شرط نہیں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ شرکت عنان کی ابتداء اور انتہاء ہر حال میں یکسانیت کا ہونا شرط بھی نہیں ہے کیونکہ یہ عقد لازمی نہیں ہوتا ہے۔

ایک شریک سامان کا وارث ہوا وہ اسی کا ہے اور مفاوضہ فاسد نہیں ہوگی

فَإِنْ وَرِثَ اَحَدُهُمَا عَرْضًا فَهُوَ لَهُ وَلَاتَفْسُدُ الْمُفَاوَضَةُ وَكَذَا الْعَقَارُ لِاَنَّهُ لَايَصِحُّ فِيْهِ الشَّرِكَةُ فَلَايُشْتَرَطُ الْمُسَاوَاةُ فِيْهِ

ترجمہ......اب اگر مفاوضہ کے شرکاء میں سے ایک کو میراث کے طور پر کوئی اسباب مل گیا تو وہ صرف اس کا ہوگا اور اس کی وجہ سے یہ شرکت مفاوضہ ختم بھی نہ ہوگی۔ یہی حکم غیر منقولہ جائیداد کا بھی ہے یعنی اگر زمین یا گھر میراث میں پایا تو بھی یہی حکم ہوگا اور شرکت مفاوضہ باطل نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں شرکت صحیح نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے مال میں دونوں کا مساوی ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ حاصل مسئلہ یہ ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل ہوتے ہیں۔ اور مشترکہ کاروبار کے لئے ان دونوں نے جتنی رقم کو راس المال یا پونجی کے طور پر جمع کیا ہے اس میں دونوں کا برابر ہونا جیسے کاروبار شروع کرتے وقت شرط ہے اسی طرح اس کے بعد بھی جب تک وہ کاروبار اور معاہدہ باقی رہے برابر رہنا بھی شرط ہوگا۔ اور جو مال شرکت کے قابل نہیں ہوگا اس میں مساوات شرط نہیں ہوگی۔ اس لئے اب ان باتوں کا بیان کرنا بھی ضروری ہوا جو شرکت کے قابل ہیں چنانچہ (آئندہ) بیان فرمایا ہے۔

شرکت مفاوضہ دراہم، دنانیر، فلوس نافقہ کے ساتھ درست ہوتی ہے

فَصْلٌ وَلَا يَنْعَقِدُ الشَّرِكَةُ اِلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَقَالَ مَالِكٌ يَجُوْزُ بِالْعُرُوْضِ وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ اِذَا كَانَ الْجِنْسُ وَاحِدًا لِاَنَّهَا عَقَدَتْ عَلٰى رَأْسِ مَالٍ مَعْلُوْمٍ فَاَشْبَهَ النُّقُوْدَ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ لِاَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهَا لِمَا فِيْهَا مِنْ رِبْحِ مَالَمْ يَضْمَنْ فَتَقْتَصِرُ عَلٰى مَوْرِدِ الشَّرْعِ وَلَنَا اَنَّهُ يُؤَدِّيْ اِلٰى رِبْحِ مَالَمْ يَضْمَنْ لِاَنَّهُ اِذَا بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ مَالِهِ وَيُفَاضِلُ الثَّمَنَانِ فَمَايَسْتَحِقُّهُ اَحَدُهُمَا مِنَ الزِّيَادَةِ فِيْ مَالِ صَاحِبِهِ رِبْحُ مَالَمْ يَمْلِكْ وَمَالَمْ يَضْمَنْ بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ لِاَنَّ ثَمَنَ مَايَشْتَرِيْهِ فِيْ ذِمَّتِهِ اِذْهِيَ لَايَتَعَيَّنُ فَكَانَ رِبْحَ مَاضَمِنَ وَلِاَنَّ اَوَّلَ التَّصَرُّفِ فِي الْعُرُوْضِ الْبَيْعُ وَفِي النُّقُوْدِ الشِّرَاءُ وَبَيْعُ اَحَدِهِمَا مَالَهُ عَلٰى اَنْ يَّكُوْنَ الْاٰخَرُ شَرِيْكًا فِيْ ثَمَنِهِ لَايَجُوْزُ وَشِرَاءُ اَحَدِهِمَا شَيْئًا بِمَالِهِ عَلٰى اَنْ يَّكُوْنَ الْمَبِيْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ جَائِزٌ وَاَمَّا الْفُلُوْسُ النَّافِقَةُ تَرُوْجُ رَوَاجَ الْاَثْمَانِ فَاُلْحِقَتْ بِهَا قَالُوْا هٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ لِاَنَّهَا مُلْحَقَةٌ بِالنُّقُوْدِ عِنْدَهُ حَتّٰى لَاتَتَعَيَّنَ بِالتَّعْيِيْنِ وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ بِاَعْيَانِهَا عَلٰى مَاعُرِفَ اَمَّا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ لَايَجُوْزُ الشِّرْكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ بِهَا لِاَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا تَتَبَدَّلُ سَاعَةً فَسَاعَةً وَتَصِيْرُ سِلَعًا وَيُرْوٰى عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَالْاَوَّلُ اَقْيَسُ وَاَظْهَرُ وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ صِحَّةُ الْمُضَارَبَةِ بِهَا

ترجمہ......فصل، اور شرکت یعنی مفاوضہ صرف درہم و دینار اور رائج الوقت سکوں سے ہی منعقد ہوتی ہے ان کے علاوہ کسی اور چیز سے منعقد نہیں ہوتی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسباب اور ناپ اور تول کی جانے والی چیزوں سے بھی منعقد ہوتی ہے۔ بشرطیکہ ایک جنس ہو (یعنی جو چیزیں پیمانہ اور مقررہ برتنوں سے بکتی ہیں اسی طرح جو چیزیں وزن سے بکتی ہیں جب دونوں کے پاس ایک ہی جنس کے برابر ہوں تب شرکت مفاوضہ منعقد ہو جائے گی) کیونکہ یہ عقد بھی معلوم اور متعین راس المال پر واقع ہوا اس لئے یہ چیزیں بھی نقد اور سکوں کے مشابہ ہو گئیں۔ (یعنی یہ بات قیاس کے طابق ہوگی ہے)۔ بخلاف مضاربت کے (جو ایک شخص دوسرے کو اپنا مال امانت کے طور پر اس مقصد سے دیتا ہے کہ وہ اس مال

سے تجارت کرے اور اس سے جو کچھ نفع حاصل ہو وہ اس محنتی کاروبار اور اصل مالک کے درمیان تقسیم ہو جائے تو ایسی شرکت نقد کے علاوہ کسی دوسری چیز سے جائز نہیں ہوتی ہے۔) کیونکہ یہ بات قیاس کے خلاف ہے اس لئے کہ اس میں ایسے مال سے نفع حاصل کیا جاتا ہے جس کا ضمان لازم نہیں آتا ہے (بلکہ وہ امانت کے طور پر ہوتا ہے۔) اس لئے شریعت سے جو حکم جس موقع پر ثابت ہوا سے اسی حد تک باقی رکھنا چاہئے (جبکہ عقد مفاوضہ میں دونوں شریک اسی مال سے کاروبار کرتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے اس میں نقدی سکے وغیرہ ہوں یا غیر نقدی اسباب وغیرہ کے مثل ہوں سب برابر ہیں۔) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اسباب پر شرکت معاوضہ کا انجام بھی یہی ہوتا ہے کہ ایسی چیز سے نفع حاصل کیا گیا جو ابھی ضمانت میں نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مفاوضہ کرنے والا اپنا راس المال یعنی اصل پونجی فروخت کرے (اور ان میں قیمت کے اعتبار سے کافی فرق یعنی کمی اور بیشی ہو (مثلاً ہر ایک کے مال کی قیمت ایک ایک ہزار ہو۔ لیکن ان میں سے ایک اپنا دو ہزار میں اور دوسرا تین ہزار میں فروخت کر دے) تو ان میں سے ایک شخص اپنے ساتھی کے مال سے شرکت کے استحقاق کی بناء پر زیادہ نفع پائے گا۔ جس کا کہ وہ خود مالک نہ ہوا اور ہنوز وہ ضمانت میں نہیں آیا تھا۔ بخلاف درہم و دینار اور نقد روپے وغیرہ کے سکے کے۔ اس لئے کہ اس ایک نے جو خریدا ہے اس کی قیمت اس کے ذمہ لازم ہوگی کیونکہ خریدنے میں مسئلہ متعین نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ ایسے مال کا نفع ہوا جو ضمانت میں آچکا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اسباب میں پہلا تصرف یہ ہے، کہ تصرف کرے۔ اور نقود میں پہلا تصرف یہ ہے کہ خریدے۔ حالانکہ عقد مفاوضہ میں شریک شخص کا اپنا مال اس شرط پر فروخت کرنا ہے کہ دوسرا بھی اس کی قیمت میں شریک ہو، جائز نہیں ہے اور ایک شخص کا اپنے مال سے کوئی چیز اس شرط پر خریدنا کہ اس کا دوسرا شریک بھی اس میں شریک ہو یعنی بیع دونوں میں مشترک ہو یہ جائز ہے (اس طرح نقود کے سوا دوسرے اسباب سے جائز نہیں ہوگا) اور درہم و دینار کے علاوہ وہ سکے جو رائج الوقت ہوں تو وہ بھی اشرفی اور روپے کی طرح چلتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی نقد میں شامل کر لئے گئے۔ اور متاخرین مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فلوس بھی نقد کے ساتھ ملا لئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح درہم و دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں اسی طرح سے یہ فلوس بھی متعین نہیں ہوتے ہیں (۔ مثلاً کسی نے چار آنے کی کوئی چیز خریدی تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے وہی چار آنے دے جو خریدتے وقت ہاتھ میں دکھائے تھے یا اس کو چھوڑ کر دوسرے پیسے دے دے۔ کیونکہ متعین کرنے کے باوجود یہ متعین نہیں ہوتے ہیں۔) اور معین دو پیسوں کو دوسرے معین ایک پیسہ سے بدلنا اور بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اصول میں معلوم ہو چکا ہے۔ (لہٰذا اسے معین کرنا بے فائدہ ہوگا۔) اور امام ابوحنیفہ و ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک پیسوں سے نہ شرکت کا معاملہ صحیح ہوگا اور نہ مضاربت صحیح ہوگی۔ کیونکہ ان پیسوں اور فلوس کی خود کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے جب ان کو بند کر دیا جائے یا ان پر پابندی عائد کر دی جائے تو وہ بھی اسباب کے حکم میں آجاتے ہیں اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت مثل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بھی مذکور ہے۔ لیکن ان کا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہونا قیاس کے زیادہ قریب اور زیادہ ظاہر ہے۔ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ روایت مذکور ہے کہ فلوس کے ساتھ مضاربت صحیح ہے

جن چیزوں کا لوگوں میں تعامل ہے جیسے تبر اور نقرہ ان میں شرکت درست ہے

قَالَ وَلَايَجُوْزُ الشِّرْكَةُ بِمَاسِوٰى ذَالِكَ اِلَّااَنْ يَّتَعَامَلَ النَّاسُ بِالتِّبْرِ وَالنُّقْرَةِ فَتَصِحُّ الشِّرْكَةُ بِهِمَاهٰكَذَاذَكَرَفِي الْكِتَابِ

ترجمہ.....اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مذکورہ مالوں کے سوا دوسری کسی چیز سے شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ وہاں کے لوگ پتھروں یا پگھلائی ہوئی چاندی سے آپس میں شرکت مفاوضہ کا معاملہ کرتے ہوں تو ان دونوں چیزوں سے بھی شرکت جائز ہوگی۔ (یعنی اگر لوگوں میں ڈھلے ہوئے سکوں کے بغیر صرف چاندی اور سونے کی ڈلی اور ٹکڑوں سے بھی شرکت مفاوضہ کا معاملہ ہوتا ہو تو جائز ہوگا۔) صاحب قدوری رحمۃ

اللہ علیہ نے اپنی کتاب مختصر القدوری میں ایسا ہی بیان کیا ہے۔ (یہ بات بظاہر جامع صغیر کے قول کے مخالف ہے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا ہے۔)

سونے چاندی کے مثقالوں سے شرکت مفاوضہ درست نہیں ہوتی

وَفِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ وَلَایَکُوْنُ الْمُفَاوَضَةُ بِمَثَاقِیْلِ ذَهَبٍ اَوْفِضَّةٍ وَمُرَادُهُ التِّبْرُ فَعَلٰی هٰذِهِ الرِّوَایَةِ التِّبْرُ سِلْعَةٌ یَتَعَیَّنُ بِالتَّعْیِیْنِ فَلَایَصْلَحُ رَاْسَ الْمَالِ فِی الْمُضَارَبَاتِ وَالشِّرْکَاتِ وَذَکَرَفِیْ کِتَابِ الصَّرْفِ اَنَّ النُّقْرَةَ لَایَتَعَیَّنُ حَتّٰی لَایَنْفَسِخُ الْعَقْدُ بِهَلَاکِهٖ قَبْلَ التَّسْلِیْمِ فَعَلٰی تِلْكَ الرِّوَایَةِ یَصْلَحُ رَاْسَ الْمَالِ فِیْهِمَا وَهٰذَا لِمَاعُرِفَ اَنَّهُمَا خُلِقَاثَمَنَیْنِ فِی الْاَصْلِ اِلَّا اَنَّ الْاَوَّلَ اَصَحُّ لِاَنَّهَا وَاِنْ خُلِقَتْ لِلتِّجَارَةِ فِی الْاَصْلِ لٰکِنَّ الثَّمْنِیَّةَ تَخْتَصُّ بِالضَّرْبِ الْمَخْصُوْصِ لِاَنَّ عِنْدَذَالِكَ لَایُصْرَفُ اِلٰی شَیْءٍ اٰخَرَظَاهِرًا اِلَّا اَنْ یَّجْرِیَ التَّعَامُلُ بِاسْتِعْمَالِهِمَا ثَمَنًا فَیَنْزِلُ التَّعَامُلُ بِمَنْزِلَةِ الضَّرْبِ فَیَکُوْنُ ثَمَنًاوَیَصْلَحُ رَاْسُ الْمَالِ

ترجمہ......اور جامع صغیر میں ہے کہ سونے یا چاندی کے ثقالوں سے شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی ہے۔ اس جگہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مثقال سے مراد تبر (ٹکڑے) ہیں۔ اس بناء پر تبر ایسا اسباب ہے جو معین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔ اس لئے مضاربت یا شرکت کے معاملات میں یہ راس المال نہیں ہوسکتا ہے۔ اور جامع صغیر کی کتاب الصرف میں مذکور ہے کہ گلائی اور پگھلائی ہوئی چاندی جو ڈھلی ہوئی اور سکہ کی شکل میں نہ ہو وہ بھی متعین نہیں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بیع میں حوالہ کرنے سے پہلے وہ ضائع ہو جائے تو عقد بیع نہیں ہوگی۔ پس اس روایت کے مطابق (گلائی ہوئی ہو یا ڈلی کی شکل میں ہو) سب شرکت اور مضاربت میں اصل پونجی یا راس المال ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی میں فطری اور خلقی طور سے ثمنیت رکھی گئی ہے۔ خواہ ان کے سکے بنے ہوئے ہوں یا نہ ہوں لیکن پہلی روایت اصح ہے۔ کیونکہ سونا اور چاندی اگرچہ اپنی اصلی خلقت میں تجارت کے لئے مخلوق ہیں۔ لیکن ثمن اور قیمت کے طور پر ان کا استعمال ان کے سکہ ڈھل جانے پر ہی مخصوص ہے (یعنی ڈھال کر درہم دینار وغیرہ بنا دیئے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے) کیونکہ ایسی حالت میں بظاہر ان کو دوسرے کسی کام میں نہیں لایا جاتا ہے۔ پھر بھی بالغرض اگر لوگوں میں سکے میں ڈھالے بغیر ڈلی کی شکل ہی میں بطور ثمن ان کا استعمال ہونے لگے تو ان کے اس استعمال اور رواج ہی کو مسئلہ کے حکم میں فرض کر لیا جائے گا۔ اور اس وقت یہ مطلقاً ثمن ہو جائیں گے۔ اور راس المال ہونے کے لائق ہو جائیں گے۔

مکیلی، موزونی اور عددی چیزوں میں شرکت مفاوضہ درست نہیں

ثُمَّ قَوْلُهٗ وَلَایَجُوْزُ بِمَاسِوٰی ذَالِكَ یَتَنَاوَلُ الْمَکِیْلَ وَالْمَوْزُوْنَ وَالْعَدَدِیَّ الْمُتَقَارِبَ وَلَاخِلَافَ فِیْهِ بَیْنَنَا قَبْلَ الْخَلْطِ وَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا رِبْحُ مَتَاعِهٖ وَعَلَیْهِ وَضِیْعَتُهٗ وَاِنْ خَلَطَا ثُمَّ اشْتَرَکَا فَکَذَالِكَ فِیْ قَوْلِ اَبِیْ یُوْسُفَ وَالشِّرْکَةُ شِرْکَةُ مِلْكٍ لَاشِرْکَةُ عَقْدٍ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَصِحُّ شِرْکَةُ الْعَقْدِ وَثَمْرَةُ الْاِخْتِلَافِ تَظْهَرُ عِنْدَالتَّسَاوِیْ فِی الْمَالَیْنِ وَاشْتِرَاطُ التَّفَاضُلِ فِی الرِّبْحِ فَظَاهِرُ الرِّوَایَةِ مَاقَالَهٗ اَبُوْیُوْسُفَ لِاَنَّهٗ تَعَیَّنَ بِالتَّعْیِیْنِ بَعْدَ الْخَلْطِ کَمَایَتَعَیَّنُ قَبْلَهٗ وَلِمُحَمَّدٍ اَنَّهَا ثَمَنٌ مِنْ وَجْهٍ حَتّٰی جَازَالْبَیْعُ بِهَادَیْنًافِی الذِّمَّةِ وَبَیْعٌ مِنْ حَیْثُ اَنَّهٗ یَتَعَیَّنُ بِالتَّعْیِیْنِ فَعَمِلْنَا بِالشَّبْهَیْنِ بِالْاِضَافَةِ اِلَی الْحَالَیْنِ بِخِلَافِ الْعُرُوْضِ لِاَنَّهَالَیْسَتْ ثَمَنًا بِحَالٍ وَلَواخْتَلَفَا جِنْسًا کَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِیْرِ وَالزَّیْتِ وَالسَّمْنِ فَخَلَطَا لَایَنْعَقِدُ الشِّرْکَةُ بِهَابِالْاِتِّفَاقِ وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ اَنَّ الْمَخْلُوْطَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ مِنْ ذَوَاتِ الْاَمْثَالِ وَ مِنْ جِنْسَیْنِ مِنْ ذَوَاتِ الْقِیَمِ فَتَمَکَّنَ الْجَهَالَةُ کَمَافِی الْعُرُوْضِ اِذَالَمْ تَصِحَّ

الشِّرْکَۃُ فَحُکْمُ الْخَلْطِ قَدْبَیَّنَّاہُ فِیْ کِتَابِ الْقَضَاءِ

ترجمہ......اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ ان کے علاوہ دوسری چیزوں سے شرکت جائز نہیں ہے تو اس میں کیلی اور وزنی چیزیں اور جو گن کر فروخت ہوتی ہیں اور آپس میں تقریباً برابر ہوتی ہیں (جیسے انڈے، اخروٹ۔) یہ سب چیزیں بھی داخل ہیں (یعنی یہ چیزیں شرکت مفاوضہ کے لئے رأس المال نہ ہوں گی۔) اس مسئلہ میں ہمارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جبکہ خلط سے پہلے ہو۔ (یعنی مال کے ملا دینے سے پہلے شرکت کا عقد ان چیزوں پر نہیں ہوسکتا ہے۔) اور دونوں شرکاء میں سے ہر ایک کے سامان کا نفع اس کے لئے مخصوص ہوگا۔ اور اگر اس میں نقصان ہو تو وہ بھی اسی کا ہوگا۔ اور اگر دونوں نے اپنا اپنا مال ملا کر ایک کر دیا اور پھر اس کے شرکت کے معاملہ کو طے کیا تو بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی حکم ہوگا۔ یہ شرکت ملک کہلائے گی۔ (یعنی دونوں کی ملکیت آپس میں ملی ہوئی ہے۔) اس لئے یہ شرکت عقد نہ ہوگی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرکت عقد بھی صحیح ہے۔ اس اختلاف کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوگا کہ دونوں شرکاء کا مال آپس میں برابر ہو لیکن نفع میں ایک کے لئے کچھ زیادہ اور دوسرے کے لئے کچھ کم ہونے کی شرط لگائی گئی ہو۔ (مثلاً ایک کے لئے نفع میں دو تہائی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی ہونے کی شرط لگائی گئی ہو تو) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرکت جائز نہ ہوگی۔ (بلکہ ہر ایک کو اسی کے مال کا نفع ملے گا) اور یہی ظاہر الروایۃ ہے کیونکہ یہ مال ملا دینے کے بعد بھی معین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔ جیسے ملانے سے پہلے متعین ہو جاتا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایسا مال ایک اعتبار سے ثمن ہے یہاں تک کہ اس کے عوض میں اپنے ذمہ قرض رکھ کر بیع کرنا جائز ہے (مثلاً کسی شخص نے کسی سے کوئی چیز مرغی کے دس انڈوں یا پانچ سیر گیہوں یا تین سیر لوہے کے عوض خریدی اس طرح پر کہ یہ انڈے یا گیہوں یا لوہا مشتری کے ذمہ ادھار ہے تو یہ قرض جائز ہوا اس بناء پر یہ چیزیں ثمن ہوں گی۔) اور دوسرے اعتبار سے یہی چیزیں بیع ہیں۔ کہ معین کرنے سے یہ متعین بھی ہو جاتی ہیں۔ پس ان میں دوہری مشابہت ہوئی۔ اس لئے ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا (یہ کہہ کر ملانے سے پہلے ان کو مبیع کہا اور یہ کہ اس میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اور ملانے کے بعد ان کو ثمن قرار دیا اور یہ کہ ان میں شرکت جائز ہے۔) بخلاف دوسرے اسباب (مثلاً تخت و کرسی و صندوق وغیرہ) کے کہ یہ چیزیں کسی حال میں بھی ثمن نہیں بن سکتی ہیں (۔ پھر اختلاف کی یہ صورتیں اس وقت ہیں جبکہ وہ کیلی و وزنی و عددی دونوں کے پاس ایک ہی جنس کی ہوں)۔ کیونکہ اگر دونوں کی جنس مختلف ہو جیسے ایک کے پاس گیہوں اور دوسرے کے پاس جو ہوں یا ایک کے پاس روغن زیتون اور دوسرے کے پاس گھی ہو۔ پھر اگر دونوں نے سب مال ملا دیا تو بھی بالاتفاق عقد شرکت نہیں ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اس پر متفق ہیں (پس امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک جنس ہونے سے خلط کے بعد شرکت جائز ہے۔ لیکن مختلف جنس ہونے سے جائز نہیں ہے۔) اس میں فرق یہ ہے کہ ایک ہی جنس کے مخلوط ہو جانے سے وہ شئی مثلی چیزوں میں سے ہے۔ (یعنی اگر کوئی شخص اسے برباد کردے تو اس کی جیسی مثلی چیز اس کا قائم مقام ہوسکتی ہے) اور دو جنسوں کی ملی ہوئی مخلوط چیز مثلی نہیں بلکہ قیمتی (قیمت والی) ہے اس کے برباد کر دینے والے پر اس کا مثل نہیں بلکہ اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔ اس بناء پر اس میں جہالت پیدا ہوگئی۔ یعنی ہر شریک کو اس کی تقسیم کے وقت اس کا اصل مال مل سکتا ہے جیسے اسباب میں ہوتا ہے۔) اور جب شرکت صحیح نہ ہوئی تو خلط کا جو حکم ہے وہ ہم نے کتاب القضاء میں بیان کیا ہے۔ (بلکہ کتاب الودیعت میں بیان کیا ہے۔) الغایہ یا کفایۃ المنتہی میں ملاحظ ہو۔

اسباب میں شرکت مفاوضہ کے جواز کا حیلہ

قَالَ وَاِذَا اَرَادَالشِّرْکَۃَ بِالْعُرُوْضِ بَاعَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا نِصْفَ مَالِہٖ بِنِصْفِ مَالِ الْاٰخَرِ ثُمَّ عَقَدَالشِّرْکَۃَ قَالَ وَھٰذِہٖ شِرْکَۃُ مِلْکٍ لِمَابَیَّنَّا اَنَّ الْعُرُوْضَ لَاتَصِحُّ رَاْسَ مَالِ الشِّرْکَۃِ وَتَاْوِیْلُہٗ اِذَاکَانَ قِیْمَۃُ مَتَاعِھِمَا عَلٰی

السَّوَاءِ وَلَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا تَفَاوُتٌ يَبِيعُ صَاحِبُ الْاَقَلِّ بِقَدْرِ مَا يَثْبُتُ بِهِ الشَّرِكَةُ

ترجمہ.....اور جب کوئی شخص کسی کے ساتھ اسباب میں شرکت کا معاملہ کرنا چاہے تو ہر ایک شخص اپنے آدھے مال کو دوسرے کے آدھے مال کے عوض فروخت کردے اس کے بعد عقد شرکت طے کرے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ شرکت ملک کی ہوگی۔ اس لئے کہ ہم نے یہ بتادیا ہے کہ شرکت کا راس المال یہ اسباب نہیں ہوسکتا ہے۔ اور جو مسئلہ ابھی مذکور ہوا اس کی تاویل یہ ہے کہ دونوں کے اسباب کی قیمت برابر ہو۔ اور اگر قیمت میں فرق یعنی کمی اور زیادتی ہو تو کم قیمت والا اپنے مال میں سے دوسرے کے اسباب سے اسی فرق کے اندازہ کے عوض فروخت کردے۔ تاکہ شرکت ثابت ہوجائے (۔ مثلاً اس شریک کے اسباب کی قیمت چار سو درہم اور دوسرے کے اسباب کی قیمت صرف ایک سو درہم ہوں۔ تو دوسرا شخص اپنے اسباب کے پانچ حصوں میں سے چار حصے دوسرے کے پانچویں حصے کے عوض فروخت کردے۔ اس طرح خلط کردینے سے کل اسباب کے پانچ حصے ہوں گے۔ جن میں ایک حصہ کم مال والے کا ہوگا۔ اس لئے اسے نفع کا بھی پانچواں حصہ ہی ملے گا۔)

شرکت عنان کی تعریف

قَالَ وَاَمَّا شِرْكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُوْنَ الْكَفَالَةِ وَهِيَ اَنْ تَشْتَرِكَ اِثْنَانِ فِيْ نَوْعِ بُرًّا وَطَعَامٍ اَوْ يَشْتَرِكُ فِيْ عُمُوْمِ التِّجَارَاتِ وَلَا يَذْكُرَانِ الْكَفَالَةَ وَاِنْعِقَادُهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِتَحَقُّقِ مَقْصُوْدِهِ كَمَا بَيَّنَّاهُ وَلَا يَنْعَقِدُ عَلَى الْكَفَالَةِ لِاَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْاِعْرَاضِ يُقَالُ عَنَّ لَهُ اَيْ اَعْرَضَ وَهٰذَا لَا يُنْبِئُ عَنِ الْكَفَالَةِ وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ لَا يَثْبُتُ بِخِلَافِ مُقْتَضَى اللَّفْظِ

ترجمہ.....قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے عقد شرکت کی دوسری قسم عنان کے بارے میں فرمایا کہ وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے۔ اور کفالت پر منعقد نہیں ہوتی ہے۔ اس طور سے کہ دو شخص کپڑے یا غلہ کی تجارت میں شرکت کریں یا عموماً ہر قسم کی تجارت میں شرکت کریں اور کفالت کا ذکر نہ کریں۔ اس میں وکالت پر انعقاد اس لئے ہے کہ شرکت کا مقصود حاصل ہوجائے۔ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں لیکن یہ کفالت سے منعقد نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ عنان کے معنی ہیں منہ موڑنا۔ محاورہ میں بولا جاتا ہے عن لہ۔ جبکہ کسی سے منہ موڑا ہو۔ اس ترجمہ سے کفالت کا پایا جانا بالکل ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ اور لفظ کے مقتضاء کے خلاف کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا ہے۔

شرکت عنان میں مال اور منافع میں تساوی ضروری ہے

وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ لِحَاجَةِ اِلَيْهِ وَلَيْسَ مِنْ قَضِيَّةِ اللَّفْظِ الْمُسَاوَاةُ وَيَصِحُّ اَنْ يَتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ لَا يَجُوْزُ لِاَنَّ التَّفَاضُلَ فِيْهِ يُؤَدِّيْ اِلٰى رِبْحِ مَالَمْ يَضْمَنْ فَاِنَّ الْمَالَ اِذَا كَانَ نِصْفَيْنِ وَالرِّبْحُ اَثْلَاثًا فَصَاحِبُ الزِّيَادَةِ يَسْتَحِقُّهَا بِلَا ضَمَانٍ اِذِ الضَّمَانُ بِقَدْرِ رَاسِ الْمَالِ وَلِاَنَّ الشَّرِكَةَ عِنْدَهُمَا فِي الرِّبْحِ لِشَرِكَةٍ فِي الْاَصْلِ وَلِهٰذَا يَشْتَرِطَانِ الْخَلْطَ فَصَارَ رِبْحُ الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ نَمَاءِ الْاَعْيَانِ فَيَسْتَحِقُّ بِقَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْاَصْلِ وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّبْحُ عَلٰى مَا شَرَطَا وَالْوَضِيْعَةُ عَلٰى قَدْرِ الْمَالَيْنِ وَلَمْ يُفَصِّلْ وَلِاَنَّ الرِّبْحَ كَمَا يُسْتَحَقُّ بِالْمَالِ يُسْتَحَقُّ بِالْعَمَلِ كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ وَقَدْ يَكُوْنُ اَحَدُهُمَا اَحْذَقُ وَاَهْدٰى اَوْ اَكْثَرُ عَمَلًا وَاَقْوٰى فَلَا يَرْضٰى بِالْمُسَاوَاةِ فَمَسَّتِ الْحَاجَةُ اِلَى التَّفَاضُلِ بِخِلَافِ

اِشْتِرَاطِ جَمِيْعِ الرِّبْحِ لِاَحَدِهِمَا لِاَنَّهُ يَخْرُجُ الْعَقْدَ بِهِ مِنَ الشِّرْكَةِ وَ مِنَ الْمُضَارَبَةِ اَيْضًا اِلٰى قَرْضٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِلْعَامِلِ اَوْ اِلٰى بِضَاعَةٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِرَبِّ الْمَالِ وَ هٰذَا الْعَقْدَ يُشْبِهُ الْمُضَارَبَةَ مِنْ حَيْثُ اَنَّهُ يَعْمَلُ فِيْ مَالِ الشَّرِيْكِ وَ يُشْبِهُ الشِّرْكَةَ اِسْمًا وَ عَمَلًا فَاِنَّهُمَا يَعْمَلَانِ فَعَمِلْنَا بِشِبْهِ الْمُضَارَبَةِ وَ قُلْنَا يَصِحُّ اشْتِرَاطُ الرِّبْحِ مِنْ غَيْرِ ضَمَانٍ وَ بِشِبْهِ الشِّرْكَةِ حَتّٰى لَا يَبْطُلُ بِاشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَيْهِمَا

ترجمہ.....اور (شرکت عنان کی صورت میں) دونوں شریکوں کے مال میں کمی وبیشی کا ہونا صحیح ہے کیونکہ اس کی ضرورت اور مجبوری ہے۔لفظ عنان اس کا تقاضا نہیں کرتا ہے کہ دونوں میں برابری ہو۔اور اگر دونوں کا مال برابر ہو پھر بھی نفع میں کسی کے لئے زیادتی کی شرط ہو۔مثلاً نفع میں ایک کے لئے ایک تہائی اور دوسرے کے لئے دوتہائی کی شرط ہو تو بھی جائز ہے۔لیکن امام زفر و شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نفع میں زیادتی کا مطلب یہ ہوگا کہ جس چیز کا ضمان لازم نہ آئے اس کا نفع لیا جائے۔اسی لئے اگر سب کا مال برابر ہو لیکن نفع ایک کے لئے دوتہائی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی ہو تو جس کے لئے دوتہائی نفع ہوگا اس کا نفع دوسرے کے مقابلہ میں ایک تہائی زیادہ ہو جائے گا۔اور اس نفع کے مقابلہ میں اس پر کوئی ضمان لازم نہیں آئے گا۔حالانکہ کسی پر ضمان اتنا ہی لازم آتا ہے جتنی اس کی اصل پونجی یا راس المال ہو۔اور ناجائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام زفر و شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اصل مال میں شرکت کی وجہ سے نفع میں شرکت ہوتی ہے۔اسی لئے دونوں کے نزدیک اصل مال کا ایک دوسرے کے مال مین ملا جلا ہونا شرط ہے۔تو مال کا نفع ایسا ہو گیا۔جیسے اصل مال میں اس کی زیادتی ہوتی ہے،یعنی جیسے بکریوں کے بچہ ہو کر اصل مال میں زیادتی ہو جاتی ہے پس اصل مال میں جس میں جس کی جتنی ملکیت ہوگی اس کے نفع میں اتنا ہی اس کا حصہ ہوگا۔اور ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ نفع دونوں کی شرط کے مطابق ہوگا لیکن نقصان مال کے اندازہ سے ہوگا۔اس روایت میں اصل مال کی برابری یا کمی بیشی کی کوئی تفصیل نہیں ہے (۔یعنی اگر مال برابر ہو اور نفع میں کمی وبیشی کی شرط کی تو بھی جائز ہوگا۔بخلاف نقصان کے کہ وہ شرط کے موافق نہیں ہوگا۔ بلکہ مال کے اندازہ سے ہوگا۔لیکن یہ حدیث صرف حنفیہ کی کتابوں میں حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ن ت۔م) اور اس دلیل سے بھی کہ نفع پانے کا حقدار جس طرح انسان مال سے ہوتا ہے اسی طرح کام سے بھی حقدار ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ مضاربت میں ہوتا ہے (یعنی مضارب کو روپیہ دیا کہ وہ اس سے تجارت کر کے نفع حاصل کرے) اس طرح نفع کے تین حصے کر کے مال والا اپنے مال کا نفع پائے گا اور مضارب اپنے کام کی وجہ سے نفع پائے گا۔اور کبھی دونوں میں سے ایک شریک کو اس تجارت کا ڈھنگ زیادہ اور کام زیادہ آتا ہے اور اپنے شریک سے زیادہ چاق و چوبند اور زیادہ ہوشیار ہوتا ہے اس بناء پر وہ نفع کی برابری پر راضی نہ ہوگا۔اس ضرورت کی وجہ سے نفع میں کمی وبیشی پر کاروبار کرنا جائز ہوگا۔اس کے برخلاف اگر نفع ایک ہی شخص کے لئے شرط ہو جائے تو جائز نہ ہوگا۔کیونکہ ایسا کرنے سے عقد شرکت نہیں ہوگا بلکہ عقد مضاربت بھی نہ ہوگا۔بلکہ اگر خاص کرنے کے لئے پورے نفع کی شرط لگا کر دیا (مثلاً ان روپے سے فلاں کام کا کاروبار کرو اور سارا نفع تمہارا ہوگا) تو یہ قرض ہو جائے گا اور اگر سارا نفع مال کے مالک کے لئے ہونے کی شرط پر ہو۔لیکن یہ عقد ایسا ہو کہ ابتداء میں تو مضاربت کے مشابہ ہو اس بناء پر کہ وہ شریک کے مال میں کام کرتا ہے ساتھ ہی شرکت مفاوضہ کے بھی مشابہ ہو اس بناء پر کہ نام کے اعتبار سے تو شرکت ہوتی ہے لیکن عمل کے اعتبار سے تجارت بھی ہوتی ہے۔پس اس میں دونوں مشابہتوں کا عمل ہوا۔تو مضاربت کا اثر یہ ہوگا کہ ہم نے یہ کہا کہ بغیر ضمانت کے بھی نفع کی شرط کرنا صحیح ہے۔یعنی جس طرح مضاربت میں مال امانت کے طور پر ہوتا ہے لیکن ضمانت کے بغیر بھی اس میں نفع کی شرط جائز ہوتی ہے۔اسی طرح شرکت عنان میں ایک شریک کے لئے زائد نفع کا ہونا جائز ہوتا ہے۔اور دوسری شرکت مفاوضہ ہونے کا اثر یہ ہوگا کہ دونوں شریکوں پر کام کی شرط ہونے سے شرکت عنان باطل نہیں ہوتی ہے۔

شرکت عنان میں ہر دو شریک اپنے کچھ مال کو شرکت میں ملائیں اور بقیہ کو نہ ملائیں جائز ہے

قَالَ وَ يَجُوْزُ اَنْ يَّعْقِدَ هَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهِ دُوْنَ الْبَعْضِ لِاَنَّ الْمُسَاوَاةَ فِي الْمَالِ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِيْهِ اِذِ اللَّفْظُ لَايَقْتَضِيْهِ وَلَايَصِحُّ اِلَّا بِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهِ لِلْوَجْهِ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ

ترجمہ...... اور (قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ) شرکت عنان میں یہ بات جائز ہے کہ ہر شریک اپنے تھوڑے مال کو شرکت کے مال میں ملا دے اور باقی کو نہ ملائے۔ کیونکہ اس شرکت میں مال کی برابری شرط نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ عنان کے معنی میں ایسی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی برابری کا تقاضا ہے۔ البتہ شرکت اس مال سے صحیح ہوگی جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے (یعنی درہم و دینار اور رائج الوقت سکے یعنی جن سے شرکت مفاوضہ صحیح ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جسے وہاں بیان کر چکے ہیں۔)

شرکت عنان میں ایک کی طرف سے دراہم اور دوسرے شریک کی طرف سے دنانیر ہوں جائز ہے

وَيَجُوْزُ اَنْ يَشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ اَحَدِهِمَا دَنَانِيْرُ وَ مِنَ الْاٰخَرِ دَرَاهِمَ وَ كَذَا مِنْ اَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ بِيْضٌ وَ مِنَ الْاٰخَرِ سُوْدٌ وَ قَالَ زُفَرٌ وَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجُوْزُ وَ هٰذَا بِنَاءٌ عَلَى اشْتِرَاطِ الْخَلْطِ وَعَدَمِهِ فَاِنَّ عِنْدَهُمَا شَرْطٌ وَ لَا يَتَحَقَّقُ ذَالِكَ فِيْ مُخْتَلِفَيِ الْجِنْسِ وَ سَنُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ...... اور (یہ بھی کہا ہے کہ) شرکت عنان میں یہ بھی جائز ہے کہ ایک شریک کی طرف سے دینار ہوں اور دوسرے کی طرف سے درہم ہوں۔ اس طرح یہ بھی جائز ہے کہ اس کی طرف سے سفید درہم ہوں اور دوسرے کی طرف سے سیاہ درہم ہوں۔ مگر امام زفر و شافعی رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں ہوگا۔ دراصل یہ اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ دونوں کے مالوں کو ایک دوسرے میں ملانے کی شرط ہے یا نہیں۔ چنانچہ زفر رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ملا دینا شرط ہے۔ حالانکہ جنسیت میں مختلف دو چیزیں ایک دوسرے میں مکمل طور سے مختلط نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس مسئلہ کو ہم انشاءاللہ اس کے بعد پھر بیان کریں گے۔

شرکت عنان میں جس سے ایک نے کوئی چیز خریدی اسی سے ثمن کا مطالبہ ہو سکتا ہے

قَالَ وَ مَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشِّرْكَةَ طُوْلِبَ بِثَمَنِهِ دُوْنَ الْاٰخَرِ لِمَا بَيَّنَّا اَنَّهُ يَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ دُوْنَ الْكَفَالَةِ وَالْوَكِيْلُ هُوَ الْاَصْلُ فِي الْحُقُوْقِ

ترجمہ...... (اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ) شرکت عنان کے دونوں شریکوں میں سے جس کسی نے جو کچھ کاروبار میں شرکت کے لئے خریدا ہے۔ اس کی قیمت کا مطالبہ صرف اسی سے ہوگا اور دوسرے سے نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ شرکت عنان میں صرف وکالت پائی جاتی ہے۔ اور کفالت کو یہ شامل نہیں ہوتی ہے۔ جبکہ حقوق کے مطالبہ میں اصل وکیل ہی ہوتا ہے۔

ہر شریک دوسرے شریک سے اپنے حصہ کے بقدر رجوع کرے گا

قَالَ ثُمَّ يَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ مَعْنَاهُ اِذَا اَدّٰى مِنْ مَّالِ نَفْسِهِ لِاَنَّهُ وَكِيْلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِيْ حِصَّتِهِ فَاِذَا نَقَدَ مِنْ مَّالِ نَفْسِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ فَاِنْ كَانَ لَا يُعْرَفُ ذَالِكَ اِلَّا بِقَوْلِهِ فَعَلَيْهِ الْحُجَّةُ لِاَنَّهُ يَدَّعِيْ وُجُوْبَ الْمَالِ فِيْ ذِمَّةِ

الْاٰخَرِ وَ هُوَ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ مَعَ يَمِيْنِهٖ

ترجمہ...... پھر قیمت سے جو کچھ بھی ادا کیا ہے اس میں سے دوسرے شریک سے اس کے حصہ کے برابر اس سے واپس مانگ لے گا۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ جب ایک شریک نے اپنے مال سے قیمت ادا کی ہو تو اپنے دوسرے شریک سے اس کے حصہ کے برابر واپس لے گا۔ کیونکہ پہلا شریک دوسرے شریک کی طرف سے اس کے حصہ میں وکیل ہے اس لئے جب اس نے اپنے مال سے ادا کر دیا تو وہ دوسرے شریک سے واپس لے گا۔ اور اگر یہ بات (کہ کوئی چیز خریدی گئی ہے۔ اور کتنے میں خریدی گئی ہے) معلوم نہ ہو سکے۔ (مثلاً جو چیز خریدی ہو وہ موجود نہ ہو حالانکہ شریک یہ کہتا ہے کہ میں نے مثلاً ایک غلام خریدا ہے اور اس کی قیمت بھی ادا کر دی ہے بعد میں وہ غلام مر گیا ہے لیکن دوسرا شریک ان باتوں کا انکار کرتا ہو کہ ایسا بالکل نہیں ہوا ہے۔ تو ایسی صورت میں کہنے اور) دعویٰ کرنے والے پر لازم ہوگا کہ اپنے دعویٰ کے مطابق گواہ پیش کرے۔ کیونکہ شریک غلام کی خریداری کا دعویٰ کر کے دوسرے کے ذمہ مال کے واجب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن اس کا دوسرا شریک اس کا انکار کرتا ہے لہٰذا منکر کا قول قسم کے ساتھ ہی مقبول ہوگا۔ (اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکا تو انکار کرنے والے شریک کی بات (یعنی انکار) قسم کھا لینے کے بعد قابل قبول ہوگی۔)

مال شرکت یا ایک کا مال کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا شرکت باطل ہوگی

قَالَ وَ اِذَا هَلَكَ مَالُ الشِّرْكَةِ اَوْ اَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّشْتَرِيَا شَيْئًا بَطَلَتِ الشِّرْكَةُ لِاَنَّ الْمَعْقُوْدَ عَلَيْهِ فِي عَقْدِ الشِّرْكَةِ الْمَالُ فَاِنَّهٗ يَتَعَيَّنُ فِيْهِ كَمَا فِي الْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَبِهَلَاكِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ يَبْطُلُ الْعَقْدُ كَمَا فِي الْبَيْعِ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ وَالْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ لِاَنَّهٗ لَا يَتَعَيَّنُ الثَّمَنَانِ فِيْهِمَا بِالتَّعْيِيْنِ وَاِنَّمَا يَتَعَيَّنَانِ بِالْقَبْضِ عَلٰى مَا عُرِفَ وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِيْمَا اِذَا هَلَكَ الْمَالَانِ وَكَذَا اِذَا هَلَكَ اَحَدُهُمَا لِاَنَّهٗ مَا رَضِيَ بِشِرْكَةِ صَاحِبِهٖ فِي مَالِهٖ اِلَّا لِيُشْرِكَهٗ فِي مَالِهٖ فَاِذَا فَاتَ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِشِرْكَتِهٖ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ لِعَدَمِ فَائِدَتِهٖ وَ اَيُّهُمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ صَاحِبِهٖ اِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ فَظَاهِرٌ وَكَذَا اِذَا كَانَ هَلَكَ فِي يَدِ الْاٰخَرِ لِاَنَّهٗ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِهٖ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْخَلْطِ حَيْثُ يَهْلِكُ عَلَى الشِّرْكَةِ لِاَنَّهٗ لَا يَتَمَيَّزُ فَيُجْعَلُ الْهَلَاكُ مِنَ الْمَالَيْنِ

ترجمہ...... اگر دونوں شریکوں کی شرکت کا کل مال یا صرف ایک کا مال ہلاک ہو گیا اس سے پہلے کہ شرکت کے مال سے وہ کوئی چیز خریدیں تو شرکت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ عقد شرکت جس چیز پر ہوتی ہے وہ مال ہے کیونکہ یہ عقد شرکت میں متعین ہو جاتا ہے۔ جیسے حصہ دار کا وصیت میں مال متعین ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز پر عقد شرکت قائم ہوئی ہے اگر وہ ہلاک ہو جائے تو عقد ہی باطل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عقد بیع میں ہوتا ہے (۔ مثلاً جس بیع پر معاملہ طے پایا ہے اگر اس کے حوالہ کرنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو بیع باطل ہو جاتی ہے) بخلاف مضاربت اور تنہا وکالت کے کیونکہ مضاربت اور تنہا وکالت میں ثمن معین کرنے سے معین نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ قبضہ ہونے سے ہی متعین ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے۔ (الحاصل مال برباد ہونے سے شرکت باطل ہو جائے گی)۔ پھر اس صورت میں جبکہ دونوں مال ہلاک ہو جائیں تو اس میں شرکت کا باطل ہونا تو ظاہر ہے۔ اور اگر صرف ایک کا مال ضائع ہو تو بھی شرکت باطل ہو گئی۔ کیونکہ جس کا مال ضائع نہیں ہوا ہے وہ اپنے مال میں دوسرے کو شریک کرنے پر صرف اس طرح سے راضی ہوا تھا کہ وہ خود بھی اس مال میں شریک ہو۔ اور اب جبکہ اس کا مال ہی باقی نہ رہا تو یہ اپنے مال میں شریک کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔ لہٰذا عقد شرکت باطل ہو جائے گا کیونکہ اس کا باقی رہنا بے فائدہ ہوگا۔ اور دونوں میں سے جس کسی کا مال ضائع ہوگا اسی کا مال ضائع ہوگا (یعنی دوسرا شخص اس کا ضامن بالکل نہیں ہوگا) کیونکہ اگر خود اس کے قبضہ میں رہتے ہوئے ضائع ہوا جب تو بات واضح ہے۔ اور اگر دوسرے شریک کے قبضہ میں رہتے ہوئے ضائع ہوا تو بھی ضمان لازم نہیں آئے گا کیونکہ وہ مال اس کے قبضہ میں بطور امانت تھا۔ بخلاف اس کے اگر دونوں کا مال ملا

دیا گیا اس کے بعد وہ ہلاک ہوا تو اس صورت میں اس کی بربادی بھی مشترکہ ہلاک سمجھا جائے گا کیونکہ مال میں کوئی امتیاز نہیں رہتا ہے کہ کس کا ہلاک ہوا اور کس کا باقی رہا۔ اس لئے دونوں مالوں سے ہی ہلاک ہونا کہا جائے گا۔

ایک کے مال سے کچھ خریدا گیا دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا مشتری مشترک ہوگی

وَ اِنِ اشْتَرٰی اَحَدُھُمَا بِمَالِہٖ وَ ھَلَکَ مَالُ الْاٰخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرٰی بَیْنَھُمَا عَلٰی مَاشَرَطَا لِاَنَّ الْمِلْکَ حِیْنَ وَقَعَ وَقَعَ مُشْتَرَکًا بَیْنَھُمَا لِقِیَامِ الشَّرْکَۃِ وَقْتَ الشِّرَاءِ فَلَایَتَغَیَّرُ الْحُکْمُ بِھَلَاکِ مَالِ الْاٰخَرِ بَعْدَ ذَالِکَ ثُمَّ الشَّرْکَۃُ شَرْکَۃُ عَقْدٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِلْحَسَنِ ابْنِ زِیَادٍ حَتّٰی اَنَّ اَیَّھُمَا بَاعَ جَازَ بَیْعُہٗ لِاَنَّ الشَّرْکَۃَ قَدْتَمَّتْ فِی الْمُشْتَرٰی فَلَایَنْتَقِضُ بِھَلَاکِ الْمَالِ بَعْدَ تَمَامِھَا

ترجمہ...... اور اگر دونوں میں سے ایک نے اپنے مال سے کچھ خریدا لیکن اس کے خریدنے سے پہلے ہی دوسرے کا مال ضائع ہو گیا تو جو چیز خریدی گئی ہو وہ ان دونوں میں ان کی شرط کے مطابق مشترک ہوگی۔ کیونکہ جس وقت اس پر ملکیت ثابت ہوئی ہے وہ اس وقت دونوں میں مشترک تھی اس لئے اس کے بعد دوسرے کا مال ضائع ہو جانے سے پہلا حکم نہیں بدلے گا۔ پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرکت عقد ہوگی اسی لئے ان دونوں شریکوں میں سے جو کوئی بھی اسے فروخت کرے گا وہ فروخت صحیح ہوگی۔ کیونکہ خریدی ہوئی چیز میں شرکت پوری ہو چکی تھی۔ اس لئے اس کے پورا ہو جانے کے بعد دوسرے کا مال ضائع ہو جانے سے شرکت میں فرق نہیں آئے گا بلکہ شرکت باقی رہے گی۔ (حاصل کلام یہ ہوا کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اگرچہ اس کی قیمت صرف ایک شریک نے ادا کی ہے۔)

ایک شریک دوسرے شریک پر اپنے حصہ ثمن سے رجوع کرے گا

قَالَ وَیَرْجِعُ عَلٰی شَرِیْکِہٖ بِحِصَّۃٍ مِنْ ثَمَنِہٖ لِاَنَّہٗ اشْتَرٰی نِصْفَہٗ بِوَکَالَتِہٖ وَنَقَدَالثَّمَنَ مِنْ مَّالِ نَفْسِہٖ وَقَدْبَیَّنَّاہُ ھٰذَا اِذَااشْتَرٰی اَحَدُھُمَا بِاَحَدِالْمَالَیْنِ اَوَّلًا ثُمَّ ھَلَکَ مَالُ الْاٰخَرِ اَمَّا اِذَاھَلَکَ مَالُ اَحَدِھِمَا ثُمَّ اشْتَرَی الْاٰخَرُ بِمَالِ الْاٰخَرِ اِنْ صُرِّحَابِالْوَکَالَۃِ فِیْ عَقْدِ الشَّرْکَۃِ فَالْمُشْتَرٰی مُشْتَرَکٌ بَیْنَھُمَا عَلٰی مَاشَرَطَا لِاَنَّ الشَّرْکَۃَ اِنْ بَطَلَتْ فَالْوَکَالَۃُ الْمُصَرَّحُ بِھَا قَائِمَۃٌ فَکَانَ مُشْتَرَکًا بِحُکْمِ الْوَکَالَۃِ وَیَکُوْنُ شَرْکَۃُ مِلْکٍ وَیَرْجِعُ عَلٰی شَرِیْکِہٖ بِحِصَّتِہٖ مِنَ الثَّمَنِ لِمَابَیَّنَّاہُ وَاِنْ ذَکَرَامُجَرَّدَ الشَّرْکَۃِ وَلَمْ یَنُصَّا عَلَی الْوَکَالَۃِ فِیْھَا کَانَ الْمُشْتَرٰی لِلَّذِی اشْتَرَاہُ خَاصَّۃً لِاَنَّ الْوُقُوْعَ عَلَی الشَّرْکَۃِ حُکْمُ الْوَکَالَۃِ الَّتِیْ تَضَمَّنَتْھَا الشَّرْکَۃُ فَاِذَابَطَلَتْ یَبْطُلُ مَافِیْ ضِمْنِھَا بِخِلَافِ مَااِذَاصَرَّحَ بِالْوَکَالَۃِ لِاَنَّھَا مَقْصُوْدَۃٌ

ترجمہ...... پھر جس شریک نے مال کی قیمت ادا کی ہے وہ اپنے دوسرے شریک سے اس کے حصہ کے برابر اس کی قیمت سے وصول کر لے گا۔ کیونکہ اس شریک نے وکیل کے طور پر دوسرے شریک کا نصف حصہ خریدا ہے۔ لیکن پوری قیمت اپنی جیب سے ادا کر دی تھی۔ اس مسئلہ کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ ایک شریک نے اپنے مال سے کوئی چیز خرید لی اس کے بعد دوسرے کا مال ضائع ہو گیا ہو۔ اور اگر یہ صورت ہو کہ ایک شریک کا مال پہلے ہی ضائع ہو گیا پھر دوسرے شریک نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی تو اس میں دو صورتیں ہیں،

ا۔ ایک یہ کہ عقد شرکت میں دونوں نے وکالت کی تصریح کر دی ہو تو اس صورت میں خریدی ہوئی چیز دونوں شریکوں کے درمیان مقررہ شرط کے

مطابق مشترک ہوگی۔ کیونکہ اگر شرکت باطل ہوتی تو صراحت کے ساتھ وکیل بنادینے کی بات اب بھی موجود ہے۔ اسی لئے وہ چیز وکالت کی بناء پر دونوں میں مشترک ہوگئی۔ لیکن یہ شرکت ملک ہوگی یعنی شرکت عقد نہ ہوگی اور خریدنے والا اپنے شریک سے اس کے حصہ کے مطابق قیمت واپس لے لے گا۔ کیونکہ یہ شخص دوسرے شریک کا وکیل تھا اور اپنا ذاتی روپیہ اس کی خریداری میں دیا ہے۔

۲۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں نے صرف عقد شرکت کا ذکر کیا اور اس میں ایک دوسرے کو وکیل بنانے کی تصریح نہیں کی۔ پس اس صورت میں جو چیز خریدی گئی ہے وہ خاص اس کے خریدنے والے کی ہوگی کیونکہ ایسی خریداری میں شرکت اسی وکالت میں ہوتی ہے جو عقد شرکت کے ضمن میں ہو مگر جب شرکت ہی باطل ہوئی ہو تو اس کے ضمن میں جو وکالت پائی جاتی ہو وہ بھی باطل ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر وکالت کو ضمناً نہیں بلکہ صراحت کے ساتھ بیان کیا ہو تو وہ باطل نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہ تو ارادہ اور قصد کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور ضمنی نہیں ہوئی ہے۔

مالوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کے باوجود شرکت درست ہے

قَالَ وَيَجُوْزُ الشِّرْكَةُ وَإِنْ لَمْ يَخْلِطَ الْمَالَ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ لَايَجُوْزُ لِأَنَّ الرِّبْحَ فَرْعُ الْمَالِ وَلَا يَقَعُ الْفَرْعُ عَلَى الشِّرْكَةِ إِلَّا بَعْدَ الشِّرْكَةِ فِي الْأَصْلِ وَأَنَّهُ بِالْخَلْطِ وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَحَلَّ هُوَ الْمَالُ وَلِهٰذَا يُضَافُ إِلَيْهِ وَيُشْتَرَطُ تَعْيِيْنُ رَأْسِ الْمَالِ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشِرْكَةٍ وَإِنَّمَا هُوَ يَعْمَلُ لِرَبِّ الْمَالِ فَيَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ عُمَالَةً عَلَى عَمَلِهِ أَمَّا هٰهُنَا بِخِلَافِهِ وَهٰذَا أَصْلٌ كَبِيْرٌ لَهُمَا حَتّٰى يُعْتَبَرَ اِتِّحَادُ الْجِنْسِ وَيُشْتَرَطُ الْخَلْطُ وَلَايَجُوْزُ التَّفَاضُلُ فِي الرِّبْحِ مَعَ التَّسَاوِيْ فِي الْمَالِ وَلَايَجُوْزُ شِرْكَةُ التَّقَبُّلِ وَالْاَعْمَالِ لِانْعِدَامِ الْمَالِ وَ لَنَا أَنَّ الشِّرْكَةَ فِي الرِّبْحِ مُسْتَنِدَةٌ إِلَى الْعَقْدِ دُوْنَ الْمَالِ لِأَنَّ الْعَقْدَ يُسَمّٰى شِرْكَةً فَلَابُدَّ مِنْ تَحَقُّقِ مَعْنٰى هٰذَا الْاِسْمِ فِيْهِ فَلَمْ يَكُنِ الْخَلْطُ شَرْطًا وَ لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيْرَ لَايَتَعَيَّنَانِ فَلَايُسْتَفَادُ الرِّبْحُ بِرَأْسِ الْمَالِ وَإِنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ لِأَنَّهُ فِي النِّصْفِ أَصِيْلٌ وَفِي النِّصْفِ وَكِيْلٌ وَإِذَا تَحَقَّقَتِ الشِّرْكَةُ فِي التَّصَرُّفِ بِدُوْنِ الْخَلْطِ تَحَقَّقَتْ فِي الْمُسْتَفَادِ بِهٖ وَهُوَ الرِّبْحُ بِدُوْنِهٖ وَصَارَ كَالْمُضَارَبَةِ فَلَايُشْتَرَطُ اِتِّحَادُ الْجِنْسِ وَ التَّسَاوِيْ فِي الرِّبْحِ وَتَصِحُّ شِرْكَةُ التَّقَبُّلِ

ترجمہ...... اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ دو شریکوں نے اگرچہ مال خلط ملط نہ کیا ہو پھر بھی اس میں شرکت جائز ہوگی۔ (یہی قول امام مالک واحمد رحمہما اللہ کا بھی ہے) اور امام زفر و شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ شرکت میں مال اصل اور اس کا نفع اس کی فرع ہے فرع اس وقت مشترک ہوگی جبکہ اصل مشترک ہو جائے۔ اور اصل اس وقت مشترک ہوگی جبکہ مال مخلوط ہو اور نفع کو مال کے لئے فرع کہنا اس بناء پر ہے کہ اس کا محل مال ہے۔ اسی لئے نفع کو مال کی طرف منسوب اور مضاف کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مالی شرکت کرنے سے مال کا یہ نفع ہوا ہے۔ لیکن اس میں راس المال (اصلی پونجی) کو متعین کر لینا ایک شرط ہے۔ بخلاف مضاربت کے کہ وہ مال کو خلط ملط کئے بھی جائز ہے کیونکہ اس میں شرکت نہیں ہے۔ بلکہ مضاربت صرف مال کے مالک کے لئے کام کرتا ہے اس کے بعد اس کا نفع میں سے اپنی محنت اور مزدوری پانے کا مستحق ہوتا ہے۔ اور یہاں اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس میں ہر ایک شریک پوری محنت کرتا ہے۔ یہ بات امام زفر و شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے واسطے بڑی اصل ہے یہاں تک کہ جنس کے ایک اور متحد ہونے کا بھی اعتبار ہے۔ اور دونوں کے مال کو ملا کر رکھنا شرط ہے۔ اسی طرح مال برابر ہونے کے باوجود نفع میں کمی وبیشی جائز نہیں ہے۔ اور شرکت کی قسموں میں سے ایک قسم جو شرکت تقبل واعمال ہے جس کا بیان عنقریب آنے والا ہے وہ بھی اسی قاعدہ اور اصل کی بناء پر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مال نہیں ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع میں شرکت کا ہونا عقد کی طرف نسبت کرنے

کی وجہ سے ہے۔ مال کی طرف اضافت کرنے کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ عقد اور معاملہ ہی کو شرکت کہتے ہیں۔ اس لئے اس نام کے معنی کا اس میں پایا جانا ضروری ہے اس بناء پر خلط ملط کرنا شرط نہ ہوا۔ اور اس دلیل سے بھی کہ درہم و دینار ایسی چیز نہیں ہے جو عقد میں متعین ہو اس لئے نفع حاصل ہونا راس المال سے نہیں ہے۔ بلکہ اس تصرف سے ہے جو راس المال میں ہوتا ہے یعنی راس المال کے ذریعہ سے کام کرنے پر نفع ملتا ہے۔ کیونکہ ہر شریک آدھے مال میں اصیل اور دوسرے آدھے میں وکیل ہوتا ہے۔ اور جب خلط ملط کئے بغیر تصرف اور تجارت کے کاموں میں شرکت پائی گئی تو اس محنت اور تصرف سے جو کچھ حاصل ہوا یعنی نفع اس میں بھی خلط کے بغیر ہی شرکت پائی گئی۔ اور یہ بھی مضاربت کے مثل ہوگئی (۔اس طرح خلاصہ کلام یہ ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفع کی نسبت راس المال کی طرف ہے۔ اور ہمارے نزدیک عقد اور معاملہ کے مطابق جو کچھ کاروباری کام کرنے پڑتے ہیں اس کی طرف ہے) پس ہمارے نزدیک مالوں کے جنس کا متحد ہونا۔ اور برابر مالوں میں نفع کا بھی برابر ہونا کچھ شرط نہیں ہے۔ اور لوگوں کے کام قبول کرنے میں عقد شرکت کرنا صحیح ہے۔

نفع میں ایک کیلئے دراہم مسمات کی قید لگانے سے شرکت درست نہیں

قَالَ وَلَایَجُوْزُ الشِّرْکَۃُ اِذَاشَرَطَ لِاَحَدِھِمَا دَرَاھِمُ مُسَمَّاۃٌ مِنَ الرِّبْحِ لِاَنَّہٗ شَرْطٌ یُوْجِبُ اِنْقِطَاعَ الشِّرْکَۃِ فَعَسَاہُ لَایَخْرُجُ اِلَّاقَدْرُ الْمُسَمّٰی لِاَحَدِھِمَا وَنَظِیْرُہٗ فِی الْمُزَارَعَۃِ

ترجمہ......اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ اگر شرکت کے معاملہ میں ایک نے اس شرط کے ساتھ شرکت کی کہ نفع میں سے متعین (مثلاً دس) درہم اس کے ہوں گے تو یہ معاملہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ شرط ایسی لگائی گئی ہے جو اس شرکت ہی کو ختم کر دیتی ہے۔ اس احتمال کی بناء پر کہ شاید کل نفع یہی دس درہم ہوئے ہوں (۔اس طرح ایک ہی کو کل دینے کے بعد دوسرا شریک بالکل محروم بھی ہوسکتا ہے۔) اس حکم کی نظیر مزارعت کے مسئلہ میں ہے۔ یعنی زمین کے مالک اور کاشتکار میں سے کسی ایک کے لئے بٹائی کے حصہ کے سوا پیداوار میں سے متعین چند من گیہوں ہوگا۔ اس وجہ سے کہ شاید کل پیداوار اتنی ہی ہوئی ہو۔ اور اب یہاں سے شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے کچھ ضروری احکام بیان کئے جا رہے ہیں۔

شرکت مفاوضہ مفاوضین اور شرکت عنان کے دونوں شریک مال کو بضاعت پر دے سکتے ہیں

قَالَ وَلِکُلِّ وَاحِدٍمِّنَ الْمُفَاوِضَیْنِ وَشَرِیْکَی الْعِنَانِ اَنْ یُّبْضِعَ الْمَالَ لِاَنَّہٗ مُعْتَادٌ فِیْ عَقْدِ الشِّرْکَۃِ وَلِاَنَّ لَہٗ اَنْ یَّسْتَاْجِرَعَلَی الْعَمَلِ وَالتَّحْصِیْلِ بِغَیْرِ عِوَضٍ دُوْنَہٗ فَیَمْلِکُہٗ وَکَذَالَہٗ اَنْ یُّوْدِعَہٗ لِاَنَّہٗ مُعْتَادٌ وَلَا یَجِدُالتَّاجِرُمِنْہُ بُدًّا

ترجمہ......اور شرکت مفاوضہ کے دونوں شریکوں میں ہر ایک کو اس طرح شرکت عنان کے دونوں شریکوں میں ہر ایک کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ مال مشترک بضاعت پر دے (بضاعت پر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اپنا مال کسی تاجر کو اس غرض سے دے کہ وہ اس مال میں سے کچھ مال خرید کر کاروبار کرے۔ اور جو کچھ نفع ہو وہ اصل کے ساتھ مال کے مالک کو دے دے تو ہر شریک کو اس طرح مال دینا جائز ہے) کیونکہ عقد شرکت میں بضاعت دینے کا دستور اور عادت جاریہ ہے۔ اور اس دلیل سے کہ شریک کو اس بات کا اختیار ہے کہ کام کرنے کے لئے اجرت دے کر کوئی مزدور مقرر کرے اور جب خرچ دے کر رکھنا جائز ہوا تو بغیر مزدوری کے یعنی مفت میں ایسا آدمی حاصل ہونا تو معمولی بات ہے اس لئے وہ ضرور اس کا بھی مالک ہوگا۔ اور شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ مال کسی کے پاس بطور امانت رکھ دے کیونکہ کاروبار میں اس کی بھی عادت جاریہ ہے۔ اور کبھی تاجر اس کام کے لئے انتہائی مجبور بھی ہو جاتا ہے کہ اس کے علاوہ اس کو چارہ نہیں ہوتا ہے۔

ہر شریک مال کو مضاربت پر بھی دے سکتا ہے

قَالَ وَيَدْفَعُهُ مُضَارَبَةً لِأَنَّهَا دُوْنَ الشِّرْكَةِ فَيَتَضَمَّنُهَا وَعَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ لَيْسَ لَهُ ذَالِكَ لِأَنَّهُ نَوْعُ شِرْكَةٍ وَالْاَصَحُّ هُوَالْاَوَّلُ وَرِوَايَةُ الْاَصْلِ لِأَنَّ الشِّرْكَةَ غَيْرُ مَقْصُوْدٍ وَاِنَّمَا الْمَقْصُوْدُ تَحْصِيْلُ الرِّبْحِ كَمَا اِذَا اسْتَأْجَرَ بِاَجْرٍ بَلْ اَوْلٰى لِأَنَّهُ تَحْصِيْلٌ بِدُوْنِ ضَمَانٍ فِیْ ذِمَّتِهٖ بِخِلَافِ الشِّرْكَةِ حَيْثُ لَايَمْلِكُهَا لِأَنَّ الشَّیْءَ لَايَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ

ترجمہ......اور ہر ایک شریک کو اس بات کا بھی اختیار ہوتا ہے کہ مال کو مضاربت پر دے کیونکہ یہ شرکت سے کم ہے اس لئے شرکت اس کو شامل ہے (۔ کیونکہ شرکت میں کچھ نقصان آ جانے سے دوسرے شریک کا بھی نقصان ہو جاتا ہے۔ اور مضارب پر اس کا اثر نہیں ہوتا ہے اس لئے شرکت کے ضمن میں مضاربت کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ عف)۔ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسے مضاربت پر دینے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ مضاربت بھی ایک قسم کی شرکت ہے (۔ اس لئے ایک شریک کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ کسی تیسرے کو بھی شریک بنا لے جبکہ شرکت کا مال ایک ہو)۔ مگر پہلی ہی روایت اصلح ہے۔ اور وہی مبسوط کی روایت ہے۔ کیونکہ مضاربت پر دینے سے شرکت مقصود نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ صرف نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کسی کو اجرت پر رکھ کر اس سے تجارت کا کام لے بلکہ مضاربت تو بدرجہ اولی جائز ہے کیونکہ یہ نفع تو اپنے اوپر کوئی اجرت لازم آئے بغیر مفت میں حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف شرکت کے کہ شریک کو اس مال سے دوسرے کے ساتھ شرکت کرنا جائز نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ عقد شرکت کے ماتحت اسی کی جیسی شرکت کا اختیار نہیں ہوتا ہے کیونکہ کسی شئی کے تابع ہو کر اس کی جیسی چیز ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔

ہر شریک دوسرے شخص کو تصرفات کا وکیل بن سکتا ہے

قَالَ وَيُوَكِّلُ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيْهِ لِأَنَّ التَّوْكِيْلَ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مِنْ تَوَابِعِ التِّجَارَةِ وَالشِّرْكَةُ انْعَقَدَتْ لِلتِّجَارَةِ بِخِلَافِ الْوَكِيْلِ بِالشِّرَاءِ حَيْثُ لَايَمْلِكُ اَنْ يُوَكِّلَ غَيْرَهُ لِأَنَّهُ عَقْدٌ خَاصٌّ طَلَبَ مِنْهُ تَحْصِيْلُ الْعَيْنِ فَلَايَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ

ترجمہ......قَالَ وَيُوَكِّلُ ...... الخ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہر شریک کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ اس مال شرکت میں کسی بھی شخص کو اس بات کا وکیل بنا دے جو اس میں تجارتی تصرف کر سکے کیونکہ خرید و فروخت کے لئے وکیل بنانا بھی کاروبار کے لوازمات اور اس کے ضروری کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اور شرکت کا معاہدہ کاروبار کے عوض سے ہی طے پایا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی شخص کو صرف خریدنے کا وکیل بنایا گیا ہو کہ اس کو اپنے مؤکل کی اجازت صریحہ کے بغیر یہ اختیار نہیں ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کسی دوسرے کو وکیل بنا دے کیونکہ یہ عقد و معاہدہ بالکل خاص تھا۔ جس سے کسی ایک متعین مال کو حاصل کرنا مقصود تھا۔ اس لئے اس وکیل کے عقد میں اس کے مثل وکیل بنانا تابع نہ ہوگا۔

شریک کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے

قَالَ وَيَدُهُ فِی الْمَالِ يَدُاَمَانَةٍ لِأَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ بِاِذْنِ الْمَالِكِ لَاعَلٰی وَجْهِ الْبَدَلِ وَالْوَثِيْقَةِ فَصَارَ كَالْوَدِيْعَةِ

ترجمہ...... قَالَ وَيَدُهُ...... الخ اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ شرکت مفاوضہ و عنان میں سے ہر شریک کے قبضہ میں جتنا مال ہو وہ بطور امانت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے مالک کی اجازت سے کسی عوض کے بغیر اپنے قبضہ میں لیا ہے (۔ جیسے خریدنے کے لئے دام اور سکے کے عوض کوئی چیز لے کر آتا ہے کہ اگر وہ چیز کسی طرح ضائع ہو جائے تو اس کی وہ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے)۔ اسی طرح معاملہ کو پختہ کرنے کے طور پر بھی

نہیں (۔جیسے مرتہن کا قبضہ اس مال پر ہوتا ہے جو بطور رہن رکھا جاتا ہے)۔اس لئے یہ مال امانت اور ودیعت کے طور پر ہوا۔ یہاں تک کہ اگر کسی شریک کے پاس کچھ مال ضائع ہو جائے تو وہ شرکت کے مال سے ضائع ہوگا۔ جس کا وہ ضامن نہیں ہوگا۔)

شرکت الصنائع کی تعریف

قَالَ وَاَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَائِعِ وَيُسَمّٰى شِرْكَةُ التَّقَبُّلِ كَالْخَيَّاطِيْنِ وَ الصَّبَّاغِيْنِ يَشْتَرِكَانِ عَلٰى اَنْ يَّقْبَلَا الْاَعْمَالَ وَيَكُوْنُ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوْزُ ذَالِكَ وَهٰذَا عِنْدَنَا وَقَالَ زُفَرُ وَ الشَّافِعِيُّ لَايَجُوْزُ لِاَنَّ هٰذِهٖ شِرْكَةٌ لَايُفِيْدُ مَقْصُوْدَهَا وَهُوَ التَّثْمِيْرُ لِاَنَّهَا لَابُدَّ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ وَهٰذَا لِاَنَّ الشِّرْكَةَ فِي الرِّبْحِ تَبْتَنِيْ عَلَى الشِّرْكَةِ فِي الْمَالِ عَلٰى اَصْلِهَا عَلٰى مَاقَرَّرْنَاهُ وَلَنَا اَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْهُ التَّحْصِيْلُ وَهُوَ مُمْكِنٌ بِالتَّوْكِيْلِ لِاَنَّهٗ لَمَّا كَانَ وَكِيْلًا فِي النِّصْفِ اَصِيْلًا فِي النِّصْفِ تَحَقَّقَتِ الشِّرْكَةُ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ وَلَايُشْتَرَطُ فِيْهِ اِتِّحَادُ الْعَمَلِ وَالْمَكَانِ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَزُفَرَ فِيْهِمَا لِاَنَّ الْمَعْنَى الْمُجَوِّزَ لِلشِّرْكَةِ وَهُوَ مَاذَكَرْنَاهُ لَايَتَفَاوَتُ

ترجمہ......اور شرکت کی قسموں میں سے تیسری قسم شرکتہ الصنائع ہے۔اسی کو شرکتہ التقبل بھی کہتے ہیں۔یعنی کام قبول کرنا۔ جیسے دو درزیوں یا دو رنگریزوں نے آپس میں اس شرط کے ساتھ شرکت کی کہ لوگوں سے کام جمع کریں اور اس میں محنت کے بعد جو کچھ بھی ہاتھ آئے وہ دونوں کے درمیان مشترک نفع ہو اور دونوں اسے آپس میں تقسیم کر لیں۔تو یہ صورت ہمارے نزدیک جائز ہے اور امام زفر و شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ شرکت جائز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس شرکت کا جو مقصد ہے یعنی نفع سے مال بڑھانا وہ حاصل نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کے لئے راس المال (اصل پونجی) کا ہونا ضروری ہے۔اور یہ اس وجہ سے ہے کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس اصل پر جس کو بیان کر چکے ہیں کہ مال کی شرکت پر نفع کی شرکت موقوف ہے۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد شرکت سے مقصود مال حاصل کرنا ہے اور یہ بات کسی کو وکیل مقرر کر دینے سے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ جب ہر ایک شخص دوسرے کی طرف سے نصف مال میں وکیل ہے تو دوسرے نصف میں اصیل بھی ہوا۔پس جو مال حاصل ہوا اس میں شرکت ثابت ہوگئی۔اور اس شرکت میں کام اور جگہ کا متحد ہونا شرط بھی نہیں ہے کیونکہ جس اعتبار سے شرکت جائز ہوتی ہے یعنی مال حاصل ہو جانا اس میں کچھ فرق نہیں آتا ہے۔یعنی خواہ کام اور جگہ متحد ہو یا نہ ہو اور اس میں امام مالک و زفر رحمہما اللہ کا اختلاف ہے۔اور ان کا یہ اختلاف اس روایت پر ہے کہ شرکتہ التقبل اس شرط کے ساتھ جائز ہوتی ہے کہ کام اور جگہ متحد ہو۔

کام نصف نصف اور مال ثلاثاً تقسیم کی شرط سے بھی جائز ہے

وَلَوْ شَرَطَا الْعَمَلَ نِصْفَيْنِ وَالْمَالَ اَثْلَاثًا جَازَ وَفِي الْقِيَاسِ لَايَجُوْزُ لِاَنَّ الضَّمَانَ بِقَدْرِ الْعَمَلِ فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ رِبْحُ مَالَمْ يَضْمَنْ فَلَمْ يَجُزِ الْعَقْدُ لِتَادِيَتِهٖ اِلَيْهِ وَصَارَ كَشِرْكَةِ الْوُجُوْهِ لٰكِنَّا نَقُوْلُ مَايَأْخُذُهٗ لَايَأْخُذُهٗ رِبْحًا لِاَنَّ الرِّبْحَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ وَقَدِ اخْتَلَفَ لِاَنَّ رَأْسَ الْمَالِ عَمَلٌ وَالرِّبْحُ مَالٌ فَكَانَ بَدَلُ الْعَمَلِ وَالْعَمَلُ يَتَقَوَّمُ بِالتَّقْوِيْمِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَاقُوِّمَ بِهٖ فَلَايَحْرُمُ بِخِلَافِ شِرْكَةِ الْوُجُوْهِ لِاَنَّ جِنْسَ الْمَالِ مُتَّفِقٌ وَالرِّبْحُ يَتَحَقَّقُ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّفِقِ وَرِبْحُ مَالَمْ يَضْمَنْ لَايَجُوْزُ اِلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ

ترجمہ......اور اگر دونوں نے اس طرح کی شرط لگائی کہ دونوں کی محنت برابر ہوگی لیکن نفع دو تہائی اور ایک تہائی یعنی ایک کو دو تہائی اور دوسرے کو ایک تہائی ہوگا تو بھی جائز ہوگا۔اگرچہ قیاس کا تقاضا تھا کہ ایسی شرط جائز نہ ہو کیونکہ ضمانت کام کے حساب اور اندازہ سے ہوتی ہے اور اس سے زیادہ لینا

ایسی چیز کا نفع ہوا جس کا ضمان نہیں ہے اس لئے زیادتی کی شرط کے ساتھ یہ عقد جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اسی عقد کی وجہ سے یہ نفع حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ عقد بھی شرکتہ وجوہ کے مثل ہوگیا۔ لیکن ہم اسے استحساناً جائز کہتے ہیں کیونکہ ایک شخص دوسرے سے جو زیادہ لیتا ہے وہ نفع نہیں لیتا ہے اس لئے کہ نفع وہ ہوتا ہے جو اپنے مالی کی جنس سے متحد ہو حالانکہ یہاں اصل اور زیادتی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ کیونکہ یہاں شریک کی پونجی نقد روپے نہیں ہیں بلکہ اس کی محنت ہی اصل اور راس المال ہے اور جو کچھ زیادتی حاصل ہوئی وہ مال ہے۔ اس طرح اس نے جو کچھ لیا وہ کام کا عوض یا مزدوری ہے۔ اور ہر کام کی قیمت لگائی جاتی ہے تو باہمی رضامندی سے اس کی جو قیمت لگائی گئی ہے وہی اس کی قیمت ہے اس بناء پر اس میں زیادتی وکمی سے شرکت حرام نہ ہوگی بخلاف شرکتہ الوجوہ کے کہ وہاں جنس مال متحد ہے۔ اور جنس متحد پر جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ نفع ہوتا ہے۔ اور جس چیز کا ضمان نہ ہو اس کا نفع جائز نہیں ہے سوائے مضاربت کے کیونکہ وہاں ضمان لازم نہ ہونے کے باوجود مضاربت کو نفع کا حصہ جائز ہوتا ہے۔

ہر شریک کا قبول کیا ہوا کام دوسرے کو بھی لازم ہے

قَالَ وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيكَهُ حَتّٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يُطَالَبُ بِالْعَمَلِ وَ يُطَالِبُ بِالْاَجْرِ وَيَبْرَأُ الدَّافِعُ بِالدَّفْعِ اِلَيْهِ وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِي الْمُفَاوَضَةِ وَفِي غَيْرِهَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ خِلَافُ ذَالِكَ لِاَنَّ الشَّرِكَةَ وَقَعَتْ مُطْلَقَةً وَالْكَفَالَةُ مُقْتَضَى الْمُفَاوَضَةِ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ هٰذِهِ الشَّرِكَةَ مُقْتَضِيَةٌ لِلضَّمَانِ اَلَاتَرٰى اَنَّ مَاتَقَبَّلَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ مَضْمُوْنٌ عَلَى الْاٰخَرِ وَلِهٰذَا يَسْتَحِقُّ الْاَجْرَ بِسَبَبِ نَفَاذِ تَقَبُّلِهِ عَلَيْهِ فَجَرٰى مَجْرَى الْمُفَاوَضَةِ ضَمَانُ الْعُمَّالِ وَاقْتِضَاءُ الْبَدَلِ

ترجمہ..... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ دونوں شریکوں میں سے جو کوئی جس عمل کو قبول کرے گا وہ اس پر اور اس کے شریک دونوں پر لازم ہوگا۔ یہاں تک کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے اس کام کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اسی طرح ان دونوں میں سے ہر ایک اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اجرت دینے والا ان میں سے جس کسی کو اجرت ادا کردے گا وہ اجرت سے بری ہو جائے گا اور یہ بات اس صورت میں کہ شرکت مفاوضہ کے طور پر ہو تو ظاہر ہے۔ اور دوسری صورتوں میں یہ حکم بطور استحسان ہے۔ کیونکہ قیاس اس کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ شرکت میں کفالت کا کچھ ذکر نہیں ہوا ہے بلکہ مطلق ہے۔ اگرچہ اس میں مفاوضہ کی تصریح نہیں کی گئی ہے پھر بھی صرف شرکت مفاوضہ میں ہی کفالت ثابت ہوتی ہے اس لئے ان صورتوں میں ثابت، نہ ہوگی۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرکت ضمان کا تقاضا کرتی ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ دونوں شریکوں میں سے جس نے جو کام قبول کیا ہے دوسرا بھی اس کا ضامن ہوتا ہے۔ اس لئے تو وہ اجرت کا بھی مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دوسرے کا قبول کرنا بھی اس کا قبول کرنا مانا جاتا ہے۔ اس طرح کام کی ضمانت اور اجرت کے مطالبہ میں یہ شرکت مفاوضہ کے حکم میں جاری ہوئی۔

شرکت الوجوہ کی تعریف

قَالَ وَاَمَّا شَرِكَةُ الْوُجُوْهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَامَالَ لَهُمَا عَلٰى اَنْ يَّشْتَرِيَا بِوُجُوْهِهِمَا وَيَبِيْعَا فَتَصِحُّ الشَّرِكَةُ عَلٰى هٰذَا سُمِّيَتْ بِهٖ لِاَنَّهٗ لَايَشْتَرِىْ بِالنَّسِيْئَةِ اِلَّا مَنْ كَانَ لَهٗ وَجَاهَةٌ عِنْدَ النَّاسِ

ترجمہ..... قال و اما شرکۃ الوجوہ..... الخ۔ اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ۔ شرکت کی قسموں میں سے چوتھی قسم شرکتہ الوجوہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو شخص کاروبار میں شرکت کا معاملہ کریں حالانکہ ان کے پاس مال کچھ نہیں ہے اس شرط پر کہ دونوں شریک اپنے ذاتی اثر ورسوخ اور تعلقات اور امانت داری کے حوالہ سے خرید وفروخت کریں۔ تو یہ شرکت بھی صحیح ہے۔ اس کا نام شرکتہ الوجوہ اس بناء پر رکھا گیا ہے

کہ لوگوں سے وہی شخص ادھار خرید سکتا ہے جس کا لوگوں میں مقام ہو اور اس پر لوگوں کا پورا اطمینان ہو۔

شرکت مفاوضہ کے صحیح ہونے کی وجہ

وَاِنَّمَا تَصِحُّ مُفَاوَضَةً لِاَنَّهٗ يُمْكِنُ تَحْقِيْقُ الْكَفَالَةِ وَالْوَكَالَةِ فِي الْاَبْدَالِ وَاِذَا اُطْلِقَتْ تَكُوْنُ عِنَانًا لِاَنَّ مُطْلَقَهٗ يُنْصَرَفُ اِلَيْهِ وَهِيَ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَالْوَجْهُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مَاقَدَّمْنَاهُ فِيْ شِرْكَةِ التَّقَبُّلِ

ترجمہ...... اور یہ شرکت مفاوضہ کے طور پر اسی وجہ سے صحیح ہے کہ ثمن اور بیع میں وکالت و کفالت کا ثبوت ممکن ہے۔ اور اگر اس شرکت کو کفالت کی شرط کے بغیر رکھا تو یہی شرکت شرکۃ العنان ہو جائے گی۔ کیونکہ ایسی مطلق شرکت کو شرکت عنان کے حکم میں مانا جاتا ہے۔ اور یہ شرکت ہمارے نزدیک جائز ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ہم نے اپنی اور شوافع دونوں کی دلیلیں شرکۃ التقبل میں بیان کر دی ہیں۔

شرکت وجوہ کے شرکاء خریدے ہوئے مال میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں

قَالَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا وَكِيْلُ الْاٰخَرِ فِيْمَا يَشْتَرِيْهِ لِاَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الْغَيْرِ لَايَجُوْزُ اِلَّابِوَكَالَةٍ اَوْبِوِلَايَةٍ وَلَاوِلَايَةَ فَتَعَيَّنَ الْوَكَالَةُ

ترجمہ...... اور دونوں شریکوں میں سے جو شخص بھی کوئی چیز خریدے گا وہ اس میں دوسرے شریک کی طرف سے وکیل سمجھا جائے گا کیونکہ دوسرے شخص کی چیز پر کسی کو بھی تصرف کرنے کا حق نہیں ہوتا ہے۔ سوائے ان دو صورتوں کے کہ یا تو اس کا ولی ہو یا وکیل ہو اور اس جگہ چونکہ ولایت نہیں ہے یعنی کوئی کسی کا ولی نہیں ہے۔ لہٰذا وکالت ہی ہوگی۔

مشتری میں جس قدر رقم لگائی ہے منافع بھی اسی قدر تقسیم ہوں گے

فَاِنْ شَرَطَا اَنَّ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالرِّبْحَ كَذٰلِكَ يَجُوْزُ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّتَفَاضَلَا فِيْهِ وَ اِنْ شَرَطَا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ وَهٰذَا لِاَنَّ الرِّبْحَ لَايَسْتَحِقُّ اِلَّابِالْمَالِ اَوِالْعَمَلِ اَوْ بِالضَّمَانِ فَرَبُّ الْمَالِ يَسْتَحِقُّهٗ بِالْمَالِ وَالْمُضَارِبُ يَسْتَحِقُّهٗ بِالْعَمَلِ وَالْاُسْتَاذُ الَّذِيْ يُلْقِي الْعَمَلَ عَلَى التِّلْمِيْذِ بِالنِّصْفِ بِالضَّمَانِ وَ لَايُسْتَحَقُّ بِمَا سِوَاهَا اَلَا تَرٰى اَنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهٖ تَصَرَّفْ فِيْ مَالِكَ عَلٰى اَنَّ لِيْ رِبْحَهٗ لَمْ يَجُزْ لِعَدَمِ هٰذِهِ الْمَعَانِيْ وَاسْتِحْقَاقُ الرِّبْحِ فِيْ شِرْكَةِ الْوُجُوْهِ بِالضَّمَانِ عَلٰى مَابَيَّنَّا وَالضَّمَانُ عَلٰى قَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْمُشْتَرىٰ وَكَانَ الرِّبْحُ الزَّائِدُ عَلَيْهِ رِبْحَ مَالَمْ يَضْمَنْ فَلَايَصِحُّ اشْتِرَاطُهٗ اِلَّافِي الْمُضَارَبَةِ وَالْوُجُوْهُ لَيْسَتْ فِيْ مَعْنَاهَا بِخِلَافِ الْعِنَانِ لِاَنَّهٗ فِيْ مَعْنَاهَا مِنْ حَيْثُ اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَعْمَلُ فِيْ مَالِ صَاحِبِهٖ فَيُلْحَقُ بِهَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ...... اور اگر دونوں نے اس شرط پر معاملہ کیا ہو کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی اسی طرح حاصل شدہ نفع بھی نصف نصف ہوگا۔ تو یہ شرکت اور شرط جائز ہوگی۔ لیکن اس میں کمی وبیشی کی شرط جائز نہ ہوگی۔ اور اگر یہ شرط رکھی ہو کہ وہ چیز ان دونوں کے درمیان دو ثلث اور ایک ثلث کے حساب سے ہوگی (یعنی) دونوں کے درمیان تین تہائی یعنی ایک کے لئے دو تہائی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی ہوگی) تو نفع بھی

اسی طرح تین تہائی کے حساب سے ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نفع کے مستحق ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے سوائے اس بات کے کہ مال کے ذریعہ ہو یا محنت اور کام کے ذریعہ ہو یا ضمان برداشت کرنے کی بناء پر ہو۔ تو مال کا اصل مالک اپنا مال لگانے کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور اس کا دوسرا شریک مضارب اپنے کام اور محنت کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور پیشہ والے اپنے کام اپنے شاگردوں کی حوالہ کر دیتے ہیں اور ان کو جو مقررہ اجرت ملتی ہے اس میں سے وہ اپنے شاگردوں کو کبھی آدھے کے حساب سے یا کبھی کسی دوسرے حساب سے دے دیتے ہیں۔ تو یہ لوگ ضمان کے ذمہ دار ہونے کی وجہ سے کچھ زیادتی کے مستحق ہوتے ہیں اور ان صورتوں کے سوا کسی صورت سے بھی نفع پانے کے مستحق نہیں ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے سے یہ کہا کہ تم اپنے مال سے تجارت کرو۔ اس شرط پر کہ اس کا نفع میرے لئے ہوگا۔ تو کہنا درست نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں مذکورہ تین صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں پائی جاتی ہے۔ اور شرکۃ الوجوہ میں نفع کا مستحق ہونا ضمانت کا ذمہ دار ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور خریدی ہوئی چیز میں جتنی ملکیت ہوگی اس حساب سے وہ مضمون ہوگی تو اس مقدار سے زیادہ نفع لینا ایسی چیز کا نفع ہوگا جو مضمون نہیں ہے۔ اس لئے اس کی شرط رکھنا بھی مضاربت کی صورت کے سوا صحیح نہیں ہوگا۔ حالانکہ شرکت وجوہ مضاربت کے معنی میں نہیں ہے۔ بخلاف شرکت عنان کے کیونکہ وہ مضاربت کے معنی میں ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے کہ مضارب اور شریک عنان دونوں ہی اپنے ساتھی کے مال میں تصرف کرتے ہیں۔ اس لئے شرکت عنان بھی مضارب کے حکم میں ہو جائے گی۔ یعنی جیسے مضاربت میں کم وبیش کے ساتھ نفع مقرر کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اسی طرح شرکت عنان میں بھی اختیار ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فصلٌ فی الشرکۃ الفاسدۃ

ترجمہ...... فصل، شرکت فاسدہ کا بیان

احتطاب اور اصطیاد میں شرکت درست نہیں

وَ لَا يَجُوْزُ الشَّرِكَةُ فِي الْاِحْتِطَابِ وَالْاِصْطِيَادِ وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَوِ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُوْنَ صَاحِبِهٖ وَعَلٰى هٰذَا الْاِشْتِرَاكُ فِيْ اَخْذِ كُلِّ شَيْءٍ مُبَاحٍ لِاَنَّ الشَّرِكَةَ مُتَضَمِّنَةٌ مَعْنَى الْوَكَالَةِ وَالتَّوْكِيْلُ فِيْ اَخْذِ الْمَالِ الْمُبَاحِ بَاطِلٌ لِاَنَّ اَمْرَ الْمُوَكِّلِ بِهٖ غَيْرُ صَحِيْحٍ وَالْوَكِيْلُ يَمْلِكُهُ بِدُوْنِ اَمْرِهٖ فَلَا يَصْلُحُ نَائِبًا عَنْهُ وَاِنَّمَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ لَهُمَا بِالْاَخْذِ وَاِحْرَازِ الْمُبَاحِ فَاِنْ اَخَذَاهُ مَعًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِيْ سَبَبِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَاِنْ اَخَذَهُ اَحَدُهُمَا وَلَمْ يَعْمَلِ الْاٰخَرُ شَيْئًا فَهُوَ لِلْعَامِلِ وَاِنْ عَمِلَ اَحَدُهُمَا وَاَعَانَهُ الْاٰخَرُ فِيْ عَمَلِهٖ بِاَنْ قَلَعَهُ اَحَدُهُمَا وَجَمَعَهُ الْاٰخَرُ اَوْ قَلَعَهُ وَجَمَعَهُ وَحَمَلَهُ الْاٰخَرُ فَلِلْمُعِيْنِ اَجْرُ الْمِثْلِ بَالِغًا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ لَا يُجَاوَزُ بِهٖ نِصْفُ ثَمَنِ ذٰلِكَ وَقَدْ عُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهٖ

ترجمہ...... ایندھن جمع کرنے میں، (گھاس جمع کرنے اور گداگری کرنے میں) اور شکار کرنے میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔ دونوں میں سے جو شخص جس جانور کو شکار کرے گا یا جنگل سے جتنا بھی ایندھن لکڑی پتے وغیرہ لائے گا وہ اسی کا ہوگا۔ اور دوسرے ساتھی کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہر مباح چیز کے لینے میں شرکت کرنے کا یہی حکم ہے (جیسے پہاڑی میوے، پھل مثلاً اخروٹ، انجیر، پستہ اور دوسری چیزیں مثلاً نمک و برف و سرمہ وغیرہ کیونکہ شرکت کرنے سے ہی اس میں وکیل بنانا شامل اور لازم ہوتا ہے۔ جبکہ مباح مال لینے کے لئے وکیل مقرر کرنا باطل ہے کیونکہ اس کام کے لئے موکل کا حکم کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وکیل کو موکل کے حکم کے بغیر بھی یہ اختیار ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی دوسرے کا نہ اصل

ہوسکتا ہے اور نہ نائب ہوسکتا ہے (اور جب وکالت ہی صحیح نہ ہوئی تو شرکت بھی صحیح نہ ہوگی۔) اور دونوں شریک اپنے اپنے حاصل کئے ہوئے جانور وغیرہ کے پورے مالک اسی وقت ہوں گے کہ اسے لے کر اپنے قبضہ میں کرلیں یا اپنی کسی محفوظ جگہ پر پہنچ جائیں۔ پھر اگر ایسی چیز یا جانور وغیرہ کو لینے میں دونوں ساتھ ہوں تو یہ چیز ان دونوں شرکاء میں نصف نصف ہوگی۔ کیونکہ اس کے حاصل کرنے اور سبب استحقاق میں دونوں برابر ہیں اور اگر صرف ایک ہی نے محنت کی اور دوسرے نے کچھ بھی کام نہیں کیا تو وہ چیز صرف محنت کرنے اور لینے والے کی ہوگی اور اگر لینے میں صرف ایک نے کام کیا اور دوسرے نے اس کی مدد کی مثلاً ایک نے درخت اکھیڑا اور توڑا اور دوسرے نے جمع کردیا یا ایک نے اکھیڑ کر اور توڑ کر جمع کرلیا اور دوسرے نے لاد دیا یا لے کر آیا تو اس مددگار کو اس کے کام کرنے کی جو مزدوری ہوسکتی ہے وہ ملے گی مگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جتنا بھی کام ہو اس کی پوری مزدوری مل جائے گی۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو چیز جمع ہوئی ہے اس کی مجموعی قیمت کے نصف سے زیادہ اسے نہیں ملے گی۔ یہ اختلاف اپنی جگہ پر بیان کیا گیا ہے۔ (یعنی مبسوط اور کتاب الشرکۃ میں مذکور ہے اور ظاہر اامام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی مختار ہے۔)

دو آدمیوں نے اس طرح شرکت کی ایک کا خچر اور دوسرے کا مشکیزہ جس سے پانی پلانے میں شرکت کی کمائی کام کرنے والے کی ہوگی اور دوسرے کی چیز کی اجرت لازم ہوگی

قَالَ وَاِذَا اشْتَرَكَا وَلِاَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَلِلْاٰخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِيْ عَلَيْهِمَا الْمَاءَ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرْكَةُ وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِيْ اسْتَقٰى وَعَلَيْهِ اَجْرُمِثْلِ الرَّاوِيَةِ اِنْ كَانَ الْعَامِلُ صَاحِبَ الْبَغْلِ وَ اِنْ كَانَ صَاحِبُ الرَّاوِيَةِ فَعَلَيْهِ اَجْرُمِثْلِ الْبَغْلِ اَمَّافَسَادُ الشَّرْكَةِ فَلِاِنْعِقَادِ هَاعَلٰى اِحْرَازِ الْمُبَاحِ وَهُوَالْمَاءُ وَاَمَّا وُجُوْبُ الْاَجْرِفَلِاَنَّ الْمُبَاحَ اِذَاصَارَ مِلْكًا لِلْمُحْرِزِ وَ هُوَالْمُسْتَقِىْ فَقَدِ اسْتَوْفٰى مَنَافِعَ مِلْكِ الْغَيْرِ وَهُوَالْبَغْلُ اَوِالرَّاوِيَةُ بِعَقْدٍفَاسِدٍ فَيَلْزِمُهٗ اَجْرُهٗ

ترجمہ...... اگر دو آدمیوں نے اس طرح شرکت کا معاملہ کیا کہ ایک کے پاس خچر وغیرہ ہو اور دوسرے کے پاس پکھال (چمڑے کی وہ بڑی مشک جس میں پانی بھر کر بیل یا اونٹ پر لاد کر لایا جاتا) ہے۔ یہ طے کیا کہ اس پکھال یا مشک میں پانی بھر کر اس جانور پر لاد کر لائیں اور لوگوں کو فروخت کریں۔ اس سے جو کچھ بھی حاصل ہو وہ دونوں میں مشترک ہو تو یہ شرکت صحیح نہ ہوگی۔ اور پوری آمدنی اسی کی ہوگی جس نے پانی بھرا ہو اور اس پکھال کی جو اجرت ہوسکتی ہو وہ اس کے مالک کو ملے گی۔ بشرطیکہ وہ جانور بھی اس کام کرنے والے کا ہو۔ اور اگر کام کرنے والے کی پکھال ہو۔ اور خچر یا جانور دوسرے کا ہو تو آمدنی اس کام کرنے والے کی ہوگی اور خچر کا اجر مثل اس دوسرے کا ہوگا۔ اس شرکت کو فاسدہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں آدمیوں نے ایک مباح چیز یعنی پانی جمع کرنے میں شرکت کی ہے۔ اور اجر مثل لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مباح پانی جب ایک شخص کے بھر لینے کی وجہ سے اس کی ملکیت میں آ گیا مگر اس طرح کہ اس کام کے لئے دوسرے شخص کے جانور یا پکھال سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ البتہ عقد صحیح میں نہیں بلکہ عقد فاسد میں۔ تو اس پر اس کی پوری مزدوری لازم آ جائے گی۔

شرکت فاسدہ میں منافع مال کی مقدار پر تقسیم ہوں گے

وَ كُلُّ شِرْكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيْهِمَا عَلٰى قَدْرِالْمَالِ وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ لِاَنَّ الرِّبْحَ فِيْهَا تَابِعٌ لِلْمَالِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهٖ كَمَا اَنَّ الرِّبْحَ تَابِعٌ لِلْبَذْرِفِي الْمُزَارَعَةِ وَالزِّيَادَةُ اِنَّمَا تُسْتَحَقُّ بِالتَّسْمِيَةِ وَقَدْفَسَدَتْ فَبَقِيَ الْاِسْتِحْقَاقُ عَلٰى قَدْرِرَأْسِ الْمَالِ

ترجمہ...... اور ہر ایسی شرکت جو فاسد ہو اس میں مال کی مقدار کے اعتبار سے نفع ہوگا۔ یعنی جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسے اسی قدر نفع ملے گا۔ اور اگر اس میں کمی وبیشی کی شرط ہوگی تو وہ باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ ایسی شرکت میں نفع مال کے تابع ہوتا ہے۔ اس لئے مال کے حساب سے اس میں نفع کا اندازہ رہے گا۔ جیسے پیداوار میں پیداوار بیج کے تابع ہوتی ہے۔ لیکن نفع کی زیادتی کا حق دار ہونا قرارداد اور شرط کے مطابق تھا حالانکہ عقد فاسد ہے۔ اس لئے وہ استحقاق صرف پونجی کی مقدار کے مطابق ہوگا۔

شریکین میں سے کوئی فوت ہوگیا یا مرتد ہوگیا اور دار الحرب چلا گیا شرکت باطل ہے

وَ اِذَا مَاتَ اَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ وِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الشَّرْكَةُ لِاَنَّهَا تَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ وَ لَا بُدَّمِنْهَا لِيَتَحَقَّقَ الشَّرْكَةُ عَلٰى مَامَرَّوَالْوَكَالَةُ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَكَذَابِالْاِلْتِحَاقِ مُرْتَدًّا اِذَاقَضَى الْقَاضِيْ بِلِحَاقِهٖ لِاَنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَافَرْقَ بَيْنَهُمَا اِذَا عَلِمَ الشَّرِيْكُ بِمَوْتِ صَاحِبِهٖ اَوْلَمْ يَعْلَمْ لِاَنَّهٗ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ فَاِذَا بَطَلَتِ الْوَكَالَةُبَطَلَتِ الشَّرْكَةُ بِخِلَافِ مَااِذَا فَسَخَ اَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ الشَّرْكَةَ حَيْثُ يَتَوَقَّفُ عَلٰى عِلْمِ الْاٰخَرِ لِاَنَّهٗ عَزْلٌ قَصْدِيٌّ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ...... اگر دونوں شریکوں میں سے ایک مرجائے یا مرتد ہو کر دار الحرب پہنچ جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔ (خواہ یہ شرکت مفاوضہ ہو یا شرکت عنان ہو)۔ کیونکہ شرکت میں ازخود وکالت پائی جاتی ہے۔ اور شرکت میں وکالت کا ہونا ضروری ہے تاکہ شرکت پائی جائے جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ اور وکالت موت کی وجہ سے بھی باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مرتد ہو کر دار الحرب پہنچ جانے سے بھی باطل ہو جاتی ہے اس وقت جبکہ قاضی نے اس شخص کے بارے میں دار الحرب پہنچ جانے کا اقرار اور اعلان کر دیا ہو۔ کیونکہ دار الحرب میں پہنچ جانا موت کے برابر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ شریک کے مرنے کی خبر دوسرے کو ہو یا نہ ہو ہر صورت اس کے مرنے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ معزولی کے حکم میں ہے (گویا اس زندہ ساتھی نے اپنے شریک کو شرکت سے معزول کر دیا ہے اس لئے اسے خبر نہ ہونے پر بھی وہ معزول ہو جائے گا) اور جب وکالت باطل ہوگئی تو شرکت بھی باطل ہوگئی۔ بخلاف اس کے اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے شرکت توڑ دی تو یہ بات دوسرے کو معلوم ہو جانے تک موقوف رہے گی۔ کیونکہ معزولی اس کے اپنے ارادہ سے ہو رہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہر شریک دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں کرسکتا

فَصْلٌ، وَ لَيْسَ لِاَحَدِ الشَّرِيْكَيْنِ اَنْ يُّؤَدِّيَ زَكٰوةَ مَالِ الْاٰخَرِاِلَّابِاِذْنِهٖ لِاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ التِّجَارَةِ فَاِنْ اَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْ يُّؤَدِّيَ زَكٰوتَهٗ فَاَدّٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فَالثَّانِيْ ضَامِنٌ عَلِمَ بِاَدَاءِ الْاَوَّلِ اَوْلَمْ يَعْلَمْ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَايَضْمَنُ اِذَالَمْ يَعْلَمْ وَهٰذَا اِذَا اَدَّيَا عَلَى التَّعَاقُبِ اَمَّااِذَا اَدَّيَا مَعًا ضَمِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَصِيْبَ صَاحِبِهٖ وَعَلٰى هٰذَا الْاِخْتِلَافِ الْمَامُوْرِبِاَدَاءِ الزَّكٰوةِ اِذَاتَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيْرِ بَعْدَ مَااَدَّى الْاٰمِرُبِنَفْسِهٖ لَهُمَا اَنَّهٗ مَاْمُوْرٌ بِالتَّمْلِيْكِ مِنَ الْفَقِيْرِ وَقَدْاَتٰى بِهٖ فَلَايَضْمَنُ لِلْمُوَكِّلِ وَهٰذَا لِاَنَّ فِيْ وُسْعِهِ التَّمْلِيْكُ لَاوُقُوْعُهٗ زَكٰوةً لِتَعَلُّقِهٖ بِنِيَّةِالْمُوَكِّلِ وَاِنَّمَا يُطْلَبُ مِنْهُ مَافِيْ وُسْعِهٖ وَصَارَ كَالْمَاْمُوْرِ بِذَبْحِ دَمِ الْاِحْصَارِاِذَاذَبَحَ بَعْدَ مَازَالَ الْاِحْصَارُ وَحَجَّ الْاٰمِرُلَمْ يَضْمَنِ الْمَاْمُوْرُعَلِمَ اَوْلَا وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ مَاْمُوْرٌ بِاَدَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْمُؤَدّٰى لَمْ يَقَعْ زَكٰوةً فَصَارَ مُخَالِفًاوَ هٰذَا لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ الْاَمْرِاِخْرَاجُ نَفْسِهٖ عَنْ

عُهْدَةِ الْوَاجِبِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَايَلْتَزِمُ الضَّرَرَ إِلَّا لِدَفْعِ الضَّرَرِ وَهٰذَا الْمَقْصُوْدُ حَصَلَ بِأَدَائِهِ وَعَرِيَ أَدَاءُ الْمَأْمُوْرِ عَنْهُ فَصَارَ مَعْزُوْلًا عَلِمَ أَوْلَمْ يَعْلَمْ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ وَأَمَّادَمُ الْإِحْصَارِ فَقَدْقِيْلَ هُوَ عَلٰى هٰذَا الْإِخْتِلَافِ وَقِيْلَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ وَوَجْهُهُ أَنَّ الدَّمَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يَّصْبِرَ حَتّٰى يَزُوْلَ الْإِحْصَارُ وَفِيْ مَسْأَلَتِنَا الْأَدَاءُ وَاجِبٌ فَاعْتُبِرَ الْإِسْقَاطُ مَقْصُوْدًا فِيْهِ دُوْنَ دَمِ الْإِحْصَارِ

ترجمہ...... فصل، دوشریکوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے کے مال کی زکوٰۃ اس کی اجازت کے بغیر ادا کرے۔ اس لئے اگر وہ اجازت دے دے تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ کام تجارت کی قسموں سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ اب اگر ہر ایک نے دوسرے کو اس کام کی اجازت دے دی کہ میرے مال کی زکوٰۃ دے دو پھر ان میں سے ہر ایک نے زکوٰۃ دے دی (یعنی ایک مرتبہ صاحب مال نے اور دوسری مرتبہ اس کے شریک نے ادا کردی)، تو جس نے بعد میں یعنی دوسری بار ادا کی وہ ضامن ہوگا خواہ پہلے شخص کے ادا کرنے سے وہ واقف ہو یا نہ ہو۔ یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر دوسرے کو اس کی خبر نہ ہو کہ پہلے نے بھی ادا کردی ہے تو وہ ضامن ہوگا اور اگر اسے خبر نہ ہو کہ اس نے زکوٰۃ ادا کردی ہے تو وہ ضامن نہ ہوگا (اور اگر اسے خبر تھی تو بھی صحیح یہ ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔ جیسا کہ عتابی کی شرح زیادات میں مذکور ہے)۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ دونوں نے آگے پیچھے ٹھہر ٹھہر کردی ہو۔ اور اگر دونوں نے ایک وقت ایک ساتھ ادا کی ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا۔

اور اگر کسی شخص نے دوسرے کو اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے وکیل مقرر کیا پھر موکل نے خود ہی زکوٰۃ ادا کردی اس کے بعد اس وکیل نے موکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردی تو بھی یہی اختلاف ہوگا۔ (یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوگا اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا۔) صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ شریک کو اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ یہ زکوٰۃ فقیر کی ملکیت میں دے دی جائے اس لئے اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس لئے وہ موکل کے واسطے ضامن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس دینے والے کو تو صرف اسی بات کا اختیار تھا کہ اپنے ساتھی کی طرف سے اسے دے دے چنانچہ اس نے دے دیا۔ لیکن اسے یہ اختیار نہ تھا کہ وہ جو کچھ بھی دے وہ زکوٰۃ سے ادا ہو۔ کیونکہ اس زکوٰۃ کے ادا ہونے میں موکل کی نیت کا تعلق ہے اور وکیل سے اسی قدر کا مطالبہ ہوتا ہے جتنا اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ ایسا ہو گیا جیسے کسی کو کسی نے اپنی طرف سے (حج کی ادائیگی سے مجبوری پر) احصار کی قربانی ادا کرنے پر مامور کیا ہو۔ پھر اس کا وہ حصار ختم ہو گیا ہو اس لئے موکل نے اپنا حج ادا کرلیا۔ اس کے بعد وکیل نے کہی ہوئی بات کے مطابق قربانی ادا کردی تو یہ وکیل ضامن نہیں ہوتا ہے خواہ وہ موکل کے حال سے باخبر ہو یا نہ ہو (اور جیسا کہ اپنا قرض ادا کرنے کے لئے کسی کو وکیل مقرر کیا پھر خود ادا کردیا اس کے بعد اس وکیل نے بھی ادا کردیا تو وہ ضامن نہیں ہوتا ہے خواہ اسے اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ زکوٰۃ ادا کردی گئی ہے) اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اسے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا مگر جو اس نے ادا کیا وہ زکوٰۃ نہ ہوئی پس جس کام پر اسے مقرر کیا گیا تھا اس نے وہ کام نہ کرکے دوسرا کام (مخالف زکوٰۃ) کردیا۔ اور مخالفت کرنے والا ضامن ہوا کرتا ہے۔ اور موکل کا جو مقصود تھا وہ اس نے خود ہی ادا کردیا۔ پھر وکیل کا وہ کام مقصود (زکوٰۃ) کی ادائیگی سے خالی ہوا۔ اس لئے وہ معزول ہو گیا۔ خواہ وہ وکیل موکل کے قول سے باخبر ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ یہ حکما معزولی ہے۔ اور حج میں مجبوری (احصار) کی قربانی کا مسئلہ تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس میں بھی اس قسم کا اختلاف ہے۔ لیکن بعضوں نے کہا ہے کہ اس مجبوری کی قربانی کے مسئلہ میں اور زکوٰۃ کے مسئلہ میں فرق ہے کہ جس پر احصار ہوا ہے اس پر قربانی واجب نہ تھی کیونکہ وہ صبر کرسکتا تھا۔ اتنے دن کہ اس کا احصار ختم ہو جائے۔ لیکن زکوٰۃ تو ہر صورت واجب ہے۔ اس لئے اسے اپنے ذمہ سے نکال دینا ہی مقصود ہوا۔ لیکن احصار کی قربانی میں مقصود نہیں ہے۔

متفاوضین میں سے ایک نے دوسرے کو باندی خرید کر اس سے وطی کی اجازت دی دوسرے نے ایسا ہی کیا باندی بغیر کسی عوض کے ماذون کی ہوگی

قَالَ وَ اِذَا اَذِنَ اَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ لِصَاحِبِهِ اَنْ يَّشْتَرِيَ جَارِيَةً فَيَطَأَهَا فَفَعَلَ فَهِيَ لَهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ لِاَنَّهُ اَدّٰى دَيْنًا عَلَيْهِ خَاصَّةً مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ بِنَصِيْبِهِ كَمَا فِيْ شِرَاءِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ وَهٰذَا لِاَنَّ الْمِلْكَ وَاقِعٌ لَهُ خَاصَّةً وَالثَّمَنُ بِمُقَابَلَةِ الْمِلْكِ وَلَهُ اَنَّ الْجَارِيَةَ دَخَلَتْ فِي الشَّرِكَةِ عَلَى الْبَتَاتِ جَرْيًا عَلٰى مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ اِذْهُمَا لَايَمْلِكَانِ تَغْيِيْرَهُ فَاَشْبَهَ حَالَ عَدَمِ الْاِذْنِ غَيْرَ اَنَّ الْاِذْنَ يَتَضَمَّنُ هِبَةَ نَصِيْبِهِ مِنْهُ لِاَنَّ الْوَطْيَ لَايَحِلُّ اِلَّا بِالْمِلْكِ وَلَا وَجْهَ اِلٰى اِثْبَاتِهِ بِالْبَيْعِ لِمَا بَيَّنَّا اَنَّهُ يُخَالِفُ مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ فَاَثْبَتْنَاهُ بِالْهِبَةِ الثَّابِتَةِ فِيْ ضِمْنِ الْاِذْنِ بِخِلَافِ الطَّعَامِ وَ الْكِسْوَةِ لِاَنَّ ذَالِكَ مُسْتَثْنٰى عَنْهَا لِلضَّرُوْرَةِ فَيَقَعُ الْمِلْكُ لَهُ خَاصَّةً بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَكَانَ مُؤَدِّيًا دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَّالِ الشَّرِكَةِ وَفِيْ مَسْأَلَتِنَا قَضٰى دَيْنًا عَلَيْهِمَا لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ...... (اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر) میں فرمایا ہے۔ اگر شرکت مفاوضہ کے ایک شریک نے دوسرے شریک کو اس بات کی اجازت دی کہ ایک باندی خرید کر اس سے ہمبستری کر لو۔ چنانچہ دوسرے ساتھی نے مشترک مال سے باندی خرید کر اس سے اپنی خواہش پوری کر لی۔ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ باندی مفت میں اسی کی ہو جائے گی۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ وہ حکم دینے والا اپنے دوسرے ساتھی سے اس کی آدھی قیمت واپس لے گا۔ کیونکہ اس نے مشترک مال سے اپنا قرضہ ادا کیا جو صرف اسی پر واجب ہوا تھا۔ اس لئے اس کا ساتھی اس سے اپنا حصہ واپس مانگ لے گا۔ جیسا کہ اپنے بال بچوں کے لئے کھانا اور کپڑا خریدنے میں ایسا ہی ہوتا ہے (کہ آدھی قیمت واپس جمع کر دیتا ہے) اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ باندی تو خاص اور صرف اسی خریدار کی مالک رہی۔ اور قیمت تو ملکیت کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ باندی بلاشبہ مشترکہ ملکیت میں آئی ہے۔ کیونکہ شرکت مفاوضہ اسی کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ دونوں شریکوں میں سے کسی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ شرکت کے تقاضہ کو بدل دیں۔ اس لئے یہ معاملہ اس حال کے مشابہ ہوا کہ جس میں اجازت نہ ہو۔ پھر بھی اس میں کچھ اجازت پائی جاتی ہے کہ اجازت دینے والے نے اپنا حصہ اپنے شریک کو ہبہ کر دیا ہے۔ کیونکہ اسی نے وطی کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ بات اسی وقت حلال ہوتی ہے کہ اس پر ملکیت پائی گئی ہو۔ جبکہ اس صورت میں بیع کے ذریعہ ملکیت حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں پائی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہم نے یہ پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ یہ بات تقاضائے شرکت کے خلاف ہے۔ اس لئے اس میں ملکیت کا ہونا اس ہبہ کے ذریعہ ثابت کیا جو اس کی اجازت دینے کے اندر پائی گئی ہے۔ بخلاف کھانے پینے اور کپڑے کے کیونکہ یہ چیزیں انتہائی ضروری ہونے کی وجہ سے شرکت سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ لہٰذا خریدتے ہی اسی کی ملکیت میں داخل ہو جاتی اور مال شرکت سے اس کی قیمت ادا کرنے سے یہ ثابت ہوا کہ اس نے اپنا ذاتی قرض ادا کیا ہے بخلاف باندی کی صورت کے کہ اس نے اس باندی کے خریدنے کے بعد اس کی وہ قیمت ادا کی جو دونوں پر ادھار لازم ہوئی تھی۔ کیونکہ اس باندی کی خریداری مشترک طور پر ہوئی تھی۔

مالک باندی دونوں میں سے جس سے چاہے ثمن وصول کرے

وَ لِلْبَائِعِ اَنْ يَّأْخُذَ بِالثَّمَنِ اَيُّهُمَا شَاءَ بِالْاِتِّفَاقِ لِاَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ بِسَبَبِ التِّجَارَةِ وَالْمُفَاوَضَةُ تَضَمَّنَتِ الْكَفَالَةَ

فَصَارَ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ

ترجمہ......اور اس باندی کے بیچنے والے یا مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی اس باندی کی قیمت دونوں شریکوں میں سے جس کسی سے چاہے وصول کر لے۔ اس مسئلہ میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا اتفاق ہے۔ کیونکہ یہ ایسا قرض لازم آیا ہے جو تجارت کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔ اور شرکت مفاوضہ میں کفالت کا ضمناً پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ الحاصل اس باندی کی قیمت ایسی ہوگئی جیسے کھانا اور کپڑا خریدنے کی قیمت ہوتی ہے۔

کتاب الوقف

ترجمہ......کتاب، وقف کے بیان میں

لغت میں وقف کے معنی ہیں روکنا، شریعت میں یہ ہے کہ کسی معین مال کو مالک اپنی ملکیت میں روک کر رکھے۔لیکن اس کے منافع کو دوسروں کیلئے صدقہ کردے یا جن لوگوں میں چاہے خرچ کردے۔اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مال عین کو (حبسها لا ملك احد غيرالله) اللہ کی ملکیت کے علاوہ کسی دوسرے کی ملکیت میں نہ ہوتے ہوئے بھی اسے روک کر رکھنا۔اس کی شرط یہ ہے کہ روکنے والا (۱) عاقل (۲) بالغ (۳) آزاد ہو اور وقف کسی چیز پر معلق نہ ہو۔(۴) چنانچہ اگر کسی نے اس طرح کہا کہ اگر میرا فلاں لڑکا واپس آ گیا تو میرا یہ گھر وقف ہے اس طرح کہنے سے وقف جائز نہ ہوگا۔اس کے لئے واقف کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔اسی بناء پر اگر کسی ذمی نے اپنی جائیداد اپنی اولاد پر نسلاً بعد نسل وقف کی تو جائز ہے۔اور یہ بھی شرط ہے کہ (۵) وقف کرنے والا مجور نہ ہو۔اس بناء پر اگر کسی شخص کی حماقت وغیرہ کی وجہ سے قاضی نے اسے مجور کردیا (یعنی اس پر معاملات کرنے سے پابندی عائد کردی) تو اس کا وقف کرنا جائز نہ ہوگا۔اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واقف کی ملکیت سے نکلنے کی شرط خاص یہ ہے کہ اس نے یہ وقف اپنی موت کے بعد کیا ہو یا حاکم نے اس کے بارے میں حکم دے دیا ہو۔لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔اور وقف کا رکن اس کے خاص الفاظ ہیں مثلاً یوں کہے کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ دائمی مساکین وغیرہ پر ہے۔

اصطلاحی الفاظ

واقف	وقف کرنے والا۔
موقوف یا وقف	وہ چیز جو وقف کی گئی ہو۔اس کی جمع اوقاف آتی ہے۔
موقوف علیہم	وہ لوگ جن پر وقف واقع ہو۔
جہت وقف	جس راہ پر وقف کیا گیا ہو۔مثلاً مساکین وفقراء وحج کرنے والے واہل قرابت وغیر ذالک۔
قیم	وہ شخص جو وقف کی ہوئی چیز پر متولی اور اس کی دیکھ بھال پر مقرر کیا گیا ہو۔

واقف کی وقف سے ملک کب زائل ہوتی ہے

قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لَايَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ اِلَّا اَنْ يَّحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ اَوْيُعَلِّقَهُ فَيَقُوْلُ اِذَامِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِىْ عَلٰى كَذَاوَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يَزُوْلُ مِلْكُهُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَزُوْلُ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ اِلَيْهِ قَالَ الْوَقْفُ لُغَةً هُوَالْحَبْسُ يَقُوْلُ وَقَفْتُ الدَّابَةَ وَاَوْقَفْتُهَا بِمَعْنًى وَهُوَفِى الشَّرْعِ عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ ثُمَّ قِيْلَ الْمَنْفَعَةُ مَعْدُوْمَةٌ فَالتَّصَدُّقُ بِالْمَعْدُوْمِ لَايَصِحُّ فَلَايَجُوْزُالْوَقْفُ اَصْلًاعِنْدَهٗ وَهُوَالْمَلْفُوْظُ فِى الْاَصْلِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ جَائِزٌ عِنْدَهٗ اِلَّااَنَّهٗ غَيْرُلَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ وَعِنْدَهُمَا حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنْهُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى وَجْهٍ تَعُوْدُ مَنْفَعَتُهٗ اِلَى الْعِبَادِ فَيَلْزَمُ وَلَايُبَاعُ وَلَايُوْهَبُ وَلَايُوْرَثُ وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا وَالتَّرْجِيْحُ بِالدَّلِيْلِ لَهُمَا قَوْلُ النَّبِيِّ لِعُمَرَحِيْنَ اَرَادَاَنْ يَّتَصَدَّقَ بِاَرْضٍ لَهٗ تُدْعٰى ثَمْغٌ تَصَدَّقْ بِأَصْلِهَا لَايُبَاعُ وَلَايُوْرَثُ

وَلَايُوْهَبُ وَلِاَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةٌ اِلٰى اَنْ يَّلْزَمَ الْوَقْفُ مِنْهُ لِيَصِلَ ثَوَابُهُ اِلَيْهِ عَلَى الدَّوَامِ وَقَدْاَمْكَنَ دَفْعُ حَاجَتِهٖ بِاِسْقَاطِ الْمِلْكِ وَجَعْلِهٖ لِلّٰهِ تَعَالٰى اِذْلَهٗ نَظِيْرٌ فِى الشَّرْعِ وَهُوَالْمَسْجِدُ فَيُجْعَلُ كَذٰلِكَ وَ لِاَبِىْ حَنِيْفَةَ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَاحَبْسَ عَنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَعَنْ شُرَيْحٍ جَاءَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِبَيْعِ الْحَبْسِ وَلِاَنَّ الْمِلْكَ بَاقٍ فِيْهِ بِدَلِيْلِ اَنَّهٗ يَجُوْزُالْاِ نْتِفَاعُ بِهٖ زِرَاعَةً وَسُكْنٰى وَغَيْرَذَالِكَ وَالْمُلْكُ فِيْهِ لِلْوَاقِفِ اَلَاتَرٰى اَنَّ لَهٗ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ فِيْهِ بِصَرْفِ غَلَّاتِهٖ اِلٰى مَصَارِفِهَا وَنَصْبِ الْقُوَّامِ فِيْهَا اِلَّااَنَّهٗ يَتَصَدَّقُ بِمَنَافِعِهٖ فَصَارَشَبِيْهَ الْعَارِيَةِ وَلِاَنَّهٗ يُحْتَاجُ اِلَى التَّصَدُّقِ بِالْغَلَّةِ دَائِمًا وَلَاتَصَدُّقَ عَنْهُ اِلَّا بِالْبَقَاءِ عَلٰى مِلْكِهٖ وَلِاَنَّهٗ لَايُمْكِنُ اَنْ يُّزَالَ مِلْكُهٗ لَا اِلٰى مَالِكٍ لِاَنَّهٗ غَيْرُ مَشْرُوْعٍ مَعَ بَقَائِهٖ كَالسَّائِبَةِ بِخِلَافِ الْاِعْتَاقِ لِاَنَّهٗ اِتْلَافٌ وَبِخِلَافِ الْمَسْجِدِ لِاَنَّهٗ جُعِلَ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَلِهٰذَا لَايَجُوْزُالْاِنْتِفَاعُ بِهٖ وَهٰهُنَا لَمْ يَنْقَطِعْ حَقُّ الْعَبْدِعَنْهُ فَلَمْ يَصِرْخَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى قَالَ قَالَ فِى الْكِتَابِ لَايَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ اِلَّااَنْ يَّحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ اَوْيُعَلِّقَهٗ بِمَوْتِهٖ وَهٰذَا فِىْ حُكْمِ الْحَاكِمِ صَحِيْحٌ لِاَنَّهٗ قَضَاءٌ فِىْ مُجْتَهَدٍفِيْهِ اَمَّافِىْ تَعْلِيْقِهٖ بِالْمَوْتِ فَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ لَايَزُوْلُ مِلْكُهٗ اِلَّا اَنَّهٗ تَصَدُّقٌ بِمَنَافِعِهٖ مُؤَبَّدًافَيَصِيْرُ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالْمَنَافِعِ مُؤَبَّدًا فَيَلْزَمُ وَالْمُرَادُ بِالْحَاكِمِ الْمَوْلٰى فَاَمَّا الْمُحَكَّمُ فَفِيْهِ اِخْتِلَافُ الْمَشَائِخِ وَلَوْوَقَفَ فِى مَرَضِ مَوْتِهٖ قَالَ الطَّحَاوِىُّ هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بَعْدَالْمَوْتِ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ لَا يَلْزَمُهٗ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا يَلْزَمُهٗ اِلَّا اَنَّهٗ يُعْتَبَرُمِنَ الثُّلُثِ وَالْوَقْفُ فِى الصِّحَّةِ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَاِذَاكَانَ الْمِلْكُ يَزُوْلُ عِنْدَهُمَا يَزُوْلُ بِالْقَوْلِ عِنْدَاَبِىْ يُوْسُفَ وَهُوَقَوْلُ الشَّافِعِىِّ بِمَنْزِلَةِ الْاِعْتَاقِ لِاَنَّهٗ اِسْقَاطُ الْمِلْكِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَابُدَّمِنَ التَّسْلِيْمِ اِلَى الْمُتَوَلِّى لِاَنَّهٗ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِنَّمَا يَثْبُتُ فِيْهِ فِى ضِمْنِ التَّسْلِيْمِ اِلَى الْعَبْدِلِاَنَّ التَّمْلِيْكَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَمَالِكُ الْاَشْيَاءِ لَا يَتَحَقَّقُ مَقْصُوْدًا وَقَدْ يَكُوْنُ تَبَعًا لِغَيْرِهٖ فَيَأْخُذُ حُكْمَهٗ فَيُنْزَلُ مَنْزِلَةَ الزَّكٰوةِ وَالصَّدَقَةِ

ترجمہ...... ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وقف کرنے سے واقف کی اس کے مال موقوف پر سے حق ملکیت ختم نہیں ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی حاکم اس کے ختم ہونے کے بارے میں حکم دے دے یا خود وقف کرنے والا اپنی موت پر اسے معلق کردے اور یوں کہہ دے کہ جب میں مرجاؤں میں نے اپنا گھر یا زمین اس کام کے لئے وقف کردی ہے۔ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وقف کرتے ہی اس کی ملکیت اس پر سے ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس نے جیسے ہی کہا کہ میں نے اسے وقف کیا وہ گھر اس کی ملکیت سے نکل گیا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ واقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی مگر اس وقت جبکہ وہ کسی دوسرے کو متولی مقرر کر کے اس کے حوالہ کردے۔ قال الوقف لغته الخ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لغت میں وقف کے معنی ہیں حبس کرنا یعنی روک لینا چنانچہ محاورہ میں بولا جاتا ہے وقفت الدابة، میں نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ اور اوقفتها بھی اسی معنی میں بولتے ہیں۔ اور شرع میں جس کے معنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہیں مال عین کو وقف کرنے والا اپنے پرروکے اور اس کے منافع کو صدقہ کردے جیسے کہ عاریت ہوتی ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ منافع تو معدوم ہوتے ہیں اور کسی معدوم چیز کو صدقہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف بالکل جائز نہیں ہونا چاہئے۔ اصل میں یہی الفاظ مذکور ہیں۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز نہیں کہتے تھے۔ لیکن قول اصح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی وقف جائز ہے لیکن بمنزلۂ عاریت کے لازم نہیں ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وقف کے معنی یہ ہیں کہ مال عین کو اللہ تعالیٰ کی ملک پر روکنا۔ پس وقف کرنے والے کی ملکیت کا بندہ سے ختم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف

اس طرح منتقل ہو جانا کہ اس کے منافع بندوں ہی کو حاصل ہوں۔ جس سے وقف لازم ہو جائے گا اس کے بعد وہ چیز فروخت نہیں کی جاسکے گی۔ اور نہ ہبہ ہو سکے گی اور نہ وہ میراث بن سکے گی۔ پس لفظ وقف دونوں قول کو شامل ہے۔ یعنی وقف صحیح ہو جائے گا۔ خواہ مالک ختم ہو یا نہ ہو اور امام صاحب یا صاحبین میں سے ہر ایک کی قول کے ترجیح دلیل سے ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے حصہ خیبر کو جس کا نام ثمغ (ثا کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ) تھا صدقہ کرنا چاہا تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اس کی اصل کو صدقہ کر دو تاکہ وہ آئندہ کبھی نہ بیچی جاسکے گی اور نہ میراث بنے گی اور نہ ہبہ ہو سکے گی۔ صحاح ستہ نے اس کی روایت کی ہے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ واقف کو کبھی اس بات کی ضرورت درپیش ہو جاتی ہے کہ اس کا وقف لازم ہو جائے تاکہ قیامت تک کے لئے اسے اس وقف کا ثواب ملتا رہے اور صدقہ جاریہ ہو جائے۔ اور اس ضرورت کے پورے ہونے کی صورت اسی طرح ممکن ہوگی کہ چیز اس کی ملکیت سے باہر کر کے اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دے دی جائے۔ کیونکہ شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے اور وہ مسجد ہے۔ اسی طرح وقف بھی کر دیا جائے۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل...... یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض میں سے کوئی چیز حبس نہیں ہے۔ یعنی ہر چیز میراث کی طرح فرائض الٰہی میں تقسیم ہو جائے گی۔ (اس کی روایت دارقطنی و ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے ضعیف اسناد کے ساتھ کی ہے۔ اور شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آکر حبس کو فروخت کیا ہے۔ اس کی روایت ابن ابی شیبہ بیہقی اور طحاوی نے اسناد صحیح کے ساتھ کی ہے) اور اس دلیل سے بھی کہ وقف کرنے والے کی ملکیت وقف میں باقی رہتی ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ واقف کو موقوفہ زمین سے نفع اٹھانا مثلاً زمین میں کھیتی کر کے یا گھر میں رہ کر اور دوسرے طریقوں سے جائز ہے۔ اور وقف کرنے والے کی ملکیت اس میں باقی ہے۔ اسی لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسے وقف میں تصرف کرنے کا پورا حق ہے۔ اور اس کی آمدنی اور پیداوار کو جہاں تصرف کرنا چاہئے کرتا ہے۔ اس وقف کی دیکھ بھال کے لئے متولی اور رقیم مقرر کرتا ہے۔ البتہ اس کی پیداوار اور منافع کو صدقہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ وقف عاریت کے مشابہ ہو گیا اور اس دلیل سے کہ وقف کرنے والے کو ہمیشہ اس کی آمدنی کو وقف کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کی طرف سے صدقہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ وقف اس کی ملکیت میں باقی ہو۔ اور اس دلیل سے بھی کہ یہ بات ممکن نہیں ہے کہ موقوف سے واقف کی ملکیت اس طرح ختم کر دی جائے کہ دوسرا اس کا کوئی مالک باقی نہ رہے کیونکہ ایسی صورت شریعت میں ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ وہ چیز خود باقی رہتی ہے۔ جیسے جانور سانڈ وغیرہ کو آزاد چھوڑنا ممنوع ہے۔

بخلاف الاعتاق...... یعنی غلامی کو ختم کرنے کے بخلاف۔ کیونکہ اس میں مملوکیت کی صفت کو دور کرنا ہوتا ہے۔ اور بخلاف مسجد کے کیونکہ وہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کے نام کی کر دی جاتی ہے۔ اس لئے مسجد سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور وقف کی صورت میں بندہ کا حق وقف سے ختم نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے وقف خالصۃً اللہ تعالیٰ کے نام کا نہیں ہوتا ہے (۔ پھر ترجیح میں علماء نے کلام کیا ہے۔ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے وقف میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دے دیا تھا۔ اس لئے وہ وقف لازم ہو گیا)۔

میں مترجم کہتا ہوں کہ نہیں حکم نہیں فرمایا تھا بلکہ صرف ارشاد فرمایا تھا۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط کی شرح میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نقلی دلیل میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ جب واقف نے وقف کر دیا تو فرائض الٰہی یعنی میراث کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا اس لئے فرائض الٰہی سے کوئی حبس نہیں ہوا۔ جیسے مال منقولہ و وصیت و ہبہ و صدقہ میں کوئی حبس نہیں ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام نے طویل کلام کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس مقام میں حق بات یہی ہے کہ صاحبین و عامہ علماء کے قول کو ترجیح ہے۔ یعنی وقف لازم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس بحث میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد عام امت کا بھی اسی پر عمل چلا آتا ہے۔ اور حدیث شریح کے صرف یہی معنی ہیں کہ کفار جو اپنے زمانہ میں حام و بحیرہ وغیرہ کو بتوں کے نام کر دیتے اسے رسول اللہ ﷺ نے منسوخ کر دیا۔ اسی لئے بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ یہی قول مختار اور اوفق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قَالَ قَالَ فِي الْكِتٰبِ...... الخ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کتاب یعنی قدوری میں جو یہ فرمایا ہے کہ "وقف سے مالک کی ملکیت ختم نہ ہوگی مگر جبکہ کوئی حاکم حکم دے دے یا یہ کہ خود واقف اپنی موت پر اسے معلق کر دے" تو یہ کلام حاکم کے حکم کی صورت میں تو صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا حکم ایک اجتہادی مسئلہ میں واقع ہوگا۔ مگر موت پر معلق کرنے کی صورت میں مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس طرح معلق کرنے سے ملکیت ختم نہیں ہوگی۔ لیکن اس نے وقف کے منافع کو ہمیشہ کے لئے صدقہ کیا ہے تو ایسا ہوگیا کہ گویا منافع کے بارے میں ہمیشہ کے لئے کسی کے واسطے وصیت کر دی جو لازم ہو جائے گی۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں حاکم سے مراد وہ حاکم ہے جو سلطان ہو یا سلطان کی طرف سے قاضی مقرر کیا گیا ہو۔ اور اگر کسی شخص کو لوگوں نے اپنے طور پر حاکم مقرر کر لیا ہو تو اس کے حکم دینے میں مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔ یعنی اس کے فیصلہ سے بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حکم لازم نہ ہوگا (۔ اور اصح قول یہ ہے کہ حکم لازم ہو جائے گا۔ جیسا کہ خلاصہ میں ہے)۔

وَلَوْ وَقَفَ فِي مَرَضِ مَوْتِهٖ...... الخ اور اگر کسی نے اپنے مرض الموت میں وقف کیا ہو تو طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ وصیت بعد الموت کے حکم میں ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ لازم نہ ہوگا۔ لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک لازمی ہوگا۔ مگر اس کا اعتبار صرف ایک تہائی مال سے ہوگا۔ اور جو وقف صحت کی حالت میں ہو تو اس کا اعتبار پورے مال سے ہوگا اور اب جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ملکیت ختم ہو جاتی ہے تو ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف قول سے ہی ختم ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے (۔ بلکہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ اور محققین کے نزدیک یہی وجہ ہے۔ اور منیہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے)۔ کیونکہ یہ اعتاق کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بھی ملکیت ساقط کرنے کا نام ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف کہنے سے نہیں بلکہ اسے متولی کے سپرد کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو سارے جہاں کا مالک ہے اس کو خاص ارادہ کر کے مالک نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ بلکہ کبھی تبعاً ہوا کرتا ہے۔ تو اس کا وہی حکم ہو جاتا ہے۔ یعنی جب اس کے کسی بندہ کو دیا تو اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دینا ثابت ہو گیا۔ پس صدقہ اور زکوٰۃ کے حکم میں ہو گیا۔ اسی قول کو مشائخ بخارا نے قبول کیا ہے۔

وقف کے صحیح ہونے کی صورت میں شی موقوفہ کس کی ملک میں چلی جاتی ہے

قَالَ وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلَى اخْتِلَافِهِمْ وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ وَاِذَا اسْتُحِقَّ مَكَانَ قَوْلِهٖ وَ اِذَاصَحَّ خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِي مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ لَوْ دَخَلَ فِي مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ لَايُتَوَقَّفُ عَلَيْهِ بَلْ يَنْفُذُ بَيْعُهٗ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهٖ وَلِأَنَّهٗ لَوْ مَلَكَهٗ لَمَّا انْتَقَلَ عَنْهُ بِشَرْطِ الْمَالِكِ الْاَوَّلِ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهٖ قَالَ وَقَوْلُهٗ خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ يَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ قَوْلُهُمَا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِيْ سَبَقَ ذِكْرُهٗ

ترجمہ...... اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب فقہاء کے اختلاف کے موافق وقف صحیح ہو گیا تو وہ موقوف وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل گیا ساتھ ہی جن لوگوں پر وہ وقف ہے ان کی ملک میں داخل بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر اس شخص (موقوف علیہ) کی ملک میں داخل ہو جاتا تو اس پر وہ وقف نہ رہتا بلکہ اگر وہ اسے فروخت کرنا چاہتا تو فروخت صحیح ہو جاتی جیسے کہ اس کی دوسری ذاتی ملکیت کی چیزیں (زمین، مکان وغیرہ میں اس کا فروخت کرنا صحیح ہو جاتا ہے) اور اس دلیل سے بھی کہ اگر موقوف علیہ اس کا مالک ہو جاتا تو پہلے مالک کی شرط کے موافق دوسروں کی طرف وہ منتقل نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسے اس کی دوسری املاک کا حال ہے اور مصنف ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے فر ہے کہ قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل گیا تو اوپر بیان کئے ہوئے اختلاف کے مطابق یہ قول صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق ہونا چاہئے۔ (کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق حکم یہ ہے کہ وقف کی اصل جائیداد مالک کی ملک پر باقی تو رہے گی لیکن اس کے منافع دوسروں کو حاصل ہوتے

رہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے)۔

تشریح...... **واذاصح الوقف الخ** قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق ایسا ہی ہے۔ لیکن دوسرے نسخہ کے مطابق یہی عبارت بجائے صح کے یوں ہے **واذا استحق الخ**۔ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

(واضح ہو کہ آئندہ مشاع کے وقف کی بحث آرہی ہے۔) مشاع وہ چیز جو تقسیم کی جاسکتی ہو مگر ابھی تک تقسیم نہیں کی گئی ہو، یا مشترک ہو۔ یعنی بٹوارے کے بعد اس کی حدیں قائم نہ ہوئی ہوں مثلاً ایک زمین دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو جس کی وجہ سے اس کی تقسیم ہونے تک یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس کا کونسا حصہ یا گوشہ کس کا ہے اور کہاں تک ہے۔ لہٰذا ایسی حالت تک وہ مشاع ہوگی۔

مشاع کے وقف کا حکم

قَالَ وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ وَالْقَبْضُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَكَذَا تَتِمَّتُهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ لِأَنَّ أَصْلَ الْقَبْضِ عِنْدَهُ شَرْطٌ فَكَذَامَايُتِمُّ بِهِ وَهٰذَافِيْمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَأَمَّافِيْمَا لَايَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَيَجُوْزُ مَعَ الشُّيُوْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ أَيْضًا لِأَنَّهُ يَعْتَبِرُهُ بِالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ الْمُنَفَّذَةِ إِلَّافِي الْمَسْجِدِ وَالْمَقْبَرَةِ فَإِنَّهُ لَايَتِمُّ مَعَ الشُّيُوْعِ فِيْمَا لَا يَحْتَمِلُ أَيْضًا عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ لِأَنَّ بَقَاءَ الشِّرْكَةِ يَمْنَعُ الْخُلُوْصَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَلِأَنَّ الْمُهَايَاةَ فِيْهِمَا فِيْ غَايَةِ الْقُبْحِ بِأَنْ يُقْبَرَفِيْهِ الْمَوْتٰى سَنَةً وَيُزْرَعَ سَنَةً وَيُصَلّٰى فِيْهِ فِيْ وَقْتٍ وَيُتَّخَذَ إِصْطَبْلًا فِيْ وَقْتٍ بِخِلَافِ الْوَقْفِ لِإِمْكَانِ الْإِسْتِغْلَالِ وَقِسْمَةِ الْغَلَّةِ وَلَوْوَقَفَ الْكُلَّ ثُمَّ اسْتُحِقَّ جُزْءٌ مِنْهُ بَطَلَ فِي الْبَاقِيْ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الشُّيُوْعَ مُقَارِنٌ كَمَا فِي الْهِبَةِ بِخِلَافِ مَا إِذَا رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي الْبَعْضِ أَوْ رَجَعَ الْوَارِثُ فِي الثُّلُثَيْنِ بَعْدَ مَوْتِ الْمَرِيْضِ وَقَدْوَهَبَ أَوْوَقَفَ فِي مَرَضِهِ وَفِي الْمَالِ ضِيْقٌ لِأَنَّ الشُّيُوْعَ فِيْ ذَالِكَ طَارِئٌ وَلَوِاسْتُحِقَّ جُزْءٌ مُمَيَّزٌ بِعَيْنِهِ لَمْ يَبْطُلْ فِي الْبَاقِيْ لِعَدَمِ الشُّيُوْعِ وَلِهٰذَاجَازَفِي الْإِبْتِدَاءِ وَعَلٰى هٰذَا الْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ الْمَمْلُوْكَةُ

ترجمہ...... اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وقف مشاع یعنی ایسی جائیداد جسے وقف کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے اور وہ ابھی تک دوسری جائیداد کے ساتھ ملی ہو اس کو بھی وقف کرنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ اس خاص حصہ کو دوسرے کے حصہ سے علیحدہ کر دینا یعنی بٹوارہ کر دینا اس پر قبضہ کر لینے کے لوازمات میں سے ہے۔ مگر ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر قبضہ کرنا ہی شرط نہیں ہے اس لئے قبضہ کے لئے جو تتمہ اور لوازمات میں سے ہے وہ بھی شرط نہ ہوگا۔ بلکہ اس پر قبضہ سے پہلے ہی وہ زمین وقف ہو جائے گی۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وقف مشاع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اصل قبضہ ان کے نزدیک شرط ہے اس لئے جس چیز سے قبضہ پورا ہو وہ بھی شرط ہے۔ یہ اختلاف ایسی جائیداد میں ہے جو قابل قسمت ہو (واضح ہو کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قابل قسمت ایسی چیز جس کو تقسیم کرنے کے بعد بھی وہ مقصود حاصل ہو جو اس سے مطلوب اور منظور ہو۔ جیسے بڑا گھر بڑا کمرہ اور قابل تقسیم نہ ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ تقسیم کر دینے کے بعد وہ چیز ایسی نہ رہے جس سے اس کا مقصود حاصل ہو جائے۔ مثلاً چھوٹے کمرے، چھوٹے راستے، چھوٹے پیالے۔ وغیرہ کہ ان کو تقسیم کر دینے کے بعد یہ چیزیں اپنے مقصود پورا کرنے کے قابل نہیں۔ بلکہ کسی کے بھی کام کی نہیں رہتی ہیں) اور جو چیز بٹوارے کے قابل نہ ہو تو اسے وقف کرنا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی مشاع ہونے کے باوجود جائز ہے۔ کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس وقف کو ایسے ہبہ وصدقہ پر قیاس کرتے ہیں جو سپرد کر دیا گیا ہو یعنی جیسے ہبہ وصدقہ جائز ہو جاتا ہے اسی طرح جو چیز تقسیم ہونے کے قابل نہ ہو اس کو بھی وقف کرنا جائز ہے۔ پھر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد اور مقبرہ کو مستثنیٰ کیا

ہے۔ یعنی اگر کسی ایسی مشترک زمین کو جو تقسیم ہونے کے قابل نہ ہو مسجد یا مقبرہ کے واسطے وقف کیا تو ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ایسی زمین جائز نہیں ہے جو تقسیم ہونے کے قابل نہ ہو۔ اس لئے کہ اس میں شرکت باقی رہنا خالصتہً لوجہ اللہ ہونے سے مانع ہے۔ اور اس لئے بھی کہ مسجد اور قبرستان سے متعلق باری باری سے نفع اٹھانے کا معاہدہ کرنا بہت ہی بری سی بات ہے۔ اس طرح سے کہ مثلاً قبرستان میں ایک سال مردے دفن کئے جائیں اور دوسرے سال اس میں کھیتی کی جائے یا ایک وقت اس میں نماز پڑھی جائے اور دوسرے وقت وہ اصطبل بنا دیا جائے۔ جبکہ وہ بٹوارے کے قابل نہیں ہے بخلاف مسجد اور مقبرہ کے کہ دوسرے طور پر وقف جائز ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کرایہ یا اجارہ یا زراعت وغیرہ سے اس کی پیداوار اور منافع لے کر آپس میں تقسیم کر لی جائے۔ یعنی جو وقف کا حصہ ہو وہ وقف کر دیا جائے۔

مسئلہ...... اگر ایک شخص نے زمین کا پورا ایک ٹکڑا وقف کیا۔ بعد میں یہ ثابت ہوا کہ اس کی ایک تہائی یا چوتھائی یا کسی جزو کا دوسرا کوئی شخص مستحق ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باقی حصہ کا وقف بھی باطل ہو گیا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ وقف کرنے کے وقت وہ ٹکڑا مشاع اور مشترک تھا۔ جیسے ہبہ میں ہوتا ہے۔ یعنی ہبہ مشاع ہو کہ اس میں ہبہ کے وقت اشتراک پایا جا رہا ہو تو وہ ہبہ باطل ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے جب ہبہ کے وقت شیوع نہ ہو بلکہ بعد میں کسی طرح اشتراک پایا جائے تو وہ ہبہ باطل نہیں ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے پوری زمین پہلے ہبہ کر دی مگر بعد میں اس ہبہ کرنے والے نے اس میں سے تھوڑے سے حصہ سے رجوع کر لیا یا مریض نے مرض کی حالت میں ہبہ یا وقف کیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے سوا اس کی دوسری کوئی زمین نہیں ہے جو ترکہ ہو سکے اور اس کے لحاظ سے یہ ایک ثلث ہو سکے۔ جب بھی یہ ہبہ یا وقف باطل نہ ہوگا کیونکہ اس میں ورثہ کی شرکت بعد میں ثابت ہو رہی ہے۔ اور اتنا حصہ جس کا استحقاق اس میں سے ثابت ہوا ہے کوئی معین اور مختار ہو یعنی دوسرے باقی حصہ سے بالکل علیحدہ ہو تو باقی کا وقف باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں حقیقت میں اشتراک اور شیوع نہیں پایا گیا ہے۔ اسی لئے ابتداء میں باقی کا وقف جائز تھا۔ اور یہی حالت ہبہ اور صدقہ مملوکہ کی ہے۔ یعنی اگر اس ہبہ کے کسی مشترک حصہ میں کسی کا حق ثابت ہوا تو وہ ہبہ اور صدقہ باطل ہوگا۔ اور اگر کوئی معین حصہ ایسا مشترک ثابت ہوا تو وہ باطل نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز وقف یا ہبہ کی پھر اس میں سے کسی جزو پر کسی شخص کا دعویٰ ثابت ہو گیا تو دیکھنا چاہئے کہ وہ حصہ یا جزو دوسرے قبضہ سے علیحدہ اور ممتاز ہے تو وہ حصہ اسی حقدار اور مدعی کا ہو جائے گا اور باقی حصہ کا وقف یا ہبہ ثابت اور قائم رہ جائے گا۔ اور اگر وہ حصہ معین نہ ہو بلکہ سب میں ملا جلا اور مشترک ہو تو وہ وقف اور ہبہ باطل ہو جائے گا اور اگر وقف یا ہبہ کے وقت شرکت بالکل نہ ہو مگر کسی بھی صورت سے اس میں بعد میں شرکت پیدا ہو گئی ہو تو باقی کا وقف اور ہبہ قائم رہے گا۔

وقف تام کب ہوتا ہے

قَالَ وَ لَا يَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٌ حَتّٰى يَجْعَلَ اٰخِرَهُ بِجِهَةٍ لَاتَنْقَطِعُ اَبَدًاوَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ اِذَاسَمّٰى فِيْهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَوَصَارَبَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ لَهُمَا اَنَّ مُوْجَبَ الْوَقْفِ زَوَالُ الْمِلْكِ بِدُوْنِ التَّمْلِيْكِ وَاَنَّهُ يَتَاَبَّدُ كَالْعِتْقِ فَاِذَا كَانَتِ الْجِهَةُ يُتَوَهَّمُ اِنْقِطَاعُهَا لَايَتَوَفَّرُعَلَيْهِ مُقْتَضَاهُ فَلِهٰذَا كَانَ التَّوْقِيْتُ مُبْطِلًا لَهُ كَالتَّوْقِيْتِ فِی الْبَيْعِ وَلِاَبِیْ يُوْسُفَ اَنَّ الْمَقْصُوْدَ هُوَالتَّقَرُّبُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ مُوَفَّرٌ عَلَيْهِ لِاَنَّ التَّقَرُّبَ تَارَةً يَكُوْنُ فِی الصَّرْفِ اِلٰى جِهَةٍ تَنْقَطِعُ وَمَرَّةً بِالصَّرْفِ اِلٰى جِهَةٍ تَتَاَبَّدُ فَيَصِحُّ فِی الْوَجْهَيْنِ وَقِيْلَ اِنَّ التَّابِيْدَ شَرْطٌ بِالْاِجْمَاعِ اِلَّا اَنَّ عِنْدَ اَبِیْ يُوْسُفَ لَايُشْتَرَطُ ذِكْرُ التَّابِيْدِلِاَنَّ لَفْظَةَ الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ لِمَا بَيَّنَّا اَنَّهُ اِزَالَةُ الْمِلْكِ بِدُوْنَ التَّمْلِيْكِ كَالْعِتْقِ وَلِهٰذَا قَالَ فِی الْكِتَابِ فِیْ بَيَانِ قَوْلِهٖ وَصَارَبَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ

وَاِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ذِكْرُ التَّابِيْدِ شَرْطٌ لِاَنَّ هٰذَا صَدَقَةٌ بِالْمَنْفَعَةِ اَوْ بِالْغَلَّةِ وَذَالِكَ قَدْ يَكُوْنُ مُؤَقَّتًا وَقَدْ يَكُوْنُ مُؤَبَّدًا فَمُطْلَقُهٗ لَا يَنْصَرِفُ اِلَى التَّابِيْدِ فَلَابُدَّ مِنَ التَّنْصِيْصِ

ترجمہ......قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ ومحمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وقف کا کام اسی وقت پورا ہوگا کہ اس کے آخر میں یہ بتادیا جائے کہ اس کا مصرف ایسا کام ہوگا جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو۔ (اور وہ ایسا مصرف نہ ہو جو ایک وقت میں اس طرح ہو جائے کہ اس میں خرچ کرنے کا موقع باقی نہ رہے مثلاً یہ کہہ دینا کہ یہ مال فقراء اور مساکین اور دینی طلبہ کی تعلیم میں خرچ کیا جائے کہ یہ سلسلہ کبھی بھی ختم ہونے والا نہ ہوگا)۔اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس کے برخلاف ہونے سے بھی (مثلاً یہ مال میرے بیٹوں میرے بھائیوں پر یا صرف فلاں مد میں خرچ کیا جائے جو کچھ دنوں بعد بند اور ختم ہوسکتا ہے اور رشتہ داری کا سلسلہ کبھی منقطع بھی ہوسکتا ہے۔تو ایسا ہونے سے بھی وقف جائز ہو جائے گا۔البتہ اگر وہ مخصوص رشتہ دار یا مدرسہ کسی وقت ناپید ہو جائے تو) اس کے بعد عام فقراء ومساکین ومدارس میں خرچ کیا جاسکے گا۔اگر چہ اس نے کھل کر فقراء کا نام نہ لیا ہو۔امام ابوحنیفہ ومحمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا کام تو صرف یہ لازم کرنا ہوتا ہے کہ اب وقف کرنے والے کی ملکیت اس پر باقی نہیں رہے گی بلکہ ختم ہو جائے گی۔اس کے بغیر کہ وہ دوسرے شخص کی ملکیت میں جائے۔اور یہ ہمیشہ رہنے والی بات ہے جیسے غلام کی آزادی ہمیشہ کے لئے ہو جاتی ہے۔پس جب واقف نے اپنے وقف کے لئے ایسا مصرف مقرر کر دیا جس کے ختم ہو جانے کا وہم ہو تو وقف کا اصل مقصد اس سے پورا نہ ہوگا۔اسی واسطے اگر وقف کو کسی مخصوص یا متعین وقت تک کے لئے کیا ہو (مثلاً دس یا پندرہ برس) تو یہ وقت مقرر کرنا اس کو باطل کر دیتا ہے۔جیسے کہ دس دنوں تک کے لئے کسی چیز کو فروخت کرنا باطل ہوتا ہے۔اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں تقرب حاصل ہو۔اور یہ بات وقف کرنے سے پورے طور پر صادق آتی ہے۔کیونکہ تقرب کا حصول کبھی اس طرح سے ہوتا ہے کہ وہ ہو کر ختم ہو جائے۔اور کبھی اس طرح سے بھی ہوتا ہے کہ اس راہ میں خرچ کر دینے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے باقی رہ جائے۔اور وقف ان دونوں ہی صورتوں سے صحیح ہوتا ہے۔اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ وقف کا ہمیشہ کے لئے ہونا بالاتفاق شرط ہے لیکن اختلاف یہ ہے کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیان میں ہمیشہ کے لئے ذکر ہونا شرط نہیں ہے۔کیونکہ لفظ وقف اور صدقہ سے ہی یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔کیونکہ پہلے یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ وقف کے معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز کسی کے ملک میں دیئے بغیر اپنی ملکیت سے نکال دینا۔پھر ایسا کرنا محدود مدت کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہونا۔جیسا کہ غلام کو آزاد کر دینے میں ہوتا ہے۔اسی بناء پر کتاب میں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس طرح کرنے کے بعد بالآخر وہ چیز فقیروں کے واسطے ہو جائے گی۔اگر چہ اس وقت فقراء کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہی قول صحیح ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف میں ہمیشہ کے لئے بیان کرنا شرط ہے کیونکہ وقف تو کسی چیز کی پیداوار یا منافع کے وقف کرنے کا نام ہے اور یہ بات کبھی مخصوص اور محدود وقت کے لئے ہوتی ہے اور کبھی ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے۔اس لئے ہمیشگی کا ذکر کئے بغیر کلام کو مطلق رکھنے سے ہمیشگی مراد نہیں ہوسکتی ہے بلکہ ہمیشگی کو ظاہر کرنے کے لئے اس کو صراحت کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

زمین کے وقف کا حکم

قَالَ وَيَجُوْزُ وَقْفُ الْعَقَارِ لِاَنَّ جَمَاعَةً مِّنَ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَفُوْهُ

ترجمہ......اور عقار (غیر منقولہ جائیداد) کا وقف جائز ہے۔کیونکہ صحابہ کرام ﷺ کی ایک جماعت نے یہ وقف کیا ہے۔

تشریح...... قَالَ وَيَجُوْزُ ...... الخ غیر منقولہ جائیداد، زمین ومکان کا وقف جائز ہے۔کیونکہ متعدد صحابہ کرامؓ نے وقف کیا ہے۔ان میں سے ارقم بن ابی الارقم ہیں چنانچہ ان کے بیٹے عثمان نے روایت کی کہ میرا باپ چھ آدمیوں کے بعد ساتواں مسلمان ہوا۔ان کا ایک گھر صفا پر تھا۔یہ وہی گھر تھا

جس میں رسول اللہ ﷺ رہتے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت فرماتے تھے۔ چنانچہ اس میں کئی آدمیوں کی ایک جماعت اسلام لائی جن میں عمر بن الخطاب ؓ بھی تھے۔ اسی وجہ سے اس گھر کا نام دار الاسلام رکھا گیا۔ بعد میں ارقمؓ نے اسے اپنی اولاد پر وقف کر دیا۔ (الحدیث)

حاکم نے اس کی روایت کی ہے۔ اور ان وقف کرنے والوں میں حضرت عثمان غنی ؓ بھی ہیں۔ چنانچہ پینتیس (۳۵) ہزار سے بیر رومہ کو خرید کر وقف کر دیا جو مشہور واقعہ ہے۔ جیسا کہ الصحیح اور الطبرانی میں ہے۔ اور حضرت زبیر ؓ کا وقف صحیح بخاری میں معلق مروی ہے۔ اور حضرت ابوبکر ؓ نے اپنے مکہ کا گھر اور حضرت عمر ؓ نے اپنی زمین اور حضرت علی ؓ نے اپنی زمین اور مصر کا گھر اور مدینہ کے اپنے اموال کو اپنی اپنی اولادوں پر وقف کیا۔ جو آج تک موجود ہیں اور بخاری نے عمرو بن الحارث سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کوئی دینار یا کوئی درہم یا کوئی غلام یا کوئی باندی یا کوئی چیز نہیں چھوڑی سوائے اپنے خچر اور بیضاء کے جس پر سوار ہوتے۔ اور اپنے ہتھیار اور ایک زمین کے جس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کیا تھا۔

منقولی اور محولی چیزوں کا وقف درست نہیں

وَ لا يَجُوْزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَ يُحَوَّلُ قَالَ وَهٰذَا عَلَى الْإِرْسَالِ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ اِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَاَكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيْدُهُ جَازَ وَكَذَا سَائِرُ الْاٰتِ الْحِرَاثَةِ لِاَنَّهٗ تَبَعٌ لِلْاَرْضِ فِى تَحْصِيْلِ مَاهُوَ الْمَقْصُوْدُ وَقَدْ يَثْبُتُ مِنَ الْحُكْمِ تَبَعًا مَالَا يَثْبُتُ مَقْصُوْدًا كَالشُّرْبِ فِى الْبَيْعِ وَالْبِنَاءِ فِى الْوَقْفِ وَمُحَمَّدٌ مَعَهٗ فِيْهِ لِاَنَّهٗ لَمَّا جَازَ اِفْرَادُ بَعْضِ الْمَنْقُوْلِ بِالْوَقْفِ عِنْدَهٗ فَلِاَنْ يَجُوْزَ الْوَقْفُ فِيْهِ تَبَعًا اَوْلٰى

ترجمہ ...... اور ایسی چیز جو ادھر سے ادھر لے جانے کے قابل ہو یعنی مال منقولہ کو وقف کرنا جائز نہیں ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مطلقاً ناجائز ہونے کا یہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا کھیت اس کے جوتنے والے بیلوں اور ان کاشتکاروں کے جو وقف کرنے والے کے غلام ہیں وقف کیا تو جائز ہے۔ اسی طرح کاشتکاری کے دوسرے سامان ہل وغیرہ کا بھی اس کے ساتھ وقف کر دینا جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل مقصود یعنی غلہ کے حصول میں یہ چیزیں زمین کے تابع ہوتی ہیں اور کبھی ایک چیز اس کے مستقل ارادہ سے ثابت نہیں ہوتی ہے مگر وہی چیز دوسرے وقت تابع ہو کر ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے زمین کو فروخت کرنے سے اس کا پانی اس میں داخل ہو جاتا ہے یعنی جس پانی سے وہ زمین سیراب کیجاتی ہو اگر کوئی صرف اسی پانی کو فروخت کرنا چاہے تو وہ فروخت کے قابل نہیں ہوگا۔ مگر زمین کے ساتھ وہ پانی فروخت ہو جاتا ہے۔ اور جیسے صرف عمارت کو اس کی زمین کے بغیر وقف کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے۔ لیکن زمین کے ساتھ وقف ہو جاتی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اس مسئلہ میں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے۔ کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب بعض منقول اشیاء کا وقف تنہا مستقل طور پر جائز ہے تو غیر منقول کے تابع ہو کر بدرجۂ اولیٰ وقف جائز ہوگا۔ اسی لئے آگے بیان فرما دیا ہے)۔

گھوڑے اور ہتھیاروں کے وقف کا حکم

وَ قَالَ مُحَمَّدٌ يَجُوْزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ مَعْنَاهُ وَقْفُهٗ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَبُوْيُوْسُفَ مَعَهٗ فِيْهِ عَلٰى مَاقَالُوْا وَ هُوَ اِسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ اَنْ لَايَجُوْزَ لِمَابَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ الْاٰثَارُ الْمَشْهُوْرَةُ فِيْهِ مِنْهَا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اَمَّا خَالِدٌ فَقَدْ حَبَسَ اَدْرُعًا وَاَفْرَاسًا لَهٗ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ طَلْحَةُ حَبَسَ دُرُوْعَهٗ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَيُرْوٰى وَاَكْرَاعَهٗ وَالْكُرَاعُ الْخَيْلُ وَيَدْخُلُ فِى حُكْمِهِ الْاِبِلُ لِاَنَّ الْعَرَبَ يُجَاهِدُوْنَ عَلَيْهَا وَكَذَا السِّلَاحُ يُحْمَلُ عَلَيْهَا وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ يَجُوْزُ وَقْفُ مَافِيْهِ تَعَامُلٌ مِنَ الْمَنْقُوْلَاتِ كَالْفَاْسِ وَالْمَرِّ وَالْقَدُوْمِ وَالْمِنْشَارِ وَالْجَنَازَةِ وَثِيَابِهَا وَالْقُدُوْرِ وَالْمَرَاجِلِ وَالْمَصَاحِفِ وَعِنْدَ اَبِىْ يُوْسُفَ لَايَجُوْزُ لِاَنَّ الْقِيَاسَ اِنَّمَا يُتْرَكُ بِالنَّصِّ وَالنَّصُّ وَرَدَ فِى

الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ يَقُوْلُ الْقِيَاسُ قَدْ يُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ كَمَا فِي الْاِسْتِصْنَاعِ وَقَدْ وُجِدَ التَّعَامُلُ فِيْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ وَعَنْ نَصِيْرِ بْنِ يَحْيٰى اَنَّهٗ وَقَفَ كُتُبَهٗ اِلْحَاقًا بِالْمُصْحَفِ وَهٰذَا صَحِيْحٌ لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يُمْسَكُ لِلدِّيْنِ تَعْلِيْمًا وَ تَعَلُّمًا وَقِرَاءَةً وَاَكْثَرُ فُقَهَاءِ الْاَمْصَارِ عَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَمَا لَا تَعَامُلَ فِيْهِ لَا يَجُوْزُ عِنْدَنَا وَقْفُهٗ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ كُلُّ مَا يُمْكِنُ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ مَعَ بَقَاءِ اَصْلِهٖ وَيَجُوْزُ بَيْعُهٗ يَجُوْزُ وَقْفُهٗ لِاَنَّهٗ يُمْكِنُ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ فَاَشْبَهَ الْعَقَارَ وَالْكُرَاعَ وَالسِّلَاحَ وَلَنَا اَنَّ الْوَقْفَ فِيْهِ لَا يَتَاَبَّدُ مِنْهُ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ فَصَارَ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ بِخِلَافِ الْعَقَارِ وَلَا مُعَارِضَ مِنْ حَيْثُ السَّمْعِ وَلَا مِنْ حَيْثُ التَّعَامُلِ فَبَقِيَ عَلٰى اَصْلِ الْقِيَاسِ وَهٰذَا لِاَنَّ الْعَقَارَ يَتَاَبَّدُ وَالْجِهَادُ سَنَامُ الدِّيْنِ فَكَانَ مَعْنَى الْقُرْبَةِ فِيْهِمَا اَقْوٰى فَلَا يَكُوْنُ غَيْرُهُمَا فِيْ مَعْنَاهُمَا

ترجمہ ......اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ گھوڑے اور ہتھیاروں کا حبس (وقف) جائز ہے یعنی ان کو اللہ کی راہ میں وقف کرنا جائز ہے اور بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے قول کے مطابق امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ اور یہ حکم استحسان کی بناء پر ہے۔ کیونکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وقف کے لئے ہیشگی شرط ہے۔ اس لئے منقول مال اس قابل نہیں ہوتا ہے اور استحسان کی دلیل وہ دلیل اور آثار ہیں جو اس بارہ میں مشہور ہیں۔ ان میں سے رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث ہے جو خالد بن الولید ؓ کے بارہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی زمین اور گھوڑے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کئے ہیں (اور اصل حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ؐ نے حضرت عمر ؓ کو صدقات کی وصولی پر مقرر کیا۔ اس وقت ابن جمیل اور خالد بن الولید اور عباس ؓ نے صدقہ دینے سے انکار کیا تو رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ ابن جمیل کو کون سی بات بری لگتی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ فقیر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار بنا دیا اور خالد ؓ کے بارے میں فرمایا کہ تم اس سے زکوٰۃ مانگنے میں ظلم کرتے ہو حالانکہ اس نے اپنی زرہیں وسامان جنگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا ہے۔ اور وہ عباس تو ان کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے۔ بخاری ومسلم نے اس واقعہ کی روایت کی ہے) اور طلحہ نے اپنی زرہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیں (لیکن یہ روایت نہیں ملتی ہے۔)

اور کراع سے مراد گھوڑے ہیں۔ اسی کے حکم میں اونٹ بھی داخل ہیں۔ کیونکہ عرب اونٹوں پر بھی جہاد کرتے ہیں اور اس پر ہتھیار بھی لادے جاتے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جن منقولہ مالوں اور جائیداد میں لین دین کا تعامل جاری ہے۔ ان کا وقف بھی جائز ہے جیسے کلہاڑی، کدالا (وہ بڑی کدال جس سے زمین کھودتے ہیں،) لیسولا، آرا، تابوت مع اپنے کپڑوں کے پتیلیاں وہانڈیاں ودیگیں وپتھر کی دیگیں۔ اور قرآن مجید۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ یعنی خلاف قیاس ہے۔ اور قیاس اسی موقع پر ترک کیا جاتا ہے جبکہ اس کے لئے کوئی نص موجود ہو۔ جبکہ نص صرف گھوڑے اور ہتھیار کے بارے میں ہے۔ اس لئے اس حکم کو ان ہی دونوں تک محدود رکھا جائے گا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کبھی تعامل اور عمل درآمد ہونے کے موقع میں قیاس ترک بھی کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کاری گر سے چیز بنوانے میں ہے۔ اور وقف کا تعامل بھی ان چیزوں میں پایا گیا ہے۔ اور نصیر بن یحییٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے مصحف (قرآن مجید) پر قیاس کرتے ہوئے اپنی دینی کتابیں بھی وقف کی تھیں۔ اور یہ صحیح ہے۔ کیونکہ مصحف اور دینی کتابوں میں سے ہر ایک دین کے پڑھنے، پڑھانے وقرأت وتلاوت کے واسطے وقف ہوتی ہے اور شہروں کے اکثر فقہاء کرام امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور جن چیزوں میں لوگوں کا تعامل نہ ہو ان کا وقف ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہر ایسی چیز جس کی اصل باقی رہتے ہوئے اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے اور اس کی بیع جائز ہے تو اس کا وقف کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے۔ اس لئے غیر منقولہ جائیداد وگھوڑے وہتھیار کے مشابہ ہو گئے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کے وقف میں ہیشگی نہیں ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ہیشگی کا پایا جانا شرط ہے۔ تو ایسی چیز دینار اور درہم کے مانند ہو گئی بخلاف عقار کے کہ وہ دائمی ہے۔ اور یہاں کوئی معارض نہیں ہے۔ نہ حدیث اور اثر کے اعتبار سے اور نہ ہی تعامل کے اعتبار سے۔ اس لئے حکم اصلی قیاس پر باقی رہا۔ کہ عقار (زمین وغیرہ) تو ہمیشہ باقی رہتی ہے اور جہاد دین کا رکن اعلیٰ ہے۔ اس لئے ان دونوں میں تقریب کے معنی بہت قوی ہوئے۔ اس لئے دوسری چیزیں ان کے معنی میں نہ ہوں گی۔

وقف صحیح ہونے کے بعد اس کی بیع اور تملیک جائز نہیں

قَالَ وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِيكُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مُشَاعًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ فَيَطْلُبُ الشَّرِيكُ الْقِسْمَةَ فَيَصِحُّ مُقَاسَمَتُهُ أَمَّا امْتِنَاعُ التَّمْلِيكِ فَلِمَا بَيَّنَّا وَأَمَّا جَوَازُ الْقِسْمَةِ فَلِأَنَّهَا تَمْيِيزٌ وَإِفْرَازٌ غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْغَالِبَ فِي غَيْرِ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ إِلَّا أَنَّ فِي الْوَقْفِ جَعَلْنَا الْغَالِبَ مَعْنَى الْإِفْرَازِ نَظَرًا لِلْوَقْفِ فَلَمْ يَكُنْ بَيْعًا وَتَمْلِيكًا ثُمَّ إِنْ وَقَفَ نَصِيبَهُ مِنْ عَقَارٍ مُشْتَرَكٍ فَهُوَ الَّذِي يُقَاسِمُ شَرِيكَهُ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ إِلَى الْوَاقِفِ وَبَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى وَصِيِّهِ وَإِنْ وَقَفَ نِصْفَ عَقَارٍ خَالِصٍ لَهُ فَالَّذِي يُقَاسِمُهُ الْقَاضِي أَوْ يَبِيعُ نَصِيبَهُ الْبَاقِيَ مِنْ رَجُلٍ ثُمَّ يُقَاسِمُهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ يَشْتَرِي ذَالِكَ مِنْهُ لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا وَلَوْ كَانَ فِي الْقِسْمَةِ فَضْلُ دَرَاهِمَ إِنْ أُعْطِيَ الْوَاقِفُ لَا يَجُوزُ لِامْتِنَاعِ بَيْعِ الْوَقْفِ وَإِنْ أَعْطَى الْوَاقِفُ جَازَ وَيَكُونُ بِقَدْرِ الدَّرَاهِمِ شِرَاءٌ

ترجمہ ...... اور جب کسی چیز کو وقف کرنا صحیح مان لیا گیا یعنی لازم ہو گیا تو اسے بیچنا یا ملکیت میں لانا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن اگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ وقف مشاع ہو۔ اور دوسرے ساتھی نے اس کے بٹوارے کا مطالبہ کیا تو اس کے ساتھ بٹوارہ کر دیا جائے گا۔ پس مالک بنانے کے ناجائز ہونے کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں (یعنی حضرت عمرؓ کے وقف کرنے کی حدیث کہ اس کی اصل کو وقف کرو کہ اس کی بیع نہ ہوگی۔ اور نہ ہبہ ہوگی اور نہ صدقہ ہوگا)۔ اور اس کے بٹوارے کے جائز ہونے کی دلیل سے ایک یہ بھی ہے کہ بٹوارے کے معنی ہیں کسی چیز کو دوسری چیز سے ممتاز کر دینا۔ اور آخری بات یہ ہے کہ ناپ اور تول والی چیزوں کے سوائے دوسری چیزوں میں بٹوارے میں مبادلہ کے معنی غالب ہیں۔ لیکن وقف میں ہم نے موقع کے لحاظ سے ممتاز کرنے اور جدا کرنے کے معنی ہی کو غالب سمجھا ہے۔ اس لئے یہ بیع یا تملیک نہ ہوگی۔ پھر اگر ایک شخص نے ایک مشترک جائیداد، زمین میں سے اپنا حصہ وقف کیا تو وہ خود اپنے شریک سے اپنا حصہ ممتاز یعنی بٹوارہ کرا لے۔ کیونکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر ولایت کا حق خود وقف کرنے والے کو ہوتا ہے۔ اور اس کے مر جانے کے بعد وہ ہوتا ہے جس کو اس نے اپنا وصی مقرر کیا ہو۔ اور اگر کسی نے خالص اپنی غیر مشترک زمین سے نصف (وغیر معین) وقف کیا تو قاضی وقت اس کی طرف سے بٹوارہ کرنے والا ہوگا یا پھر (اس کا حیلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ) اپنا باقی حصہ کسی کے ہاتھ فروخت کر دے اور وہ مشتری اس سے اس کا بٹوارہ کرے۔ پھر اس خریدار سے اگر چاہے تو اس کا حصہ خود خرید کر لے۔ اس بات سے بچنے کے لئے ایک ہی شخص دونوں طرف سے اس کا بٹوارہ کرنے والا ہو اور اگر اس بٹوارے میں کسی حصہ میں کچھ نقد درہم لگانے کی ضرورت ہو جائے۔ پس اگر وقف کرنے والے کو یہ درہم دیئے جائیں یعنی زمین کا حصہ اور کچھ درہم دوسرے کو دیئے جائیں تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ وقف کو بیچنا ممنوع ہے۔ اور اگر وقف کرنے والے نے یہ درہم دیئے تو جائز ہوگا۔ اور یہ کہا جائے گا کہ اس درہم کے برابر اس نے وقف میں خریدا ہے۔ اور آئندہ وقف سے حاصل شدہ پھل غلے اور مناع وغیرہ کا بیان ہوگا۔

وقف کی تعمیر کس آمدنی سے کی جائے

قَالَ وَالْوَاجِبُ أَنْ يَبْتَدِئَ مِنْ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ شَرَطَ ذَالِكَ الْوَاقِفُ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ لِأَنَّ قَصْدَ الْوَاقِفِ صَرْفُ الْغَلَّةِ مُؤَبَّدًا وَلَا يَبْقَى دَائِمَةً إِلَّا بِالْعِمَارَةِ فَيَثْبُتُ شَرْطُ الْعِمَارَةِ اقْتِضَاءً وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ وَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَةٍ فَإِنَّهَا عَلَى الْمُوصَى لَهُ بِهَا ثُمَّ إِنْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ وَلَا يُظْفَرُ لَهُمْ وَأَقْرَبُ أَمْوَالِهِمْ هٰذِهِ الْغَلَّةُ فَيَجِبُ فِيهَا وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى رَجُلٍ بِعَيْنِهِ وَآخِرُهُ لِلْفُقَرَاءِ فَهُوَ فِي مَالِهِ أَيِّ مَالِهِ شَاءَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْغَلَّةِ لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ يُمْكِنُ مُطَالَبَتُهُ وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ الْعِمَارَةَ عَلَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَبْقَى الْمَوْقُوفُ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي وَقَفَهُ وَإِنْ خَرِبَ يُبْنَى عَلَى ذَالِكَ الْوَصْفِ لِأَنَّهَا بِصِفَتِهَا صَارَتْ غَلَّتُهَا مَصْرُوفَةً

اِلَى الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ فَاَمَّا الزِّيَادَةُ عَلٰى ذَالِكَ فَلَيْسَتْ بِمُسْتَحَقَّةٍ عَلَيْهِ وَالْغَلَّةُ مُسْتَحَقَّةٌ لَهُ فَلَايَجُوْزُ صَرْفُهَا اِلٰى شَيْءٍ اٰخَرَ اِلَّابِرِضَاهُ وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ فَكَذَالِكَ عِنْدَالْبَعْضِ وَعِنْدَالْاٰخَرِيْنَ يَجُوْزُ ذَالِكَ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ لِاَنَّ الصَّرْفَ اِلَى الْعِمَارَةِ وَضَرُوْرَةَ اِبْقَاءِ الْمَوْقُوْفِ وَلَاضَرُوْرَةَ فِى الزِّيَادَةِ

ترجمہ..... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وقف کے منافع اور آمدنی سے پہلے اس کی تعمیر (وحفاظت) میں خرچ کیا جائے۔ خواہ وقف کرنے والے نے اس کی شرط کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ واقف کا قصد۔ یہ ہے کہ یہ وقف ختم نہ ہو بلکہ ہمیشہ رہے اور اس کی آمدنی سے اس کے مستحقین کو فائدہ پہنچتا رہے اور یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا ہے جب تک اس کی حفاظت اور رکھ رکھاؤ میں خرچ نہ کیا جائے۔ اس طرح اس کی تعمیر کی شرط اقتضاءً ثابت ہے یعنی وقف خود اس شرط کی مقتضی ہے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ ایک حدیث میں یہ مذکور ہے کہ خراج ضمان سے ہے یعنی وقف کی درستی اس شخص پر لازم ہوگی جو اس سے منافع حاصل کرے۔ (رواہ ابوعبید)

اور وقف کی تعمیر کا حکم ایسا ہوگیا جیسے اس غلام کا خرچ کہ یہ اسی پر لازم ہوگا جس کے بارے میں مالک نے خدمت کی وصیت کی ہو۔ یعنی جب وہ شخص اس غلام سے نفع حاصل کرے گا تو اس غلام کے نفقہ کا بھی وہی ضامن ہوگا۔ پھر اگر وہ وقف مطلقا فقیروں کے نام پر ہو اور ان پر قابو نہیں پایا جاسکتا ہو (فقیروں کی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے سب کو مجبور کر کے اس وقف کی تعمیر وحفاظت نہیں کرائی جاسکتی ہو) اور ان کے اموال میں سے اس وقف کے منافع زیادہ قریب ہوں یعنی ان پر قابو پایا جاسکتا ہو تو اسی میں وقف کی تعمیر واجب ہوگی اور اگر کسی مخصوص شخص کے نام پر وقف ہو لیکن آخر کار وہ فقیروں کے پاس لوٹ کر جانے والا ہو تو اس وقف کی تعمیر اس مخصوص شخص کے کسی بھی مال سے ہوسکتی ہے۔ کہ وہ اپنی زندگی میں جس مال سے چاہے اس وقف کی تعمیر واصلاح کرے اور خاص اسی وقف کی آمدنی سے ہی اس تعمیر کا خرچ نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ شخص ایک ہے اور معین ہے جس سے مطالبہ ممکن ہے۔ پھر وقف کی تعمیر اسی قدر لازم ہوگی کہ جس سے وہ وقف اس حالت پر باقی رہ سکے جس حالت پر اسے وقف کیا گیا تھا اور اگر وہ خراب ہوجائے تو اسی صورت اور نقشہ پر اسے بنایا جائے کہ جس حالت پر اسے وقف کیا گیا تھا کیونکہ اسی صفت پر اس کا یہ حکم ہوا کہ اس کی آمدنی اور منافع اس موقوف علیہ (وقف) پر خرچ کیے جائیں لہٰذا اس موقوف علیہ (جس کے نام پر وقف کیا گیا) کے ذمہ اس سے زیادہ واجب نہیں ہوگا اور چونکہ اس کی آمدنی کا وہی مستحق بھی ہے اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر ایسی کسی مد میں کچھ خرچ کرنا جائز نہ ہوگا جو غیر ضروری ہو۔ اور اگر وقف فقیروں کے نام پر ہو تو بھی بعض فقہاء کے نزدیک یہی حکم ہے یعنی اس وقف کی حفاظت اور تعمیر ضروری ہے اس سے زیادہ ان فقراء کی رضامندی کے بغیر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا اور دوسرے علماء کے نزدیک فقراء کے نام وقف کی چیزوں میں تعمیر کی زیادتی جائز ہے۔ مگر پہلا قول ہی اصح ہے۔ کیونکہ تعمیر کی مد میں خرچ کرنا اس وقف کی حفاظت کی ضرورت سے ہے۔ حالانکہ اس کی زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

گھر کی رہائش جس کیلئے وقف کی ہے عمارت بھی اسی کیلئے ہوگی

قَالَ فَاِنْ وَقَفَ دَارًا عَلٰى سُكْنٰى وَلَدِهٖ فَالْعِمَارَةُ عَلٰى مَنْ لَهُ السُّكْنٰى لِاَنَّ الْخِرَاجَ بِالضَّمَانِ عَلٰى مَامَرَّ فَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوْصٰى بِخِدْمَتِهٖ

ترجمہ..... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ اگر کسی نے اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش پر وقف کیا تو اس گھر کی تعمیر اسی شخص پر لازم ہوگی جو اس میں رہے گا۔ کیونکہ اس سے نفع اور آمدنی تو ضمانت کے مقابلہ میں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ تو یہ بھی ایسے غلام کے نفقہ کے حکم میں ہوگیا جس کی خدمت کی کسی شخص کے واسطے وصیت کی گئی ہے (یعنی اس غلام کا نفقہ اسی شخص پر لازم ہوگا جس کی وہ خدمت کرے گا)۔

من له السكنى تعمیر وقف سے رک جائے یا فقیر ہو حاکم وقف کو کرائے پر دے اور کرایہ سے اس کی تعمیر مکمل کرائے

فَاِنِ امْتَنَعَ مِنْ ذَالِكَ اَوْكَانَ فَقِيْرًا اٰجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِاُجْرَتِهَا وَاِذَاعَمَّرَهَا رَدَّهَا اِلٰى مَنْ لَهُ السُّكْنٰى لِاَنَّ

فِیْ ذَالِكَ رِعَایَةُ الْحَقَّیْنِ حَقُّ الْوَاقِفِ وَحَقُّ صَاحِبِ السُّكْنٰی لِاَنَّهٗ لَوْلَمْ یُعَمِّرْهَا تَفُوْتُ السُّكْنٰی اَصْلًا وَالْاَوَّلُ اَوْلٰی وَلَایُجْبَرُ الْمُمْتَنِعُ عَلَی الْعِمَارَةِ لِمَافِیْهِ مِنْ اِتْلَافِ مَالِهٖ فَاَشْبَهَ اِمْتِنَاعَ صَاحِبِ الْبَذْرِ فِی الْمُزَارَعَةِ فَلَا یَكُوْنُ اِمْتِنَاعُهٗ رِضًا مِنْهُ بِبُطْلَانِ حَقِّهٖ لِاَنَّهٗ فِیْ حَیِّزِ التَّرَدُّدِ وَلَایَصِحُّ اِجَارَةُ مَنْ لَهُ السُّكْنٰی لِاَنَّهٗ غَیْرُ مَالِكٍ

ترجمہ..... پھر اگر موقوف علیہ (جس کے نام پر وصیت کی گئی) نے وقف کی تعمیر سے انکار یا وہ شخص فقیر ہے تو حاکم اس مکان کو کرایہ پر لگا دے اور کرایہ سے ہی اس کی تعمیر کرے۔ اس کے بعد جب تعمیر پوری ہو جائے تب جس کے نام حق سکونت ہے اسی کو دے دے۔ ایسا کرنے سے وقف کرنے والے کی وقف کی اور رہنے والے کی سب کے حق کی رعایت ہے۔ کیونکہ اگر اس وقف کی تعمیر نہیں کی جائے گی تو اس میں رہائش ناممکن ہو جائے گی۔ اس لئے مذکورہ طریقہ سے اس کی تعمیر بہتر ہے اور جب موقوف علیہ نے اس کی تعمیر سے انکار کر دیا تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں اس کے مال کو برباد کرنا لازم آتا ہے تو ایسا ہو گیا جیسے زراعت میں بیجوں والے نے زراعت سے انکار کر دیا ہو اس جگہ موقوف علیہ کا انکار کرنا اپنے حق وضائع کرنے پر رضامندی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں شک ہے (کہ شاید اس نے فی الحال اس امید پر اپنا مال ضائع نہ کیا ہو کہ قاضی اسے بنوا کر واپس کر دے گا۔) اور جس شخص کو اس میں سکونت کا حق حاصل ہے اگر اس نے خود اس مکان کو کرایہ پر دے دیا تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مالک نہیں ہے۔

وقف کی عمارت منہدم ہو جائے اور آلات ناقص ہو جائیں اس کا مصرف کیا ہے

قَالَ وَ مَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَاٰلَتِهٖ صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِیْ عِمَارَةِ الْوَقْفِ اِنِ احْتَاجَ اِلَیْهِ وَاِنِ اسْتَغْنٰی عَنْهُ اَمْسَكَهٗ حَتّٰی یَحْتَاجَ اِلٰی عِمَارَتِهٖ فَیَصْرِفُهٗ فِیْهَا لِاَنَّهٗ لَابُدَّمِنَ الْعِمَارَةِ لِیَبْقٰی عَلَی التَّابِیْدِ فَیَحْصُلُ مَقْصُوْدُ الْوَاقِفِ فَاِنْ مَسَّتِ الْحَاجَةُ اِلَیْهِ فِی الْحَالِ صَرَفَهَا فِیْهَا وَاِلَّا اَمْسَكَهَا حَتّٰی لَایَتَعَذَّرُ عَلَیْهِ ذَالِكَ اَوَانَ الْحَاجَةِ فَیَبْطُلُ الْمَقْصُوْدُ وَاِنْ تَعَذَّرَ اِعَادَةُ عَیْنِهٖ اِلٰی مَوْضِعِهٖ بِیْعَ وَصُرِفَ ثَمَنُهٗ اِلَی الْمَرَمَّةِ صَرْفًا لِلْبَدَلِ اِلٰی مَصْرَفِ الْمُبْدَلِ وَلَایَجُوْزُ اَنْ یُّقَسِّمَهٗ یَعْنِی النَّقْضَ بَیْنَ مُسْتَحِقِّی الْوَقْفِ لِاَنَّهٗ جُزْءٌ مِنَ الْعَیْنِ وَلَاحَقَّ لِلْمَوْقُوْفِ عَلَیْهِمْ فِیْهِ وَاِنَّمَا حَقُّهُمْ فِی الْمَنَافِعِ وَالْعَیْنُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰی فَلَایُصْرَفُ اِلَیْهِمْ غَیْرُ حَقِّهِمْ

ترجمہ..... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ اگر وقف کی عمارت میں سے کچھ حصہ ٹوٹ پھوٹ گیا یا اس کے اسباب اور آلات میں سے کوئی چیز ناقص ہو گئی تو حاکم اس سامان کو وقف کی تعمیر ہی میں استعمال کرے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔ اور اگر فی الحال اس کی ضرورت نہ ہو تو حفاظت کے ساتھ کہیں پر رکھ دے تا کہ ضرورت پڑنے پر اسے پراسے تعمیر میں لگا سکے۔ کیونکہ بہر صورت اس عمارت کی تعمیر کی ضرورت تو ہوتی رہے گی تا کہ وہ مدتوں باقی رہ سکے اور اس طرح واقف کی مراد حاصل ہو۔ پھر اگر اس کی فوری ضرورت ہو جائے تو اسی میں لگا دے۔ ورنہ اسے رکھ دے تا کہ ضرورت پڑنے پر کوئی مشکل درپیش نہ ہو۔ جس کی وجہ سے مقصود میں خلل آ جائے۔ اور اگر اسی چیز کو اس حالت میں اس کی جگہ پر دوبارہ لگانا ممکن نہ ہو تو اسے فروخت کر کے اس عمارت کی مرمت کے وقت اس سامان کی قیمت خرچ کر دے۔ تا کہ بجائے مبدل کے بدل (سامان کے عوض اس کی قیمت) خرچ ہو۔ وَلَایَجُوْزُ اَنْ یُّقَسِّمَهٗ الخ اور یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے ٹوٹے پھوٹے اور فی الحال فاضل سامان کو اس وقف کے مستحقین میں تقسیم کر دے۔ کیونکہ وہ سب سامان عین وقف کا حصہ اور جزو ہے اور جن لوگوں پر وہ وقف کیا گیا ہے اصل اور عین وقت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا حق تو صرف وقف کے منافع میں ہوتا ہے اور وہ عین یا اصل تو حق اللہ ہے۔ لہٰذا ان مستحقین کے حق کے سوا دوسری کوئی چیز بھی ان کو نہیں دی جائے گی

واقف وقف کی آمدنی یا تولیت اپنے لئے کر سکتا ہے

قَالَ وَاِذَاجَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهٖ اَوْ جَعَلَ الْوِلَایَةَ اِلَیْهِ جَازَعِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ قَالَ ذَكَرَ فَصْلَیْنِ شَرْطَ الْغَلَّةِ لِنَفْسِهٖ وَجَعْلَ الْوِلَایَةِ اِلَیْهِ اَمَّاالْاَوَّلُ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَاَبِیْ یُوْسُفَ وَلَایَجُوْزُ عَلٰی قِیَاسِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَ

هو قول هلال الرازي وبه قال الشافعي وقيل ان الاختلاف بينهما بناء على الاختلاف في اشتراط القبض والافراز وقيل هي مسألة مبتدأة والخلاف فيما اذا شرط البعض لنفسه في حياته وبعد موته للفقراء وفيما اذا شرط الكل لنفسه في حياته وبعد موته للفقراء سواء ولو وقف وشرط البعض او الكل لامهات اولاده ومدبريه ماداموا احياء فاذا ماتوا فهو للفقراء والمساكين فقد قيل يجوز بالاتفاق وقد قيل هو على الخلاف ايضا وهو الصحيح لان اشتراطه لهم في حياته كاشتراطه لنفسه وجه قول محمد ان الواقف تبرع على وجه التمليك بالطريق الذي قدمناه فاشتراط البعض او الكل لنفسه يبطله لان التمليك من نفسه لا يتحقق فصار كالصدقة المنفذة وشرط بعض بقعة المسجد لنفسه ولابي يوسف ماروى ان النبي عليه السلام كان ياكل من صدقته والمراد منها صدقة الموقوفة ولا يحل الاكل منها الا بالشرط فدل على صحته ولان الوقف ازالة الملك الى الله تعالى على وجه القربة على ما بيناه فاذا شرط البعض او الكل لنفسه فقد جعل ما صار مملوكا لله تعالى لنفسه لا ان يجعل ملك نفسه لنفسه وهذا جائز كما اذا بنى خانا او سقاية او جعل ارضه مقبرة وشرط ان ينزله او يشرب منه او يدفن فيه ولان مقصوده القربة وفي التصرف الى نفسه ذالك قال عليه السلام نفقة الرجل على نفسه صدقة ولو شرط الواقف ان يستبدل به ارضا اخرى اذا شاء ذالك فهو جائز عند ابي يوسف وعند محمد الوقف جائز والشرط باطل ولو شرط الخيار لنفسه في الوقف ثلثة ايام جاز الوقف والشرط عند ابي يوسف وعند محمد الوقف باطل وهذا بناء على ما ذكرنا واما فصل الولاية فقد نص فيه على قول ابي يوسف وهو قول هلال ايضا وهو ظاهر المذهب وذكر هلال في وقفه وقال اقوام ان شرط الواقف الولاية لنفسه كانت له وان لم يشترط لم تكن له ولاية قال مشائخنا الاشبه ان يكون هذا قول محمد لان من اصله ان التسليم الى القيم شرط لصحة الوقف فاذا سلم لم يبق له ولاية فيه ولنا ان المتولي انما يستفيد الولاية من جهته بشرطه فيستحيل ان لا يكون له الولاية وغيره يستفيد الولاية منه ولانه اقرب الناس الى هذا الوقف فيكون اولى بولايته كمن اتخذ مسجدا يكون اولى بعمارته ونصب المؤذن فيه وكمن اعتق عبدا كان الولاء له لانه اقرب الناس اليه ولو ان الواقف شرط ولايته لنفسه وكان الواقف غير مامون على الوقف فللقاضي ان ينزعها من يده نظرا للفقراء كما له ان يخرج الوصي نظرا للصغار وكذا اذا شرط ان ليس لسلطان ولا لقاض ان يخرجها من يده ويوليها غيره لانه شرط مخالف لحكم الشرع فبطل

ترجمہ..... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر وقف کرنے والے نے وقف کے منافع اور پیداوار کو خود اپنے لئے رکھا یا وقف کی ولایت اپنے لئے مخصوص رکھی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے (۔مشائخ بلخ رحمۃ اللہ علیہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہ اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے)۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شیخ قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں دو باتیں ذکر کی ہیں،

۱) اول اپنے لئے منافع اور پیداوار کی شرط کرنا ۲) اپنے لئے متولی بننے کی شرط کرنا۔

پہلی شرط کی تفصیل یہ ہے کہ یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہ ہو۔ ہلال رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (صحیح یہ ہے کہ یہ ہلال بن یحییٰ الرائی ہیں۔مف) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول

ہے۔ بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ صاحبین میں یہ اختلاف اس بناء پر ہے کہ دونوں نے قبضہ وتعمیر کے شرط ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے (یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف کو علیحدہ اور ممتاز کر کے متولی کے قبضہ میں دینا شرط ہے اس لئے مذکور مسئلہ جائز نہ ہوگا اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی شرط نہیں ہے اس لئے مذکورہ مسئلہ جائز ہوگا۔) اور بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ یہ ایک مستقل اور نیا مسئلہ ہے۔ یعنی اس کی بنیاد اختلاف مذکور پر نہیں ہے۔ پھر یہ اختلاف دوصورتوں میں بہر صورت ہے۔ یعنی زمین کی آمدنی میں سے کچھ اپنی زندگی بھر کے لئے مخصوص کرے اور اپنی موت کے بعد فقراء کے لئے شرط کرے یا مکمل آمدنی اپنی زندگی بھر کے لئے مخصوص کرے پھر اپنی موت کے بعد فقراء کے لئے شرط کرے۔ دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہوگا۔ اور اگر وقف میں یہ شرط کی ہو کہ آمدنی سے کچھ یا سب کی سب اپنی ام ولد یا مدبروں کے واسطے ہوگی جب تک کہ وہ زندہ رہیں لیکن ان کے مرجانے کے بعد وہ آمدنی فقراء اور مساکین کے لئے ہو جائے گی۔ تو کہا گیا ہے کہ یہ شرط بالاتفاق جائز ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس میں بھی صاحبین کا اختلاف ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ام ولد اور مدبروں کی زندگی تک کے لئے آمدنی اور پیداوار کو مخصوص کرنے کی شرط کرنا ایسا ہے۔ جیسے اپنی ذات کے لئے شرط کرنا ہے (تو گزشتہ اختلاف جاری ہوگیا۔) اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف کے معنی ہیں کسی پر احسان کرتے ہوئے مذکورہ بالا طریقہ سے کسی جز کا مالک بنادینا۔ یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل کی جناب میں تقرب حاصل کرنے کے لئے۔ لہٰذا اس میں تھوڑی سی آمدنی یا پوری کی پوری آمدنی کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لینے کی شرط کرنا اس کو باطل کر دے گا۔ کیونکہ خود اپنی ذات کو مالک بنادینا متحقق نہیں ہوتا ہے۔ تو یہ مسئلہ ایسا ہو گیا جیسے صدقہ منفذہ۔ یعنی کسی فقیر کو بطور صدقہ کچھ مال اس شرط پر دینا کہ اس میں سے کچھ اسی دینے والے کے لئے ہے۔ جیسے زمین کے کچھ حصہ کو مسجد بنادینا اس شرط کے ساتھ کہ اس کا کچھ حصہ خود اسی بنا دینے والے کے لئے ہے (حالانکہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں) اس لئے مذکور طریقہ سے وقف کرنا بھی باطل ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں روایت ہے کہ رسول اللہؐ اپنے صدقہ میں سے کھاتے تھے۔ تو اس صدقہ سے مراد وقف ہے۔ حالانکہ وقف کے مال سے کھانا حلال نہیں ہے، مگر شرط کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقف میں شرط کر لینا صحیح ہے۔ (لیکن یہ حدیث کہیں نہیں ملی ہے۔ بلکہ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صدقہ یعنی وقف میں سے آپ کے اہل وعیال عام دستور کے مطابق کھاتے تھے)۔ (رواہ ابن ابی شیبہ)

اس دلیل سے کہ وقف کے معنی میں کسی چیز سے اپنی ملکیت زائل کر کے تقرب کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ملک میں دینا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پس اگر واقف نے وقف کی آمدنی سے اس کی کچھ یا کل آمدنی اپنی ذات کے لئے شرط کی تو جو چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک ہو چکی تھی اسی کی اپنی ذات کے لئے شرط کی۔ اور ایسی بات نہیں ہے کہ اپنی ملک کو اپنے واسطے مخصوص کر لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مملوک چیز کو اپنے لئے شرط کر لدنا جائز ہے جیسے کوئی خان (سرائے خانہ) یا سقایہ (سبیل) بنائے یا کسی زمین کو قبرستان بنادے اور اس میں یہ شرط لگائے کہ اس سرائے میں خود بھی ٹھہرے گا یا اس سبیل اور سقایہ سے خود بھی پانی پیئے گا یا اس قبرستان میں اپنا مردہ بھی دفن کرے گا تو یہ جائز ہوتا ہے اور اس دلیل سے کہ اس کا مقصود اس وقف سے تقرب الٰہی ہے۔ اور یہی بات اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ آدمی کا اپنی ذات پر خرچ کرنا اس کے حق میں صدقہ ہے (اور اپنی بیوی و اولاد و خادم پر خرچ کرنا بھی اس کے واسطے صدقہ ہے۔ ابن ماجہ اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے۔ اور اس کی اسناد عمدہ وجید ہے)۔

ابن حجر اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے مرفوع روایت کی ہے کہ جس نے حلال طریقہ سے کوئی مال کمایا اور اس سے اپنی ذات کے لئے کھانا یا کپڑا بنایا یا مخلوق الٰہی کو دیا تو یہ اس کے لئے زکوٰۃ ہے۔ جیسا کہ صحیح ابن حبان اور حاکم میں ہے۔ اس باب میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں)۔

اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو کہ جب چاہے گا اس زمین کے عوض دوسری زمین بدل لے گا۔ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استحساناً جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف جائز ہے۔ اور یہ شرط باطل ہے۔

اگر وقف میں اپنے لئے تین دن کی شرط کی۔ یعنی اس زمین کے وقف کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ابھی تین دنوں تک مجھے اختیار ہے۔ تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف اور شرط دونوں جائز ہیں۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف باطل ہے۔ ان کا یہ اختلاف اسی بناء پر ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (۔ یعنی وقف کرتے وقت اس کی پیداوار اور آمدنی کو اپنی زندگی تک کے لئے شرط رکھنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اس لئے تین دن کے اختیار رکھنے کی شرط بھی جائز ہوگی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ جائز نہیں ہے تو یہ بھی جائز نہیں ہے)۔

اب دوسرے مسئلہ (ولایت کی بحث) یعنی اپنے آپ کے لئے متولی بننے کی شرط کرنے کا بیان ہوگا۔ تو اس مسئلہ میں قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تصریح کردی ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور ہلال الرائی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ظاہر المذہب بھی یہی ہے۔ ہلال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الوقف میں لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اگر وقف کرنے والے نے اپنی ذات کے واسطے متولی رہنے کی شرط کی ہو تو وہ متولی رہ جائے گا۔ اور اسے ولایت حاصل ہوگی۔ اور اگر اس کی شرط نہیں کی ہو تو اسے ولایت حاصل نہ ہوگی یعنی وہ متولی نہیں رہے گا۔ ہمارے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ شبہ (زیادہ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے) یہ ہے کہ یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہو۔ کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بات اصل کے طور پر یہ ہوئی ہے کہ وقف صحیح ہونے کے لئے منتظم اور قیم کے حوالہ کردینا شرط ہے۔ پس جب واقف نے قیم اور متولی کے حوالہ کردی تو وقف کرنے میں اب اس کی ولایت باقی نہ رہی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وقف کرنے والے ہی کی طرف سے ایک شرط کے ساتھ متولی کو ولایت حاصل ہوگئی ہے) تو یہ بات محال ہے کہ خود تو اسے ولایت نہ ہو پھر بھی دوسرا شخص اس سے ولایت حاصل کرے۔ اور اس دلیل سے بھی کہ وقف کرنے والے کو باقی سب لوگوں کے مقابلہ میں اس وقف کے ساتھ زیادہ تعلق اور ہمدردی ہے اس لئے اس وقف کا متولی بننے کے لئے اسی کی ولایت زیادہ بہتر ہوگی۔ جیسے کسی نے مسجد بنائی تو وہی اس کے آباد کرنے اور تعمیر کرنے میں، اور اس کے موذن مقرر کرنے میں اولیٰ ہوتا ہے۔ اور جیسے کسی نے غلام آزاد کیا تو اس غلام کی ولاء اسی آزاد کرنے والے کے لئے ہوگی۔ کیونکہ اس سے سب سے زیادہ تعلق اور قرب اسی آزاد کرنے والے کو ہوتا ہے۔ اور اگر وقف کرنے والے نے اپنے وقف کے متولی ہونے کا حق خود اپنی ہی ذات کے لئے رکھا۔ اور اس کی شرط کی حالانکہ اس میں امانت داری کے لحاظ سے وہ مامون نہیں ہے یعنی وہ شخص دیندار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کی طرف سے اس وقف کے معاملہ میں اطمینان بھی نہیں ہے تو فقیروں کی بھلائی کے خیال سے قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس وقف کو اس کے قبضہ سے نکال دے۔ جیسے کسی نے اپنے بعد اپنی یتیم اولاد کے لئے کسی کو وصی بنادیا جو اس کی پوری دیکھ بھال کرے حالانکہ وہ دیندار قابل اعتماد نہیں ہے تو اس کے بارے میں بھی قاضی کو اختیار ہوتا ہے کہ ان یتیم بچوں کا خیال کرکے اس وصی کو بے اختیار کردے اور کسی دوسرے دیانتدار ذمہ دار کو ان کا ذمہ دار بنادے۔ اسی طرح اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو کہ کسی بادشاہ یا قاضی کو یہ اختیار نہیں ہوگا اس وقف کو میرے قبضہ سے نکال کر اس پر کسی دوسرے شخص کو متولی بنادے۔ حالانکہ اس وقف کرنے والے کے ظاہری حالات کی بناء پر اس وقف پر اس کی طرف سے اطمینان نہیں ہو تو بھی قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس کے قبضہ سے نکال کر کسی دوسرے کو متولی مقرر کردے کیونکہ وقف کرنے والے کی یہ شرط شرعی حکم اور مصلحت کے مخالف ہے اس بناء پر خود وہ شرط ہی باطل ہوگئی۔

مسجد بنانے والے کا ملک مسجد سے کب زائل ہوگا

فَصْلٌ، وَاِذَا بَنٰى مَسْجِدًا لَمْ يَزَلْ مِلْكُهٗ عَنْهُ حَتّٰى يُفْرِزَهٗ عَنْ مِلْكِهٖ بِطَرِيْقِهٖ وَيَأْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِذَا صَلّٰى فِيْهِ وَاحِدٌ زَالَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ عَنْ مِلْكِهٖ اَمَّا الْاِفْرَازُ فَلِاَنَّهٗ لَا يَخْلُصُ لِلّٰهِ تَعَالٰى اِلَّا بِهٖ وَاَمَّا الصَّلٰوةُ فِيْهِ فَلِاَنَّهٗ لَابُدَّ مِنَ التَّسْلِيْمِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَيُشْتَرَطُ تَسْلِيْمُ نَوْعِهٖ وَذَالِكَ فِى الْمَسْجِدِ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ اَوْلِاَنَّهٗ لَمَّا تَعَذَّرَ الْقَبْضُ يُقَامُ تَحَقُّقُ الْمَقْصُوْدِ مَقَامَهٗ ثُمَّ يُكْتَفٰى بِصَلٰوةِ الْوَاحِدِ فِيْهِ فِىْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ لِاَنَّ فِعْلَ الْجِنْسِ مُتَعَذِّرٌ فَيُشْتَرَطُ اَدْنَاهُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ يُشْتَرَطُ الصَّلٰوةُ بِالْجَمَاعَةِ لِاَنَّ الْمَسْجِدَ بُنِىَ لِذَالِكَ فِى الْغَالِبِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يَزُوْلُ مِلْكُهٗ بِقَوْلِهٖ جَعَلْتُهٗ مَسْجِدًا لِاَنَّ التَّسْلِيْمَ عِنْدَهٗ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِاَنَّهٗ اِسْقَاطٌ لِمِلْكِ الْعَبْدِ فَيَصِيْرُ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى بِسُقُوْطِ حَقِّ الْعَبْدِ وَصَارَ كَالْاِعْتَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ

ترجمہ..... اگر کسی نے مسجد بنائی (تو بنالینے کے باوجود یہ مسجد) اسی کی ملکیت میں رہے گی۔ یہاں تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے اس کا راستہ نکال کر جدا کردے اور تمام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دے۔ اس کے بعد اگر ایک شخص نے بھی اس میں نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اب وہ مسجد اس کی ملکیت سے نکل گئی۔ اس میں اپنے ملک سے جدا کرنے کی دلیل یہ ہے کہ اسی طریقہ سے وہ مسجد خالص اللہ تعالیٰ

کے لئے ہو سکتی ہے۔ اور اس میں نماز پڑھنے کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سپرد کرنا ضروری ہے۔ اور سپرد کرنے میں شرط یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق سپردگی ہو (یعنی جس چیز کو جس طرح سپرد کرنا چاہئے اسی طرح سپرد کیا جائے) اور مسجد کو سپرد کرنے کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کی مکمل آزادی دے دی جائے اور کوئی شخص کچھ نمازیں پڑھ لے یا اس وجہ سے کہ جب اس جگہ پر قبضہ کرنا ممکن نہیں ہے تو اس سے مقصود حاصل نماز پڑھ لینے ہی کو قبضہ کے قائم مقام مان لیا گیا ہے۔ پھر جب ایک شخص نے اس میں نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ یہی کافی ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ کیونکہ جنس کا فعل ناممکن ہے (یعنی یہ بات محال ہے کہ سارے نمازی اس میں آ کر ایک ساتھ نماز پڑھ لیں)۔ اس لئے اس جنس کا ادنیٰ درجہ یعنی کے ایک کے نماز پڑھ لینے کو بھی کافی سمجھا جائے گا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لینا شرط ہے۔ کیونکہ غالباً مسجد اسی مقصد کے لئے بنائی جاتی ہے۔ کیونکہ تنہا نماز تو ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ اور مسجد کا حقیقی مقصد جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہے۔ اسی لئے دونوں اماموں (امام ابوحنیفہ و امام محمدؒ) کے نزدیک اس مسجد میں جماعت کا اذان و اقامت کے ساتھ ہونا شرط ہے۔ اور اگر اس میں مسجد کا کوئی موذن و امام مقرر کر دیا گیا اور اس نے اذان دے کر اقامت کی اور تنہا نماز پڑھ لی تب بھی وہ بالاتفاق مسجد ہو گئی۔ وقال ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وقف کرنے والے کا ایک مسجد بنا کر یہ اعلان کر دینا کہ میں نے اس کو مسجد بنا دیا کہتے ہی واقف کی اس پر سے ملکیت ختم ہو گئی۔ کیونکہ ان کے نزدیک سپرد کرنا شرط نہیں ہے اور بندہ کی ملکیت کو کسی چیز سے ختم کر دینا ہی وقف ہو جاتا ہے۔ اس لئے بندہ کا حق ساقط ہوتے ہی وہ مسجد خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے گی۔ اور یہ صورت اعتاق کی مثل ہو گئی۔ اس مسئلہ کو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

مسجد کے نیچے تہہ خانہ اوپر بالا خانہ، مسجد کا دروازہ بڑے راستہ پر نکالنے کا حکم

قَالَ وَ مَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ أَوْ فَوْقَهُ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَ الْمَسْجِدِ اِلَى الطَّرِيْقِ وَعَزَلَهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَهُ أَنْ يَّبِيْعَهُ وَاِنْ مَاتَ يُوْرَثُ عَنْهُ لِأَنَّهُ لَمْ يَخْلُصْ لِلّٰهِ تَعَالٰى لِبَقَاءِ حَقِّ الْعَبْدِ مُتَعَلِّقًا بِهِ وَلَوْ كَانَ السِّرْدَابُ لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ جَازَ كَمَا فِيْ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ اِذَا جَعَلَ السُّفْلَ مَسْجِدًا وَعَلٰى ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ وَذَالِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السُّفْلِ دُوْنَ الْعِلْوِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ عَلٰى عَكْسِ هٰذَا لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعَظَّمٌ وَاِذَا كَانَ فَوْقَهُ مَسْكَنٌ اَوْ مُسْتَغَلٌّ يَتَعَذَّرُ تَعْظِيْمُهُ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ حِيْنَ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَاٰى ضِيْقَ الْمَنَازِلِ فَكَاَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُوْرَةَ وَ عَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ حِيْنَ دَخَلَ الرَّيَّ اَجَازَ ذَالِكَ كُلَّهُ لِمَا قُلْنَا.

ترجمہ...... امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اپنے ایسے مکان کو مسجد بنایا جس کے نیچے تہہ خانہ یا اوپر بالا خانہ ہو اور اس مسجد کا دروازہ بڑے راستہ کی طرف نکالا۔ اور سب سے اپنی ملکیت ختم کر دی یعنی اسے اپنی ملکیت سے نکال دیا (تو ظاہر الروایہ میں وہ مسجد نہ ہو گی۔) لہٰذا اس شخص کو اس بات کا اختیار باقی رہے گا کہ چاہے تو اسے فروخت کر دے اور اگر اسی حال میں وہ مر گیا تو وہ جگہ ورثہ کے لئے میراث ہو گی۔ کیونکہ آخر وقت تک وہ خالص اللہ تعالیٰ کے نام کی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ بندہ کا حق باقی رہ گیا ہے۔ اور اگر وہ تہہ خانہ بھی اسی مسجد کی مصلحت کے واسطے ہو تو وہ وقف جائز ہوگا۔ جیسے بیت المقدس کی مسجد میں ہے۔ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب نیچے کے مکان کو مسجد بنا دیا اور اس کی چھت پر کسی کے رہائش کی جگہ ہو تو وہ مسجد ہو جائے گی۔ کیونکہ مسجد ایسی جگہ ہے جو ہمیشہ کے لئے ہو جاتی ہے اور یہ بات نچلے حصہ کے مکان میں پائی جائے گی۔ مگر بالا خانہ میں نہیں پائی جائے گی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے برعکس منقول ہے کیونکہ مسجد قابل تعظیم ہوتی ہے۔ اور جب اوپر کے حصہ میں رہائش گاہ ہوتی یا ایسا (مستغل، اس سے مراد یہ ہے کہ اس جگہ سے اس مسجد کی آمدنی کے لئے کسی صورت سے کرایہ وغیرہ وصول کیا جائے) مکان ہوا جس کا کرایہ اس مسجد میں خرچ کیا جائے تو اس کی تعظیم محال ہو گی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دونوں صورتوں (کہ اس کے نیچے تہہ خانہ یا اس کے اوپر بالا خانہ ہو

) میں اس وقت اس کو جائز رکھا جبکہ وہ بغداد تشریف لائے اور وہاں مکانوں کی تنگی دیکھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاید انہوں نے ضرورت کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت ہے کہ وہ جب رے شہر میں تشریف لائے تو ضرورت کا خیال کرتے ہوئے ان سب کو جائز کہا۔

گھر کے بیچ میں مسجد بنانے کا حکم

قَالَ وَكَذٰلِكَ اِنِ اتَّخَذَ وَسْطَ دَارِهٖ مَسْجِدًا وَاَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُوْلِ فِيْهِ يَعْنِىْ لَهٗ اَنْ يَّبِيْعَهٗ وَيُوْرَثُ عَنْهُ لِاَنَّ الْمَسْجِدَ مَا لَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ فِيْهِ حَقُّ الْمَنْعِ وَاِذَا كَانَ مِلْكُهٗ مُحِيْطًا بِجَوَانِبِهٖ كَانَ لَهٗ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا لِاَنَّهٗ اَبْقَى الطَّرِيْقَ لِنَفْسِهٖ فَلَمْ يَخْلُصْ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْرَثُ وَلَا يُوْهَبُ اِعْتَبَرَهٗ مَسْجِدًا وَهٰكَذَا عَنْ اَبِىْ يُوْسُفَ اَنَّهٗ يَصِيْرُ مَسْجِدًا لِاَنَّهٗ لَمَّا رَضِىَ بِكَوْنِهٖ مَسْجِدًا وَلَا يَصِيْرُ مَسْجِدًا اِلَّا بِالطَّرِيْقِ دَخَلَ فِيْهِ الطَّرِيْقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا كَمَا يَدْخُلُ فِى الْاِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ

ترجمہ..... اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں یہ بھی کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنے گھر اور احاطہ کے بیچ میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اس میں آمد و رفت کی اجازت بھی دے دی تو بھی وہ مسجد نہ ہوگی یعنی اسے اختیار ہوگا کہ اسے بیچ ڈالے۔ اسی طرح اس کے مرجانے سے وہ مسجد بھی ورثہ کی میراث ہوجائے گی۔ کیونکہ مسجد تو ایسی ہوتی ہے جس میں عبادت کرنے سے روکنے کا کسی کو حق نہ ہو۔ حالانکہ اس مسجد کے چاروں طرف مالک کی ملکیت باقی ہے اس لئے اسے لوگوں کو منع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس بناء پر وہ (شرعی) مسجد نہ ہوگی کیونکہ اس نے اپنے لئے راستہ باقی رکھا ہے۔ پس وہ خالص اللہ تعالیٰ کے نام کی مسجد نہ ہوئی۔ البتہ اگر اس حصہ کو اپنی ملکیت سے نکال کر عام سڑک تک اس کا راستہ نکال دے تب وہ (شرعی) مسجد ہوجائے گی۔

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ..... الخ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت ہے کہ وہ مسجد ہوجائے گی۔ اس لئے وہ فروخت نہیں ہوسکے گی اور نہ وہ میراث بن سکے گی۔ اور نہ وہ ہبہ ہوسکے گی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے کہ وہ مسجد ہوجائے گی کیونکہ مالک واقف اس کے مسجد ہونے پر راضی ہوگیا۔ حالانکہ بغیر راستہ کے کوئی مسجد نہیں ہوسکتی ہے اس لئے موجودہ راستہ بھی وقف میں داخل ہوگیا۔ اور راستہ کے اندازہ سے اس کی ملکیت سے مسجد کا اس راستہ پر حق ہوگیا جیسے کرایہ پر لینے کی صورت میں بغیر بیان کے بھی راستہ داخل ہوجاتا ہے۔

جس نے اپنی زمین کو مسجد بنادیا اس کے لئے رجوع کا حق نہیں، نہ بیچ سکتا ہے اور نہ وراثت جاری ہوگی

قَالَ وَمَنِ اتَّخَذَ اَرْضَهٗ مَسْجِدًا لَمْ يَكُنْ لَهٗ اَنْ يَّرْجِعَ فِيْهِ وَلَا يَبِيْعَهٗ وَلَا يُوْرَثُ عَنْهُ لِاَنَّهٗ يَحْرُزُ عَنْ حَقِّ الْعِبَادِ وَصَارَ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذَا لِاَنَّ الْاَشْيَاءَ كُلَّهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَاِذَا اَسْقَطَ الْعَبْدُ مَا ثَبَتَ مِنَ الْحَقِّ رَجَعَ اِلٰى اَصْلِهٖ فَانْقَطَعَ تَصَرُّفُهٗ عَنْهُ كَمَا فِى الْاِعْتَاقِ وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَ الْمَسْجِدِ وَاسْتُغْنِىَ عَنْهُ يَبْقٰى مَسْجِدًا عِنْدَ اَبِىْ يُوْسُفَ لِاَنَّهٗ اِسْقَاطٌ مِنْهُ فَلَا يَعُوْدُ اِلٰى مِلْكِهٖ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ عَادَ اِلٰى مِلْكِ الْبَانِىْ وَاِلٰى وَارِثِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ لِاَنَّهٗ عَيَّنَهٗ لِنَوْعِ قُرْبَةٍ وَقَدِ انْقَطَعَتْ فَصَارَ كَحَصِيْرِ الْمَسْجِدِ اَوْ حَشِيْشِهٖ اِذَا اسْتُغْنِىَ عَنْهُ اِلَّا اَنَّ اَبَا يُوْسُفَ يَقُوْلُ فِى الْحَصِيْرِ وَالْحَشِيْشِ اَنَّهٗ يُنْقَلُ اِلٰى مَسْجِدٍ اٰخَرَ

ترجمہ..... اور جس شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنائی تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کے مسجد ہونے سے رجوع کرلے۔ اور نہ وہ فروخت ہوسکے گی اور نہ اس کی میراث ہوسکتی ہے۔ (اس حکم میں تمام فقہائے حنفیہ کا اتفاق ہے) کیونکہ وہ مسجد حق العباد سے نکل کر خالص اللہ تعالیٰ کے نام کی ہوگئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ اور جب کسی بندہ نے اپنے اس حق کو جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا تھا ختم کردیا تو وہ چیز اپنی اصل کی طرف راجع ہوگئی۔ یعنی دوبارہ وہ باری تعالیٰ کی ملکیت میں آگئی۔ لہٰذا اس پر سے بندہ کا حق تصرف ختم ہوگیا۔ جیسے غلام کو آزاد کرنے (اعتاق) میں ہوتا ہے۔ اور اگر کسی مسجد کے آس پاس کا علاقہ ویران ہوگیا اور وہاں مسجد کی ضرورت باقی نہ رہی تو بھی

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ مسجد بھی رہیگی کیونکہ اس کی طرف سے اپنی ملک کا اسقاط ہے تو وہ واقف کی ملک کی طرف نہیں لوٹے گی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بنانے والے کی ملک میں لوٹ جائے گی یا اس کے مرجانے کی صورت میں اس کے وارث کی ملکیت میں آجائے گی۔ کیونکہ بنانے والے نے ایک خاص مقصد قربت (یعنی نماز کی ادائیگی) کے لئے وہ متعین کی تھی۔ اور اب وہ قربت ختم ہوگئی ہے تو حکم ایسا ہوگیا جیسے مسجد کی چٹائی گھاس وغیرہ جبکہ اس کی ضرورت ختم ہوگئی ہو کہ اس کا بھی یہی حکم ہوتا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ چٹائی اور گھاس وغیرہ بھی کسی دوسری مسجد ہی میں منتقل کردی جائے۔ لیکن مسجد کے بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ (یعنی کبھی بھی وہ اپنے مالک کی ملکیت میں دوبارہ واپس نہیں جائے گی) اور چٹائی وغیرہ کے بارے میں بھی یہی فتویٰ ہے کہ دوسری مسجد میں منتقل کردی جائے۔ لیکن قاضی خان نے اسے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کیا ہے جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے برعکس ہے اور اہل مسجد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ٹوٹی چٹائیاں کسی محتاج کو دے دیں یا انہیں فروخت کر کے دوسری چٹائیاں خریدیں جبکہ وہ بے کار ہوگئی ہوں۔ اور ان کا بچھانے والا یا اس کے کسی وارث کو یہ جائز نہیں ہے البتہ قاضی کے حکم سے جائز ہوگا۔ (محیط السرخسی)

اور اس میں بچھانے کی پیال (پرال، پواں، غلہ نکالے ہوئے دھان کا لانگ، دھان کا بھوس) اگر بے کار ہو جائے اور اس کی قیمت کچھ باقی نہ رہے تو اسے نکال کر باہر ڈال دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر جس کا جی چاہے اسے اٹھا کر اس سے نفع حاصل کرے۔ (الواقعات)

اور اگر اس کی کچھ قیمت ہو تو مسجد والوں کو چاہئے کہ قاضی سے اجازت لے کر اسے فروخت کردیں۔ یہی قول مختار ہے۔ (الجواہر)

سبیل، سرائے، چھاؤنی، مقبرہ بنانے کا حکم

قَالَ وَمَنْ بَنٰى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ أَوْ خَانًا يَسْكُنُهُ بَنُو السَّبِيْلِ أَوْ رِبَاطًا أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُهُ عَنْ ذَالِكَ حَتّٰى يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقَطِعْ عَنْ حَقِّ الْعَبْدِ أَلَا تَرٰى أَنَّ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ فَيَسْكُنَ فِي الْخَانِ وَيَنْزِلَ فِي الرِّبَاطِ وَيَشْرَبَ مِنَ السِّقَايَةِ وَيُدْفَنَ فِي الْمَقْبَرَةِ فَيُشْتَرَطُ حُكْمُ الْحَاكِمِ أَوِ الْإِضَافَةُ إِلٰى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ كَمَا فِي الْوَقْفِ عَلَى الْفُقَرَاءِ بِخِلَافِ الْمَسْجِدِ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ حَقُّ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ فَخَلَصَ لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ غَيْرِ حُكْمِ الْحَاكِمِ

ترجمہ..... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے مسلمانوں کے واسطے سقایہ (سبیل) یا سرائے (مسافر) خانہ بنایا یا سرحد پر رباط (چھاؤنی محافظین ملک کی رہائش گاہ) بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنادیا۔ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے بنانے والے کی ملکیت اس سے ختم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ کوئی حاکم اس کا حکم کردے۔ اس دلیل سے کہ ابھی تک بندہ کا حق اس سے ختم نہیں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود مالک کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ اس سرائے میں رہائش اختیار کرے۔ اور اس رباط (چھاؤنی) میں ٹھہرے۔ اور اس سبیل سے پانی پیئے۔ اور اس قبرستان میں اپنے آدمیوں کو دفن کرے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ حاکم حکم کردے یا وہ اپنی موت کے بعد کی طرف منسوب کردے جیسے فقیروں پر وقف کرنے کی صورت میں ہے۔ بخلاف مسجد کے کہ اس میں حاکم کے حکم کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ مسجد سے نفع اٹھانے کا حق اس کے لئے مخصوص نہ رہا۔ اس لئے وہ حاکم کے حکم کے بغیر بھی اس کی ملکیت سے نکل کر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہوگئی۔ (معلوم ہونا چاہئے مسجد کے وقف کا حکم دوسرے اوقاف کے حکم کے مخالف ہے۔ چنانچہ مسجد کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متولی کے سپرد کرنا مشروط نہیں ہے۔ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مشترک اور شائع ہونا بھی مانع نہیں ہے۔ اور مسجد وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی حاکم اس کا حکم نہ کرے۔ جیسا کہ درر وغیرہ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ (ردالمحتار) پس مسجد کے سوا دوسرے اوقاف میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بناء پر اپنی موت کے بعد اسے وقف کردینا یا حاکم کا حکم ہونا شرط ہے۔ تاکہ واقف کی ملکیت اس سے ختم ہوجائے۔

امام ابو یوسف کا نقطۂ نظر

وَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ يَزُوْلُ مِلْكُهُ بِالْقَوْلِ كَمَا هُوَ أَصْلُهُ إِذِ التَّسْلِيْمُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَالْوَقْفُ لَازِمٌ وَعِنْدَ

مُحَمَّدٍ إِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوا الْخَانَ وَ الرِّبَاطَ وَدَفَنُوا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ شَرْطٌ وَالشَّرْطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ وَذَالِكَ بِمَاذَكَرْنَا وَيُكْتَفَى بِالْوَاحِدِ لِتَعَذُّرِ فِعْلِ الْجِنْسِ كُلِّهِ وَعَلَى هٰذَا الْبِيْرُ الْمَوْقُوْفَةُ وَالْحَوْضُ وَ لَوْ سَلَّمَ إِلَى الْمُتَوَلِّي صَحَّ التَّسْلِيمُ فِي هٰذِهِ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا لِأَنَّهُ نَائِبٌ عَنِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ وَ فِعْلُ النَّائِبِ كَفِعْلِ الْمَنُوْبِ عَنْهُ وَاَمَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ قِيْلَ لَايَكُوْنُ تَسْلِيمًا لِأَنَّهُ لَاتَدْبِيْرَ لِلْمُتَوَلِّي فِيْهِ وَقِيْلَ يَكُوْنُ تَسْلِيمًا لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى مَنْ يَكْنُسُهُ وَيُغْلِقُ بَابَهُ فَإِذَاسَلَّمَ إِلَيْهِ صَحَّ التَّسْلِيمُ وَالْمَقْبَرَةُ فِي هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَسْجِدِ عَلَى مَاقِيْلَ لِأَنَّهُ لَامُتَوَلِّيَ لَهُ عُرْفًا وَقِيْلَ هِيَ بِمَنْزِلَةِ السِّقَايَةِ وَالْخَانِ فَيَصِحُّ التَّسْلِيمُ إِلَى الْمُتَوَلِّي لِأَنَّهُ لَوْنَصَبَ الْمُتَوَلِّي يَصِحُّ وَإِنْ كَانَ بِخِلَافِ الْعَادَةِ

ترجمہ...... اورامام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سقایہ وسرائے وغیرہ میں صرف کہنے سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ جیسا کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ اصل طے پائی ہے کیونکہ ان کے نزدیک متولی کے حوالہ کر دینا شرط نہیں ہے اس کے بغیر بھی وقف لازم ہو جاتا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب لوگوں نے سقایہ سے پانی پی لیا یا سرائے یا رباط میں ٹھہر گئے اور قبرستان میں مردے دفن کر دیئے تو وقف کرنے والے کی اس سے ملکیت ختم ہوگئی۔ کیونکہ ان کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا شرط ہے۔ اور ہر قسم کی چیز میں اسی کے مناسب سپرد کرنا شرط ہے۔ اور یہ بات موجودہ مسئلہ میں پائی گئی ہے۔ (یعنی سقایہ سے پانی پینا، سرائے اور چھاؤنی میں ٹھہرنا اور قبرستان میں دفن کرنا) پھر اس قسم کے کام کرنے میں صرف ایک شخص کا کر لینا ہی کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے کل جنس کا کرنا ناممکن ہے۔ یہی اختلاف کنویں اور حوض وغیرہ کے وقف کرنے میں بھی ہے۔ اور اگر واقف نے متولی کو سپرد کر دیا تو ان تمام صورتوں میں سپرد کرنا صحیح ہوگا۔ کیونکہ متولی ان لوگوں کی طرف سے نائب ہے جن کے نام وہ چیزیں وقف کی گئی ہیں۔ اس لئے اس نائب کا فعل تمام لوگوں کے فعل کے قائم مقام ہو جائے گا۔ (اور مبسوط میں مذکور ہے کہ ان تمام مسائل میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر فتویٰ ہے۔ اسی پر امت کا اجماع بھی ہے)۔ (المضمرات)

البتہ مسجد کے معاملہ میں بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جب تک اس میں نماز ادا نہ کر لی جائے صرف متولی کے حوالہ کر دینے سے سپردگی صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ متولی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ سپردگی صحیح ہے کیونکہ مسجد کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو اس میں جھاڑو دے۔ اور اس کا دروازہ بند کرے۔ اس لئے متولی کے حوالہ کر دینے سے سپردگی صحیح ہوگی۔ اور قبرستان کا حکم اس بارے میں مسجد کے حکم کے جیسا ہے جیسا کہ بعضوں کا کہنا ہے۔ کیونکہ عرف میں اس کا کوئی متولی نہیں ہوتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ قبرستان کا حکم سقایہ اور سرائے جیسا ہے۔ اس لئے متولی کو سپرد کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ اگر وہ کسی کو متولی مقرر کر لے تو اس کا تقرر صحیح ہوگا اگرچہ عادت کے خلاف ہوگا۔

مکہ مکرمہ میں گھر کو حجاج اور معتمرین کی رہائش کیلئے وقف کرنے کا حکم، غیر مکہ کے گھر کی رہائش مساکین، مجاہدین کیلئے وقف کرنے کا حکم اور اپنی زمین کے غلہ کو مجاہدین کیلئے وقف کرنے کا حکم

وَ لَوْ جَعَلَ دَارًالَهُ بِمَكَّةَ سُكْنَى لِحَاجِّ بَيْتِ اللهِ وَالْمُعْتَمِرِيْنَ اَوْجَعَلَ دَارَهُ فِي غَيْرِ مَكَّةَ سَكَنًا لِلْمَسَاكِيْنِ اَوْجَعَلَهَا فِي ثَغْرٍمِنَ الثُّغُوْرِ سُكْنَى لِلْغُزَاةِ وَالْمُرَابِطِيْنَ اَوْجَعَلَ غَلَّةَ اَرْضِهِ لِلْغُزَاةِ فِي سَبِيْلِ اللهِ تَعَالَى وَدَفَعَ ذَالِكَ اِلَى وَالٍ يَقُوْمُ عَلَيْهِ فَهُوَجَائِزٌ وَلَارُجُوْعَ فِيْهِ لِمَابَيَّنَّا اِلَّااَنَّ فِي الْغَلَّةِ يَحِلُّ لِلْفُقَرَاءِ دُوْنَ الْاَغْنِيَاءِ وَفِيْمَا سِوَاهُ مِنْ سُكْنَى الْخَانِ وَالْاِسْتِقَاءِ مِنَ الْبِيْرِوَالسِّقَايَةِ وَغَيْرِذَالِكَ يَسْتَوِي فِيْهِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيْرُ وَالْفَارِقُ هُوَالْعُرْفُ فِي الْفَصْلَيْنِ فَاِنَّ اَهْلَ الْعُرْفِ يُرِيْدُوْنَ بِذَالِكَ فِي الْغَلَّةِ الْفُقَرَاءَ وَفِي غَيْرِهَا التَّسْوِيَةَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ وَلِاَنَّ الْحَاجَةَ تَشْتَمِلُ الْغَنِيَّ وَالْفَقِيْرَفِي الشُّرْبِ وَ النُّزُوْلِ وَالْغَنِيُّ لَايَحْتَاجُ اِلَى صَرْفِ هٰذَا الْغَلَّةِ لِغِنَاهُ وَاللهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ..... اگر کسی نے اپنے ایک ایسے گھر کو جو مکہ میں ہو خانہ کعبہ کے حج وعمرہ کرنے والوں کی رہائش کے لئے وقف کیا یا اپنے ایسے گھر کو جو مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں ہو مسکینوں کے رہنے کے لئے وقف کیا یا ملک اسلام کی سرحد پر جو گھر ہے وہ نمازیوں یا چھاؤنی کے رہنے والوں کے لئے وقف کیا یا اپنی زمین کی پیداوار اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے وقف کی۔ اور یہ گھر یا زمین کسی متولی یا سرپرست کو سپرد کر دی تو یہ جائز ہے۔ پھر اس سے رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا۔ ان وجہوں کی بناء جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں (۔ جب بندہ نے اپنا حق ختم کر دیا تو وہ ہمیشہ کے لئے اپنی اصل یعنی الہٰی ملکیت میں لوٹ جائے گی) لیکن پیداوار کی صورت میں جو کچھ حاصل ہو وہ فقراء کے لئے جائز ہوگی اور مالداروں کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اور اس کے سوا دوسرے منافع مثلاً سرائے خانہ میں رہائش اور کنوئیں اور سقایہ سے پانی پینے وغیرہ تو ان کے استعمال میں غنی اور فقیر برابر ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں فرق کرنے والی بات عام عرف ہے۔ کیونکہ غلہ کی صورت میں وقف سے اہل عرف کی مراد محتاج لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ دوسرے منافع میں مالداروں اور محتاجوں سب کو برابر سمجھتے ہیں۔ اور اس دلیل سے کہ کنوئیں یا سقایہ سے پانی پینے میں یا مسافر خانہ اور رباط (چھاؤنی) میں ٹھہرنے کے معاملہ میں غنی وفقیر کی ضرورت شامل ہے۔ اور اس زمین کی پیداوار کے خرچ میں مالدار کو کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

چند مفید مسائل

۱۔ اگر مسجد میں کوئی درخت لگایا گیا تو وہ مسجد کے واسطے ہوگا۔

۲۔ اگر کسی نے کوئی درخت وقف کیا اس مقصد سے کہ اس کے پتوں یا پھلوں یا اس کی اصل سے فائدہ اٹھایا جائے تو وقف جائز ہوگا۔ پس اگر اس کے پھلوں یا پتوں سے ہی نفع حاصل کرنا ممکن ہو تو اسے کاٹا نہیں جائے گا۔ ورنہ اسے کاٹ کر صدقہ کر دیا جائے گا۔ (المضمرات)

۳۔ اگر مسجد میں مثلاً سیب کا درخت ہو تو صدر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے لوگوں کو روزہ افطار کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (الذخیرہ)

۴۔ ایک شخص نے لوگوں سے مسجد کی عمارت بنانے کے لئے مال جمع کیا پھر اس میں سے کچھ اپنی ضرورت میں خرچ کر دیا۔ پھر اس کے عوض اس میں ملا دیا تو اسے ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور وہ ان کا ضامن ہوگا۔ پھر بھی وبال دور ہونے کے لئے حاکم سے اجازت لے لے۔ اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے مثل مال مسجد میں خرچ کر دے اور اگر اس مال کے اصلی مالک سے ملاقات ہو جائے تو دوبارہ اس سے اجازت لینا نجات ہے۔ (الذخیرہ)

۵ اگر کسی عالم نے فقیروں کے لئے کچھ سوال کیا اور لوگوں نے جو کچھ دیا وہ سب ایک دوسرے میں مل گیا تو وہ عالم سب کا ضامن ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر دینے والوں نے زکوٰۃ کی نیت کی ہو تو ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اس سے بچنے کے لئے فقیروں کو چاہئے کہ اس کو وصول کرنے کی اجازت دے دیں تاکہ وہ فقیروں کا مال ملا کر رکھ سکے۔ (المحیط)

۶ اگر کوئی شخص نیک کام کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے فقیر کے لئے فقیر کی اجازت کے بغیر سوال کر کے جمع کیا تو یہ شخص امین ہوگا۔ پس اگر ایک کے مال کو دوسرے کے مال میں ملا دیا تو فقیر کو اپنے مال سے دینے والا ہوگا۔ اور لوگوں کے مال کا ضامن ہوگا۔ اور لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہوگی اس لئے چاہئے کہ فقیر اسے وصول کرنے کا وکیل بنا دے تاکہ وہ فقیر کا مال ملانے والا ہو جائے۔ (المضمرات)

۷ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنا مال راہ خیر میں صرف کرے تو اسے چاہئے کہ فقہ کے پڑھنے پڑھانے میں خرچ کرے۔ کیونکہ نوافل عبادات کے مقابلہ میں اس میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ اور تفسیر وحدیث کا بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کا نفع بہت دنوں تک رہنے والا ہے۔ (المضمرات)

۸) اگر ایک شخص نے مسجد میں کنواں کھود دیا اس طرح سے کہ لوگوں کو فائدہ ہو اور کسی کا نقصان نہ ہو تو جائز ہوگا۔

بحمد اللہ تم